



# بادون گاس پار

انسپیکٹر جمیل، انسپیکٹر کامران مرزا ٹیم، اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

اشتیاق احمد



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمود، فاروق، فرزانه، انسپکٹر جمشید  
آصف، آفتاب، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا  
اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

64 واں خاص نمبر

بادلوں کے اس پار

اشتیاق احمد

اٹلانٹس پبلکیشنز

Atlantis  
Publications

تفویج بھٹی، تربیت بھٹی

اٹلانٹس پبلکیشنز صحت مند، اخلاقی اور دلچسپ کہانوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت  
کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب خانے کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔

بادلوں کے اس پار

انسپکٹر جمشید سیریز 787 (64 واں خاص نمبر)

فاروق احمد

قیمت 960 روپے

ISBN 978-969-601-069-02

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اٹلانٹس پبلکیشنز کی پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کے کسی حصے کی نقل، کسی قسم  
کی ذخیرہ کاری جہاں سے اسے دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہو یا کسی بھی شکل میں اور کسی بھی  
ذریعے سے ترسیل نہیں کی جاسکتی۔ یہ کتاب اس شرط کے تحت فروخت کی گئی ہے کہ اس کو بغیر  
ناشر کی پیشگی اجازت کے، بطور تجارت یا بصورت دیگر مستعار دوبارہ فروخت نہیں کیا جائے گا۔  
ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی غلط و کتابت اور رابطے کیلئے متعدد ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

اٹلانٹس پبلکیشنز

A-36 ایسٹرن اسٹوڈیو B-16 سائٹ، کراچی  
0300-2472238, 32578273, 34268800  
ای میل: atlantis@cyber.net.pk  
www.inspectorjamshedseries.com



## دوباتیں

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

بادلوں کے اس پار کی موٹائی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں اپنے ماضی کی طرف چھلانگ لگا چکا ہوں، اگرچہ میرا ایسا ارادہ قطعی نہیں تھا۔

یہ ناول شروع کیا تو اس کا نام بھی ذہن تک میں نہیں تھا... یعنی یہ گمان بھی نہیں تھا کہ یہ ایک عدد خاص نمبر بن جائے گا اور وہ بھی آٹھ سو صفحات کا... کیا کیا جائے... ان خاص نمبروں میں بس یہی بات تو بری ہے کہ بات بے بات خاص نمبر بن جاتے ہیں اور میری ایک نہیں سنتے... بلکہ صورت حال یہ ہو جاتی ہے۔

”اندھے گائیں بہرے بجائیں“

جب میں نے محسوس کیا کہ یہ ناول خاص نمبر کا رخ اختیار کرتا جا رہا ہے تو میں نے فوراً فاروق احمد صاحب کو فون کیا... اور صورت حال انہیں بتائی... وہ سن کر کہنے لگے۔

”کوئی حرج نہیں... ناول اگر طویل ہو رہا ہے تو ہونے دیں...“

چار سو صفحات کا خاص نمبر چھاپ دیں گے۔“

ان کا جواب سن کر میں شروع ہو گیا... لیکن دس پندرہ دن



جہاں کا منصوبہ لکھا گیا تھا ... اور وہ ٹائپا تین ساڑھے تین سو صفحات کا تھا ... مطالبہ ہوا کہ اور بڑا خاص نمبر لکھیں ... ماسٹا کا زور لکھا گیا اور وہ اس سے بھی بڑا تھا ... پھر یہ مطالبہ ساتھ ساتھ چن رہا اور صفحات میں اضافے کے معاملے میں آپ کی چلتی رہی ... یہاں تک کہ آٹھ سو صفحات ... پھر ایک ہزار صفحات کے خاص نمبر بھی لکھے گئے ... سبیری چٹان نے البتہ تمام ریکارڈز توڑ ڈالے، وہ چودہ سو صفحات کا خاص نمبر بن گیا ... وہ دو حصوں میں شائع کیا گیا تھا ... اس کے بعد بھی شہادت کا یہ سفر جاری و ساری رہا ... دنیا کے اس پار، برف کے اس پار ... جیسے خاص نمبر لکھے گئے ... یہاں تک کہ دائرے کا سمندر ٹائپا 1600 صفحات کا بن گیا ... قارئین بہت خوش ہوئے ... لیکن اس کے بعد انہوں نے بہت زوردار مطالبہ داغ دیا کہ آئندہ خاص نمبر دو ہزار صفحات کا ہونا چاہیئے۔

اس زمانے میں ہر چھ ماہ بعد خاص نمبر شائع کیا جاتا تھا۔ دو ہزار صفحات کا مطالبہ سن کر میری سنی کم ہو گئی ... لیکن یہ مطالبہ حقیقت بنا اور اللہ کی مہربانی سے غار کا سمندر لکھا گیا۔

یہ اس وقت کی سب سے زیادہ ضخامت تھی ... میں نے اعلان کیا تھا کہ اب میں اس سے زیادہ ضخامت کا خاص نمبر نہیں لکھوں گا۔ پھر تو حالات بھی ایسے نہیں رہے ... قیمتیں بہت بڑھ گئیں اور قوت خرید بہت کم ہو گئی ... لہذا واپس دو سو صفحات والے ٹائپوں تک آگیا ... ان حالات میں اتفاق سے ایک بار پھر پراز کا سمندر طویل

... جس سے عرصی کر لیا کہ ٹائپ اس سے بھی قلم نہیں ہو رہا ہے ... ٹائپا ہر سو صفحات والا بھی نہیں بن رہا ہے ... بلکہ شاید چھ سو سو صفحات تک چلا جائے ... اب میں نے پھر انہیں فون کیا اور بتایا۔

انہوں نے فوراً جواب دیا۔  
"میرے کریں اور چلا جائے دیں اسے جہاں تک جاتا ہے۔"  
اب دیکھتے تھے کہ ٹائپ کا نام "ٹائپوں کے اس پار" تجویز ہو چکا تھا ... اب اب اس سے بات اس نام کے حوالے سے ہونے لگی تھی ... پھر ہر سو صفحات والا مدد بھی کر رہی اور ٹائپ آگے بڑھتا چلا گیا ... ایک بار پھر پندرہ دن بعد مجھے انہیں فون کرنا پڑا اور انہیں بتایا۔  
"مجھے افسوس ہے ... یہ تو چھ سو صفحات میں بھی پورا نہیں ہو

رہا۔"  
انہوں نے بھرپور کہا۔  
"کوئی حرج نہیں ... جہاں تک جاتا ہے ... جانے دیں۔"  
اب اس طرح آخر کار اس کی جان ایک ہزار صفحات پر ٹوٹی ...

اللہ کا شکر ہے مجھے یہ نہیں کہنا پڑا۔  
تست کی خوبی دیکھتے ٹوٹی کہاں کند  
"پار ہاتھ اب کہ لب پام رہ گئے"  
ایک زمانہ تھا جب میرے قارئین مجھ سے فرمائش کیا کرتے تھے۔ آپ ہر دو خاص نمبر لکھیں ... یعنی سب سے پہلا خاص نمبر



## ٹھک ٹھک

خاور ہاشمی کے دروازے کی کھنٹی بج اٹھی... ان کی بیٹی نے چونک کر اپنی ماں کی طرف دیکھا:

”امی! شاید مہمان آگئے۔“

”میں اندر جاتی ہوں... نادیہ! تم دروازے پر جا کر بات کرو... اگر یہ ہمارے مہمان ہی ہوں تو ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر آ جانا۔“

”جی اچھا امی! آپ فکر نہ کریں۔“

یہ کہہ کر نادیہ دروازے پر آگئی... اس نے دہی آواز میں کہا۔  
”کون؟“

”ارسلان لودھی... ماگی پور سے آیا ہوں... جاوید ہاشمی صاحب

کو میری آمد کی اطلاع ہے... کیا وہ گھر میں نہیں ہیں۔“

”یہ وقت اُن کے گھر میں ہونے کا نہیں... دفتر کا وقت ہے

ہو گیا... لیکن فاروق صاحب نے کوئی گھبراہٹ ظاہر نہ کی... وہ ناول شروع ہوا اور خوب ہنکا... اب تک فروخت ہو رہا ہے۔  
اب پہاڑ کے سمندر کے بعد بادلوں کے اس پار لکھا گیا ہے۔  
اللہ اپنا رحم فرمائے اور مجھے اس شغف کے چکر سے بچائے  
اور بس میں معمول کے ناول ہی لکھتا رہوں... لیکن حالات کا دھارا اگر  
مجھے بہا لے گیا اور بادلوں کے اس پار نے بھی کامیابی کا رخ اختیار  
کر لیا تو ہو سکتا ہے... کہ شغف کا طوفان ہمیں مستقل طور پر اپنی  
پیٹ میں لے لے... اور ہم سب اس کی پیٹ میں آئے بغیر نہ رہ  
سکیں... لیکن یہ پیٹ اڑدھائی پیٹ نہیں ہونی چاہیے... خیر و عافیت  
والی پیٹ ہونی چاہیے۔  
لیجئے! میں اس لفظ پیٹ کی پیٹ میں آگیا ہوں... ہے کوئی تک  
... بلکہ دھت تیرے کی۔

ان حالات میں آپ سے اجازت لے لینا ہی بہتر ہوگا...  
کیونکہ آپ بھی تو اتنی طویل دو باتیں دیکھ کر گھبرا گئے ہوں گے... میں  
کیوں آپ کو گھبراہٹ میں مبتلا کروں... آپ کو ناول شروع کرنے کے  
لئے آزاد کیوں نہ چھوڑ دوں... آپ بھی تو آخر ناول شروع کرنے کے  
لئے بے تاب ہوں گے... اب آپ کی بے تابی کا کیا امتحان لینا...  
جائیے بادلوں کے اس پار کی پیٹ میں چلے جائیے...  
اور درویش کی صدا کیا ہے۔

نتیجہ؟



... وہ شام چار بجے آئیں گے ... تاہم وہ آپ کے بارے میں  
ہدایات دے گئے ہیں ... لیکن آپ کو تو صبح سات بجے آنا تھا جب کہ  
اب نو بج رہے ہیں، اسی لیے تو آپ کا انتظار کر کے جا چکے ہیں۔“  
”اوہ! میری گاڑی لیٹ ہوگئی ... انہوں نے میرے بارے  
میں کچھ کہا نہیں جانے سے پہلے۔“  
”جی! میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتی ہوں ... آپ دروازہ  
کھلنے کے ایک منٹ بعد اندر آئیے گا۔“

”یہ کیوں؟“

”اس گھر کی عورتیں پردہ کرتی ہیں۔“

”اوہ اچھا! یہ تو اچھی بات ہے۔“

”شکریہ ... آپ ساتھ والے دروازے پر آجائیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ باہر سے کہا گیا۔

نادیہ دروازے سے ہٹ کر ڈرائنگ روم میں آئی ... اس نے  
دروازہ کھولا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی ... پھر بیرونی دروازے کی  
چنجی گراتے ہی وہاں سے فوراً ہلٹی اور اندرونی دروازہ عبور کرتے ہوئے  
اس کی چنجی لگا دی۔

”ہاں بیٹی ... مہمان کے لیے دروازہ کھول دیا؟“ اس نے اپنی

والدہ کی آواز سنی۔

”جی اتنی جان۔“

”میں مہمان کے لیے ناشتا تیار کر چکی ہوں ... یہ ٹرے دروازے  
کے پاس رکھ کر چنجی گرا دو اور ٹھک ٹھک کر دو ... مہمان ٹرے اٹھائے گا  
... پھر تم دروازے کی چنجی لگا دینا۔“

”جی اتنی جان! میں ایسا ہی کروں گی۔“ نادیہ کی آہستہ آواز  
سنائی دی۔

پھر اس نے اپنی والدہ کی ہدایات کے مطابق ٹرے رکھی اور  
دروازے کے پاس سے ہٹ گئی ... تھوڑی دیر بعد ہی انہوں نے  
جھانک کر دیکھا تو ٹرے وہاں نہیں تھی ... اس کا مطلب تھا، مہمان نے  
ٹرے اٹھالی تھی ...

دونوں اندرونی کمرے میں آکر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔  
تاہم ان کا ذہن مہمان میں اٹکا ہوا تھا ... اگر مہمان لودھی صاحب کی  
موجودگی میں آجاتا تو ان کے لیے کوئی الجھن نہیں تھی ... یا وہ پردہ دار  
خواتین نہ ہوتیں تب بھی وہ اس وقت الجھن محسوس نہ کرتیں ... لیکن ان  
حالات میں وہ شدید الجھن محسوس کر رہی تھیں ... آخر عظیم لودھی نے  
اپنی بیٹی سے کہا۔



”ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ تمہارے ابو کو بلا لیں ... وہ پھنسی لے

کر گھر آجائیں۔“

”یہ ٹھیک رہے گا ... میں ابھی فون کرتی ہوں۔“

یہ کہہ کر نادیہ نے چھوٹی میز پر رکھا موبائل اٹھا لیا ... ابھی اس نے بن دیا نہیں تھا کہ گھر میں ٹھک ٹھک کی آواز گونج اٹھی ... اس نے موبائل واپس میز پر رکھ دیا اور والدہ کی طرف دیکھا ...

”جاؤ بیٹی ... پہلے مہمان سے پوچھ لو ... کیا کہتے ہیں۔“

”جی اچھا۔“

نادیہ باہر آئی ... ڈرائنگ روم کے دروازے پر آکر اس نے

کہا۔

”جی فرمائیے۔“

”معاف کیجیے گا ... نمک چاہیے ... میں کھانے میں ذرا زیادہ

نمک کا عادی ہوں۔“

”جی اچھا! ابھی لائی۔“

اس نے باورچی خانے سے نمک اٹھایا اور پھر ڈرائنگ روم کے

دروازے پر آئی ...

”شیشی دروازے کے ساتھ رکھ دی ہے ... چٹنی گرا رہی ہوں

... آپ ہاتھ باہر نکال کر شیشی اٹھالیں۔“

”شکریہ! اندر سے کہا گیا۔“

نادیہ نے چٹنی گرائی اور قدر سے پیچھے ہٹ گئی ... فوراً ہی مہمان کا ہاتھ باہر نکلا اور ساتھ ہی دروازہ پورا کھل گیا ... اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا ... شیشی اٹھانے کے لیے پورا دروازہ کھولنے کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی ... پھر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا ... مہمان دروازہ عبور کر کے صحن میں آچکا تھا ... وہ بہت لمبا چوڑا اور طاقت ور انسان تھا ... اس کے چہرے پر ایک دوستانہ مسکراہٹ تھی ... وہ ساکت کھڑی رہ گئی ... اس کی پچھلی پچھلی آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا ... اس کی کیفیت بھانپ کر اس نے دبی آواز میں کہا:

”ڈرنے کی ضرورت نہیں ... میں تم لوگوں کو بالکل کوئی نقصان

نہیں پہنچاؤں گا ... ہاتھ تک نہیں لگاؤں گا۔“

”مجھے ... پھر؟“ بہت ہی مشکل سے اور پورا زور لگا کر اس

کے منہ سے نکلا۔

”اس کمرے میں چلو ... جس میں تمہاری والدہ ہیں ... منہ سے

آواز نہ نکالنا ... ورنہ۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا سیاہ رنگ



کا ہسپتال نظر آیا ... اب تو اس کا رنگ اڑ گیا ... حلق خشک ہو گیا ...  
مشینی انداز میں اس کا رخ کمرے کی طرف ہو گیا ... پھر وہ اس کے  
پیچھے ہی اندر داخل ہو گیا۔

”نہن ... نہیں۔“ مارے خوف کے بیگم لودھی کے منہ سے نکلا۔  
”محترمہ ... محترمہ ... ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں ... میں  
آپ دونوں کو بالکل کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔“  
”کک ... کیا تم ... ڈڈا کو ہو۔“ تھر تھر کا ہنپتی آواز میں بیگم

لودھی نے پوچھا۔

”ارے نہیں ... بالکل نہیں ... ایک چیز کی تلاش مجھے یہاں لے  
آئی ہے ... بس جوئی مجھے وہ چیز ملی ... میں یہاں سے چلا جاؤں گا  
اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھوں گا ... لہذا آپ اطمینان رکھیں ... آپ کو  
کچھ نہیں کہوں گا۔“

”اور وہ چیز کیا ہے ... جس کی تلاش میں تم ہو۔“

”یہ آپ کے جاننے کی بات نہیں ... بس مہربانی فرما کر آپ  
دونوں اپنے ہاتھ پاؤں بندھوا لیں۔“ اس نے بایاں ہاتھ جیب  
میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”کیا کہا ... بندھوا لیں ... یہ کیوں؟“ بیگم لودھی گھبرا گئیں۔

”تاکہ میں اپنا کام اطمینان سے کر سکوں۔“  
”اس کی ضرورت نہیں ... آپ کو سمجھ کرنا ہے، کر لیں ... ہم  
یہاں ایک طرف آرام سے بیٹھی رہیں گی ... کوئی حرکت نہیں کریں گی۔“  
”یہ نہیں ہو گا ... آپ کو اپنے ہاتھ پاؤں بندھوانے چاہیے  
... اور جلدی کریں ... میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے بایاں ہاتھ جیب سے باہر نکالا ... اس  
میں ریشم کی ڈوری کا ایک چھوٹا سا گولا تھا ... گویا وہ سارا انتظام پہلے  
ہی کر کے آیا تھا۔

”اچھی بات ہے۔“

بیگم لودھی نے اپنے ہاتھ آگے کر دیے ... دائیں ہاتھ میں ہسپتال  
رکھتے ہوئے اس نے بائیں ہاتھ سے ان کے بازو جکڑ دیے ... پھر دونوں  
ہاتھ باندھ دیے ... اس کے بعد یہی سلوک نادیر کے ساتھ کیا ... جب اتنا  
کام ہو گیا تو اس نے ہسپتال جیب میں رکھ لیا اور ان دونوں کو آپس میں  
بھی باندھ دیا، یعنی ان کے گرد ریشم کی ڈوری کس دی۔  
”اب تم دونوں یہاں آرام سے لیٹی رہو ... میں اطمینان سے  
اپنا کام شروع کرتا ہوں۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے میز پر سے ان کا موبائل اٹھاتے ہوئے



... لیکن انہوں نے بھی اب تک رابطہ نہیں کیا۔

”کیا خبر آئی ... انہوں نے فون کیا ہو ... لیکن موبائل تو اس نے آف کر دیا ہے۔“

”ہاں! میرا مطلب ہے ... دفتر پہنچے ہی انہوں نے فون نہیں کیا ... یہ بھی نہیں پوچھا کہ مہمان آگیا ہے یا نہیں۔“

”خیر ... صبر کریں ... صبر کے سوا ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔“

دونوں بے چارگی کے عالم میں پڑی رہیں ... اس طرح ایک گھنٹہ گزر گیا ... پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی ... اور مہمان اندر داخل ہوا ... اس نے موبائل میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے اپنا کام کر لیا ہے ... آپ کا موبائل میز پر رکھ دیا ہے ... آپ دونوں کو میری وجہ سے تکلیف اٹھانی پڑی ... میں معافی چاہتا ہوں ... اچھا میں چلا۔“

”ارے ارے ... ہمیں کھولتے تو جاکیں۔“

”اس طرح تو آپ میرے پیچھے پولیس لگا دیں گی۔“

”نہیں ... ہم ایسا کچھ نہیں کریں گے ... مہربانی فرما کر ہمیں

کھول دیں۔“

”نہیں ... میں رسی کسی قدر ڈھیلی کیے دیتا ہوں ... تاکہ آپ

اسے آف کیا اور جیب میں رکھ لیا ... ان پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔

”جانے سے پہلے یہ موبائل یہیں رکھ جاؤں گا ... فکر نہ کریں۔“

وہ کیا کہتیں ... غصے بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں اور وہ ان کے کمرے سے نکل گیا۔

”یہ کیا چکر ہے ... نادیہ بڑبڑائی۔

”میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا نادیہ۔“

”اب ہم کیا کریں ... پتا نہیں، یہ کیا کرنا چاہتا ہے ...“ نادیہ

نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”ہم کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے تو کچھ کریں گے نا۔“

بیگم لودھی نے جلتے جلتے انداز میں کہا۔

”لیکن اتنی جان! یہ تو اتنا جان کے دوست کا بھیجا ہوا مہمان ہے

... انہوں نے اتنا جان کو فون کیا تھا کہ میرے دوست کو آپ کے شہر

میں کچھ کام ہے ... وہ کس طرح غلط آدمی کو یہاں بھیج سکتے ہیں۔“

”بیٹی! میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں ... میری تو عقل

دنگ ہے ... نہ جانے کیا چکر ہے ... کہیں ہمارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ

ہونے والی ہو ... تمہارے اتنا جان کو پتا بھی ہے ... کہ مہمان کو آنا ہے



”اللہ کا شکر ہے ... آپ نے فون تو کیا ... آپ کا لبر بہت دیر سے بند تھا ... میں نے تو بار بار کوشش کی ہے۔“

”کیا مطلب ... میرے لہو کہاں ہیں۔“ نادیہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”گھبرانے کی ضرورت نہیں ... انہیں ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آگیا تھا ... یہ لیں آپ ان سے بات کر لیں۔“

دوسرے ہی لمحے نادیہ نے اپنے والد کی آواز سنی۔

”بٹی نادیہ ... تم نے موبائل بند کیوں کر رکھا تھا ... مہمان کی کیا خبر ہے۔“

”او! پہلے آپ اپنی سناںیں۔“

”معمولی چوٹ ہے ... فکر نہ کرو۔“

”آپ ہیں کون سے ہسپتال میں۔“

”رلجہ روڈ پر ... تم نے رلجہ ہسپتال تو دیکھا ہوا ہے ... دفتر کے

راستے میں بس وہیں ہوں۔“

”ہم آرہے ہیں۔“

”تم نے بتایا نہیں ... مہمان۔“

”وہیں آکر بتائیں گے لہو۔“

کوشش کر کے کچھ دیر بعد خود کو رسی سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو جائیں ... اور اس وقت تک میں بھی محفوظ مقام پر پہنچ جاؤں گا۔“

”چلیے ... یونہی سکی ... لیکن یہ تو بتاتے جائیں ... آپ یہاں کرنے کیا آئے تھے۔“

”ارے واہ ... یہ بتا دوں تو پھر ہاتھ کیا رہ جائے گا۔“ وہ ہنسا۔

پھر وہ باورچی خانے سے چاقو اٹھا لایا اور رسی کو ایک جگہ سے کاٹ دیا ... چاقو بھی وہیں گرا دیا اور جانے کے لیے مڑا۔

”خدا حافظ ... میں چلا۔“

وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں ... اس کے بعد انہوں نے ہلنا جلنا شروع کیا ... رسی چونکہ کٹ چکی تھی ... اس لیے اس کے بل آہستہ آہستہ کھلنے لگے ... اس کوشش میں آدھ گھنٹا لگ گیا ... تب کہیں جا کر وہ خود کو اس رسی سے نجات دلا سکیں ... پھر وہ فون کی طرف جھپٹیں ... نادیہ نے فوراً اپنے والد کا نمبر ڈائل کیا ... دوسری طرف سے ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

”جی فرمائیے۔“

”آپ کون ... میں نے تو اپنے لہو کو فون کیا ہے۔“ نادیہ نے

حیران ہو کر کہا۔

”میں سمجھا نہیں۔“ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

”میرا خیال ہے ... ہم آپ کو گھر چل کر بتائیں گے ... ڈاکٹر

صاحب کیا کہتے ہیں ... کیا انہوں نے آپ کو گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔“

”ہاں بالکل ... میں نے ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر صاحب

سے دفتر بھی فون کرا دیا تھا ... دفتر والوں نے کہا ہے کہ فکر نہ کریں ...

آپ کی رخصت لکھ دی گئی ہے ... دو چار دن آرام کریں ... پوری طرح ٹھیک ہو جائیں ... تو آجائے گا ... تم تو جانتی ہی ہو ... ہمارے

ادارے کے مالک ... فرحان حبیب کتنے مہربان آدمی ہیں۔“

”جی ہاں! اس میں تو خیر شک نہیں ... تو پھر چلیں۔“

”ہاں چلتے ہیں۔“

انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور گھر آگئے ... اب اطمینان سے بیٹھنے

کے بعد بیگم صاحبہ نے کہا۔

”آپ کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد مہمان آگئے ... نادیہ نے

ان کے لیے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا اور اندر آگئی ... پھر ہم

نے ناشتے کی ٹرے دروازے پر رکھ دی ... انہوں نے اٹھالی ... اس

طرح انہوں نے ناشتا شروع کیا ... ایسے میں مہمان نے ڈرائنگ روم

نادیہ نے موبائل بند کر دیا ... جلد ہی وہ ایک رکشے میں اس ہسپتال کا رخ کر رہی تھیں ... تھوڑی دیر بعد ہسپتال کے کمرے میں وہ خاور لودھی کے پاس بیٹھی تھیں اور لودھی صاحب کہہ رہے تھے۔

”موز سائیکل پر مزے سے دفتر کی طرف چلا جا رہا تھا کہ پیچھے سے آنے والی ایک کار کی سائیڈ لگ گئی ... میں گر پڑا ... کار والے نے خود ہی مجھے ہسپتال تک پہنچایا ... میں اس وقت تک بے ہوش ہو چکا تھا ... ہسپتال والوں نے ساری بات سن کر اسے جانے کی اجازت دے دی ... کیونکہ چوٹ معمولی تھی ... اور بس ... اسی لیے میں آپ کو فون نہ کر سکا ... خیر کوئی بات نہیں، اللہ نے بہتر ہی کیا ... اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ... ہاں! مہمان کے بارے میں بتائیں۔“

”مہمان آئے تھے ... اور چلے گئے ... لیکن اپنے پیچھے ایک پراسرار کہانی چھوڑ گئے۔“

”پراسرار کہانی ... کیا مطلب؟“

”بتائیں! ان حالات میں جب کہ آپ زخمی ہیں ... ہمارا اس بارے میں بتانا مناسب بھی ہے یا نہیں۔“ بیگم نے کہا۔

”کیا مطلب ... کیا کوئی پریشان کن بات ہو گئی۔“

”یہ بات کہی جاسکتی ہے۔“ بیگم نے کہا۔



ہم نے تو اور دوڑا دیا تھی۔"

"خیر... پہلے تو ہمیں پورے گھر کا جائزہ لینا چاہیے... دیکھنا

چاہیے... وہ کیا لے گیا ہے۔"

"جی ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" نادیا نے جلدی سے کہا۔

اب تینوں نے پورے گھر کو اچھی طرح دیکھا بھا... انہیں گھر

کی ہر چیز جگہ پر جوں کی توں ملی... کہیں کوئی چیز کم نہیں تھی... نقدی

اور زیورات بھی سب موجود تھے... یوں بھی نقدی اور زیورات تو اسی

کمرے میں تھے جس میں وہ انہیں باندھ کر ڈال گیا تھا اور اس کمرے

میں تو اس نے کچھ بھی نہیں کیا تھا...

"گھر کی تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں۔"

"تب پھر وہ کیا کرنے کے لیے آیا تھا۔"

"یہی تو دیکھنا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"آپ اپنے دوست سے کیوں نہیں پوچھتے... جنہوں نے آپ

کو اس کے لیے کہا تھا۔"

"اوہ ہاں! سب سے پہلے تو اس سے بات کرنی چاہیے۔"

اب انہوں نے اپنے اس دوست کو فون کیا... جس نے مہمان

کے بارے میں سفارش کی تھی... اس کا دوست قاضی کرمانی ایک

کے اندرونی دوازے پر ٹھک ٹھک کی... نادیا نے جا کر پوچھا تو اس

نے کہا... ٹھک چاہیے... نادیا نے ٹھک دانی دروازے پر رکھ دی اور

چنتی گرا کر کہا... ٹھک دانی اس طرف رکھی ہے... اٹھالیں... مہمان

نے دروازہ کھولا اور... بیگم یہاں تک کہہ کر رک گئیں۔

"اور مہمان نے شیشی اٹھالی... لیکن بیگم اس میں عجیب بات کیا

ہو گئی۔"

"اس میں عجیب بات یہ ہو گئی کہ شیشی اٹھانے کے ساتھ ہی وہ

دروازہ عبور کر کے صحن میں آ گیا۔" بیگم نے بتایا۔

"کیا!!!" مارے خوف کے خاور لودھی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"جی ہاں! پھر اس نے پستول نکال لیا۔"

"نن... نہیں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

پھر بیگم لودھی نے جلدی جلدی ساری تفصیل سنادی... ہر لمحے

خاور لودھی کے خوف میں اضافہ ہوتا چلا گیا... یہاں تک کہ بیگم نے

بات مکمل کر لی۔

"اس... اس کا مطلب ہے... وہ کوئی ڈاکو تھا۔"

"ہمیں معلوم نہیں... وہ کیا تھا... اور کیا نہیں تھا... ہمیں تو

جونہی آپ کے بارے میں پتا چلا تھا کہ آپ ہسپتال میں ہیں... بس

”ہاں! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں... نہ میں نے تمہیں فون کیا تھا... نہ کسی کو تمہاری طرف بطور مہمان بھیجے کی بات کی تھی۔“

”یہ غلط ہے... تم نے مجھے فون کیا تھا... اسکرین پر تمہارا نمبر آیا تھا... تمہارا نام آیا تھا... تم نے کہا تھا... میرا ایک دوست اس طرف آرہا ہے... وہ چند گھنٹے کے لیے تمہارے ہاں مہمان ٹھہرے گا... میں نے کہا تھا... ٹھیک ہے... بسم اللہ! اور پھر وہ مہمان میرے گھر آیا تھا۔“

”کیا!!!“

اس بار چلانے کی باری فاضل کرمانی کی تھی... اب تو ادھر ان کی اور ادھر فاضل کرمانی کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی حیرت سما گئی۔

☆☆☆☆☆

دوسرے شہر قائد آباد میں رہتا تھا... انہوں نے اس کا نمبر ملایا تو جلد ہی اس کی آواز سنائی دی۔

”کیا حال ہے یار لودھی۔“ دوسری طرف سے خوش گوار انداز میں کہا گیا۔

”فاضل کرمانی... یہ سب کیا ہے۔“

”کیا مطلب لودھی... کیا کہنا چاہتے ہو؟“ دوسری طرف سے حیران ہو کر کہا گیا۔

”تم نے یہ کیسے آدمی کی سفارش کی تھی... مجھے تم سے یہ امید

نہیں تھی۔“

”میں نے کیسے آدمی کی سفارش کی تھی... اور تمہیں مجھ سے یہ

امید نہیں تھی... میں سمجھا نہیں... تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”میں اس مہمان کی بات کر رہا ہوں... جن کے بارے میں تم

نے کہا تھا کہ وہ ادھر آرہے ہیں... چند گھنٹے تمہارے پاس ٹھہریں گے۔“

”مگر یار میں نے تمہیں کوئی فون وون نہیں کیا تھا... میری تو تم

سے کئی ماہ بعد بات ہو رہی ہے۔“

”کیا!!!“ خاور لودھی زور سے چلائے۔



لیکن آخر کیوں ... وہ آخر کیا کرنا چاہتا تھا ... تم کہہ چکے ہو ... کہ وہ تمہارے گھر آیا تھا ... اس نے کیا کیا ... تمہارے گھر میں کوئی واردات کی ہے۔“

”یہ اس معاملے کا دوسرا حیرت انگیز پہلو ہے۔“ خاور نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”دوسرا حیرت انگیز پہلو ... کیا مطلب؟“

”وہ آیا تھا ... میں اس وقت دفتر کی طرف روانہ ہو چکا تھا ...

وہ گھر میں آیا ... اس نے میری بیگم اور بیٹی کو رسی سے باندھ دیا۔“

”کیا!!!“ مارے خوف کے فاضل کرمانی کے منہ سے نکلا۔

”ہاں کرمانی ... باندھنے کے بعد وہ میرے گھر میں ایک گھنٹا

ٹھہرا رہا ... اور ایک گھنٹے تک وہ کیا کرتا رہا ... ہم یہ بات ابھی تک معلوم نہیں کر سکے۔“

”کیا!!!“ فاضل چیخا۔

”ہاں ... ہمیں نہیں معلوم ... اس نے گھر میں رہ کر کیا کیا ...

گھر کی کوئی چیز غائب نہیں ہے۔“

”لیکن وہ بلا وجہ تو ایک گھنٹے تک گھر میں نہیں رہا ہوگا ... اس

نے ضرور کوئی کارروائی کی ہوگی ... میری مانو ... فوراً پولیس کی مدد

## دوسرا پہلو

کچھ دیر تک دونوں طرف خاموشی طاری رہی ، پھر فاضل کرمانی

کی آواز سنائی دی ...

”میرے دوست خاور! یہ سچ ہے ... میں نے تمہیں کوئی فون نہیں

کیا تھا۔“

”تب ... تب پھر فون کس نے کیا ... اور کیا بھی تمہارے نمبر

سے ... یہ کیسے ممکن ہے۔“ خاور لودھی نے کہا۔

”یہ اس طرح ممکن ہے کہ میرا موبائل کسی نے اڑا لیا تھا ... میں

نے اسی روز نیا موبائل خریدا تھا اور اپنی نئی سم نکلاوائی تھی ... گویا جس

شخص نے موبائل اڑایا ... اسی نے فون کیا تھا ... اور شاید وہ آواز

بدلنے کا ماہر تھا ... یا پھر تم نے آواز کی طرف دھیان نہیں دیا ہوگا۔“

”یہ بات نہیں ... آواز بالکل تمہاری تھی۔“

”تب پھر اس شخص نے میری آواز میں تم سے بات کی تھی ...

کے عالم میں کہا۔

”تب پھر ... موٹر سائیکل کون لائے گا ... نہیں بیگم ... مجھے ہی جانا ہو گا ... لیکن آپ فکر نہ کریں ... میں اتنا بھی زخمی نہیں ہوں ... رکشے میں بیٹھ کر وہاں جاتا ہوں ... ان شاء اللہ جلد ہی موٹر سائیکل لے آؤں گا۔“

”اچھی بات ہے۔“

خاور لودھی نے گھر سے نکل کر ایک رکشہ پکڑا اور اس جگہ پہنچ گیا ... جہاں وہ کار کی نکر سے گرا تھا ... موٹر سائیکل اسے ایک دکان کے ساتھ کھڑی نظر آئی ... وہ سیدھا اس کی طرف چلا گیا۔

”بھائی صاحب! یہ موٹر سائیکل میری ہے ... ایک کار نے مجھے نکر دے ماری تھی ... میں زخمی ہو گیا تھا ... کار والا مجھے ہسپتال لے گیا تھا ... لہذا اب میں اپنی موٹر سائیکل لے جانے کے لیے آیا ہوں۔“

”ضرور کیوں نہیں ... آپ کی چیز ہے ... آپ نہیں لے جائیں گے تو اور کون لے جائے گا ... آس پاس کے سب لوگوں نے آپ کو دیکھا تھا ... میں نے بھی آپ کو دیکھا تھا ... آپ وہی ہیں۔“

”شکریہ! بہت بہت۔“

یہ کہہ کر وہ موٹر سائیکل کی طرف چلا گیا ... جلد ہی وہ گھر کی

حاصل کر د ... یہ ضرور کوئی چکر ہے“ فاضل کرمانی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”مجھے جیسے معمولی آدمی کے معاملے میں پولیس کہاں دلچسپی لے گی ... الٹا ہمیں پریشان کرے گی ... ہمارے لیے یہی بہت ہے کہ گھر کی تمام چیزیں موجود ہیں اور بس۔“

”لیکن ایک مدت تک ذہنوں میں یہ سوال گونجتا رہے گا ...“

نامعلوم شخص کون تھا ... کیا کرنے آیا تھا۔“

”گوخنے دو ... پولیس کی پریشانی سے یہ سوال بہتر ہے۔“

”اچھا جیسے تمہاری مرضی ...“ یہ کہتے ہوئے دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

خاور لودھی نے اپنی بیوی اور بیٹی کی طرف دیکھا۔

”اوہ میں بھول گیا۔“ یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا دیا۔

”آپ بھول گئے ... لیکن کیا۔“ نادیا نے حیران ہو کر کہا۔

”اپنی موٹر سائیکل ... وہ وہیں ہو گی ... کسی نے ایک طرف کھڑی کر دی ہو گی ... اور کسی دکان دار کو اس کا خیال رکھنے کے لیے کہہ دیا ہو گا ... لہذا مجھے جا کر موٹر سائیکل تو لانا ہو گی۔“

”لیکن ابھی آپ کی چوٹ تازہ ہے۔“ بیگم لودھی نے پریشانی



طرف اڑا جا رہا تھا... ایسے میں اس کی نظر ایک تہہ کیے کاغذ پر پڑی  
... کاغذ ہنڈل میں پھنسا گیا تھا۔

اس نے حیران ہو کر اس کاغذ کی طرف دیکھا... کاغذ اس نے  
وہاں نہیں لگایا تھا... پھر یہ کیسا کاغذ ہے... وہ سوچتا رہا... اور چلتا رہا  
... آخر گھر پہنچ گیا... موٹر سائیکل گھر کے اندر کھڑی کر کے اس نے  
وہ کاغذ نکالا اور اسے کھول ڈالا...

”اللہ کا شکر ہے... موٹر سائیکل مل گئی...“ بیگم لودھی کی آواز  
سنائی دی... وہ اسی طرف آرہی تھیں۔

”ہاں بیگم... اللہ کی مہربانی سے وہیں کھڑی تھی۔“

”یہ کاغذ کیسا ہے آپ کے ہاتھ میں۔“

”موٹر سائیکل میں لگا گیا کوئی... ابھی دیکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے کاغذ کی تہیں کھول ڈالی تھیں... انہوں نے  
دیکھا... وہ ایک خط تھا... خاور لودھی کے نام... خط میں لکھا گیا تھا۔

”مسٹر خاور لودھی۔“

اس معاملے میں خاموشی اختیار کر لو... اسی میں تمہاری بھلائی  
ہے... اس سلسلے میں اگر تم نے کرید کی... کسی سے اس واقعے کا ذکر  
کیا تو تمہارے ہاتھ تو کچھ نہیں آئے گا، البتہ بہت بڑے نقصان میں

ضرور رہو گے... یہ بھی ہو سکتا ہے، مگر کے ایک آدمی فرد سے ہاتھ دھو  
بیٹھو۔“

”نہن... نہیں۔“ مارے خوف کے بیگم اور نادیدہ کے منہ سے  
نکلا... وہ گلیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے۔  
”اب... اب... اب کیا ہو گا۔“

”بس کچھ نہیں ہو گا... ہم اس خط پر عمل کریں گے... دیکھیں

بیگم... ہم غریب لوگ ہیں... اور یہ معاملہ ہے بہت عجیب و غریب...

اب میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جو کار مجھ سے نکرائی... وہ  
بھی اس منصوبے میں شامل تھی... یعنی کار کا نکرا کر مجھے ہسپتال پہنچانا...

تاکہ میں گھر نہ پہنچ سکوں... ورنہ اگر میں دفتر ہوتا اور خیریت معلوم

کرنے کے لیے آپ کو فون کرتا تو موبائل بند پا کر میں گھر کی طرف

دوڑ پڑتا... اور اس طرح اس شخص کے کام میں خلل پڑ سکتا تھا... اس

لیے انہوں نے سوچا، مجھے زخمی کر کے خود ہی ہسپتال پہنچا دیں۔“

”اوہ... آپ کی بات دل کو لگتی ہے تو۔“

”سوال یہ ہے کہ آپ کے دوست فاضل کرمانی نے اس شخص کی

سفارش کیوں کی۔“

”جہاں تک میرا خیال ہے... اسے کسی چیز کی تلاش تھی... کس

... تمام چیزیں جوں کی توں موجود تھیں ... لہذا یہ زبردست کو بھی نہیں چھیڑا گیا تھا ... گھر والوں کو بعد میں گھر سے ایک خط ضرور ملا ... پہلے اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں کیا تھا لیکن جب اس خط کو پڑھا گیا، تو اس میں لکھا ہوا تھا ... اس واقعے کا ذکر کسی سے بھی نہ کرنا، ورنہ اچھا نہیں ہوگا ... لیکن چونکہ خط بعد میں ملا تھا ... اس لیے خبر باہر پھیل چکی تھی ... اس نکتے میں ایک اخباری نامہ نگار رہتا ہے ... اسے واقعہ معلوم ہوا تو اس نے فوراً خبر اخبار میں لگا دی ... لوگ اب تک حیران ہیں کہ آخر یہ واردات کیوں کی گئی ... اس کا مقصد کیا تھا ...

خبر پڑھ کر خاور لودھی نے حیرت سے چکیں جھپکائیں ... پھر اس نے اپنی بیگم اور بیٹی سے کہا۔  
"ذرا یہ خبر پڑھیں۔"

"کوئی خاص خبر ہے؟" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"ہاں! بہت خاص۔" اس نے کھوٹے کھوٹے انداز میں کہا۔

دونوں خبر پر جھک گئیں ... جوں جوں خبر پڑھتی جا رہی تھیں، ان کی آنکھیں مارے حیرت اور خوف کے پھلکتی جا رہی تھیں ... آخر خبر ختم کر کے بیگم لودھی نے کہا۔

چڑ کی تلاش تھی ... یہ ہم نہیں جانتے ... اسے وہ چیز مل گئی یا نہیں ... اس بارے میں بھی ہم کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

"ہوں ... خیر چھوڑیں ... الجھن رہتی ہے تو رہے ... اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" بیگم لودھی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"چلیں بیگم ... کھانا لگائیں ... بہت بھوک محسوس ہو رہی ہے۔"

دوسرے دن دفتر جانے سے پہلے خاور لودھی اخبار دیکھ رہا تھا کہ ایک خبر نے اسے بری طرح چونکا دیا ... اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے ... خبر یہ تھی:

شہر میں ایک انوکھی واردات

شہر کے ایک شخص جواد احسن کے گھر میں ایک شخص مہمان ٹھہرا اس نے رات کے وقت گھر کے افراد کو رسیوں سے باندھ دیا اور خود اپنے کسی کام میں مصروف ہو گیا ... پھر وہ گھر سے چلا گیا ... صبح ملازمہ کام کرنے کے لیے آئی تو گھر کا دروازہ کھولا ہوا تھا ... اندر داخل ہونے پر اس نے گھر کے افراد کو رسیوں سے باندھا پایا ... اس نے ان سب کو کھولا ... گھر کے افراد نے سارے گھر کی تلاشی لی ... لیکن کوئی چیز نہیں چرائی گئی تھی



”میرا خیال ہے ... یہ ایک ہی گروہ کا کام ہے ... اور وہ کسی خاص چیز کی تلاش میں ہے ... اور میرا یہ بھی خیال ہے ... ہو سکتا ہے ... وہ ہمارے گھر سے وہ چیز لے اڑا ہو ... لیکن ہمیں معلوم نہ ہو کہ وہ کیا چیز ہے ... مہربانی کر کے آپ اپنی چیزوں کا ایک بار پھر جائزہ لے لیں ... ہم اپنی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

وہ ایک بار پھر چیزوں کو دیکھنے لگے ... ایک ایک کر کے انہوں نے ہر چیز کو دیکھ ڈالا، لیکن ... کوئی ایسی چیز یاد نہ آسکی ... جس کے بارے میں کہا جاسکتا کہ وہ غائب ہے ... تھک ہار کر خاور لودھی نے کہا۔

”نہیں ... میری کوئی چیز غائب نہیں۔“

”میں ایک ترکیب بتا سکتی ہوں ... اس طرح شاید ہم جان لیں کہ کیا چیز غائب ہے۔“

”اور وہ کیا۔“

”انسپکٹر جمشید کے بچے۔“

”کیا کہا ... انسپکٹر جمشید کے بچے؟“ مارے حیرت کے خاور لودھی اور ان کی بیگم کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! انسپکٹر جمشید کے بچے ... اگر ہم خفیہ طور پر انہیں یہاں بلا لیں تو وہ بہت جلد یہ بات معلوم کر لیں گے کہ کیا چیز چھائی گئی ہے۔“

”لیکن بھلا ہم انہیں کیسے بلا سکتے ہیں ... اور وہ کیوں آنے لگے ... کوئی وہ اتنے فارغ ہیں کہ ادھر ہم انہیں فون کریں اور ادھر وہ آجائیں۔“

”وہ بالکل آئیں گے۔“ نادیا نے پُر یقین انداز میں کہا۔

”اور تم یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو۔“

”میں ان کے بارے میں اخبار میں پڑھتی رہتی ہوں ... وہ اس قسم کے کاموں کے ماہر ہیں ... غریبوں کے ہمدرد ہیں ... کوئی غریب سے غریب آدمی بھی انہیں مدد کے لیے پکارے تو وہ اس کی مدد کو دوڑ پڑتے ہیں۔“

”لیکن نادیا ... اس کا معلوم شخص نے ہمیں دھمکی دے رکھی ہے۔“

”اب یہ بات راز نہیں رہی ... دوسری جگہ کی واردات نے یہ بات ظاہر کر دی ہے ... لہذا ہمارے چھپانے سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہو گا ... دوسرے یہ کہ ہم انہیں خفیہ طور پر بلائیں گے ... پہلے ہی ساری بات سمجھا دیں گے۔“

## جال

نادیہ نے فوراً کہا۔

”ولیکم السلام! میرا نام نادیہ ہے ... نادیہ لودھی ... آپ انسپٹر

جمشید کے گھر سے بات کر رہے ہیں۔“

”جی ہاں! محمود بات کر رہا ہوں ... فرمائیے۔“

”وہ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے ساتھ ایک عجیب و غریب

معاملہ پیش آیا ہے ... ہمیں کچھ بجھائی نہیں دے رہا کہ ہم کیا کریں ...

سوچ سوچ کر آپ لوگوں کا خیال ذہن میں آیا ہے ... کیا آپ ہماری

مدد کریں گے ... یہ میں پہلے ہی بتا دوں کہ ہم لوگ بہت غریب ہیں۔“

”ہم دوسروں کی مدد اس بنیاد پر نہیں کرتے کہ وہ غریب ہے یا

امیر ... آپ بات بتائیں ... اگر معاملہ ایسا ہو کہ ہمیں اس کو پنے ہاتھ

میں لینا چاہیے تو ضرور ایسا کریں گے، ورنہ آپ کو کوئی مفید مشورہ تو

دے ہی سکیں گے۔“

”اور فون نمبر کیسے حاصل کریں؟“ خاور لودھی نے کہا۔

”میرے پاس ان کے گھر کا نمبر ہے ... ایک بار اخبار کی خبر

میں نمبر شائع ہوا تھا ... میں نے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا تھا۔“

”اچھی بات ہے ... پھر تم خود ہی فون کرو۔“ خاور نے کہا۔

”آپ فکر نہ کریں ... میں انسپٹر جمشید صاحب سے تو بات

کروں گی بھی نہیں ... ان کے بچوں سے بات کروں گی ... اگر انہوں

نے مناسب جانا تو اپنے والد سے بات کریں گے ... ورنہ ہمیں کوئی

نقصان نہیں ہوگا ان شاء اللہ۔“

”ٹھیک ہے ... نادیہ ... تم فون کرو۔“ بیگم لودھی نے فوراً

کہا۔

اور پھر نادیہ نے نمبر ملا ڈالے ... دوسری طرف گھنٹی بجتی سنائی

دی ... پھر ریسپور اٹھا کر کہا گیا۔

”السلام علیکم ... فرمائیے۔“

☆☆☆☆☆



”بہت بہت شکریہ! آپ نے میری الجھن رفع کر دی... اب میں پرسکون ہو کر اپنی بات بتا سکوں گی۔“  
”بالکل ٹھیک... بات بتائیں۔“

نادیہ نے شروع سے لے کر آخر تک ساری بات بتا دی... آخر میں اس نے یہ بھی کہا...

”لیکن آپ لوگ اگر ہمارے گھر آئیں تو خفیہ طور پر آئیں... کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مصیبت میں پھنس جائیں... اور یہ بھی بتا دوں... شہر میں بالکل ایسی ہی ایک اور واردات بھی ہو چکی ہے۔“

”اوہو اچھا... وہ کہاں... اور آپ کو کیسے معلوم ہوئی یہ

بات۔“

”آپ آج کے روزنامہ امن میں دیکھ لیں... اس کے پہلے صفحے پر خبر موجود ہے۔“

”ٹھیک ہے... ہم پہلے وہ خبر ہی پڑھ کر دیکھ لیتے ہیں... پھر آپ کو فون پر بتائیں گے کہ اب ہم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں... کچھ کرنے کا ارادہ ہے بھی یا نہیں۔“

”بہت بہت شکریہ! ہم انتظار کر رہے ہیں۔“

”اچھی بات ہے... دیے احتیاطاً آپ دروازے اندر سے بند

کر لیں... اور کسی کے لیے بھی دروازہ نہ کھولیں... ہم آئیں تو صرف ہمارے لیے دروازہ کھولیں... آپ ہمیں پہچانتی ہیں؟“  
”اخبارات میں آپ کی تصاویر دیکھتی رہتی ہوں۔“  
”بس ٹھیک ہے... میں چند منٹ بعد فون کروں گا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا... ساری بات خاتمہ ہو چکی اور ان کی بیگم سن ہی چکی تھی... لہذا اب ان کے پاس انتظار کرنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا... آخر پانچ منٹ بعد موبائل کی گھنٹی بجی... نادیہ نے دیکھا، نمبر انسپکٹر جمشید ہی کا تھا... اس نے فوراً موبائل آن کیا۔

”نادیہ بات کر رہی ہوں۔“

”ہم نے خبر پڑھ لی ہے... معاملہ پراسرار ہے... ہم آپ کے ہاں آرہے ہیں... جب ہم دستک دیں تو پہلے آپ کسی جبری سے یا چھت پر جا کر ہمیں دیکھ لیں... ہم دونوں بھائی اپنی بہن کے ساتھ نظر آئیں تو دروازہ کھولیں... ورنہ ہرگز نہ کھولیں۔“

”جی اچھا! لیکن آپ ذرا جلدی آنے کی کوشش کریں... کیونکہ

ہم بہت خوف محسوس کر رہے ہیں۔“

”اللہ کو یاد کریں... وہی حفاظت کرنے والا ہے۔“

”السلام علیکم۔“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

”وعلیکم السلام! شکریہ بچہ... آپ نے ہمارے لیے رحمت کی۔“

خاور لودھی اور اس کی بیگم کی آوازیں ابھریں۔

”یہ تو ہمارا فرض ہے... اب آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت

نہیں، اگر ہم نے محسوس کیا کہ آپ لوگوں کو یہاں خطرہ ہے... تو ہم

آپ کو کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیں گے۔“

”لل... لیکن مجھے تو دفتر جانا ہوتا ہے... پرائیویٹ ادارہ ہے

... بھلا وہ مجھے کتنے دن کی چھٹی دے دیں گے۔“

”آپ فکر نہ کریں... یہ کام ایک آدھ دن کا ہے... ہم مجرم کو

گرفتار کر لیں گے اور یہ بھی معلوم کر لیں گے کہ یہ چکر کیا ہے... اب

ذرا ہم تفصیل جاننا چاہتے ہیں... اگرچہ نادیہ بہن فون پر ہمیں بتا چکی

ہیں... لیکن ایک بار اور بتا دیں۔“

”اچھی بات ہے... آپ لوگ بیٹھ جائیں۔“ خاور لودھی نے

کہا۔

اب وہ کمرے میں موجود کرسیوں پر بیٹھ گئے... نادیہ نے پھر

ساری تفصیل سنائی۔

”ہوں... وہ کاغذ کہاں ہے... جس پر پیغام لکھا ملا ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“

فون بند کر دیا گیا... بیس منٹ بعد ان کے دروازے پر دستک

ہوئی... تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”جاؤ بیٹی! پہلے چھت پر سے دیکھ آؤ۔“ خاور لودھی نے فکر مندانہ

انداز میں کہا۔

”جی ٹھیک ہے۔“

وہ فوراً اوپر گئی اور نیچے آگئی۔

”او... یہ وہی ہیں۔“

”ٹھیک ہے... بسم اللہ پڑھ کر دروازہ کھول دو۔“ اس کی

والدہ نے کہا۔

اور پھر نادیہ نے دروازہ کھول دیا... تینوں اندر آگئے... انہوں

نے فوراً ہی دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

”السلام علیکم۔“ تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

”وعلیکم السلام۔“

”تو آپ نادیہ ہیں۔“

”جی... او آئی اندر ہیں... آئیے۔“

وہ انہیں اندر وئی کمرے میں لے آئی۔



... ہم سارے گھر کا جائزہ لے کر واپس بیٹھیں آئیں گے۔  
 ”اچھی بات ہے۔“

اب انہوں نے پورے گھر کا جائزہ لیا... لیکن کوئی ایسی چیز  
 نظر نہ آئی جس سے وہ کوئی نتیجہ نکال سکتے۔ آخر تھک کر واپس اس  
 کمرے میں آئے۔

”ہم کوئی خاص چیز تلاش نہیں کر سکے... اصل میں اس چیز کے  
 بارے میں تو آپ ہی ہمیں بتا سکتے ہیں۔“ محمود نے کہا۔  
 ”جی... کس چیز کے بارے میں۔“

”جو چیز وہ لے گیا ہے۔“

”کیا مطلب... کیا یہ ضروری ہے کہ وہ کوئی چیز لے گیا  
 ہے۔“

”ضروری نہیں... امکان اسی بات کا ہے... آپ ایک بار پھر  
 اپنی اپنی چیزوں کا جائزہ لیں... خوب غور کریں... ہم ذرا ہسپتال جا  
 رہے ہیں... وہاں سے ہم اس کا روالے کا نام پتا معلوم کریں گے  
 ... اس سے ضرور اس شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے گا... جو  
 یہاں آیا تھا... کیونکہ وہ دونوں ساتھی لگتے ہیں... اب رہا آپ کے  
 خوف کا معاملہ... فی الحال ہم یہاں ایک سادہ لباس والے شخص کی

خاور لودھی نے کاغذ انہیں دے دیا... تینوں نے اس تحریر کو  
 سے دیکھا... انہوں نے اس کاغذ کو سونگھا بھی... یہ دیکھ کر گھر  
 تینوں افراد کو بہت حیرت ہوئی۔

”یہ کیا... آپ اس کاغذ کو سونگھ رہے ہیں۔“

”ہاں! اس سے خوشبو آرہی ہے، جس شخص نے یہ تحریر لکھی  
 اس نے خوشبو لگا رکھی تھی۔“

”اوہ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”اور یہ خوشبو کوئی عام خوشبو نہیں... خاص قسم کی ہے... اس کا  
 مطلب ہے... وہ شخص خوشبو کا بہت شوقین ہے... عام خوشبو لگانا پسند  
 نہیں کرتا... اس کا یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ وہ کافی دولت مند ہے...  
 خیر یہ کاغذ ہم رکھ رہے ہیں... ہمارے کام آئے گا... کیا آپ اندازہ  
 لگا پائے ہیں کہ آپ لوگوں کو باندھ کر وہ کس کمرے میں گیا تھا“

”جی نہیں... بعد میں ہم نے تینوں کمرے دیکھے تھے... کسی  
 کمرے میں کوئی چیز ادھر سے ادھر نظر نہیں آئی تھی... مطلب یہ کہ ہر  
 چیز اپنی جگہ پر تھی... لہذا ہم کیسے جان سکتے تھے کہ اس نے ایک گھنٹہ  
 کس کمرے میں گزارا... یا اس نے کیا کیا۔“

”ہوں... خیر... ہم دیکھ لیں گے... آپ لوگ یہیں بیٹھیں

ڈیوٹی لگوا دیتے ہیں ... وہ آپ کے گھر کے بالکل نزدیک رہ کر گمرانی کرے گا ... کوئی اس طرف آیا تو فوراً ہمیں فون کرے گا ... اور خود بھی آپ کی حفاظت کے سلسلے میں حرکت میں آئے گا ... وہ عام پولیس والا نہیں ہوگا ... خفیہ پولیس کا آدمی ہوگا۔“

”اچھی بات ہے ... آپ کا شکریہ۔“

محمود نے اکرام کے نمبر ملائے ... صورت حال اسے بتائی ... خاور لودھی کے گھر کا پتا نوٹ کرایا اور پھر کہا۔

”یہاں ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دیں ... ہم ابھی یہیں ہیں ... جب آپ کا آدمی آجائے گا ... تب جائیں گے ... کیونکہ یہ لوگ خوف محسوس کر رہے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ اکرام نے فوراً کہا۔

جلد ہی اس کا بھیجا ہوا آدمی وہاں پہنچ گیا ... انہوں نے خود بھی ہدایات دیں ... اور گھر کے افراد کو بے فکر رہنے کا کہتے ہوئے باہر آگئے ... اب وہ ہسپتال پہنچے ... خاور لودھی سے انہوں نے وارڈ نمبر معلوم کر لیا تھا ... اس وارڈ کی نرس کا حلیہ بھی وہ پوچھ چکے تھے، لہذا نرس تک پہنچنے میں انہیں کوئی دقت نہ ہوئی ... اپنا تعارف کرانے کے بعد محمود نے کہا۔

”تین چار گھنٹے پہلے ایک زخمی کو ایک کار والا لے کر آیا تھا ... زخمی کا نام خاور لودھی ہے ... آپ نے اس کار والے کا نام پتا تو ضرور نوٹ کیا ہوگا۔“

”بالکل! یہ تو ہماری ڈیوٹی ہے ... نام پتا لکھے بغیر ہم یہاں سے کسی کو نہیں جانے دیتے۔“

”شکریہ! آپ ہمیں ان کا نام پتا اور فون نمبر دے دیں۔“

پتا وغیرہ لے کر وہ اس کے گھر کی طرف روانہ ہوئے ... گل ناز کالونی تلاش کرنے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوئی ... دستک کے جواب میں ایک ملازم باہر نکلا ...

”فیروز خان ہیں۔“

”فیروز خان ... یہاں تو کوئی فیروز خان نہیں رہتے۔“

”کیا کہا ... یہاں کوئی فیروز خان نہیں رہتے ... یہ گل ناز کالونی ہے نا ... اور اس کوٹھی کا نمبر 9 ہے۔“

”جی بالکل ہے ... لیکن یہاں فیروز خان نامی شخص نہیں رہتا۔“

”اوہ۔“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”آپ ایک منٹ یہیں ٹھہریں ... ہم ذرا فون پر پھر سے پوچھتے ہیں۔“



وہ آتے ہوئے اس نرس کا نمبر لے آئے تھے ... انہوں نے اس کا نمبر ملایا ... اس کی آواز سن کر انہوں نے اسے بتایا کہ تھوڑی پہلے ہی وہ کار والے شخص کا نام پتا لکھ کر لائے تھے ... لیکن اس پر اس نام کا شخص نہیں رہتا ...

”اوہو اچھا ... یہ تو عجیب بات ہو گئی۔“

”کیا آپ نے اس کا شناختی کارڈ نمبر لکھا تھا۔“

”جی ہاں لکھا تھا۔“

”ٹھیک ہے ... آپ ہمیں وہ نمبر لکھو ادیں ... کیونکہ لگتا ہے

... اس نے پتا غلط لکھوایا تھا۔“

”جی لکھ لیں۔“

پھر نوٹ کر کے انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور سلسلہ کار

دیا ... اب انہوں نے اکرام کا نمبر ملایا۔

”اٹکل ... ایک شناختی کارڈ نمبر نوٹ کر لیں ... اس شخص کے

بارے میں فوری طور پر معلومات درکار ہیں۔“

”ٹھیک ہے ... نمبر بتاؤ۔“

محمود نے نمبر بتا دیا ... ملازم کا شکریہ ادا کیا اور اپنی کارڈ

آپنیٹھے ... جلد ہی اکرام کا فون موصول ہوا، وہ کہہ رہا تھا:

”یہ شناختی کارڈ نمبر جعلی ثابت ہوا ہے۔“

”کیا!!!“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اور ان کی آنکھیں پھیل گئیں ... معاملہ ہر لمحے پراسرار سے

پراسرار ہوتا چلا جا رہا تھا ...

☆☆☆☆☆

سمجھ کر اٹھا رہے ہیں ... تاکہ محفوظ بھی رہیں اور اپنا کام بھی کر گزریں ... "فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"چلو یہ تو ٹھیک ہے ... سوال پھر وہی سامنے آکھڑا ہوتا ہے ... یہ لوگ چاہتے کیا ہیں ... خاور لودھی کے گھر میں ایک گھنٹے تک وہ کیا کرتے رہے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہم نے خاور لودھی کے گھر کو بہت اچھی طرح دیکھا بھالا ہے، لیکن ہم یہ نہیں جان سکے ... اب اس کا حل صرف ایک ہے ... ہم اس دوسرے گھر کو بھی دیکھ لیں ... وہاں بھی بالکل ایسی ہی واردات ہوئی ہے ... بلکہ وہ واردات تو اخبار میں بھی آگئی ہے۔"

"اوہ ہاں! اخبار میں اس گھر کے مالک کا نام اور پتا بھی آگیا ہے ... آؤ چلیں ... نام ہے جواد احسن ... اور پتا ہے ... منصور ٹاؤن 309۔"

وہ اسی وقت اپنی کار میں منصور ٹاؤن کی طرف روانہ ہوئے ... انہیں وہاں مکان نمبر 309 تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی ... محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی ... فوراً ہی دروازہ کھلا ... ایک ادھیر عمر آدمی باہر نکلا۔

"ہاں جی ... کیا بات ہے۔" اپنے سامنے بچوں کو دیکھ کر اس کا

## ایک اور

چند لمحے تک وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے ... آخر میں کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا:

"یہ کیا بات ہوئی ... یعنی وہ کار والا باقاعدہ اس منصوبے کا حصہ تھا۔"

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے ... خاور لودھی کو جان بوجھ کر زخمی کیا تھا تاکہ وہ اس پر اسرار مہمان کے ہوتے ہوئے گھر نہ چلا جائے ... اس نے خود ہی اسے ہسپتال تک پہنچایا ... دراصل وہ اتنا وقت گزارنا چاہتے تھے کہ مہمان خاور لودھی کے مکان میں اپنا کام کر کے فارغ ہو جائے ... ساتھ ہی انہوں نے یہ انتظام بھی پہلے ہی کر لیا تھا کہ کار والا بھی پکڑا نہ جائے ... لہذا اس کے پاس جعلی شناختی کارڈ تھا ... اس ساری صورت حال کا مطلب یہ ہے کہ اس منصوبے پر جو لوگ کام کر رہے ہیں، وہ جرائم کی دنیا میں نئے نہیں ہیں، وہ ہر قدم سونے



منہ بن گیا۔

”آج اخبار میں آپ کے گھر سے متعلق ایک خبر شائع ہوئی ہے ... یہ کہ ایک شخص مہمان بن کر آپ کے گھر میں آیا تھا ... ایک آدمہ گھنٹے تک وہ گھر میں رہا اور کچھ کرتا رہا ... یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کیا کرتا رہا ... پھر وہ چلا گیا ... جاتے وقت اس نے دھمکی ضرور دی تھی کہ اس معاملے کا کسی سے ذکر نہ کریں ... لیکن ایسا نہ ہو سکا اور ذکر باہر نکل گیا ... بہر حال اس کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔“ محمود کہتا چلا گیا ... پھر ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے کہا۔

”آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس نے گھر کے اندر رہ کر کیا کیا تھا۔“

”جی نہیں! ہم سر تو زکوش کر کے بھی یہ بات معلوم نہیں کر سکے کہ گھر کی کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے ... کسی چیز کو ہلانے جلانے کے بھی آثار نہیں ہیں۔ مگر آپ کون ہیں، اور ان سوالات سے آپ کا کیا مقصد ہے؟“

”جی ہمارے نام محمود، فاروق اور فرزاد ہیں۔ آپ سے پہلے بھی انکی سی واردات ایک اور گھر میں ہو چکی ہے اور ہم سراغ لگا رہے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا ہے اور کیا ہوا ہے؟“ محمود نے کہا۔

”ادھو! تو آپ لوگ انسپکٹر جمشید کے بیٹے ہیں۔“

”جی ہاں! اب آپ بتائیں کہ گھر میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی آپ کو ... یا کوئی چیز اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی نظر آئی ہو۔“

”میں نے پہلے بھی بتایا کہ ایسا کچھ نظر نہیں آیا۔“

”تب پھر وہ ایک گھنٹے تک کیا کرتا رہا؟“

”اس بات پر تو ہمیں بھی حیرت ہے۔“

”اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے گھر کا غور سے جائزہ لے لیں ... شاید ہم جان لیں کہ وہ کیا چیز لے گیا ہے ... یا وہ کیوں آیا تھا۔“

”ضرور کریں ... ہم تو خود الجھن میں ہیں ... اور جاننا چاہتے ہیں ... کہ یہ چکر کیا ہے۔“

”بس تو پھر ہم گھر کا جائزہ لے رہے ہیں ... آپ چاہیں تو ہمارے ساتھ رہیں یا آرام کریں ... ہم اپنا کام کر لیں گے ... آپ اپنے گھر کے افراد کو یہ بات بتائیں۔“

”آپ فکر نہ کریں ... آزادانہ انداز میں اپنا کام کریں ... آپ کے کام میں کوئی شخص رکاوٹ نہیں بنے گا۔“

”بہت بہت شکریہ!“

”معاملہ پر اسرار ہے... لیکن میرا خیال ہے... تم نے زیادہ محنت نہیں کی۔“

”جی... کیا مطلب؟“ تینوں نے چونک کر کہا۔

”وہ شخص بلا وجہ خاور لودھی کے گھر میں ایک گھنٹا نہیں رکا رہا...“

اس نے وہاں کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کی ہے... یا پھر وہ گھر کی جو

چیز لے گیا ہے... گھر والوں کو وہ چیز یاد نہیں آ رہی... وہ انہیں اس

روز یاد آئے گی جب اس چیز کی ضرورت پڑے گی... آؤ چلیں۔“

انہوں نے اچانک کہا۔

”جی... کیا فرمایا... آؤ چلیں... کہاں چلیں؟“

”خاور لودھی کے ہاں اور پھر جواد احسن کے ہاں... ان شاء

اللہ میں تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ وہ کیا کرنے کے لیے آیا تھا۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہو جائے گی... اگر آپ یہ بات معلوم کر

لیں۔“

”ان شاء اللہ!“ انہوں نے فوراً کہا۔

اور پھر وہ خاور لودھی کی کوٹھی پہنچ گئے... دستک کے جواب میں

فوراً ہی دروازہ کھلا... خاور لودھی کی صورت نظر آئی... انہوں نے محمود

، فاروق اور فرزانہ پر نظر پڑتے ہی کہا۔

انہوں نے بہت غور سے ایک ایک چیز کا جائزہ لیا... لیکن کوئی بات معلوم نہ کر سکے... آخر وہ مایوس ہو کر جواد احسن کے پاس آئے۔

”افسوس! ہم کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے... اگر آپ کو کوئی بات

معلوم ہو جائے تو ہمیں ضرور بتائیے گا۔“

”اچھی بات ہے... آپ اپنا موبائل نمبر لکھوادیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

وہ باہر نکل آئے... تینوں چپ چپ تھے... کیونکہ وہ ابھی تک

کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے تھے... اس حالت میں گھر پہنچے... ان

کے والد دفتر سے آچکے تھے... ان کے لٹکے ہوئے چہرے دیکھ کر ہنس

پڑے...

”لگتا ہے... تمہاری ساری سراغ رسانی دھری کی دھری رہی گئی ہے۔“

”جی۔“

”آپ کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے ابا جان۔“

”معاملہ ہے کیا... مجھے تفصیل سناؤ... شاید میں تم لوگوں کی کچھ

مدد کر سکوں۔“

”جی اچھا!“ محمود نے کہا اور تفصیل سنا دی... انسپکٹر جمشید غور

سے سنتے رہے... پھر محمود کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا۔



”اوہ! آپ ہیں۔“

”بلکہ ہمارے والد ساتھ ہیں۔“ فاروق مسکرایا۔

”اوہ اچھا! السلام علیکم۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا اور ان سے ہاتھ

مٹایا۔۔۔ پھر انہوں نے کہا۔

”یہاں پیش آنے والے واقعے کا پتا چلا۔۔۔ اس میں عجیب ترین

بات یہ ہے کہ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ شخص یہاں کیا کرنے

کے لیے آیا تھا۔“

”جی ہاں! اس پر ہم سب کو حیرت ہے۔“

”یہ تینوں اگرچہ آپ کے گھر کا اچھی طرح جائزہ لے چکے ہیں

۔۔۔ لیکن میں بھی اپنے طور دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ دراصل ہم سب یہ

جاننے کے لیے بے چین ہیں کہ ان لوگوں کا منصوبہ کیا ہے۔۔۔ وہ کیا

کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ اور ابھی تک ہم یہ بات معلوم نہیں کر سکے۔“

”شوق سے مکان کا جائزہ لے لیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

اب انہوں نے ان تینوں کے ساتھ ایک ایک کمرے کا جائزہ

لیا۔۔۔ ایک کمرے کا دروازہ انہیں بند نظر آیا۔۔۔ البتہ اس کے دروازے

پر تالا نہیں تھا۔

”اس کمرے میں کیا ہے۔“

”اس میں۔۔۔ اس میں میری کتابیں۔۔۔ مجھے کتابیں جمع کرنے

اور پڑھنے کا بہت شوق ہے۔“

انہوں نے تینوں کی طرف دیکھا۔

”تم نے اس کمرے کو بھی دیکھا تھا۔“

”جی ہاں! لیکن کوئی بات محسوس نہیں کی تھی۔“

”کھولے دروازہ! میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔“

خاور لودھی نے دروازہ کھول دیا۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ کمرے

میں تین طرف دیواروں کے ساتھ کتابوں کے ریک لگوائے گئے تھے۔۔۔

ان میں کتابیں ترتیب سے لگائی گئی تھیں اور یوں وہ کمرہ ایک اچھی بھلی

لائبریری بن گیا تھا۔

”اچھا شوق ہے۔۔۔ اور یہ شوق مجھے بھی ہے۔۔۔ لیکن میرا اور

آپ کا شوق مختلف ہو سکتا ہے۔۔۔ بھلا آپ کس قسم کی کتابیں پڑھنے کا

شوق رکھتے ہیں۔“

”میں عام طور پر سائنسی کتابیں پڑھتا ہوں۔۔۔ یا سائنسی ناول

۔۔۔ سائنسی ایجادات سے مجھے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔“

”ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ... اس بات کا امکان بہر حال ہے ... پہلے میں اس کمرے کو غور سے دیکھ لوں۔“

انہوں نے کہا اور تمام ریکوں کا بہت باریک بینی سے جائزہ لینے لگے ... انہوں نے کوئی ایک ریک بھی دیکھے بغیر نہ چھوڑا ... محمود، فاروق اور فرزانه کا بہت برا حال تھا ... انہوں نے اس کمرے کا جائزہ ضرور لیا تھا، لیکن ریکوں کو اس حد تک باریک بینی سے نہیں دیکھا تھا ... دراصل یہ بات تو انہوں نے سوچی ہی نہیں تھی کہ آنے والا شخص کوئی کتاب چرانے کے لیے بھی آسکتا تھا ... یہ خیال تو ان کے والد نے دلایا تھا ... ایسے میں انہوں نے اپنے والد کی آواز سنی :

”تم تینوں ذرا یہاں آنا۔“

انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا ... وہ ایک ریک سے لگے کھڑے تھے ... تینوں تیزی سے ان کے نزدیک ہو گئے ۔

”اس ریک کی کتابوں کو غور سے دیکھو ... کیا کتابیں اپنی جگہ سے ہلی ہوئی نظر آتی ہیں ... جیسے کوئی شخص ریک سے کتابیں نکالتا ہے تو

دائیں بائیں کی کتابیں کسی قدر اپنی جگہ سے آگے پیچھے ہو جاتی ہیں ... اور اس کتاب کی جگہ پر خلا بھی پیدا ہوتا ہے ... اس خلا کو پر کرنے کے لیے یا تو وہاں کوئی اور کتاب لگائی جاتی ہے یا کتابوں کو سرکا یا جاتا

”ہوں ... یہ شوق تو میرا بھی ہے ... اس کے علاوہ میں اسلامی کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے کا بہت زیادہ شوقین ہوں ... تحقیقاتی کتابیں پڑھتا ہوں ... بہر حال آپ کی لائبریری دیکھ کر خوشی ہوئی ... کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں ... وہ شخص آپ کی کوئی کتاب تو نہیں لے گیا۔“

”جی ... کیا کہا۔“ مارے حیرت کے خاور لودھی کے منہ سے نکلا۔

”ہاں ! اس بات کا امکان ہے ... مہربانی فرما کر آپ اپنی لائبریری کو چیک کر لیں۔“

”لیکن جناب ! یہ تو سیکڑوں کتابیں ہیں ... بھلا میں انہیں کس طرح چیک کر سکتا ہوں۔“

”کیا آپ نے ان کی کوئی فہرست نہیں بنائی ... اس کے ذریعے تو چیک کرنا اتنا مشکل کام نہیں ہو گا ... ہاں اس کام میں وقت ضرور لگ سکتا ہے۔“

”فہرست میرے پاس ہے ... ان کتابوں کو اس ذریعے سے چیک بھی کیا جا سکتا ہے ... لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیوں ... کیا وہ شخص کوئی کتاب چرانے آیا تھا۔“



ہو گی... مہربانی کریں اور فہرست کے مطابق تمام کتابوں کو چیک کر ڈالیں... ہم ذرا جواد احسن کے ہاں ہو آئیں۔“  
 ”جواد احسن کون۔“

”شہر میں وہ دوسرا آدمی... جس کے گھر میں بالکل آپ جیسی واردات ہوئی ہے... اگر یہاں سے واقعی کوئی کتاب غائب ہے... تو پھر ضرور اس گھر سے بھی کوئی کتاب غائب ہو گی... اور اگر ایسا ہے تو یہ ایک بہت پر اسرار واردات ہو گی... بے چینی بہت بڑھ گئی ہے... اب ہم یہاں رک نہیں سکتے... ہمیں فوراً جواد احسن کے ہاں پہنچنا ہے۔“

”اچھی بات ہے... آپ جائیں... میں فہرست کے مطابق کتابیں چیک کرنا شروع کرتا ہوں... جو کتابیں موجود ہیں، ان پر نشان لگاتا رہوں گا۔“

”بالکل ٹھیک ہے۔“

وہ اسی وقت وہاں سے روانہ ہوئے... اور جواد احسن کے دروازے پر جا اترے... باہر ایک کار کھڑی نظر آئی... محمود نے آگے بڑھ کر دروازے کی کھنٹی بجائی... ایک منٹ گزرنے پر بھی کوئی آتا محسوس نہ ہوا تو محمود نے پھر کھنٹی بجائی اور اس بار پہلے کی نسبت زیادہ

ہے... اب تم تینوں اس جگہ کو غور سے دیکھو... کیا یہاں کتابیں سرکانے کے آثار ہیں۔“

تینوں لگے غور سے دیکھنے... آخر انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔  
 ”جی نہیں... یہاں ایسے کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔“

”جب کہ میں کہتا ہوں... یہاں سے ایک کتاب نکالی گئی ہے۔“

”کیا!!!“ ان کے چہروں پر حیرت ہی حیرت پھیل گئی۔

”یہاں کتابوں کو سرکانے کے آثار ہیں... اس نے یہاں کوئی کتاب نہیں رکھی... بلکہ ایک طرف سے کتابیں سرکا کر کسی اور ریک کی آخری کتاب نکالی اور اس ریک کے آخر میں رکھ دی... خاور صاحب... کیا آپ کی فہرست ریکوں کے مطابق ہے... یعنی یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس ریک میں کون سی کتاب فہرست کے مطابق نہیں ہے... یا فہرست کے مطابق کون سی کتاب غائب ہے۔“

”نہیں! یہ معلوم نہیں ہو گا... فہرست میں تو بس تمام کتابوں کے نام درج ہیں... کوئی نئی کتاب لاتا ہوں تو وہ آخر میں درج کر لیتا ہوں۔“

”ہوں... اس الجھن سے نجات پانے کے لیے آپ کو محنت کرنا

زور سے بھئی ... آخر قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھلا ...  
... انہوں نے دیکھا دروازہ خود جواد احسن نے کھولا تھا ... اس کا  
مطلب ہے ... اس کے گھر میں کوئی ملازم نہیں تھا ... پہلے جب گھر  
فاروق اور فرزانه آئے تھے، اس وقت بھی اس نے ہی دروازہ کھولا تو  
... اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

”خیر تو ہے جناب! دروازہ دیر سے کھولا؟“

”میرے ایک دوست ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں ... ان سے  
باتیں کر رہا تھا ... بس بات مکمل کر کے دروازے کی طرف آیا۔“ جواد  
احسن نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”اوہ اچھا! معاف کیجیے گا ... ہم غلط وقت پر آ گئے ... لیکن  
مشکل یہ ہے کہ معاملہ بہت پراسرار ہے ... اور ہمیں اس کی تہہ میں جانا  
ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا، پھر گویا ہوا۔  
”آپ ... آپ تو پہلے ان کے ساتھ نہیں آئے تھے ... میرا

مطلب ہے ... آپ کون ہیں۔“

”میں ان کا والد ہوں ... مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔“

”اوہ ... اوہ۔“ مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

”بات صرف اتنی ہے کہ ہمیں آپ کی کتابوں پر ایک ٹھہرانی  
ہے ... اور بس ... آپ بے شک اپنے دوست کے پاس بیٹھے رہیں ...  
ہم اپنا کام خود کر لیں گے ... اور اگر گھر میں کوئی اور مرد موجود ہے تو  
ہمارے ساتھ انہیں کر دیں۔“

”یہاں میں اور میری بیوی کے علاوہ کوئی نہیں ہے ... آپ  
میری کتابیں کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”یہ بات ہم پھر بتائیں گے ... آپ بس ہمیں کتابوں والے  
کمرے میں پہنچا دیں ... اور خود اپنے دوست کے پاس چلے جائیں۔“  
”اچھی بات ہے ... آئیے ... ویسے مجھے حیرت ہے ... آپ  
میری کتابوں کو کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”ہمارا خیال ہے ... جو شخص یہاں ایک گھنٹے تک مصروف رہا ...  
وہ آپ کی کوئی کتاب لے گیا ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں  
کہا۔

”کیا!!!“ وہ چلا اٹھا ... مارے حیرت کے اس کی آنکھیں پھیل  
گئیں ... آخر اس نے کہا۔

”آئیے ... دیکھ لیں کتابیں ... میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات  
نہیں ... میرے پاس تو ایسی کوئی خاص کتاب نہیں ہے۔“



کر رہے ہیں ... اور یہ کام سرکاری نوعیت کا ہے۔  
 ”اچھی بات ہے ... میں اسے فارغ کر دیتا ہوں ... آپ  
 کتابوں کا جائزہ لے لیں۔“ یہ کہہ کر جواد احسن باہر نکل گیا ... وہ ایک  
 طرف بڑھے اور فور سے ریک کے ایک ایک انچ کو دیکھنے لگے ... ایسے  
 میں انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا۔

”یہ دیکھو ... کتابوں کے سرکنے کے آثار موجود ہیں۔“

”اوہ!!!“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

عین اس لمحے انہوں نے کار اشارٹ ہونے کی آواز سنی۔

☆☆☆☆☆

”اس شخص کو کسی خاص کتاب کی ضرورت ہے ... شرمناک  
 ایک اور جگہ بالکل ایسا ہی کر چکا ہے ... آپ کو شاید یہ بتا چکے ہیں۔  
 ”جی ہاں ... آئیے۔“ اس نے قدرے ناخوش گوار لہجے میں  
 کہا۔

اور پھر وہ انہیں ایک کمرے میں لے آیا ... اس کمرے میں  
 صرف ایک دیوار کے ساتھ کتابوں کا ایک ریک لگا یا گیا تھا اور  
 میں کتابیں سلیقے سے رکھی گئی تھیں ...

”ٹھیک ہے ... آپ جائیں ... ہم دیکھ لیں گے ... دیے  
 آپ کے پاس ان کتابوں کی کوئی فہرست ہے۔“

”جی فہرست ... جی نہیں ... یہ اتنی زیادہ کتابیں تو ہیں نہیں  
 میں نے کبھی فہرست کی ضرورت محسوس نہیں کی۔“

”اگر کوئی یہاں سے کوئی کتاب چرا لے تو کیا آپ کو ہمارے  
 جائے گا کہ کون سی کتاب گم ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ میں بتا سکوں گا۔“  
 ”اچھی بات ہے ... آپ پہلے دوست سے فارغ ہو لیں  
 بلکہ ہو سکے تو اس سے معذرت کر لیں ... وہ پھر کسی وقت آکر ملے  
 ... کیونکہ ہم اس وقت ایک بہت عجیب اور پراسرار معاملے کی تحقیقات

محمود تیزی سے باہر نکل گیا ... چند سیکنڈ بعد ہی اس کی واپسی ہوئی ...

”وہ ... وہ نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”باہر جو کار ہم نے دیکھی تھی ... وہ بھی نہیں ہے ... جواد احسن کا دوست بھی نہیں ہے اور وہ خود بھی نہیں ہیں۔“

”کیا!!!“ انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

پھر چاروں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی ... وہاں کوئی بھی نہیں تھا ... ایسے میں اندرونی کمرے سے گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”یہ ... کیسی بھاگ دوڑ کی آوازیں ہیں ... باہر کیا ہو رہا ہے۔“

آواز عورت کی تھی ... ظاہر ہے ... وہ جواد احسن کی بیوی کی آواز تھی ... وہ فوراً آواز کی طرف مڑے ... خاتون اندرونی کمرے میں تھی ... اس نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر بات کی تھی ...

”محترمہ! کیا آپ جواد احسن صاحب کی بیوی ہیں۔“

”جی ہاں!“

”کیا ہمارے آنے سے پہلے کوئی ان سے ملنے کے لیے آیا

ارے باپ رے

”چلو یہ اچھا ہے، جواد احسن نے اپنے دوست کو رخصت کر دیا ... اب ہم اطمینان سے جائزہ لیں گے ... ہاں تو میں کہہ رہا تھا دیکھو ... اس جگہ سے کتاب نکالی گئی ہے ... اور پھر کتابوں کو سرکار کو پر کیا گیا ہے۔“

وہ بھی اس جگہ کو دیکھنے لگے ... ان کے والد کی بات باپ درست تھی ... انہیں بہت حیرت ہوئی ...

”اب تو شاید جواد احسن بتا سکیں گے کہ وہ کون سی کتاب ہے وہ نامعلوم شخص لے گیا ہے۔“

”ہاں! بالکل۔“

ایک منٹ گزر گیا ... جواد احسن کی واپسی نہ ہوئی۔

”دوست تو چلا گیا ... یہ جواد احسن کہاں رک گئے ... محمود

دیکھنا تو۔“



ان کا دوست ہرگز نہیں تھا... کیونکہ جب ان کا کوئی دوست آتا ہے تو وہ نام لے کر کہتے ہیں... وہ آیا ہے... چائے بنا لو، لیکن اس شخص کے آنے پر انہوں نے کہا تھا... کوئی آیا ہے... اور پھر ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے تھے... بس اس کے صرف ایک منٹ بعد آپ آگئے۔“

”ہوں... خیر... آپ فکر نہ کریں... ہم ان کی تلاش شروع کر دیتے ہیں... وہ کار سرخ رنگ کی مڑا تھی۔“

یہ کہتے ہی انہوں نے اکرام کے نمبر ملائے... اور سرخ کار کے بارے میں ہدایت دیں... گویا اب اکرام کو تمام پولیس اسٹیشنوں کو فون کرنا تھا... فون کرنے کے بعد انہوں نے جواد احسن کی بیوی سے کہا۔

”ہم اس کے تعاقب میں جارہے ہیں... آپ گھر کا دروازہ بند کر لیں... اور جب تک ہم نہ آئیں... کسی کے لیے دروازہ نہ کھولیں... ہاں اگر جواد احسن آجائیں تو ان کے لیے دروازہ کھول دیجیے گا... لیکن پہلے اطمینان کر لیجیے گا یا اوپر سے انہیں دیکھ لیجیے گا۔“

”جی اچھا... پتا نہیں... کیا چکر شروع ہو گیا... ہمارا تو ایسے کسی معاملے سے کوئی تعلق نہیں... ہم تو سیدھے سادے ملازم پیشہ لوگ ہیں۔“

”ہاں! انہوں نے بتایا تھا... کوئی ملنے کے لیے آیا ہے اور وہ ڈرائنگ روم میں چلے گئے تھے... اس کے صرف ایک منٹ بعد دروازے کی گھنٹی بجی تھی... غالباً آپ لوگ آئے تھے... یہاں کیا ہے۔“

”آپ کے خاوند غائب ہیں... وہ کار بھی غائب ہے... جی پر کوئی جواد احسن صاحب سے ملنے کے لیے آیا تھا۔“

”نن... نہیں... وہ... وہ کہاں گئے؟“

”ہمیں خود معلوم نہیں محترمہ... تاہم آپ فکر نہ کریں... ہم بہت جلد انہیں تلاش کر لیں گے... کیا آپ کو معلوم ہے... ہم سے پہلے ان سے کون ملنے آیا تھا۔“

”مجھے کچھ معلوم نہیں... انہوں نے بس یہ کہا تھا کہ کوئی ملنے کے لیے آیا ہے۔“

”کیا آپ کو ان کے کسی دوست کا نام، پتا یا فون نمبر معلوم ہے۔“

”ان کے دوستوں کے نام پتے اور فون نمبر تو ان کی ڈائری سے مل جائیں گے... لیکن میرا خیال ہے... جو شخص ملنے آیا تھا...“

"یہ سڑک تو شہر سے باہر لے آئی... پتا نہیں... وہ شخص کون تھا... اور جواد احسن کو کہاں لے گیا ہے۔"

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔  
 "ڈرنے کا یہاں کون سا موقع ہے بھلا۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اب ڈرنے کے لیے موقع محل کے چکر میں کون پڑے۔"  
 فاروق نے جھٹکا کر کہا۔

"ہے کوئی تک محمود اس بات کی۔"

"تک تو خیر نہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"کچھ دور اور چلتے ہیں... پھر واپس آجائیں گے... ویسے میرا خیال ہے، ہماری یہ دوڑ دھوپ بے کار جائے گی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اللہ مالک ہے۔"

آدھ گھنٹے تک وہ اور آگے گئے، پھر مایوس ہو کر واپس روانہ ہوئے... ایک بار پھر جواد احسن کے گھر پہنچے... کیونکہ ان سے رابطہ کے لیے ان کا کوئی نمبر ان کے پاس نہیں تھا... دستک کے جواب میں جواد احسن کی بیوی باہر نکلی... اس نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر پوچھا۔

"ہمارا بھی سبھی خیال ہے، جواد احسن صاحب کا کسی سے غلط تعلق نہیں... ہم آپ کو واپسی پر بتائیں گے..."  
 "جی اچھا۔"

اور پھر وہ اپنی کار میں مین سڑک پر آگئے... جواد احسن کا گلی کے شروع میں ہی تھا... یعنی سڑک کے ساتھ ہی تھا...  
 "اب کیا کریں... اس وقت ہمارے پاس ایک کار اور ہول چاہیے تھی... کیونکہ اگر وہ شخص دائیں طرف چلا گیا ہے اور ہم نے بائیں طرف کا رخ کر لیا تو ہماری کوشش بے سود ہوگی... اور اگر بائیں طرف گیا ہے اور ہم دائیں طرف جاتے ہیں تو بھی کوشش بے سود ہوگی۔"

لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں... کسی ایک سمت میں تو ہمیں جانا ہی ہوگا... دیر چونکہ پہلے ہی بہت ہو چکی ہے... اس لیے ہم اگلے اکرام سے مدد لے کر بھی اس تک شاید ہی پہنچ سکیں۔"

"تب پھر... بسم اللہ کریں... دائیں طرف چلیں۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

اور پھر وہ تیزی رفتاری سے روانہ ہوئے... ان کا سفر جاری رہا... یہاں تک کہ وہ شہر سے باہر نکل آئے۔



دور میں اس حد تک پردہ کون کرتا ہے۔“

”یہ نہ کہیں... ان گنت لوگ دین پر عمل کرنے والے موجود

ہیں... الحمد للہ۔“

”آپ ٹھیک کہتی ہیں... ہمارے دین میں پردہ کرنے کا حکم

موجود ہے... نہ کرنے والے گویا دین کا انکار کرتے ہیں۔“ فرزانہ نے

جلدی سے کہا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے...“ جواد احسن کی بیوی نے جلدی سے

کہا۔

اب وہ ڈرائنگ روم میں آگئے... انسپکٹر جمشید نے اکرام کو

پھر صورت حال بتائی... جواد احسن کا حلیہ بتایا... تاکہ تمام پولیس

اسٹیشنوں کو اس کا حلیہ نشر کر دیا جائے... انہوں نے چند اور فون کیے

... اتنے میں اندرونی دروازے سے آواز آئی۔

”چائے حاضر ہے... بیٹی ٹرے لے لیں۔“

”اوہو! یہ کیا کیا آپ نے... ہم تو اپنے وقت کے بغیر چائے

نہیں پیتے۔“

”مجھے معلوم نہیں تھی یہ بات۔“

”خیر... فرزانہ ٹرے لے لو... اب انہوں نے بنا دی ہے...“

”ہم وہی ہیں جو کچھ دیر پہلے یہاں آئے تھے... آپ کے قریب  
کی تلاش میں ہم شہر سے باہر تک ہو آئے ہیں... پہلے آپ بتائیں...  
واپس تو نہیں آئے اب تک۔“

”بالکل نہیں... مارے پریشانی کے میرا تو بہت برا حال ہے۔“

”ہوں! پریشانی والی بات تو ہے... لیکن ہم کری کیا سکتے ہیں...“

اپنی سی کوشش کر رہے ہیں... ہم اب پولیس کے ذریعے ان کی

تلاش شروع کراتے ہیں... کیا ہم آپ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر

ادھر ادھر فون کر سکتے ہیں۔“

”ہاں کیوں نہیں... اس نے اب بھی دروازے کی اوٹ سے

کہا... پھر بولی۔

”میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیتی ہوں... آپ ابھی

اندر نہ آئیے گا۔“

”کمال ہے... آپ بچوں سے بھی پردہ کرتی ہیں۔“

”آپ کے تینوں بچے بالغ ہیں... بالغ بچوں سے بھی پردہ

ہے۔“

”ہوں آپ ٹھیک کہتی ہیں... آپ بہت اچھی ہیں... درنہ اس

”تم بیگم جواد کو بتا دو۔“

فرزانہ اندر گئی اور پھر باہر آگئی۔

”ہمارے جانے کی بات سن کر وہ اور زیادہ پریشان ہو گئی ہیں۔ وہ ہیں بھی اکیلی... کوئی اور گھر میں نہیں ہے... ان کے بچے بھی نہیں ہیں۔“

”تم انہیں بتاؤ... ہم ان کے شوہر ہی کی تلاش میں جا رہے ہیں... تاہم اگر وہ زیادہ پریشان ہیں تو ایسا کرتے ہیں فرزانہ... تم انہیں گھر لے چلو... ہم بائیں طرف والی سڑک پر دور تک ہو آتے ہیں... پھر سیدھے گھر آئیں گے... اس دوران ہم اکرام سے بھی معلوم کرتے رہیں گے۔“

”اچھی بات ہے... ایسا کر لیتے ہیں... ورنہ یہ بے چاری تو فکر سے آدھی ہو جائیں گی۔“

فرزانہ بیگم جواد کو لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی... انہوں نے اپنی کار میں بائیں سڑک کا رخ کیا... وہ چلتے رہے... یہاں تک کہ شہر میں باہر تک ہو آئے... لیکن جواد احسن کے کہیں کوئی آثار نظر نہ آئے... واپس لوٹتے ہوئے انہوں نے اکرام سے پوچھا۔

”ہاں بھئی... کوئی خبر؟“

”جی ہاں۔“  
”شہر! کیا آپ کو امید ہے... میرے شوہر مل جائیں گے۔“

”بولیں۔“  
”اللہ نے چاہا تو... بس آپ دعا کریں... ہم اپنی کوشش کر رہے ہیں۔“

چائے پینے کے بعد انہوں نے پھر اکرام سے رابطہ کیا...

”ہاں اکرام... کیا رپورٹ ہے۔“  
”سرا ابھی تک ہم کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے... لیکن کوشش بھرپور جاری ہے... جونہی کوئی پیش رفت ہوئی... میں آپ کو فوراً اطلاع دوں گا۔“

”اچھی بات ہے۔“

فون بند کر کے وہ ان تینوں کی طرف مڑے۔

”ہم سڑک کے دائیں طرف گئے تھے... کیوں نہ اب بائیں طرف ہو آئیں...“

”لیکن اہ جان! اب تو بہت دیر ہو چکی۔“

”ہاں! لیکن پھر لگا لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔“  
”جیسے پھر۔“



وہ بھی افراتفری کے عالم میں روانہ ہوئے۔

”آخر انہیں ہوا کیا... انہیں سوچھی کیا؟“

”میرا خیال ہے... انہیں خاور لودھی کا خیال آگیا ہے... ہم لوگ جواد احسن کے چکر میں انہیں بھول گئے... جو لوگ جواد احسن کو اس لیے اغوا کر کے لے گئے کہ وہ ہمیں کچھ نہ بتا سکیں... وہ لوگ بھلا خاور لودھی کو کیوں چھوڑے رکھیں گے... ہم وہ بات ان سے بھی تو پوچھ سکتے ہیں... بس یہ خیال کرتے ہی ابا جان دوڑ پڑے... گویا وہ سیدھے لودھی صاحب کی طرف جائیں گے... انکل تیز چلیں۔“ فرزانہ کہتی چلی گئی۔

”اچھا!“ اکرام نے فوراً کہا۔

آندھی اور طوفان کی رفتار سے کار چلاتے آخر وہ خاور لودھی کے گھر کے سامنے پہنچ گئے... انہوں نے دیکھا... انسپکٹر جمشید باہر کار میں بیٹھے تھے... اور اس طرح بیٹھے تھے، گویا انہیں کوئی کام نہ ہو... وہ انہیں اس حالت میں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ کہاں تو وہ اس قدر جلدی میں ادھر آئے تھے... اور کہاں اب آرام سے بیٹھے ہیں۔“

”لگتا ہے... ادھر کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی...“ اکرام ہنسا۔

”گڑبڑ ہو کر ختم بھی ہو چکی... ہمیں بہت دیر بعد ان کا خیال

”نہیں سر... جواد احسن کا آپ تک کوئی چٹا نہیں چل سکا۔“

”اچھی بات ہے... تم گھر آ جاؤ... اب ہمیں باقاعدہ شروع کرنی ہوگی... اپنے خاص ماتحتوں کو بھی لے آؤ۔“

”اوکے سر۔“

جلد ہی وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے... بیگم جواد اب بیگم ہونے کے پاس تھیں اور وہ بہت اچھے طریقے سے ان کا دل بہلا رہی تھیں۔

”سر! آخر یہ کیا چکر ہے...“ اکرام نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”ابھی تک ہم صرف اتنا معلوم کر سکے ہیں کہ ان دونوں گھروں سے کوئی کتاب چرائی گئی ہے... لیکن یہ بات ابھی یقین سے نہیں کی جا سکتی... خاور لودھی اور جواد احسن سے بات ہونے پر اصل حقیقت سامنے آئے گی اور شاید اسی لیے جواد احسن کو غائب کیا گیا ہے۔“

ارے باپ رے۔“

یہ الفاظ کہتے ہی وہ بری طرح اچھلے اور پھر انہوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی... جب تک باقی لوگ باہر نکلتے... وہ گاڑی میں بند چکے تھے... انہوں نے ان کا انتظار بھی نہیں کیا، یہ جا وہ جا۔

”انکل جلدی کریں... ہم آپ کی گاڑی میں چلتے ہیں۔“

”اب ہم شاید ان دونوں کو زندہ نہ پاسکیں۔“  
 ”نہیں۔“ وہ کانپ گئے۔

”اس لیے کہ اگر وہ انہیں چھوڑتے ہیں تو پھر ہم ان سے ان کتابوں کے نام معلوم کر لیں گے... اور یہی وہ چاہتے نہیں۔“  
 ”اللہ اپنا رحم فرمائے... یہ تو بہت خوف ناک بات ہو جائے گی... ان بے چاروں کا تو اس میں کوئی قصور بھی نہیں... یہ تو بس مطالعے کے شوقین نکلتے ہیں اور اپنے مطلب کی کتابیں خرید لیتے ہیں۔“

”سوال تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے انہیں اغوا کیا ہے... وہ اس بات کو کیوں چھپانا چاہتے ہیں کہ وہ کون سی کتابیں لے گئے ہیں۔“  
 ”یہ اس کیس کا اہم ترین سوال ہے اور ہمیں اس کا جواب حاصل کرنا ہے... ابھی تک ہم ان کتابوں کا جائزہ نہیں لے سکے... دیکھنا چاہیے... ان دونوں گھروں میں کس قسم کی کتابیں موجود ہیں۔“  
 ”ہاں واقعی۔“

وہ گھر کے اندر داخل ہوئے اور انہوں نے نادیہ کو آواز دی تو وہ دوڑتی ہوئی آئی... اس معصوم سی اور خوب صورت سی بچی کو دیکھ کر ان کے دل تڑپ اٹھے... پھر انسپکٹر جمشید نے خود کو سنبھال کر کہا۔  
 ”بیٹی! ہم کتابوں والے کمرے کو ذرا ایک بار پھر دیکھنا چاہتے

آیا... افسوس۔“ انہوں نے کہا۔  
 ”وہ لوگ خاور لودھی کو بھی لے گئے... گھر کے لوگوں کو ایک بار پھر باندھ کر چھوڑ گئے... میں تم لوگوں کا انتظار کر رہا تھا... مطالعہ اب بہت سنجیدہ ہو گیا... دو انسان غائب کر دیے گئے ہیں... مجرموں کا دور دور تک کوئی پتا نہیں... اب ہمیں اس کیس پر بہت سنجیدگی سے کام کرنا ہو گا... دراصل پہلے یہ اس قدر اہم محسوس نہیں ہوا تھا... اب میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں... کہ ان دونوں گھروں سے دو کتابیں اڑائی گئی ہیں... اور ان دونوں گھروں کے افراد کو صرف اور صرف اس لیے غائب کیا گیا ہے کہ ہم ان سے ان کتابوں کے نام نہ معلوم کر لیں۔“

”کیا!!!“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔  
 ”ہاں! غور کرنے پر یہی بات سامنے آتی ہے اور کوئی بات ذہن میں نہیں آتی... اور میں خوف محسوس کر رہا ہوں... اب ہم شاید...“ وہ کہتے کہتے رک گئے... انہوں نے ادھر ادھر دیکھا... ان کے آس پاس کوئی نہیں تھا اور ان کی آواز گھر کے اندر سنی نہیں جاسکتی تھی...

”یہ اطمینان کرنے کے بعد انہوں نے دبی آواز میں کہا۔



”ہیں۔“

”چلے جائیے ... میں اور امی تو اپنے کمرے میں ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

وہ کتابوں والے کمرے میں آئے ... یہ کوئی باقاعدہ لائبریری نہیں تھی ... نہ خاور لودھی کوئی بہت دولت مند آدمی تھے ... انہیں تو بلکہ چونکہ کتابوں کا شوق تھا، اس لیے کتابوں کا ایک ریک بنوا لیا تھا۔ انہوں نے وہاں موجود کتابوں کا جائزہ شروع کیا ... جلد ہی انہوں نے یہ بات جان لی کہ خاور لودھی کو سائنس سے بہت دلچسپی تھی ... تقریباً تمام کتب ہی سائنس پر تھیں ... اور کچھ ایسی تھیں جن میں سائنس (تعلق اسلام سے ثابت کیا گیا تھا ... ابھی وہ کتابوں کو دیکھ رہے تھے کہ فرزانہ کو کوئی خیال آیا ... اس نے باقی حضرات سے کہا۔

”میں آنٹی کے پاس بیٹھی ہوں ... کچھ دیر ان کا دل بہلانے کی کوشش کروں گی۔“

”یہ بہت اچھی بات ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

وہ وہاں سے نکل کر دوسرے کمرے کے دروازے پر آگئی۔

”السلام علیکم آنٹی! کیا میں اندر آسکتی ہوں۔“

”آجائیں بیٹی۔“ ان کی غم زدہ سی آواز سنائی دی۔

فرزانہ اندر چلی آئی ... دونوں بستر پر ٹمکن بیٹھی تھیں ...

”فرزانہ بہن! کیا آپ لوگوں کو ابھی تک کوئی کامیابی ہوئی۔“

”کوشش جاری ہے ... آپ لوگ دعا کریں۔“

”ہم تو مسلسل دعا کر رہے ہیں ... دل ہیں کہ ڈوبے جا رہے

ہیں۔“

”حوصلہ رکھیں ... بہت جلد لودھی صاحب آپ کے ساتھ ہوں

مگر۔“

”ان شاء اللہ!“ ان دونوں کے منہ سے نکلا۔

”لودھی صاحب نے کتابوں کی کوئی فہرست تو نہیں بنائی ہوئی

تھی۔“

”معلوم نہیں ... ہمیں تو دراصل ان کتابوں سے دلچسپی ہے نہیں

... ہم تو کہانیوں اور افسانوں یا شاعری کی کتب پسند کرتی ہیں ... اور

ہماری کتب ہمارے اس کمرے میں موجود ہیں ... لہذا ان کتابوں کے

بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔“

”ہوں ... وہ جو آپ کا فرضی مہمان آیا تھا ... آپ کے کمرے

دراصل ایک کتاب چرانے آیا تھا۔“

”کیا!!!“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

## یہ بٹن نہیں

اور وہ چیز ایک ننھا سا سرخ رنگ کا بٹن تھا ... یا اسے بٹن لگا تھا... اس نے اس کی طرف بڑھے بغیر کہا۔

”یہ بٹن آپ کا ہے؟“

”کک ... کون سا بٹن؟“ ان دونوں کے منہ سے نکلا۔

”آپ اسے ہاتھ نہ لگائیے گا ... یہ دیکھیے ... یہ رہا بٹن۔“

اب اس نے اس کے نزدیک جا کر انگلی سے اشارہ کیا۔

”ارے! یہ کیا ہے؟“ ان کے منہ سے نکلا۔

”تو یہ آپ کا نہیں۔“

”نہیں۔“

”تب یہ ان میں سے کسی کا ہے ... جو یہاں آئے تھے ... جہ

وہ کتاب لے گئے ہیں ... آپ اسے چھوئے گا نہیں ... شاید اس پر

ان میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات مل جائیں ... وہ نشان ہمارے

”ہاں! یہی بات ہے ... اور جب انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ لوہی صاحب سے اس کتاب کا نام معلوم کر لیں گے ... تو وہ انہیں ہر کر کے لے گئے ... اسی طرح انہوں نے جواد احسن صاحب کو بھی ہر کر لیا ہے۔“

”کیا!!!“ ان کے منہ سے چیخنے کے انداز میں نکلا۔

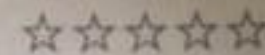
”اور ان کے گھر سے بھی انہوں نے وہی کتاب چرائی ہے۔“

یہاں سے چرائی ہے۔“

”اوہ! اوہ۔“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

ایسے میں فرزادہ کی نظریں فرش پر پڑی ایک چیز پر جم گئیں۔

چیز اسے پہلی بار نظر آئی تھی ...





”جی... کیا کہا... ہن نہیں ہے... تو پھر کیا ہے۔“

”کسی ملک کا ایک سہ۔“

”جب پھر ملک کا نام اس پر لکھا ہوگا۔“

”ہاں! ملک کا نام لکھا ہوا ہے... نام ہے... سہراں... اس

پر لکھا ہے... شوبی۔“

”سہراں... شوبی۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! اور جہاں تک میرا خیال ہے... یہ سہ پتیل کا نہیں...“

”سونے کا ہے۔“

”سونے کا سہ۔“

”ابھی چیک کر لیتے ہیں، یہ ہم کسی کے ہاتھ نہیں بھیج سکتے...“

”جوہری کو یہیں بلا لیتے ہیں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے کسی کو فون کیا... جلد ہی ایک صاحب وہاں

پہنچ گئے... انہیں وہ سہ دکھایا گیا... انہوں نے چھوٹے ہی کہہ دیا۔

”یہ خالص سونے ہے... اس میں ایک ذرہ بھی کھوٹ نہیں۔“

”ہوں! آپ جاسکتے ہیں... آپ کا شکریہ۔“

”کوئی بات نہیں... ویسے کیا آپ بتا سکتے ہیں... یہ کس ملک کا

سہ ہے۔“ اس کی آنکھوں میں دلچسپی تھی۔

کام آسکتے ہیں... آپ ایسا کریں کہ باورچی خانے میں چلے جائیں

باقی لوگوں کو بھی اس کا معائنہ کرنا ہوگا اور اس کی تصویر لیتی ہوگی

نشانات بھی اٹھانا ہوں گے۔“

”اچھی بات ہے۔“

انہوں نے کہا اور کمرے سے نکل گئیں... فرزانہ کتابوں والے

کمرے میں گئی اور باقی لوگوں کو وہاں لے آئی۔

”یہ دیکھیے... یہ رہا... ان دونوں نے اسے نہیں دیکھا تھا

پہلی بار جب وہ ان دونوں کو باندھ کر گیا تھا... اس وقت بھی یہ

یہاں نہیں تھا... اس کا مطلب ہے جب وہ دوسری بار لودھی صاحب

انگوا کرنے کے لیے آئے... اس وقت یہ ہن ان سے گرا ہے۔“

”ہاں! یہی بات ہے... اکرام اس پر سے نشانات اٹھا لو

اس کی تصاویر لے لو... تاکہ ہم اسے اٹھا کر دیکھ سکیں۔“ انہوں نے

جلدی جلدی کہا۔

”جی بہتر!“

اکرام نے جلدی جلدی اپنا کام مکمل کر لیا... اب انکپز جڈ

نے اس ہن کو اٹھا لیا... ساتھ ہی ان کے منہ سے نکلا:

”یہ... یہ ہن نہیں ہے۔“

”کیوں ... آپ نے یہ کیوں پوچھا۔“

”گلتا ہے ... اس ملک میں سونے کے ذخائر ہی ذخائر ہیں خالص سونے کی کانیں ہی کانیں ہیں اور وہاں سونا اس طرح بکھرا ہوا ہے ... جیسے ہمارے ہاں لوہا اور پتیل۔“

”یہ آپ کا خیال ہے ... معلوم نہیں ... ایسا ہے یا نہیں۔ بہر حال ہمیں معلوم نہیں کہ یہ ملک کہاں ہے ... ہم نے تو خود یہ سہرا بھی دیکھا ہے۔“

”شکریہ!“ اس نے کہا اور حیرت زدہ سا چلا گیا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر انسپکٹر جمشید نے پھر لودھی سے کہا:

”آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں ... ہم لودھی صاحب اور جواد احسن کی تلاش میں روانہ ہو رہے ہیں ... آپ بے فکر رہیں ... ہم انہیں ساتھ لے کر ہی لوٹیں گے ... ان شاء اللہ۔“

”اور ہم کہاں جائیں۔“ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

”ہمارے گھر ... جواد احسن کی بیگم بھی وہیں ہیں ... سب لوگوں

کے ساتھ آپ کا دل لگا رہے گا، یہاں پر آپ دونوں بہت پریشان رہیں گی۔“

”آپ ... آپ لوگ بہت اچھے ہیں ... بہت ہی اچھے۔“

”آپ ہمارے لیے دعا کریں ... اور لودھی صاحب کے لیے بھی۔“

اور وہ انہیں گھر لے آئے ... بیگم کے حوالے کر کے انہوں نے جواد احسن کے گھر کا رخ کیا ... اس گھر کی کتابوں کو دیکھا گیا تو وہ بھی سائنس کے موضوع پر تھیں ... ان کی حیرت اور بڑھ گئی ... انسپکٹر جمشید نے تاریخ اور جغرافیہ کے ماہر ایک دوست پر و فیسر کو فون کیا ... سلسلہ ملنے پر انہوں نے کہا۔

”ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں ... ایک اہم ضرورت پیش آگئی ہے۔“

”آپ غیر اہم ضرورت کے لیے بھی بلا جھجک آسکتے ہیں۔“ پرو فیسر صاحب نے ہنس کر کہا۔

”ہم آ رہے ہیں۔“

جلد ہی وہ ان کے گھر پہنچ گئے ... ان کا نام پرو فیسر شہاب الدین تھا ... وہ گرم جوشی سے ملے ... پھر انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئے ... اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد انسپکٹر جمشید نے سہرا نکالا اور ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔



”ایک منٹ۔“ انہوں نے بے چینی کے عالم میں کہا۔ اور پھر اٹھ کر ایک دیوار کی طرف بڑھ گئے۔ اس دیوار پر دنیا کا نقشہ چسپاں تھا اور وہ بہت بڑا تھا۔ وہ اس نقشے پر ایک طرف نظریں دوڑانے لگے۔ پھر انہوں نے ایک لمبا سانس لیا اور واپس آکر ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کی نظریں اب خلا میں تک رہی تھیں۔ اور وہ اس طرح خاموش تھے جیسے انہیں کچھ کہنا ہی نہ ہو۔ اب تو وہ بے چین ہو گئے۔ انپکڑ جھید تو خاموش نہ رہ سکے۔ انہوں نے کہا۔

”ہم بہت بے چینی محسوس کر رہے ہیں پروفیسر صاحب۔“

”ہاں! یہ بات ہے۔ ہماری اس زمین پر کچھ حصے ایسے ضرور ہیں۔ جن پر ابھی انسان کے قدم نہیں پہنچے۔ مطلب یہ کہ ہمیں معلوم نہیں وہ کہاں ہیں۔ جن سمتوں میں علاقوں کے ہونے کے امکانات نظر آتے ہیں۔ سیاح لوگوں نے اور سائنس دانوں نے اس سمت میں سفر کیے ہیں۔ لیکن وہ کوئی نئی دنیا تلاش نہیں کر سکے۔ ناکام ہو کر واپس آ گئے۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ کسی جماعت نے کوئی نئی دنیا تلاش کر لی ہے۔ اور وہاں باقاعدہ آبادی بھی ہو گئی ہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ لوگ خفیہ طور پر وہاں اپنے لوگوں کو لے جا رہے ہوں اور آباد کر رہے ہوں۔“ یہاں تک کہ پروفیسر

”آپ ذرا اس سکتے کو دیکھیں اور ہمیں بتائیں ملک سہراں کہاں ہے۔“

”سہراں۔“

”جی ہاں! اس ملک کے سکتے کا نام ہے شوبلی۔“

”شوبلی۔“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

”کیوں۔ کیا بات ہے۔“

”نہ دنیا کے ہفتے پر اس ملک کا نام ہے۔ نہ اس نام کا کسی ملک میں جاری ہے۔“

”سکتہ آپ کے سامنے ہے اور یہ ہے بھی خالص سونے کا۔“

”کیا کہا۔۔۔ خالص سونے کا۔“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

”جی ہاں! ہمارے ہاں کے ایک جوہری کا کہنا یہی ہے۔۔۔ ال نے خیال ظاہر کیا ہے۔۔۔ یہ ایسے ملک کا سکتہ ہے۔۔۔ جہاں سونا بے تحاشہ ہے۔۔۔ اس طرح جیسے یہاں لوہا یا پتیل ہے۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

”آپ کی حیرت ہم سے کچھ کہہ رہی ہے۔۔۔ یہ کہ آپ لگتا

کسی جگہ کے بارے میں جانتے ہیں۔۔۔“

صاحب خاموش ہو گئے۔

”اگر ایسا ہے بھی تو دنیا کے لوگوں کو بھلا اس سے کیا نقصان یا کیا پریشانی ہو سکتی ہے ... وہ ہو جائیں وہاں آباد ... گزریں انہی زندگی ... مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ اس جگہ کو دنیا کی نظروں سے چھپانا کیوں چاہتے ہیں۔“

”اس لیے کہ وہاں سونا ہی سونا ہے ... ہو سکتا ہے، وہاں سونے کی کانوں کے بجائے سونے کے پہاڑ ہوں۔“

”س ... سونے کے پہاڑ۔“ فاروق نے بہت مشکل سے کہا۔  
”ہاں! یہ عین ممکن ہے۔“ پروفیسر شہاب الدین نے سر ہلایا۔

”اس صورت میں تو انہیں واقعی اس سر زمین کو دنیا سے چھپا پڑے گا۔ لیکن وہ اس سونے کا کریں گے کیا ... ہاں پوری دنیا میں اگر سونے کو فروخت کریں اور دنیا بھر کا ساز و سامان خریدیں تو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ... پھر تو وہ نہ جانے کیا کچھ وہاں جمع کر سکتے ہیں ...“ اکرام نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

”ابھی یہ صرف باتیں ہیں ... اندازے ہیں ... پتا نہیں کوئی ایسی وادی ہے بھی یا نہیں ... دنیا میں کوئی ایسی جگہ ہے بھی یا نہیں ... جو دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل ہو۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”یہ بات تو خیر میں کہہ سکتا ہوں۔“ پروفیسر شہاب الدین نے فوراً کہا۔

”جی ... کون سی بات؟“

”اس دنیا میں کچھ جگہیں ایسی ہیں ... جو دنیا والوں سے پوشیدہ ہیں ... جیسے وہ جگہ جہاں یاجوج اور ماجوج آبا و ہوں ... یاجوج اور ماجوج کا تو انکار ممکن نہیں ... ان کا ذکر تو قرآن کریم میں آیا ہے۔“  
”جی ہاں! یہ تو ہے۔“

”بس تو پھر ... اگر یاجوج اور ماجوج اس دنیا میں کسی جگہ موجود ہیں تو ایسے اور علاقے بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہیں ... اور ابھی تو دجال کے بارے میں بھی یہ بات کہی جاسکتی ہے ... آخر وہ بھی تو اسی دنیا میں کسی جگہ موجود ہے ... کہا جاتا ہے ... وہ کسی جزیرے پر قید ہے ... جب وقت آئے گا، تب وہ وہاں سے نکلے گا ... وہ جزیرہ بھی تو دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہے ... تو پھر کوئی ایسی جگہ اور بھی ہو سکتی ہے۔“

”خیر! یہ بعد کی بات ہے ... اس وقت ہمارا مسئلہ ہے دو کتابوں کی گم شدگی کا۔“

”دو کتابوں کی گم شدگی کا ... کیا مطلب؟“



خبردار کرنا پڑے گا... کیونکہ وہ لوگ پوری دنیا کے لیے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں... ابھی یہ صرف اندازے ہیں... یعنی ایسے امکانات ہیں... واقعی یہ بات ہے یا نہیں... یہ ہمیں معلوم نہیں... لیکن اس معاملے کو فوری طور پر بڑے بڑے ملکوں کے سامنے لانا چاہیے۔

”اچھی بات ہے... ہم اپنے ملک کے صدر سے بات کرتے ہیں... دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔“

ایسے میں موبائل کی گھنٹی بجی... انسپکٹر جمشید نے دیکھا... فون ان کے ایک ماتحت کا تھا... انہوں نے موبائل آن کیا تو دوسری طرف ماتحت نے جوش کے عالم میں کہا۔

”سر... ایک ویران ساحل پر اس حلیے کے دونوں آدمی دیکھے گئے ہیں... جن کی تلاش کے امکانات نشر کیے گئے تھے۔“

”تمہارا مطلب ہے... خاور لودھی اور جواد احسن۔“ انہوں نے

جوش کے عالم میں کہا۔

”جی ہاں؟“

”وہیں ٹھہرو... ہم آرہے ہیں۔“

یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆☆☆

”میں آپ کو تفصیل سناتا ہوں۔“

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے دونوں گھروں میں ہونے والی واردات کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا... پروفیسر غور سے سن رہے تھے... ان کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا۔

”اگر یہ سب واقعی ان سے گرا ہے... تب تو انہوں نے وہاں باقاعدہ اپنی حکومت قائم کر لی ہے... اور اس سونے کے بل پر وہ دنیا کی بڑی سے بڑی چیز آسانی سے خرید سکتے ہیں... مثلاً۔“ کہتے کہتے پروفیسر شہاب الدین رک گئے... ان کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا۔

”خیر تو ہے... آپ ڈر سے گئے؟“

”ہاں! میں واقعی خوف محسوس کر رہا ہوں... فرض کر لیتے ہیں... وہ ہماری اس دنیا کے بڑے بڑے سائنس دانوں کو خرید لیتے ہیں... دولت کے بل پر وہاں دنیا بھر کے ماہرین کو جمع کر لیتے ہیں اور ایٹم بم بھی چیزیں حاصل کر لیتے ہیں... کیونکہ جہاں اتنا سونا ہو، وہاں کے لوگوں کو کوئی بھی چیز خرید لینا کوئی مشکل ہے... یہ بات ہے یا نہیں۔“

”جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔“

”تب پھر... یہ مسئلہ صرف ملک کا نہیں... پوری دنیا کا بنتا ہے... ہمیں اس بارے میں فوری طور پر دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کو

ساحل سے وہ پیدل ہی ایک سمت میں چل پڑے ... میں نے ان کا تعاقب کیا ... وہ کچھ دور واقع ایک جھونپڑے میں داخل ہو گئے ... دونوں اب بھی وہیں ہیں ... میں اپنے ساتھی کو جھونپڑے کی نگرانی کے لیے چھوڑ کر یہاں آ گیا تاکہ آپ کو تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔

”آؤ بیٹھو ... گاڑی پر ... سمت بتاؤ۔“

اس کی بتائی ہوئی سمت پر چلتے وہ آخر اس جھونپڑے تک پہنچ گئے ... سادہ لباس والے کا ساتھی وہاں موجود تھا ... انہوں نے اشارے میں کہا۔

”دستک دو۔“

جھونپڑے کے دروازے پر دستک دی گئی ... فوراً ہی ایک مای گیر باہر نکلا ... انہیں دیکھ کر اس نے فوراً کہا۔

”مچھلی چاہیے صاحب ... بالکل تازہ۔“

”نہیں! یہاں ہمارے دو ساتھی موجود ہیں ... وہ تمہیں کہاں ملے ... انہیں باہر لے آؤ ... ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔“

”پپ پولیس ... لیکن اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ... صبح ہم ان دونوں کو شہر لے جانے والے تھے ... وہاں پولیس اسٹیشن پر پہنچا دیتے۔“

## خطرہ

وہ سب آندھی اور طوفان کی طرح سفر کرتے ساحل پر ال بڑھنے جس جگہ کی ان کے ماتحت نے نشان دہی کی تھی ... ماتحت وہاں موجود تھا ... اس کے چہرے پر جوش تھا ...

”کہاں ہیں وہ دونوں؟“ انسپکٹر جمشید نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

”بات بہت عجیب سی ہے سر ... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ وہیں دونوں ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”مای گیروں کی ایک کشتی ساحل پر آئی تھی ... اس کشتی میں دونوں موجود تھے ... لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہ ہوں ... پھر اس کشتی سے سب مای گیر اتر پڑے ... ان کے ساتھ ہی وہ دونوں بھی اتر آئے ... میں انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا ...



”کیا مطلب؟“

”ان دونوں کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے...“ اپنے اس میں کچھ بھی نہیں بتا سکتے... یا ان کی یادداشت گم ہو گئی ہے... ہمیں نہیں معلوم کہ انہیں کیا ہوا ہے... اگر وہ آپ لوگوں کے ہیں تو آپ انہیں لے جائیں۔“

”وہ آپ لوگوں کو ملے کہاں؟“

”ساحل پر بھٹک رہے تھے... ہم اس وقت مچھلیاں پکڑ رہے تھے... ہم نے ان سے پوچھنا چاہا کہ... یوں لگا جیسے وہ گم اور بہرے ہوں... ہم نے سوچا... یہ دونوں دماغی طور پر بے کار... راستہ بھول کر ادھر آگئے ہیں... صبح شہر پہنچا دیں گے، اس نے انہیں کشتی پر سوار کر لیا... مچھلیاں پکڑ کر واپس آئے تو انہیں یاد لے آئے... کیا ہم نے غلط کیا...“

”اس کا فیصلہ تو بعد میں ہو گا کہ درست کیا یا غلط... آپ دونوں کو کشتی میں ساتھ کیوں لے گئے... جھونپڑے میں چھوڑ جاتے۔“

”خطرہ تھا کہ وہ کہیں ادھر ادھر نہ نکل جائیں۔“

”ہوں... خیر... ہم انہیں جانتے ہیں... ان کے گھر... افراد اس وقت ہمارے ہاں انہی کی گم شدگی کے سلسلے میں آئے ہیں۔“

”ہیں... لہذا ہم انہیں لے جا رہے ہیں... ان کے سلسلے میں اگر کوئی اور بات ہے وہ بتا دیں... کچھ چھپانے کی کوشش نہ کریں۔“

”کیا مطلب... کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ہم کچھ چھپا رہے ہیں۔“ ان میں سے ایک نے چونک کر کہا۔

”ہاں! ہمارا خیال یہی ہے۔“

”نہیں۔“

”ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے... جو سچ ہے، وہ بتا دو۔“ انسپکٹر

جہید کا لہجہ خشک ہو گیا۔

”جو بات تھی ہم نے بتا دی۔“ اس نے منہ ہٹایا۔

”اچھی بات ہے... پھر ہم تم لوگوں کو پولیس اسٹیشن لے جائیں گے... وہاں تم لوگوں سے سچ اگوائیں گے۔“

”ہمیں تو یہ بھی یقین نہیں کہ آپ لوگوں کا تعلق پولیس سے ہے... پہلے آپ اپنے بارے میں تو یقین دلائیں۔“

”اچھی بات ہے... اب یوں بات نہیں بنے گی۔“

یہ کہہ کر انہوں نے اکرام کو فون کیا... اسے ہدایات دیں اور

موبائل بند کر دیا...

”تم لوگوں کو لے جانے کے لیے گاڑی تو یوں بھی منگوانا پڑتی۔“

حوالے کیے اور کہا کہ انہیں شہر کسی آبادی کے نزدیک چھوڑ آنا ... اور اس کام کے انہوں نے ہمیں چند سیکے دیے ... اب آپ سے کیا چھپاؤ ... وہ سیکے یہ رہے۔“

اس نے جیب سے پانچ سیکے نکال کر ان کے سامنے کر دیے ... انہوں نے دیکھا، وہ بالکل ویسے سیکے تھے ... جیسا ایک سیکہ انہیں خاور لودھی کے گھر سے مل چکا تھا ... اب تو ان پر جوش سوار ہو گیا ... انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”اب آپ لوگوں کو تھانے لے جانے کی ضرورت نہیں رہی ... یہ سیکے آپ کے ہوئے ... بس آپ ہمیں اس جزیرے تک لے چلیں ... جزیرے کے قریب پہنچا کر آپ بے شک واپس آجائیے گا۔“

”اور واپس کس طرح آجائیں گے۔“

”اپنی کشتی پر۔“ فاروق نے ہنس کر کہا۔

”اور آپ لوگ کیا پانی میں اتریں گے۔“

”ہاں! ہم تیر کر جزیرے پر چلے جائیں گے ... یا پھر ہم اپنی

لاٹچ منگوا لیتے ہیں۔“

”اپنی لاٹچ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! اور یہی بہتر رہے گا ... میں لاٹچ منگواتا ہوں۔“

اب وہ گاڑی میں آ بیٹھے ... اور انتظار کرنے لگے ... وہ کچھ خاور لودھی اور جواد احسن ... انہیں گاڑی میں بٹھا لیا گیا تھا ... انہیں اکرام اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

”اکرام ان لوگوں کو تھانے لے جاتا ہے ... ان سے سچا کہہ رہا ہے۔“

”بہت بہتر سر۔“

اس نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا ... وہ ان کی طرف بڑھے رانقلیں ان کی طرف پہلے ہی تان لی گئیں تھیں ... ”نن ... نہیں۔“ وہ گھبرا گئے۔

”سچا اگل دو گھر تو تھانے جانے سے بچ جاؤ گے ... نہیں اگلے کے تو مشکل میں پھنسو گے۔“

”اچھی بات ہے ... ہم سچ بتا دیتے ہیں۔“ ان میں سے بڑے عمر والے نے کہا۔

”یہ ہوئی تاباں بات۔“ انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

”یہاں سے کچھ دور ایک جزیرہ ہے ... ہم اپنی کشتی میں اس طرف سے گزرے ... تو جزیرے پر موجود کچھ لوگوں نے ہمیں آواز دی دے کر بلایا ... ہم نزدیک چلے گئے تو انہوں نے یہ دونوں آدمی تھانے



ہی آگے جانا پڑ جائے۔"

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے... کیا ہم اپنی کم درجہاں میں

چھوڑ دیں... اس خیال سے کہ کہیں ہم آگے ہی آگے نہ چلے جائیں۔"

"یہ بات نہیں... میں نے تو یہ بات اس لیے کی ہے کہ

ہمارے ساتھ نہ تو اکل خان رحمان ہیں اور نہ پروفیسر اکل۔"

"اوہ! ان کے منہ سے نکلا۔

"بات تو فاروق کی معقول ہے۔"

"ایک منٹ۔"

یہ کہہ کر وہ ماہی گیروں کی طرف مڑے۔

"وہ جزیرہ یہاں سے کتنی دیر کے فاصلے پر ہے۔"

"پینتیس منٹ تو لگ ہی جائیں گے۔"

"یہ زیادہ فاصلہ نہیں... ہم خان رحمان اور پروفیسر صاحب کو

فون کر دیتے ہیں... وہ یہاں آجائیں گے... اگر ہمیں کہیں آگے ہوا

پڑ گیا تو پہلے ساحل پر آکر انہیں لانچ پر سوار کر لیں گے... پھر آگے

جائیں گے... اس طرح تو تمہیں اعتراض نہیں۔" اننگلز جھپٹے لے

مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں اکل نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

اب انہوں نے آئی جی شیخ شہزاد احمد صاحب کو فون کیا... حالانکہ  
صورت حال بتائی... لانچ جہاں بھجوانی تھی، اس جگہ کی نشان دہی کی  
... اور سے آئی جی صاحب نے کہا۔

"لانچ ابھی بھجوا رہا ہوں۔"

اس کے بعد انہوں نے گھر فون کیا، بیگم کی آواز سنتے ہی انہوں  
نے کہا:

"بیگم... تم بیگم خاور لودھی اور بیگم جواد احسن کو تسلی دے۔"

... ان کے خاوند زندہ سلامت مل گئے ہیں... اور ہم انہیں ادھر لے

رہے ہیں۔"

"یہ بہت خوشی کی بات ہے... تو کیا آپ ان کے ساتھ نہیں

آ رہے۔"

"نہیں! ہمیں آگے جانا پڑ گیا ہے... امید ہے... چند گھنٹوں

تک آجائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر جلد ہی وہاں لانچ پہنچ گئی... وہ اپنی لانچ پر سوار

ہوئے... ایسے میں فاروق کی آواز ابھری۔

"ہم ہا تو رہے ہیں اتنا جان... کہیں ایسا نہ ہو... ہمیں آگے

اب پہلے انسپکٹر جمشید نے خان رحمان کو فون کیا ... فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی۔

”یار خان رحمان ... ہم اس وقت ایک ویران ساحل پر ہیں اور اس جگہ سے ایک جزیرے کی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔ فاروق، فرزانہ اور محمود چاہتے ہیں ... آپ دونوں بھی اس مہم میں ہمارے ساتھ ہوں ... تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ... میرا مطلب ہے ... ٹکی اور پوچھ پوچھ۔“ خان رحمان نے فوراً کہا۔

”خان رحمان ... میرے خیال میں تم نے اس وقت موقع کے مطابق محاورہ نہیں بولا۔“ انسپکٹر جمشید ہنسنے۔

”حد ہو گئی ... ارے تو نہیں ہو گا موقع اور محل کے مطابق محاورہ ... ہے تو محاورہ۔“ خان رحمان چبکے۔

”ہاں! وہ تو ہے۔“

”بس تو پھر آجاؤ ... پروفیسر صاحب کو بھی ساتھ لے آؤ۔“

”فکر نہ کرو ... ہم آرہے ہیں ... تم نشان دہی کرو۔“

”انہوں نے ویران ساحل کی نشان دہی کر دی ... ساتھ ہی انہوں نے کہا۔

”ہم یہاں نہیں ملیں گے ... ہمیں فوری طور پر اس جزیرے تک جانا ہے ... وہاں سے واپس لوٹیں گے اور آپ دونوں کو ساتھ لے لیں گے ... فون تو اس لیے کیا ہے کہ آپ دونوں وقت سے پہلے یہاں آجائیں۔“

”تم فکر نہ کرو ... اب یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دو ... جب تک تم نہیں آؤ گے ... ہم یہیں انتظار کریں گے۔“

”خیر ہم آپ کو پابند نہیں کر رہے ... کیونکہ ہو سکتا ہے ... ہم واپس نہ آسکیں ... اس صورت حال میں تو آپ دونوں یہاں انتظار کرتے سوکھ جائیں گے۔“

”اچھی بات ہے ... جو مناسب ہوا کر لیں گے ... لیکن مسئلہ کیا ہے۔“

”وہ ہم ملاقات پر بتائیں گے ... ویسے لگتا ہے ... مسئلہ بڑا ہے۔“

”لیکن جمشید! تم یہ بھی تو سوچو ... چھوٹے مسئلوں کے لیے تو ہم ہیں ہی نہیں۔“

”اس میں کیا شک ہے ... اچھا بس ... باتوں کے لیے اب یہ وقت نہیں ... ہاں ہم لالچ پر سوار ہو لیں ... پھر بات چیت کرتے رہیں



گے۔“

”اچھی بات ہے۔“ یہ کہہ کر خان رحمان نے فون بند کر دیا۔  
اب انہوں نے ماہی گیروں کو ساتھ لیا اور اپنی لالچ پر سوار ہو گئے۔ اس پر ایک نے کہا۔

”اور ہم واپس کیسے آئیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ تم اپنی لالچ پر چلو۔ ہم جہیں پڑوں گے ادا کر دیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“

اب وہ اپنی لالچ پر اور یہ اپنی لالچ پر سوار ہوئے۔ اور ان کا سفر جزیرے کی طرف شروع ہو گیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد جزیرہ نظر آنے لگا۔ ایک ماہی گیر نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ دیکھیے۔ وہ رہا جزیرہ۔“

”بہت خوب! آپ جانا چاہیں تو یہیں سے واپس چلے جائیں۔“

پٹرول کے لیے یہ کچھ رقم رکھ لیں۔“

”بہت بہت شکریہ جناب!“

فقری وصول کم کے انہوں نے تو واپسی کی راہ لی۔ اور جزیرے کی طرف بڑھے۔ وہ اس وقت کافی بے چینی محسوس کر رہے

تھے۔ دور سے انہیں جزیرے پر کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر ان کی لالچ کنارے پر آگئی۔ اور وہ اس سے اتر کر ساحل پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دور تک نظریں دوڑا ڈالیں۔ کوئی نظر نہ آیا۔ جزیرہ کافی بڑا تھا۔ اس پر گھنے درخت بے تحاشہ تھے۔ اور بہت اونچے اونچے تھے۔ بالکل ناریل کے درختوں کی طرح۔ لیکن وہ ناریل کے نہیں تھے۔ اور نہ ان پر کوئی پھل لگا ہوا تھا۔

”یہاں تو کوئی نہیں لگتا۔“ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”آگے چل کر دیکھتے ہیں۔“

وہ آگے بڑھے۔ اکرام بھی ان کے ساتھ تھا۔ باقی ماتحتوں کو انہوں نے ساحل سے ہی واپس لوٹا دیا تھا۔ اچانک فرزانہ نے دونوں بازو پھیلا دیے۔ وہ انہیں رکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ پھر اس کے منہ سے خوف کے عالم میں نکلا۔

”میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔“

☆☆☆☆☆

گڑ بڑ

انہوں نے ٹھٹک کر ادھر ادھر دور تک دیکھا ... کہیں کوئی خطرہ والی بات نظر نہ آئی ... آخر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”ٹھیک ہے ... ہم اب درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھیں گے۔“

”کیا فائدہ اٹا جان۔“ محمود نے برا سا منہ بنایا۔

”کیا مطلب؟“ فاروق نے اسے گھورا۔

”ہم درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھیں گے ... وہ لوگ پکڑ کاٹ کر ہماری کمر کی طرف آجائیں گے ... خطرہ تو اس طرح ہی ہمارے سر پر رہے گا۔“

”اس خطرے میں بس یہی بات بری ہے ... جب دیکھو سر؟ آجاتا ہے۔“ فاروق بڑبڑایا۔

”ہے کوئی تک۔“ فرزاد نے بھٹا کر کہا۔

”جب پھر ہم واپس ساحل کی طرف چلتے ہیں۔“

”اس صورت میں وہ اپنی جگہ دیکے رہیں گے اور بات کسی

کنارے نہیں لگے گی۔“

”ہوں ... آؤ پھر دیکھا جائے گا۔“

انسپکٹر جمشید نے کہا اور بے دھڑک آگے بڑھنے لگے ... اب وہ

بھی مجبوراً ان کے پیچھے قدم اٹھانے لگے ... ابھی چند منٹ ہی چلے ہوں گے کہ فاروق کی حیرت بھری آواز ابھری:

”ارے ... یہ کیا۔“

انہوں نے دیکھا، وہ زمین کی طرف اشارہ کر رہا تھا ... ان سب

نے اس طرف دیکھا ... وہاں سونے کا ایک بالکل ویسا ہی سلتہ موجود تھا

جیسا انہیں خاور لودھی کے ہاں سے ملا تھا۔

”دھت تیرے کی ... پھر وہی سلتہ۔“

”لیکن اس سلتے کے ملنے پر دھت تیرے کی کہاں سے نکل آیا۔“

”نکل آنے کی بھی ایک ہی کہی ... کہیں سے بھی کچھ بھی نکل

سکتا ہے۔“

”ہے کوئی تک۔“

”یار چپ رہو ... دماغ نہ چاٹو ... ادھر دشمن منصوبہ بندی کے



تحت ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہا ہے ... ادھر تم نے ادھر ادھر کی لگا رکھی ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے جھٹکا کر کہا۔

”اچھی بات ہے ... اب ہم کچھ نہیں کہیں گے ... ہاں نہیں؟“

اور کیا۔“ فاروق برا مان گیا۔

”اور یہ جملے کے آخر میں ہاں نہیں تو اور کیا، کیوں کہا۔“ انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

”یہ ایسے ہی نکل گیا منہ سے ... آپ اس کا خیال نہ کریں۔“

فاروق نے فوراً کہا۔

”اچھا نہیں کرتا خیال ... ورنہ خیال تو میں ایسا کرتا کہ تم یاد رکھتے۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”ارے باپ رے۔“

”اب یہ اپنا ارے باپ رے اپنے پاس رکھو۔“ فرزانہ جل گئی۔

”اچھا!“ فاروق نے فوراً کہا۔

”میرا خیال ہے ... ہمیں بہت تیزی سے گھیرے میں لیا جا رہا ہے۔“ اکرام نے بوکھلا کر کہا۔

”تب پھر ... اس کا ایک ہی حل ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے دلی

آواز میں کہا۔

”اور وہ کیا؟“

”ترکیب نمبر 19۔“

”جی بہتر۔“

جلد ہی وہ بہت تیزی سے پیچھے ہٹے نظر آئے ... یہاں تک کہ

ساحل تک آگئے ... کچھ ہی دور ان کی لالچ موجود تھی ... انہوں نے

آؤ دیکھا نہ تاؤ ... پانی میں چھلائیں لگا دیں ... اور تیر کر لالچ تک پہنچ گئے ... لیکن جونہی وہ لالچ پر سوار ہوئے ... ان کے اوپر کے سانس

اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے ... ان کے سامنے دو عدد بڑی لالچیں

کھڑی تھیں اور ان پر نصب توپوں کے رخ ان کی طرف تھے ... گویا

وہ اس لالچ کے ذریعے اس جگہ سے فرار نہیں ہو سکتے تھے ...

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... ایسے میں انسپکٹر جمشید

نے دلی آواز میں کہا۔

”ترکیب نمبر 19 فیل ہو گئی ... اب 17 پر عمل کرنا ہو گا ... لیکن

یہ خیال رہے کہ ان لالچوں پر موجود دشمنوں کی نظریں ہم پر جمی ہیں۔“

”آپ فکر نہ کریں۔“

انہوں نے ایک بار پھر لالچ سے چھلائیں لگائیں اور ساحل پر پہنچ گئے ... اب یہاں سے انہوں نے ترکیب نمبر 17 پر عمل شروع کیا۔

تلاش کر رہے تھے ... اور گھنے درختوں کی شاخوں پر اندھا دھند فائر بھی  
کر رہے تھے ... آہستہ آہستہ وہ ان درختوں کی طرف آ رہے تھے ...  
جن پر انہوں نے پناہ لی ہوئی تھی ... اور وہ اس انتظار میں تھے کہ کب  
وہ ان کی زد میں آتے ہیں ... کیونکہ ان پر فائرنگ کیے بغیر اب کوئی  
چارہ نہیں تھا ... لالچ کی تباہی نے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ وہ ہر  
حال میں ان کی جانیں لینا چاہتے ہیں ... گویا انہیں یہاں تک لایا ہی  
اس لیے گیا تھا ... اس لیے انہیں ایک اور خوف ناک خیال سوچا  
... انسپکٹر جمشید کو اپنے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑتی محسوس ہوئیں ...  
وہ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے لیے فکر مند ہوئے ... پھر انہوں نے  
سر کو جھٹک دیا ... کیونکہ اس وقت مسئلہ تھا خود کو پہچانا ... پھر بھی انہوں  
نے موبائل نکالا اور جلدی جلدی ... خان رحمان کے نام ایک پیغام لکھ  
کر بھیج دیا ... ایسے میں ان کے دشمن ان کی زد میں آ گئے ... انہوں  
نے ایسے درختوں پر پناہ لی تھی کہ ان دونوں لالچوں سے ان پر فائر نہیں  
کیا جاسکتا تھا ... آخر انہوں نے ایک ساتھ فائرنگ شروع کر دی ...  
جلدی نو دس چیخیں فضا میں کھلبلی مچا گئیں ... فوراً ہی ان کے دشمن  
دوڑتے نظر آئے ... انہوں نے بھی تعاقب کرتے ہوؤں کو نشانہ بنایا ...  
اس طرح کئی اور گرے ... اس کے ساتھ ہی وہ بجلی کی جڑی سے ان

ترکیب نمبر 17 پر عمل کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ اس طرح غائب ہو گئے  
... جیسے گدھے کے سر سے سینک ... آخر جزیرے پر ایک کھردری  
آواز ابھری ...

”ارے! یہ لوگ کہاں غائب ہو گئے۔“

”جزیرے پر ہی ہیں سر ... جائیں گے کہاں ... لالچ تو ان کی  
ساحل پر کھڑی ہے۔“

”ہوں تلاش کرو ... ویسے میرا خیال ہے ... یہ لوگ درختوں پر  
چڑھ گئے ہیں۔“

”اس صورت میں یہ لوگ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے  
ہیں ... لیکن خیر کوئی بات نہیں ... پہلا دھماکا کر دیا جائے۔“ کھردری  
آواز والے نے کہا ... شاید وہ ان لوگوں کا انچارج تھا۔

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کی لالچ ایک دھماکے سے اڑ  
گئی۔

”اوہ! تو ان کا یہ پروگرام تھا ... یعنی ہم سمیت لالچ تباہ کرنے  
کا پروگرام تھا۔“

انہوں نے دل میں کہا ... جلد ہی جزیرے پر چاروں طرف دشمن  
ہی دشمن نظر آئے ... وہ تھے بھی مسلح ... وہ انہیں شکاری کتوں کی طرح



درختوں سے اتر آئے اور اب ان کا رخ اور ہی درختوں کی طرف تھا ... انہوں نے درخت بدلنے سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان دونوں لائچوں سے انہیں دیکھ نہ لیا جائے ... پھر دوسرے درختوں پر چڑھ کے بعد ہی انہوں نے اطمینان کا سانس لیا ... وہ اس طرح درختوں پر چڑھے تھے کہ نہ تو لائچوں پر سوار دشمنوں کو ان کی سمت کا پتا تھا، نہ بھاگ نکلنے والے دشمنوں کو ... لیکن وہ جانتے تھے کہ ان کے دشمن ایک بار پھر بہت جلد آئیں گے ... وہ لگے انتظار کرنے ... جلد ہی دشمن ہر ان درختوں کی طرف بڑھتا نظر آیا ... جن پر وہ پہلے موجود تھے۔ جوئی وہ ان سے آگے نکلے ... وہ نہایت احتیاط سے درختوں سے اتر آئے اور اب اس طرف بڑھے جس طرف سے ان کے دشمن آتے نظر آئے تھے ... لیکن ایسا کرتے وقت بھی انہوں نے درختوں کی اوٹ لینے کا خیال رکھا تھا ... ادھر ان درختوں کے نزدیک پہنچ کر ان کے دشمنوں نے درختوں کی اوٹ میں رہ کر بے تحاشہ فائرنگ شروع کر دی ... دشمن تعداد میں کم از کم سوتھے ... اور وہ سب ایک ساتھ ان درختوں پر فائرنگ کر رہے تھے ... یہ کام وہ اس خیال سے کر رہے تھے کہ "لوگ جہاں بھی ہوں ... جس درخت پر بھی ہوں ... بس ان کا نشانہ بن جائیں ... جب کہ وہ ان سے دور اس طرف سفر کر رہے تھے۔"

جہاں سے دشمن ان کی طرف دوسری بار آیا تھا ... جلد ہی وہ اس جگہ پہنچ گئے ... جہاں ان کے دشمنوں نے گویا پڑاؤ ڈالا ہوا تھا ... وہاں اسلحے کا ایک ڈھیر موجود تھا ... اور اس ڈھیر کی حفاظت کے لیے ... وہاں اس وقت چار افراد موجود تھے ... انہوں نے درختوں کی اوٹ میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... اکرام نے اشاروں میں پوچھا:

"اب کیا کیا جائے ... اگر ہم ان پر فائرنگ کرتے ہیں تو دشمن فوراً ادھر پلٹ پڑیں گے ... ان کی تعداد پہلے ہی زیادہ ہے ... اور فائرنگ نہیں کرتے تو اسلحے کے ذخائر پر ہمارا قبضہ نہیں ہوگا۔"

انسپکٹر جمشید نے اشاروں میں جواب دیا۔

"میں کچھ کرتا ہوں ... تم اپنی اپنی جگہ دیکے رہو۔"

اب انہوں نے حلق سے سانپ کی پھنکار جیسی آواز نکالی ... وہ چاروں چونک گئے ... پھر ان میں سے ایک اس طرف آیا ... گن اس کے ہاتھ میں تھی ... اور وہ پوری طرح چونکا تھا ... جوئی وہ اس درخت کے نزدیک آیا جس کے پیچھے انسپکٹر جمشید تھے ... انہوں نے اس کی گردن اس طرح دبوچ لی کہ اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی ... اور پھر انہوں نے اس کی گردن اس وقت چھوڑی جب اس کی روح

پردہ کر گئی ... ساتھ ہی انہوں نے اسے لٹا دیا ... اب وہ انتظار کر سکتے تھے ... انہوں نے اسے اس طرح لٹایا تھا کہ نزدیک آئے بغیر اس کی لاش نظر ہی نہیں آ سکتی تھی ...

”ارے ... سب کو کہاں رہ گیا ... کہیں اسے سانپ نے ڈس نہیں لیا۔“ ایک کی آواز ابھری۔

”مم ... میں ... دیکھتا ہوں۔“

جلدی دوسرا پہلے کی تلاش میں نزدیک آ گیا ... اب اسے اپنے ساتھی کی لاش نظر آئی ...

”ارے باپ رے ... یہ ... یہ تو لگتا ہے ... مر گیا۔“ دوسرے کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

”کیا!“ اس کے دونوں ساتھی چونک کر بولے ... پھر وہ تیر کی طرح اس کی طرف آئے ... بس یہی وہ وقت تھا ... جب انہوں نے

دوسرے کی گردن پر اپنے ہاتھ کی ہڈی دے ماری ... ایک سکیئنڈ سے بھی کم وقت میں وہ لمبا لیٹ گیا ... اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

اسے تڑپتا چھوڑ کر وہ آنے والے دو کے استقبال کے لیے تیار ہو گئے ... اور درخت کے ایک طرف آ گئے ... جو وہی دونوں آ گئے اور اپنے

دونوں مردہ ساتھیوں پر جھکے ... انہوں نے ایک ایک ہاتھ سے ان کی

مردہ نہیں دیوچ لیں اور ان کے سر زور سے ٹکرا دیے ... سر ٹکرائے سے آواز آئی ... لیکن یہ آواز اتنی نہیں تھی کہ ساحل تک جا سکتی ... یوں بھی وہ ساحل سے کافی فاصلے پر تھے ... دونوں کے سر پھٹ چکے تھے ... انہوں نے ان دونوں کو بھی چھوڑ دیا ... پھر اپنے ساتھیوں سے گویا ہوئے۔

”جلدی کرو بھی ... اسلحہ مختلف درختوں کی اوٹ میں رکھنا شروع کر دو ... وہ لوگ ادھر آنے میں دیر نہیں لگائیں گے ... کیونکہ انہیں اپنے اسلحے کی فکر پڑ جائے گی۔“

انہوں نے ہدایت پر عمل شروع کر دیا اور صرف چند منٹ میں اسلحہ کئی درختوں کی اوٹ میں رکھ دیا ... اب اگر ان کے دشمن آتے تو سیدھے اپنے اسلحے کی طرف آتے اور اس صورت میں ان کا نشانہ بن جاتے، کیونکہ جن درختوں کی اوٹ میں انہوں نے اسلحہ رکھا تھا ... انہی درختوں کی اوٹ میں انہوں نے پوزیشن بھی سنبھال لی تھی۔

انتظار کرتے ہوئے انہیں پندرہ منٹ گزر گئے ... لیکن دشمن اس طرف نہ آیا ... اب تو ان کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے ...

”پندرہ منٹ گزر گئے ... وہ آنے میں اتنی دیر نہیں لگ سکتے تھے ... اس کا مطلب ہے ... ان کا ادھر آنے کا پروگرام نہیں ہے ... اور



انہوں نے ساحل کے پاس مورچے سنبھال لیے ہیں ... کیونکہ وہ جانتے ہیں ... ہمیں اس طرف جانا ہوگا ... لائنیں جو اس طرف ہیں ... اور لائن کے بغیر تو ہم ساحل کی طرف نہیں جاسکیں گے۔“ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

”کوئی پروا نہیں سر ... ہمیں کیا جلدی ہے۔“

”ہاں اکرام! لیکن ہم اتنی دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتے ... ہمیں جانا تو بہر حال ہوگا ... لہذا چلتے ہیں ... ہم درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے ... زائد اسلحہ اٹھائے ساحل کا رخ کریں گے۔“ انہوں نے گویا ہدایت دی۔

اس کے ایک منٹ بعد ان کا سفر ساحل کی طرف شروع ہو چکا تھا ... اور وہ قدم بہ قدم ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے ... چونکہ بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی، اس لیے ان کی رفتار بہت کم تھی ... آخر وہ ساحل کے نزدیک پہنچ گئے ... اس وقت انہیں حیرت کا ایک جھٹکا لگا۔

”ارے! یہ کیا؟“

انہوں نے دیکھا ... ساحل پر دونوں لائنیں نہیں تھیں ... وہ چند لمحوں تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے ... آخر فرزانہ کے منہ سے

لگا۔

”حیرت ہے ... کم از کم مجھے تو لائنوں کے انجن اشارت ہونے کی آواز سنائی دینی چاہیے تھی۔“

”ہاں واقعی فرزانہ۔“ انسپکٹر جمشید نے دہی آواز میں کہا۔

”تب پھر لائنیں یہیں کہیں ہیں ... ان دونوں کو دھکیل کر شاید

ساحل کے دوسری طرف لے جایا گیا ہے تاکہ ہم پریشان ہو جائیں۔“

”ہوں! شاید یہی بات ہے ... لیکن اب میں ایک اور بات

سوچ رہا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”اور وہ کیا ابا جان۔“ تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

”یہ کہ ... لائنیں اب یہاں نہیں ہیں ... وہ جا چکی ہیں اور ہمیں

آئی جی صاحب کو فون کر کے لائن منگوانا پڑے گی۔“

”لیکن ابا جان! پھر وہی بات! آخر میں نے ان کے اشارت

ہونے کی آواز کیوں نہیں سنی۔“

”اس کا جواب بھی تم ہی بتاؤ گے ... سوچو ... غور کرو ... ہم

نے ان کے انجن اشارت ہونے کی آواز کیوں نہیں سنی۔“ ان کی آواز

سنائی دی۔

اب تو وہ سوچ میں ڈوب گئے ... آخر فرزانہ نے کہا۔

کی آواز سنائی دی ... انہوں نے چھوٹے ہی پوچھا:  
"ہاں جمشید کیا رہا۔"

انہوں نے جلدی جلدی صورت حال بتائی ... سننے ہی شیخ صاحب  
نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو جمشید ... ہم ساحل پر پہنچ رہے ہیں ... اور  
تمہاری طرف لالچ روانہ کر رہے ہیں۔"

"شکر یہ سر!"  
ایک گھنٹے بعد لالچ اس جزیرے پر آگئی ... اس پر اکرام کے  
ماتحت بھی تھے ...

"ساحل کی کیا خبر ہے ...؟" انسپکٹر جمشید نے بے تابانہ پوچھا۔  
"ہم تو سیدھے ادھر آ رہے ہیں ... ساحل کی طرف شیخ صاحب  
روانہ ہوئے تھے۔"

"ہوں ... چلیں پھر۔"

وہ جلدی جلدی لالچ پر سوار ہو گئے ... اکرام اپنے ماتحتوں سمیت  
وہیں رک گیا ... ابھی وہاں کافی کام تھا ... اسلحہ سمیٹنا تھا ... نشانات  
وغیرہ اٹھانے تھے ... اور بھی کوئی چیز وہاں سے مل سکتی تھی ...  
اب ان کی لالچ حمزہ سے ساحل سمندر کی طرف روانہ ہوئی۔

"اس کا مطلب ہے ... وہ لالچیں آب دوز میں بھی تھیں ...  
جب ان کے اوپر کور آگیا، تب انجن سٹارٹ کیے گئے ... اس طرح  
آواز ہم تک نہ پہنچ سکی ... کافی فاصلے پر جا کر وہ پانی کی سطح پر آئے  
ہوں گے ... اس کا مطلب ہے ... وہ بھاگ نکلے۔"

"ضرور یہی بات ہے ... لیکن۔" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک  
گئے۔

"لیکن کے بعد آپ رک کیوں گئے۔" فاروق نے بے تابانہ  
کہا۔

"لیکن ... مدد کیوں نہیں پہنچی ... خطرے کو بھانپتے ہی میں نے  
خان رحمان کو ایس ایم ایس کر دیا تھا ... اور اس وقت تک انہیں لالچ  
لے کر یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا ... خیر میں انہیں فون کرتا ہوں ... اس  
وقت تو فون کیا نہیں جا سکتا تھا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے خان رحمان کا نمبر ملایا ... نمبر بند ملا ... اب  
انہوں نے پروفیسر صاحب کا نمبر ملایا ... وہ بھی بند تھا ...  
"باپ رے ... ساحل پر بھی گڑ بولگتی ہے۔"

"کیا !!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

اور پھر انہوں نے آئی جی صاحب سے رابطہ کیا ... جلد ہی ان



آدھ گھنٹے سے بھی کم وقت میں وہ سائل پر تھے ... وہاں شیخ صاحب اور ان کے دوسرے آفیسرز موجود تھے ... ان کے چہروں پر نظر پڑے ہی وہ پریشان ہو گئے ...

”پروفیسر صاحب اور خان صاحب خیریت سے تو ہیں سر۔“

”خان صاحب رسیوں سے بندھے ملے ہیں اور ہیں بھی بے ہوش ... انہیں ہسپتال روانہ کر دیا گیا ... بس تمہارا انتظار تھا ... ہم یہاں سے ہسپتال ہی چل رہے ہیں۔“

”اور پروفیسر صاحب اور وہ ماہی گیر۔“

”وہ غائب ہیں۔“

”مطلب یہ کہ ہمیں گھیر کر اس جزیرے تک لے جانا تھا ...

تاکہ ہمیں ختم کر دیا جاتا۔“

”اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے جمشید ... اور پروفیسر کو اغوا کرنا

تھا۔“

اب وہ ہسپتال پہنچے ... انہیں فوراً اس کمرے میں لایا گیا ...

جہاں خان رحمان تھے ... وہ ساکت نظر آئے۔

”تو ابھی انہیں ہوش نہیں آیا۔“

”جی نہیں ... کوشش جاری ہے ... لگتا ہے ... بے ہوشی کی

زیادہ ہی سخت چیز دی گئی ہے ... لیکن بہر حال امید ہے کہ جلد ہوش میں آجائیں گے۔“

اب ان کے پاس انتظار کے سوا کیا چارہ نہ تھا۔

”اس کا مطلب ہے ... ہم اس کیس میں ایک قدم بھی آگے

نہیں بڑھ سکے ... بلکہ وہ پروفیسر داؤد کو ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔“

”ہاں جمشید ... یہی بات ہے۔“

”اور یہ بات سنگین بات ہے ... کیا ہم سمندر میں ان کے

تغائب میں نہیں جاسکتے۔“

”نہیں جمشید ... اس جزیرے کے فوراً بعد سمندر میں شارجہستان

کی سرحد شروع ہو جاتی ہے ... اس طرح بحری جنگ چھڑ سکتی ہے ...

اور بحری جنگ چھڑی تو بڑی اور فضائی جنگ شروع ہو جائے گی؟“

”اور یہ بھی سوچ لو ... جمشید ... پورے ملک کی غضب ناک

نظریں ہم پر ہوں گی کہ یہ ہولناک جنگ جس نے پورے ملک کو اپنی

پیٹ میں لے لیا ہے ... ان لوگوں کی وجہ سے چھڑی ہے۔“

”اچھی بات ہے ... اب ہمیں ان کی تلاش میں نکلتا ہوگا ... یہ

تو نہیں ہو سکتا کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں۔“

”یہ تم سے کس نے کہا ہے جمشید ... یہ کوشش تو ہمیں کرنی ہو

گی۔“

”نھیک ہے سر ... فی الحال ہم خان رحمان کے ہوش میں آنے

کا انتظار کریں گے ... کیونکہ وہ بھی تو ہمیں کچھ بتائیں گے ... ان

کے ساتھ کیا ہوا۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“ شیخ صاحب اداس انداز میں مسکرا دیے۔

”ویسے سر ... لگتا ہے ... یہ کوئی لمبا معاملہ ہے ... پہلے بات

صرف یہاں تک تھی کہ ان لوگوں نے بڑے پراسرار انداز میں دو

کتابیں اڑائی تھیں ... ہم ابھی تک اس کتاب کا نام معلوم نہیں کر سکے

... ان لوگوں نے خاور لودھی صاحب اور جواد احسن صاحب کو بھی انوا

کر لیا تھا ... تاکہ ہم ان سے اس کتاب کا نام معلوم نہ کر سکیں ... وہ

ہمیں ملے بھی تو ایسی حالت میں کہ کچھ بتانے کے قابل نہیں ہیں ... نہ

جانے انہوں نے کس طرح ان دونوں کی یادداشت غائب کی ہے ...

اوه ہاں ... ہم نے ان کے بارے میں رپورٹ نہیں لی ... وہ دونوں

کہاں ہیں بھلا۔“

”دماغی وارڈ میں ... اسی ہسپتال میں۔“

”تو ہم ذرا ان کی بھی خیر لے آئیں۔“

”اچھی بات ہے جمشید ... میں یہیں موجود ہوں ... اور جب

تک خان رحمان ہوش میں نہیں آجاتے ... اس وقت تک یہاں سے نہیں

جاؤں گا۔“

”شکریہ سر۔“

وہ وہاں سے دماغی وارڈ میں آئے ... انہیں فوراً ان دونوں تک

لے جایا گیا ... دونوں ہوش میں تھے ... لیکن انہیں دیکھ کر انہوں نے

پچپانے کی کوئی علامت ظاہر نہ کی ... ان کی بیگمات اب وہیں تھیں ...

اور کافی فکر مند دکھائی دے رہی تھیں ...

”آپ پریشان نہ ہوں ... ملک کے بہترین ڈاکٹر ان کا علاج

کریں گے اور انہیں اپنی اصل حالت پر لانے کی بھرکوشش کریں گے

... ہم دراصل دشمنوں کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی الجھ گئے ہیں ... ورنہ ہم

یہیں ان کے پاس رہتے ... انہوں نے ہمارے بہت ہی اچھے دوست

پروفیسر داؤد صاحب کو اغوا کر لیا ہے اور دوسرے ساتھی خان رحمان کو نہ

جانے کیا چیز کھلائی ہے ... یا کیا انجکشن لگایا ہے کہ ابھی تک ہوش میں

نہیں آئے۔“

”نھیک ہے ... ہم آپ کی مجبوری محسوس کر سکتی ہیں ... آپ

ان کے پاس جائیں ... اور اپنے ساتھی کو تلاش کرنے کی کوشش کریں



... آپ کی بیگم صاحبہ پہلے ہی ہمارا بہت خیال رکھے ہوئے ہیں ... اور  
چچی بات یہ ہے کہ ہم نے تو زندگی میں اس قدر مہربان خاتون کوئی نہیں  
دیکھی۔“

”شکریہ! ہم چلتے ہیں۔“ انیسٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

اور پھر وہ خان رحمان کی طرف آگئے۔

”ان کے پیوٹوں میں حرکت ہوئی تھی ... ڈاکٹر صاحبان نے

امید ظاہر کی ہے کہ چند منٹ تک یہ ہوش میں آسکتے ہیں۔“

”اللہ کا شکر ہے ... ہم نے یہ حوصلہ افزا خبر تو سنی۔“

اور پھر ان کی نظریں خان رحمان پر جم گئیں ... وہ ان کے لیے

دعا کرنے لگے ... ساتھ ہی انہوں نے پروفیسر صاحب کے لیے دعا

شروع کر دی ... آخر خان رحمان نے آنکھیں کھول دیں ... چند لمحوں

تک وہ پلکیں جھپکتے رہے ... پھر انہیں پہچانتے ہی اداس انداز میں مسکرا

دیے ... ان کے ہونٹ ہلے:

”مجھے افسوس ہے جمشید ... وہ پروفیسر صاحب کو لے گئے۔“

”تمہارا مطلب ... وہ ماہی گیر۔“

”ہاں جمشید ... ہمارے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ دشمن ہیں

... بس جو نہی ہم وہاں پہنچے ... انہوں نے گئیں ہم پر تان لیں اور

موہاں قبضے میں لے لیے ... اس کے بعد انہوں نے ہمیں رسیدوں سے

باندھ دیا ... پھر ان میں سے ایک ایک خط لکھنے لگا۔“

”کیا کہا ... خان رحمان ... خط لکھنے لگا۔“

”ہاں ... خط لکھنے کے بعد انہوں نے وہ خط میری جیب میں رکھ

دیا ... اس کے بعد ایک انجکشن لگایا اور پھر میرا دماغ تاریکی میں ڈوب

گیا۔“

”کیا کہا ... خط انہوں نے تمہاری جیب میں رکھ دیا ... دھت

تیرے کی ... تمہاری تلاشی لینے کا تو ہمیں خیال تک نہیں آیا۔“ انہوں

نے چونک کر کہا ... پھر ان کی جیب سے وہ خط نکال لیا ...

اور پھر وہ سب اس خط پر اس تیزی سے جھکے کہ ان کے سر آپسی

میں ٹکرا گئے ... لیکن ... یہ وقت ایک دوسرے پر غصہ کرنے کا کب تھا

... ان کی نظریں خط کی تحریر پر دوڑنے لگیں ...

☆☆☆☆☆

”اچھی بات ہے ... ڈاکٹر صاحب ... آپ کی طرف سے اجازت ہے۔“

”بہتر تو یہی تھا کہ یہ ابھی ایک آدھ دن آرام کرتے۔“

”نہیں ڈاکٹر صاحب ... ہمارے دوست پروفیسر صاحب کو انوار

کر لیا گیا ہوتا تو اور بات تھی ... اب ہم نہیں رک سکتے۔“

اور وہ ہسپتال سے باہر نکل آئے ... شیخ صاحب نے دفتر کی راہ

لی ... اور انہوں نے اپنے گھر کی ... گھر میں بیگم جمشید نے ان کا

استقبال کیا ... پروفیسر صاحب کی وجہ سے سب چپ چپ تھے ... پھر

فرزانہ نے کہا۔

”کیوں نہ ہم انکل کامران مرزا کو بھی اس مہم میں شامل کر

لیں۔“

”اچھا! میں انہیں فون کرتا ہوں۔“

انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کا نمبر ڈائل کیا ... فون آف تھا...

بیگم کامران مرزا کا نمبر ملایا تو ان کی آواز سنائی دی۔

”السلام علیکم بھائی جان۔“

”وعلیکم السلام، کہاں ہیں یہ لوگ۔“

”ان کا کوئی پتا نہیں۔“

## کالا جنگل

خط کے الفاظ یہ تھے :

”ڈیر انسپکٹر جمشید ... پروفیسر داؤد کی تلاش میں نکل پڑو ... ہم

کالا جنگل میں تمہارا استقبال کرنے کے لیے تیار ہوں گے ... امید ہے،

آؤ گے ... پروفیسر داؤد کے آرام چیمبر اور کھانے پینے کا خیال رکھا

جائے گا ... اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“

”کالا جنگل۔“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”اور یہ کالا جنگل کہاں ہے۔“ فرزانہ بڑبڑائی۔

”پہلی بار نام سنا ہے۔“

”کوئی بات نہیں ... معلوم کر لیتے ہیں ... خان رحمان ابھی تم

آرام کرو ... ہم ذرا کالا جنگل کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں۔“

”نہیں! اب میں یہاں مزید نہیں لینا رہ سکتا ... میں ساتھ چلوں

گا۔“



”ادہ۔“ انسپکٹر جمشید کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔  
 ”اور آپ کا یہ بیان ظاہر کر رہا ہے... اس طرف بھی کتاب  
 کے حوالے سے کوئی سلسلہ چل رہا ہے۔“  
 ”ہاں بھابی... صاحبہ... اس طرف دو گھروں سے ایک کتاب  
 چرائی جا چکی ہے... اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ پروفیسر داؤد صاحب کو  
 اغوا کر لیا گیا ہے... اور ان کا کوئی پتا نہیں... ہم ان کی تلاش میں  
 نکل رہے ہیں... خیال آیا کہ ادھر سے بھی اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے  
 لیں... لیکن وہ شاید ہم سے بھی پہلے کتاب والے معاملے میں الجھ چکے  
 ہیں... اللہ اپنا رحم فرمائے... آپ نے تو ہماری پریشانی اور بڑھادی  
 ... خیر آپ فکر نہ کریں... ہم ان لوگوں کی تلاش میں نکل رہے ہیں۔“  
 ”بہت بہت شکریہ بھائی جان... یہ تو بہت ہی اچھا ہو جائے  
 گا۔“

”اللہ اچھا کرنے والے ہیں... آپ بس دعا کریں... ہم ان  
 کی تلاش میں نکل رہے ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا  
 ... مین اسی لمحے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی... انہوں نے چونک کر اسکرین  
 پر نظر ڈالی... یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی فون شوکی کا تھا۔  
 ”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”کیا مطلب۔“ وہ چونک اٹھے۔ انہوں نے موبائل کا اسکرین آن  
 کر لیا تھا، اس لیے سبھی سن رہے تھے۔  
 ”یہ ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے... یہ آفس میں تھے کہ ان کے  
 ایک دوست کا فون انہیں موصول ہوا... دوست نے ان سے اپنے گھر  
 آنے کی درخواست کی اور کہا کہ وہ ایک سلسلے میں بہت پریشان  
 ہیں... اور پریشانی بھی کچھ پراسرار قسم کی ہے، تو انہوں نے بچوں کو  
 ساتھ لیا اور دوست کے گھر پہنچ گئے وہاں جا کر پتہ چلا کہ ان کے  
 دوست موجود نہیں ہیں بلکہ اپنی لائبریری سے کوئی کتاب لے کر کسی سے  
 ملنے گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ انسپکٹر کامران مرزا آئیں تو انہیں  
 بٹھائیں... میں ابھی آتا ہوں... اب وہ لوگ وہاں انتظار کرتے رہے  
 اور میں یہاں ان لوگوں کا انتظار کرتی رہی، اور جب بہت دیر گزر گئی تو  
 میں نے ان کے نمبر پر فون کیا... تو ان کا نمبر بند جا رہا تھا، پھر میں نے  
 تینوں بچوں کا نمبر ملایا تو تینوں کا موبائل بند ملا... پھر بالآخر میں نے  
 اس گھر میں فون کیا تو پتہ چلا کہ ان کے اسی دوست کا فون آیا تھا...  
 وہ کتاب کے سلسلے میں انہیں کہیں بلا رہے تھے اور یہ لوگ فوراً ہی چلے  
 گئے... اس کے بعد سے نہ ان کے دوست کا اور نہ ان لوگوں کا کوئی پتہ  
 نہیں۔“

”ہاں! خاص بات؟“

”ہمیں بے ہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا تھا... ہماری آنکھ کھلی تو ہم نے خود کو اسی کمرے میں پایا تھا... اب بھلا ہم اس بارے میں کیا بتا سکتے ہیں۔“

”سوال تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے تمہارے پاس موبائل کیوں رہنے دیا۔“

”میرے پاس ایک بہت چھوٹے سائز کا موبائل ہے... جو میں نے ابھی کچھ ہی مدت پہلے خریدا ہے... وہ ایک خفیہ جیب میں رکھتا ہوں... اور آف کر کے رکھتا ہوں... دن میں اس کی بیٹری بھی چارج کر لیتا ہوں... بس یہ وجہ ہے کہ موبائل میرے پاس رہ گیا۔“

”ہوں! تم تو روز بروز عقل مند ہوتے جا رہے ہو شوکی۔“

”آپ کی مہربانی ہے... آپ کی دعائیں ہیں... اور آپ کی تربیت ہے۔“

”اچھا بس... وقت نہ ضائع کرو... کمرے کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو تو بتا دو... کیونکہ اس سم کی مدد سے آئی جی انوار الحق صاحب بہت جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔“

”جی اچھا... میں بتاتا ہوں... یہ ایک کافی بڑا کمرہ ہے...

”کیا ہوا ابا جان۔“ فاروق کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

”شوکی کا فون ہے... اب مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔“

”کیا کہا آپ نے... آپ کو ڈر لگنے لگا ہے؟“

”ہاں!“ انہوں نے واقعی پریشانی کے عالم میں کہا۔

”اگر آپ ڈر محسوس کر رہے تو ہم کس کھیت کی مولیٰ ہیں، ہم بھی

ڈر محسوس کر لیتے ہیں۔“ فاروق نے خوف کے عالم میں کہا۔

”یا رچپ رہو...“ یہ کہتے ہوئے انہوں نے موبائل آن کر لیا

... فوراً ہی شوکی کی آواز سنائی دی۔

”ہم ایک نامعلوم جگہ پر قید ہیں... آپ فوراً ہماری مدد کے

لیے آئیں۔“

”کک... کیا کہہ رہے ہو شوکی... تم ایک نامعلوم جگہ پر قید

ہو؟“

”ہاں انکل مہربانی فرما کر آپ یہاں پہنچ جائیں۔“

”جس جگہ تم قید ہو... اس جگہ کی کوئی نشانی بھی تو بتاؤ... یہ

ضروری نہیں کہ تم سڑک یا آبادی کا نام بتاؤ... جس گھر میں تم قید ہو

... اس گھر کی کوئی خاص بات بتا سکتے ہو۔“

”خاص بات۔“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔



ہال لگتا ہے ... اس کی دیواروں پر گلابی پینٹ کرایا گیا ہے ... تعمیر کا انداز مطلقہ دور کا ہے۔"

"بس آپ بہت کافی ہے ... سمجھ لو ... بہت جلد پولیس جنہیں تلاش کر لے گی۔"

"خش شہر یہ اکل آپ نے تو ہماری پریشانی ہی دور کر دی۔"

"اللہ کو یاد کرو شوکی ... پریشانیاں دور کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

اب انہوں نے آئی جی انوار عالم کا نمبر ملایا ... ان کی آواز سننے ہی انہوں نے کہا۔

سرا شوکی برادرز کو اغوا کر کے اس شہر کی ایک عمارت میں رکھا گیا ہے ... اس نے ہمیں فون کیا ہے ... اس کا مطلب ہے ... وہ آپ کو بھی فون کر سکتا ہے ... اور اس طرح آپ آسانی سے اس عمارت تک پہنچ سکتے ہیں ... پھر انہیں آزاد کرانا بہت آسان ہو گا ... لیکن ... اس نے آپ کے بھائے، ہمیں فون کیا ہے ... اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"صاف اور سیدھی بات ہے ... یہ فون اس نے خود نہیں کیا ...

انہو کر لے والے اس سے کروا رہے ہیں ... وہ چاہتے ہیں ... تم لوگ ان کی تلاش میں یہاں آؤ ... اور ہم لوگ ان کی تلاش میں نہ لائیں ... مطلب یہ کہ وہ تم لوگوں کو الجھانا چاہتے ہیں ... خیر تم فکر نہ کرو ... اس کا نمبر میرے پاس ہے ... ہم اس سم کے ذریعے اس جگہ کا سراغ لگا لیں گے ... اور ہمیں فون کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی ... اس لیے کہ وہ جنہیں فون کر چکا ہے ... سم اسی شہر میں استعمال ہوئی ہے ... لہذا اس کی سمت معلوم ہو جائے گی ... اب رہی یہ بات کہ وہ نہ جانے وہاں کس عمارت میں قید ہیں ... تو اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ... ہم اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیں گے۔"

"ٹھیک ہے سرا آپ یہ کوشش شروع کر دیں ... آپ کا یہ خیال بالکل درست ہے ... کہ وہ دراصل ہمیں الجھانا چاہتے ہیں۔"

"یہ کون لوگ ہیں ... اور ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں۔"

"ان کے مقاصد ابھی تک معلوم نہیں ہو سکے ... انہوں نے اب تک ہماری طرف جو وارداتیں کی ہیں ... وہ بہت پراسرار قسم کی ہیں ... فی الحال سب سے بڑی واردات یہ ہے کہ پروفیسر داؤد صاحب کو اغوا کر لیا ہے ... ہم ان کی تلاش میں لگنا چاہتے ہیں ... ان حالات میں ہم نے سوچا کہ انسپکٹر کامران مرزا کو ساتھ لے جائیں ... لیکن ...

”صرف پروفیسر انکل کی وجہ سے نہیں ... شوکی برادرز اور انکل  
کامران مرزا پارٹی کی وجہ سے بھی ... ہمارے لیے مسئلہ ہے ... کس  
کس کو تلاش کریں۔“

”جب کہ میرے خیال میں تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے ... ان سب  
حضرات کو مجرموں کی ایک ہی جماعت نے اغوا کیا ہے ...“ فرزانہ نے  
مسکرا کر کہا۔

”واقعی فرزانہ ... تم تو میرے بھی کان کاٹ رہی ہو۔“  
”نہ نہیں تو ابا جان! آپ یہ تو نہ کہیں۔“ فرزانہ نے بولکھلا کر  
کہا۔

”اچھا نہیں کہتا۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔  
”تب پھر ہم اب کیا کریں گے ... ہمارے سامنے تو کوئی راستہ  
بھی نہیں ہے۔“ فاروق نے کہا۔

”غور کریں گے بھئی ... ایسے ہی روانہ نہیں ہوں گے ... میں  
یہ سمجھتا ہوں ... ہمارے سامنے کئی باتیں ہیں ... ہمارے اس بار کے  
دشمنوں نے ایک کتاب اڑائی ہے ... شاید پورے ملک میں اس کتاب  
کی تین چار جلدیں مختلف جگہوں پر موجود تھیں اور وہ سب انہوں نے  
جہائی ہیں ... اگر ہم ان میں سے کوئی کتاب حاصل کر لیتے تو شاید یہ

بھی غائب ہیں ... مطلب یہ ان کے بارے میں معلوم نہیں کہ کہاں  
ہیں ... ابھی ہم ان سے رابطہ کرنے کی کوشش میں ناکام ہوئے تھے کہ  
شوکی کا فون آگیا ... اس نے بتایا کہ وہ لوگ ایک عمارت میں قید  
ہیں۔“

”ٹھیک ہے ... تم لوگ اطمینان رکھو ... میں ایک یا دو گھنٹے  
تک بتاؤں گا کہ ہم نے انہیں پالیا ہے یا نہیں۔“  
”بہت بہتر سر! اور شکریہ۔“

”اور یہ تم نے شکریہ کیوں کہا۔“ انہوں نے ناراضی ظاہر کی۔  
”معافی چاہتا ہوں سر۔“

”یہ ہوئی نا بات۔“ انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور فون بند کر  
دیا ...

”اب دو گھنٹے تک تو ہم سوائے انتظار کے کچھ کر نہیں سکتے۔“  
”تو پھر کچھ دیر آرام کر لیتے ہیں ... کھا پی لیتے ہیں ... کیونکہ  
مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری واپسی جلد نہیں ہوگی ... یہ کیس لبا  
ثابت ہوگا۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے ... آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں  
ہم پہلے ہی پروفیسر انکل کی وجہ سے پریشان ہیں۔“



بات جان پاتے کہ دشمن کا منصوبہ کیا ہے... یا ان کتابوں کو اڑا کر وہ کون سی بات ہم سے چھپانا چاہتا ہے... اور اگر وہ بات ہمارے علم میں آجاتی تو ہم کس پوزیشن میں ہوتے... ایک بات تو یہ ہے... دوسری بات انہوں نے ہمارے ساتھیوں کو اغوا کر لیا ہے... پروفیسر صاحب کو، شوکی برادرز کو اور انسپکٹر کامران مرزا کو... اس طرح گویا وہ ہمیں بے بسی کے احساس میں مبتلا کر دینا چاہتے ہیں... تیسری بات... ہمیں جو مسئلہ ملا ہے... وہ بھی انہوں نے جان بوجھ کر گرایا تھا... گویا وہ خود چاہتے ہیں... ہم اسے دیکھ لیں... اس سے میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں... کہ وہ ہمیں کسی ایک جگہ جمع کرنا چاہتے ہیں... صرف ہمیں ہی نہیں... شاید دوسرے ملکوں کے کچھ اور لوگوں کو بھی... اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ دنیا بھر کے کچھ ماہرین کو ایک جگہ جمع کرنے کے چکر میں ہوں... تاکہ ان کے اپنے منصوبے پر کام کر سکیں... اور شاید وہ دنیا کا کوئی ایسا حصہ ہے... جو دنیا کی نظروں سے اوجھل ہے... لیکن یہ لوگ وہاں کیسے پہنچ چکے ہیں... اگر میرے اندازے درست ہیں، تب تو وہ ہمیں خود بخود کسی نہ کسی طرح وہاں لے جائیں گے... ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں... ”

”لیکن ابا جان! ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہیں سکتے... اس

طرح تو ہم انتظار کرتے کرتے سوکھ جائیں گے۔“ محمود نے گھبرا کر کہا۔  
”میرا مطلب یہ نہیں تھا... کہ ہم آرام سے بیٹھے رہیں... مطلب یہ تھا کہ... ہمیں راستہ وہ خود دکھائیں گے... اور ایسا جلد ہو گا۔“

”چلیے ٹھیک ہے... ان کے دکھائے ہوئے راستے پر ہم چل پڑیں گے۔“

”ایک بات اور... یہ ہمارا اندازہ ہے کہ انہوں نے اکل کامران مرزا پارٹی کو اور شوکی برادرز کو اغوا کر لیا ہے... ہو سکتا ہے، یہ بات نہ ہو۔“

”شوکی برادرز کے بارے میں تو آئی جی انوار الحق صاحب کی طرف سے ابھی تھوڑی دیر تک رپورٹ مل جائے گی... باقی رہے انسپکٹر کامران مرزا ان کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... کیونکہ وہ کوئی موم کی ناک نہیں ہیں کہ دشمن جدھر چاہیں گے، موڑ لیں گے... ان سے بھی کہیں نہ کہیں ملاقات ہو ہی جائے گی...“

اور پھر آئی جی انوار الحق صاحب کا فون آگیا... وہ کہہ رہے تھے:

”مجھے افسوس ہے جمشید... ہم شوکی برادرز کو نہیں پاسکتے... ہم

اس گمراہ کو پہنچ گئے تھے ... جس میں انہیں قید کیا گیا تھا، لیکن ...  
وہ اس سے کافی دیر پہلے انہیں وہاں سے لے جا چکے تھے ... شہر میں  
اگرچہ ان کی تلاش جاری ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ ہم انہیں نہیں پا  
سکیں گے ... وہ اس کمرے میں تم لوگوں کے لیے پیغام چھوڑ گئے  
ہیں۔" یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔  
"اوہ! اور وہ پیغام کیا ہے سر۔"

"پیغام یہ ہے ... ادھر ادھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں ... کالا جنگل  
پہنچ جاؤ ... وہیں ملاقات ہو جائے گی ... شوکی برادرز سے بھی اور  
انپلز کامران مرزا پارٹی سے بھی ... رہا یہ سوال ... کہ کالا جنگل کہاں  
ہے ... یہ معلوم کرنا تمہارا کام ہے ..." انوارالحق یہاں تک کہہ کر  
خاموش ہو گئے۔

"آپ کا مطلب ہے ... پیغام یہاں تک ہے۔"

"ہاں جمشید۔"

"ٹھیک ہے سر ... ہم کالا جنگل کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔"

"یہ کالا جنگل کس طرف ہے جمشید۔"

"ہمیں معلوم نہیں سر۔"

"کیا!!! وہ چلائے ... پھر انہوں نے کہا۔"

"جب پھر تم کیسے وہاں جاؤ گے۔"

"پتا نہیں سر ... لیکن ہمیں جانا ہو گا اور ہم جائیں گے۔" انہوں

نے کہا۔

"تم ... بہت عجیب ہو جمشید ... بہت عجیب ... اللہ تم لوگوں کی  
حفاظت فرمائے۔"

"آمین۔" انہوں نے کہا۔

فون کا سلسلہ بند ہونے پر انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے ...  
اس کی آواز سنتے ہی انہوں نے کہا۔

"اکرام ... تم کسی کالا جنگل کے بارے میں جانتے ہو۔"

"جی ... کالا جنگل۔" مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

"اوہ! مجھے افسوس ہے اکرام ... یہ سوال تم سے نہیں ...

جنگلات کے کسی ماہر سے پوچھنا چاہیے تھا ... خیر کوئی بات نہیں۔"

فون بند کر کے انہوں نے اپنے ایک دوست کو فون کیا ... وہ

جنگلات کے تو ماہر تھے ہی ... جغرافیہ کے بھی ماہر تھے ... ان کی آواز  
سن کر انہوں نے کہا۔

"میرے دوست جمشید بات کر رہا ہوں۔"

"آہا ... بہت دنوں بعد آواز سنائی دی۔"



”بس کیا کیا جائے ... مجبوری کہہ لیں ... یہ بتائیں کالا جنگل

کہاں ہے؟“

”کالا جنگل؟“ بارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! کالا جنگل۔“

”یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں ... تاہم ... آپ کچھ دیر انتظار کریں ... میں اپنی چند کتابوں کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”اچھی بات ہے ... ہم انتظار شروع کر رہے ہیں۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔

”ٹھیک ہے۔“

اور پھر کوئی بیس منٹ بعد دوست کا فون ملا ... وہ کہہ رہے تھے: ”مجھے افسوس ہے دوست ... کالا جنگل نام کا کوئی جنگل میری کتابوں میں نہیں ملا ... اللہ جانے اس نام کا جنگل کہاں ہے۔“

”کیا آپ نے صرف اپنے ملک کی حد تک تلاش کرنے کی کوشش کی ہے ... یا پوری دنیا میں۔“

”ملک کے تو ہر جنگل کے بارے میں میں کتاب دیکھے بغیر بتا سکتا ہوں ... اس نام کا جنگل ملک میں تو ہر گز نہیں ہے ... تمام شہر اور

ملکوں کے جنگلات کے نام بھی میں نے چیک کر لیے ... لیکن معلوم نہیں کر سکا ... لہذا مجھے افسوس ہے۔“

”خیر کوئی بات نہیں ... آپ پریشان نہ ہوں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا ... ایسے میں فرزانہ نے کہا۔

”ابا جان! ہم ایک صاحب کا نام بھول رہے ہیں ... اس بات

کا زبردست امکان ہے کہ وہ کالا جنگل کے بارے میں بتا سکیں گے۔“

”اوہ۔“ انسپکٹر جمشید زور سے چونکے ... پھر انہوں نے مسکرا کر

کہا۔

”یہ بات تو مجھے پہلے ہی سوچ لینی چاہیے تھی۔“

”جی ... کیا مطلب ... کون سی بات؟“ فاروق اور محمود کے

منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”منور علی خان سے یہ بات پوچھنی چاہیے تھی۔“

”اوہ ہاں۔“ انہوں نے بھی چونک کر کہا۔

”اس طرح شاید وہ بھی اس مہم میں شامل ہو جائیں۔“

”مجھے امید ہے ... اس مہم میں وہ بھی شامل ہوں گے۔“

”ان شاء اللہ!“ ان کے منہ سے نکلا۔

اور پھر انہوں نے منور علی خان کو فون کیا ... جلد ہی ان کی آواز

## گم شدہ دوست

وہ حیرت زدہ رہ گئے... منور علی خوف زدہ ہونے والے آدمی نہیں تھے... وہ تو جنگل کے خوفناک ترین درندوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والے تھے... ان لمحات میں انہوں نے کبھی خوف محسوس نہیں کیا تھا... لیکن کالا جنگل کے ذکر پر اس قدر خوف زدہ ہو جانا ان کے لیے حیرت کی بات تھی... آخر انہوں نے کہا۔

”منور علی خان! یہ کیا... آپ اور خوف زدہ؟“

”بات ہے ہی خوف زدہ ہونے کی۔“

”آخر کیا... کیا بات ہے اس جنگل میں خوف زدہ ہونے کی“

”یہ ہے کہاں۔“

”یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ کالا جنگل کہاں ہے... مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔“

”تب پھر تمہیں کیسے معلوم ہو گیا۔“

سائی دی۔

”آہا! جشید... کیسے یاد آگیا میں۔“

”تم تو ہر وقت یاد ہی رہتے ہو... سناؤ... ان دنوں کہاں

ہو۔“

”اس بات کو چھوڑو... پہلے یہ بتاؤ... فون کرنے کی کیا

ضرورت پیش آگئی۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔

”تو کیا تمہارا خیال ہے ہم ضرورت پیش آئے بغیر فون نہیں کر

سکتے۔“ انپلر جشید نے فوراً کہا۔

”کر تو سکتے ہیں... لیکن اس وقت تو ضرورت کے تحت ہی فون

کیا ہے۔“

”اندازہ درست ہے... ہم جاننا چاہتے ہیں... کالا جنگل کہاں

ہے۔“

”گگ... کالا جنگل۔“ مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔

”تو آپ جانتے ہیں... کالا جنگل کہاں ہے۔“

”نن... نہیں... ہاں۔“

ان کے منہ سے اور زیادہ خوف کے عالم میں نکلا۔

☆☆☆☆☆



”چلو پھر ہمیں بتا دو ... کیا وجہ بن گئی تھی۔“

”میں ایک بحری جہاز پر سوار تھا ... بہت زبردست طوفان آیا ... اس قدر زبردست کہ بحری جہاز ایک ہلکی پھلکی کشتی کی طرف اوپر اچھلنے لگا ... اور پھر وہ الٹ گیا۔“

”کیا!!!“ مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔

”جشید! پھر سمندر کی چھالیں ہمیں اوپر اچھالنے لگیں ... لوگ ہوش کھو بیٹھے ... اور میں بھی۔“

”پھر ... پھر کیا ہوا۔“

”مجھے پتا نہیں ... باقی لوگوں کا کیا بنا تھا ... مجھے تو بس اپنے بارے میں معلوم ہے ... میری آنکھ کھلی تو میں ایک جنگل کے کنارے موجود تھا ... اور مجھ سے کچھ ہی فاصلے پر سمندر کی چھالیں نظر آرہی تھیں ... بھوک کی وجہ سے میں حد درجے کمزوری محسوس کر رہا تھا ... مرتا کیا نہ کرتا ... لڑکھڑاتا اور گھسٹتا ... جنگل کی طرف بڑھا ... تاکہ پیٹ بھرنے کا کوئی سامان کر سکوں ... کئی درختوں پر عجیب و غریب پھل نظر آئے ... ان میں سے کچھ ٹوٹ کر درختوں کے نیچے بھی پڑے تھے ... میں نے پہلے انہیں چکھا ... پھر کھانے لگا ... وہ مزے دار تھے ... اور اناس کی قسم کے تھے ... ان میں پانی بھی تھا ... وہ اگرچہ کافی کھٹا تھا

”مجھے اب بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ جنگل کہاں ہیں۔“

”یہ کیا بات ہوئی ... ابھی تم نے کہا ہے، مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔“

”میرا مطلب ہے ... میں بس اللہ کی قدرت سے کالہ جنگل میں پہنچ گیا تھا ... یوں کہہ لیں کہ حادثاتی طور پر پہنچ گیا تھا ... اور حادثاتی طور پر ہی وہاں سے نکل آیا تھا ... اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ جنگل کہاں ہے۔“

”کیا!!!“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”یہی بات ہے۔“

”تب پھر منور علی خان ... تم اس جنگل کا نام سن کر خوف زدہ کیوں ہو گئے۔“

”اس لیے جشید ... کہ تم نے جب اس کا نام لیا تو میں سمجھ گیا ... اب ہمیں وہاں جانا ہو گا ... اور وہاں جانا موت کو دعوت دینا ہے۔“

”لیکن تم بھی تو وہاں ہو آئے ہو ... تم تو زندہ سلامت رہے۔“

”اس کی وجہ بن گئی تھی۔“

لیکن میں کیا کر سکتا تھا... ان کا پانی پی گیا... اس طرح بھوک ٹم ہو گئی... پیاس بھی جاتی رہی... اب میں اور آگے بڑھا... مجھے تو تم جانتے ہی ہو... جنگلوں کا بہت تجربہ ہے... پوری طرح اندر داخل ہونے سے پہلے ہی میں نے جان لیا... جنگل حد درجہ خطرناک ہے... اب میرے ایک طرف سمندر تھا... اس کی خوف ناک چھالیں تھیں اور دوسری طرف وہ جنگل... میں نے تو اس جیسے درخت کبھی نہیں دیکھے تھے... نہ ان درختوں جیسے پھل دیکھے تھے... زندہ رہنے کے لیے اب ان پھلوں کو کھانے اور ان کا پانی پینے کے سوا میں کیا کر سکتا تھا... سمندر کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی... پھر آگے بڑھا... اب میں تمہیں کیا بتاؤں... وہ کس قدر خوفناک، ہولناک اور خطرناک ترین جنگل لگتا ہے... تمہیں اس جنگل کا رخ کرنا ہی ہے... اگر وہ ہمیں مل گیا تو تم دیکھ ہی لو گے۔“

”چلو یہاں تک تو بات سمجھ میں آگئی... تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ کالا جنگل تھا۔“ انپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”جب جہاز ڈوب رہا تھا... تو اس کے کپتان نے خوف کے عالم میں کہا تھا... اوہ گاڈ... اگر ہم سمندر کی موجوں سے بچ بھی گئے... تو کالا جنگل ہمیں نکل جائے گا۔“

میں نے اس کے یہ الفاظ سنے تھے... اور اس کے فوراً بعد جہاز اٹ گیا تھا... اب ظاہر ہے... اسی جنگل کے کنارے مجھے ہوش آیا تھا... اور تو وہاں صرف سمندر تھا اور بس۔“

”ہوں... آگے بتاؤ... تم وہاں سے کیسے بچ نکلے؟“

”ہاں یہ اور زیادہ عجیب بات رہی... اس جنگل سے بچ نکلنا قریب قریب ناممکن تھا... لیکن بس میں وہاں سے نکل آیا... اصل میں میں نے فیصلہ کیا تھا... اس زندگی سے بہتر ہے... یہاں سے نکلنے کی کوشش کی جائے... اس سلسلے میں موت آتی ہے تو آجائے۔“

”تب پھر تم نے کیا کیا۔“

”میں سمندر کے کنارے چلا آیا... دیر تک اسے گھورتا رہا... بھوک لگتی تو درختوں کی طرف چلا آتا... جنگل میں اندر جانے کی ہمت نہیں تھی... کیونکہ وہاں بہت زیادہ خوفناک چیزیں تھیں... جن کے بارے میں بتا کر میں تم لوگوں کو خوف زدہ نہیں کر سکتا۔“

”اچھا خیر... نہ بتاؤ... یہ تو بتا دو... تم وہاں سے نکلے کیسے۔“

”میں تقریباً پندرہ دن تک صبح سے شام تک ساحل پر بھٹکتا رہا... آخر سولہویں دن لکڑی کا ایک تختہ بہتا نظر آیا... وہ ابھی ساحل کی طرف ہی رہا تھا... اس روز ہوا کا رخ جنگل کی طرف تھا... اس طرح



تخت ساحل پر آگیا... میں نے اسے پکڑ لیا... میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ ایک درخت کی دو شاخیں توڑ لیتا اور انہیں چبھتا لیتا... میں تختے پر لیٹ گیا... شاخیں دونوں ہاتھوں میں سنبھال لیں... اور ان کی مدد سے تختے کو پانی میں لے گیا... تو اذن کو برقرار رکھ کر میں چبھ چلانے لگا... قدرت مہربان تھی... اس وقت ہوا کا رخ جنگل کے مخالف سمت یعنی سمندر کی طرف تھا... تختے گویا ہوا میں تیرنے لگا... اس کی رفتار پر مجھے بہت حیرت ہوئی... ایک دن اور ایک رات میں بھوکا پیاسا اس تختے پر آگے بڑھتا رہا... بلکہ چبھ چلانے کی ہمت بھی ختم ہو گئی تھی... لیکن ہوا اس تختے کو اڑائے لے جا رہی تھی... میں اس پر بیٹھا رہا... تختے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھا... اگر ایسا نہ کرتا تو میں اس پر سے کبھی کا پانی میں گر گیا ہوتا... اور آخر تختے نے مجھے ایک جزیرے پر لاپھینکا... وہ جزیرہ اس جنگل سے نہ جانے کتنے فاصلے پر تھا... بس مجھے اتنا یاد ہے... تختے پر پورا ایک دن اور پوری ایک رات ضرور گزری تھی... اس جزیرے پر ناریل کے درخت تھے... ان کو دیکھ کر جان میں جان آئی... اب میں کچھ دن تک تو ناریل کھا کر گزار سکتا تھا۔

اس جزیرے پر بھی میں نے پندرہ دن کاٹے... پھر ایک بحری

جہاز دور سے گزرتا نظر آیا... میں نے چننا چلانا شروع کر دیا... قدرت ایک بار پھر مہربان تھی... ہوا کا رخ جہاز کی طرف تھا... ہوا کے دوش پر میری آواز جہاز تک پہنچ گئی... جہاز نے اپنا رخ جزیرے کی طرف کر دیا... آخر جہاز نزدیک آکر رک گیا... انہوں نے ایک کشتی میری طرف روانہ کی... وہ چھوٹی سی ایک لالچ تھی... اس پر بیٹھ کر میں جہاز پر پہنچا... میں نے انہیں اپنی کہانی سنائی... انہوں نے جہاز پر مزدوروں کی طرح کام کرنے کی شرط پر مجھے جہاز پر رکھ لیا... ساتھ ہی بتایا کہ جہاز انشارجہ جا رہا ہے... لہذا وہ مجھے انشارجہ کے ساحل پر اتار دیں گے... اس کے بعد انشارجہ کے حکام جانیں... تم جانو... میں نے کہا ٹھیک ہے... کیونکہ کوئی اور چارہ بھی تو نہیں تھا... وہ تجارتی جہاز تھا، اس پر مال لدا ہوا تھا... اس طرح پندرہ دن کے سفر کے بعد ہم انشارجہ پہنچے... جہاز کے کپتان نے مجھے حکام کے حوالے کر دیا... انہوں نے حوالات میں ڈال دیا... کئی دن تک تو انہوں نے نے پوچھا بھی نہیں کہ میں کون ہوں... اور کیا ہوں... آخر مجھے ایک آفیسر کے سامنے پیش کیا... میں نے پوری کہانی بالکل سچ سنائی... وہ متاثر ہوا... اور مجھے ایک ہوائی جہاز میں اس طرف بھیجے گا انتظام کر دیا... بس میری کہانی تو اتنی سی ہے۔

”میں ... آج کل روم میں ہوں ... لیکن فکر کی بات نہیں ...

تم جہاں کہو گے میں وہیں پہنچ جاؤں گا۔“

”بس ٹھیک ہے ... میرا فون جلد ملے گا ... ہمیں اس وقت ایک

بہت اہم مہم درپیش ہے ... انسپکٹر کامران مرزا غائب ہیں ... شوکی

برادرز غائب ہیں ... اور پروفیسر داؤد بھی غائب ہیں۔“

”ہائیں ... ہائیں ... جمشید ... یہ تم کیا کیا کہہ گئے ... اتنے

لوگ غائب ہیں تو تم لوگ کیوں غائب نہیں ہو۔“

”یہ ایک لمبی داستان ہے ... تھوڑی دیر بعد فون پر سناؤں گا

... پہلے میں کپتان کا سراغ لگا لوں۔“

”اچھی بات ہے جمشید ... مارے فکر کے میرا تو برا حال ہوا جا رہا

ہے۔“

”حال کو برا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا ... حوصلہ رکھو ...

اللہ کو یاد کرو اور دعا کرو کہ وہ کپتان مل جائے۔“

”آمین۔“ انہوں نے کہا اور انسپکٹر جمشید نے فون بند کر دیا ...

اب انہوں نے انٹارچہ میں اپنے ایک خاص آدمی کو فون کیا ... فوراً ہی

اس کی آواز سنائی دی۔

”السلام علیکم سر۔“

”لیکن منور علی خان کیا تم نے کپتان سے یہ بھی نہیں پوچھا ... تو

کہ وہ جزیرہ کس جگہ تھا۔“

”بھی مجھے کون سا وہاں دوبارہ جانا تھا ... وہاں تو جانے کے

خیال سے بھی ہول آتا تھا ... اس لیے میں نے ان سے کچھ نہیں پوچھا

تھا۔“

”کپتان کا نام معلوم ہے ... کیونکہ زیادہ مدت کی بات تو ہے

نہیں ... وہ ملازمت میں ہو گا اور اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔“

”ہاں کپتان کا نام یاد ہے، اس لیے کہ جہاز کے عملے کے کئی

افراد کپتان کو پورے نام سے بلاتے تھے ... وہ کہتے تھے ... کیپٹن

زلاٹا۔“

”بس ٹھیک ہے ... میں کیپٹن زلاٹا کا پتا کراتا ہوں ... میرا کوئی

لکھت اس سے ملاقات کر لے گا ... اور یہ بات معلوم کر لے گا کہ اس

نے ایک جزیرے سے ایک شخص کو اٹھایا تھا ... وہ جزیرہ کس سمت میں

تھا۔“

”اگر یہ معلوم ہو جاتا ہے تو شاید ہم اس جنگل کے بارے میں

معلوم کر سکیں گے۔“ منور علی خان نے فوراً کہا۔

”منور علی خان تم اس وقت ہو کہاں۔“



”نمبر ایک۔“ انہوں نے اشارے میں کہا۔

”اوکے سر۔“

فون بند ہو گیا... تھوڑی دیر بعد ہی ان کے موبائل کی گھنٹی بجی... انہوں نے دیکھا... اسی آدمی کا خفیہ نمبر تھا... اب انہوں نے کہا۔

”انشارجہ کی بحری انتظامیہ میں کام ہے... ایک کپتان ہے... اس کا نام ہے کپتان زلائٹا... اس کا سراغ لگانا ہے... جونہی اس کا پتا چلے اس سے ملاقات کرنی ہے... اسے کھانا پلانا... اور باتوں باتوں میں اسے بتانا... تم بہت غمگین ہو... تمہارا ایک دوست غائب ہے... وہ ایک بحری جہاز پر سوار تھا... وہ بحری جہاز غرق ہو گیا... بس اتنا کہہ کر انتظار کرنا... شاید وہ خود ہی بول پڑے... وہ اگر چونک کر یہ کہہ اٹھے... کہ اس نے ایک جزیرے سے ایک مسلمان کو اٹھایا اور یہاں تک لایا تھا... تو بس سمجھ لو... کام ہو گیا... تم اس سے اس تجربے کے بارے میں پوری طرح معلومات حاصل کرنا... اس سلسلے میں کچھ رقم دینا پڑے تو فوراً دے دینا... تم نے ساری بات ذہن نشین کر لی نہیں ایک۔“

”بس سر۔“

”بہتر! میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔“

”آپ فکر نہ کریں سر... میں اسی وقت یہ کام شروع کر رہا ہوں۔“

”شکریہ!“

فون بند کر کے انہوں نے بھی سکون کا سانس لیا... ایسے میں

فرزانہ نے کہا۔

”کیا آپ کو امید ہے کہ کپتان زلائٹا کا سراغ مل جائے گا۔“

”ہاں! اس لیے کہ انشارجہ میں نمبر ایک ہمارا ملازم نہیں ہے...“

وہ اور اس کے چند ساتھی بے لوث کام کرتے ہیں... جان کی بازی لگانا پڑے تو بھی لگاتے ہیں... وہ سر توڑ کوشش کرے گا... اسے اپنے دین سے جنون کی حد تک محبت ہے... یہ لوگ مجاہدانہ کام کرتے ہیں... تمام اخراجات بھی پلے سے کرتے ہیں... مطلب یہ کہ یہ لوگ خالص اللہ کی رضا کے لیے کام کر رہے ہیں... لہذا تم دیکھنا... نمبر ایک کامیاب ہو گا ان شاء اللہ۔“

”ان شاء اللہ!“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر انہیں انتظار کرنے میں تین دن گزر گئے... اور وہ جگ آگئے...

... آخر انہوں نے ایک بار پھر نمبر ایک کو فون کرنے کا ارادہ کیا...

لیکن اس سے پہلے ہی اس کا فون آ گیا ...

”السلام علیکم سر ... بہت ہی مشکل سے کپتان زلانا کا پتہ مل سکا ہے ... میری اس سے فون پر ابھی ابھی بات ہوئی ہے ... میں اب اس سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں ... اس نے مجھے اپنے گھر پر بلایا ہے ... حالانکہ میری کوشش تھی کہ میری اس سے ملاقات کسی ہوٹل میں ہوتی ... میں اسے ٹیس قسم کا کھانا کھلاتا جس سے وہ بہت خوش ہوتا اور میری ہر بات کا جواب فوراً دیتا ... لیکن اس نے میری دعوت قبول نہیں کی ... بس یہ کہا کہ ملنا چاہتے ہو تو میرے گھر آ جاؤ ...“

”خیر کوئی بات نہیں ... امید ہے ... تم اس سے اس جزیرے کا پتہ نشان معلوم کر لو گے ... کیونکہ تم تو اسے اپنے گم شدہ دوست کی کہانی سناؤ گے نا۔“

”جی ہاں سر! یہی بات ہے۔“

”اور اس کے گھر کا پتہ کیا ہے۔“

”13 ڈسٹن اسٹریٹ ٹام ہل۔“

”بس ٹھیک ہے۔“

”اس سے ملاقات کے بعد آپ کو فون کروں گا۔“

”ٹھیک ہے نمبر ایک ... شکریہ!“

انہوں نے فون بند کر دیا ... اب انہیں پھر انتظار کرنا تھا ... ان کا سارا کیس ... کپتان زلانا سے ملنے والی معلومات میں سب آ گیا تھا ... اور ان کے پاس کوئی سراغ نہیں تھا ... اسی لیے وہ کافی بے بسی محسوس کر رہے تھے ...

اور پھر تین گھنٹے گزر گئے ... نمبر ایک کا فون نہ آیا ... اب تو وہ

بے چین ہو گئے ... اگرچہ اسے فون کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا ...

لیکن اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا ... اس لیے انہوں نے اس کا نمبر

ملایا ... تاہم اس وقت وہ اپنے نمبر سے فون نہیں کر رہے تھے ... ایک

غیر ملکی سم سے فون کر رہے تھے ... یہ سم تھی ایک غیر ملکی شخص کے نام

... اور اس کا سراغ لگانا بھی آسان نہیں تھا ... وہ ہمیشہ سفر پر رہتا تھا

... آج یہاں کل وہاں ... اور یہ سم ایسے ہی موقعوں کے لیے انہوں

نے اپنے پاس رکھی ہوئی تھی ... تاہم اس میں یہ خطرہ بھی تھا کہ سم کے

ذریعے یہ معلوم کیا جاسکتا تھا کہ وہ کس مقام پر استعمال کی گئی ہے ...

اس لیے پہلے وہ اپنے گھر سے دور ایک ساحل پر پہنچے اور پھر وہاں سے

اسے فون کیا ... فون جلد ہی سنا گیا ... لیکن دوسری طرف سے نمبر ایک

کی آواز کے بجائے کسی اور کی آواز سنائی دی ... انہوں نے فوراً ہی

فون بند کر دیا اور ساتھ ہی سم بند کر دی ... پھر وہاں سے فوراً ہی اپنے



گھر آئے... اس وقت محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
”یہ کیا ہوا ابا جان!“

”لگتا ہے... نمبر ایک ان کے جال میں آ گیا ہے... پکتان کی پہلے ہی نگرانی ہو رہی تھی... یا پھر پکتان پہلے ہی نگرانی کرنے والوں کے قابو میں آ چکا تھا... اور ظاہر ہے... وہ سرکاری لوگ ہوں گے... انہوں نے ہی پکتان سے کہا ہو گا... اس شخص کو گھر بلاؤ... ہونٹ میں اس سے ملاقات نہ کرو۔“

”آپ... آپ کا مطلب ہے... نمبر ایک اب ان کے قبضے میں ہے۔“

”حالات یہی کہہ رہے ہیں۔“ انہوں نے شدید بے چینی کے عالم میں کہا... ان کے چہرے پر پریشانی کے بادل بہت گہرے ہو چکے تھے... بہت کم موقعوں پر وہ اس قدر بے چین نظر آتے تھے۔

”کیا آپ کو نمبر ایک کا خیال سنا رہا ہے ابا جان۔“  
”ہاں! اور کیوں نہ سنائے... اس جیسے کام کرنے والے میرے پاس بہت کم ہیں۔“

”تو کیا اس ساری سازش کے پیچھے انشارجہ کا ہاتھ ہے۔“  
”یہ تو خیر ابھی نہیں کہا جا سکتا... انشارجہ میں بھی غیر ملکی ایجنٹ

سرگرم ہیں... اور وہ انشارجہ کے دشمن بھی ہو سکتے ہیں... اور لگتا ہی

ہے۔“  
”جی... کیا مطلب... کیا لگتا ہے۔“ فاروق نے چونک کر

پوچھا۔  
”یہ کہ یہ کام انشارجہ کے سرکاری لوگوں کا نہیں ہے... پکتان ضرور کچھ اور لوگوں کے قبضے میں ہے... انہی کے اشارے پر اس نے نمبر ایک کو گھر بلایا تھا۔“

”تب پھر آپ وہاں موجود کسی دوسرے کارکن کو وہاں بھیجیں۔“  
”وہ بھی کام سے جائے گا... یہ جال بہت گہرا ہے... تم غور کرو... پروفیسر داؤد کو یہ لوگ اغوا کر چکے ہیں اور ہم کچھ نہیں کر سکے... شوکی برادرز غائب ہیں... کامران مرزا غائب ہیں... اور یہ کہانی شروع ہوئی تھی... دو کتابوں کے چرانے سے... ابھی تک ہم اس کتاب کا نام تک معلوم نہیں کر سکے... مطلب یہ کہ اس وقت تک ہم اس کیس میں بالکل ناکام ہیں... بے بس ہیں... لیکن نہیں۔“ انہوں نے پُر عزم لہجے میں کہا۔

”لیکن نہیں کیا ابا جان۔“ انہوں نے بے چینی کے عالم میں کہا۔  
”اب ہم مزید یہاں نہیں رک سکتے... نہ اپنے کسی اور کارکن کو

واؤ پر لگا سکتے ہیں ... جال چاروں طرف پھیلا ہوا ہے ... اور یہ جال کسی عام آدمی کا پھیلا یا ہوا نہیں ہے ... ہمیں انشارجہ جانا ہوگا۔“  
”تو پھر چلیے۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”لیکن ایسے نہیں ... یہاں سے اگر ہم براہ راست انشارجہ گئے تو ہم بھی ان کی نظروں میں آجائیں گے اور ظاہر ہے ... نمبر ایک کے پھنس جانے کے بعد وہ یہ پوری امید رکھیں گے کہ اس کے بعد ہم وہاں پہنچیں گے ... ٹھیک ہے ... ہم وہاں پہنچیں گے ضرور ... لیکن اس طرح نہیں ... آؤ چلیں ... اور اپنی والدہ سے ملاقات کر لو ... معلوم نہیں ہم اس مہم سے واپس آتے ہیں یا نہیں۔“

”ابا جان!“ ان کے منہ سے جذباتی انداز میں نکلا۔

”ہاں! بھئی ... ایسا ہی ہے ... کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“

جلدی وہ اپنے گھر میں داخل ہو رہے تھے اور پھر کھانے کے دوران آہستہ لہجے میں بیگم جمشید کو ساری بات بتا دی ... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سن رہی تھیں اور ان کی آنکھوں میں آنسو جھلما رہے تھے ... کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے ... بیگم جمشید کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے ...

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بیگم۔“

”یہی ہم کہنا چاہتے ہیں امی جان۔“ تینوں نے کہا۔

اور پھر وہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے ... ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے ... جلد ہی وہ گھر سے نکل رہے تھے ... بیگم جمشید دروازے میں کھڑی ہاتھ ہلا رہی تھیں ... اور وہ گاڑی میں بیٹھے ہاتھ ہلا رہے تھے ... یہاں تک کہ گاڑی موڑ مڑ گئی ...

اپنے گھر سے وہ خان رحمان کے گھر آئے ... خان رحمان کو بھی تو آخر اپنے بیوی بچوں سے ملنا تھا ... اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”بہتر ہوگا کہ آپ لوگ ہمارے گھر چلے جائیں ... کیونکہ یہ مہم لمبی بھی ہو سکتی ہے۔“

”جی اچھا ... ایسا کر لیتے ہیں۔“ بیگم خان رحمان نے کہا۔

اس کے بعد وہ تجربہ گاہ پہنچے ... شائستہ کو بھی انہوں نے یہی مشورہ دیا ... وہ بھی اسی وقت جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

”ابا جان! ہم خود ہی شائستہ کو گھر پہنچا دیتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے ... لیکن اس طرح ایک بار پھر الوداعی منظر

ہمیں نمکین کر دے گا ... لہذا ہم اپنے گھر کے سامنے والی سڑک پر

شائستہ کو اتار دیں گے۔“ انہوں نے کہا۔

”یہ ٹھیک رہے گا۔“



انہوں نے شائستہ کو گھر کے قریب اتار دیا اور آگے بڑھ گئے... وہ اپنے ایک دوست کے گھر پہنچے... وہاں سے رات کی تاریکی میں دوست کی گاڑی میں نکلے... دوست نے انہیں اتر پورٹ تک پہنچا دیا... وہ ایک جہاز تک اپنے دوست سلطان برنائی کے ملک پہنچے... تھے بھی میک اپ میں... لہذا اتر پورٹ سے اتر کر سیدھے ایک ہوٹل میں آئے... بقیہ رات وہاں بسر کی... سلطان برنائی کو پہلے ہی سارے پروگرام کا علم تھا... اس نے ان کے نئے میک اپ کے مطابق ان کے کاغذات تیار کرادیے... سلطان برنائی کے ملک سے بھی انہیں انشارجہ نہیں جانا تھا... ایک اور دوست ملک جانا تھا... وہاں کے سلطان کو ان کے نئے کاغذات تیار کرانا تھے... یہ دوست ملک انشارجہ سے بہت دوستانہ تعلقات رکھتا تھا... اس ملک سے آخر وہ انشارجہ کی طرف روانہ ہوئے... اب ان کے پاس جو کاغذات تھے... وہ اس ملک کے تھے... علیوں میں تبدیلی اس طرح کی گئی تھی کہ میک اپ بھی ثابت نہ ہو اور اصل چہرے بھی سامنے نہ آئیں۔

انشاد کے دارالحکومت کے ائر پورٹ سے ان کے کارکن نے انہیں وصول کیا اور اپنے گھر لے آیا ... اب پہلے انہیں یہ جائزہ لینا تھا کہ ان کی عمرانی کرائی گئی ہے یا نہیں ... اور اس کا پتا چند منٹ تک لگنا

تھا... آخر کار کن کے ایک دوست یعنی دوسرے کارکن نے آکر اطلاع دی... ”ہم رانی نہیں کرائی گئی۔“

انہوں نے اطمینان کا سانس لیا ... یہ پہلی کامیابی تھی جو انہوں  
نے حاصل کی تھی ... اب وہ دشمن کی نظروں میں نہیں تھے ... جیسا کسی  
وقت بھی آسکتے تھے ... اس لیے انہیں جو قدم بھی اٹھانا تھا ... سوچ  
سمجھ کر اٹھانا تھا ...

انہوں نے وہاں تین دن تک آرام کیا ... مقصد آرام کرنا نہیں تھا ... بلکہ یہ دیکھنا تھا ... انہیں کوئی شک کی نظر سے تو نہیں دیکھ رہا تھا ... آخر تین دن بعد انسپکٹر جمشید نے کہا ...

”بہتر یہ ہے کہ پہلے صرف میں جاؤں گا اور کپتان سے ملاقات کروں گا ... اب ظاہر ہے کپتان پہلے ہی خبر دار ہے ... ہمارے دشمنوں نے اسے پہلے ہی ہوشیار کر دیا ہے ... ان حالات میں اس سے کوئی بات معلوم کرنا انتہائی خطرناک بات ہوگی ... ہم ہیں بھی اس وقت دشمن ملک میں ... جونہی ہماری کوئی حرکت سرکاری اہل کاروں کی نظر میں آئی ... ہم پھنس جائیں گے ... اس لیے پہلے صرف میں جاؤں گا ... اور کوشش کروں گا ... کپتان کو اغوا کر کے لے آؤں۔“

”ارے باپ رے۔“ ان کے منہ سے مارے خوف کے لٹا۔  
”اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔“

”کیا اسے اغوا کرنا اتنا ہی آسان ہو گا۔“

”ابھائی مشکل ہو گا۔۔۔ لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔۔۔ ہم  
بس دعا کرتے رہنا۔“ انہوں نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔۔۔ ہم دعا کریں گے۔۔۔ لیکن اس موقع پر  
ابھاجان! ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔“  
”اور وہ کیا؟“

”ہمارے دشمنوں نے تو ہمیں خود کالا جنگل میں آنے کی دعوت  
دی ہے۔۔۔ تب وہ ہمارے وہاں پہنچنے میں رکاوٹ کیوں ڈال رہے  
ہیں۔“

”ان کا منصوبہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔ ہمیں تو ابھی  
یہی معلوم نہیں کہ وہ چاہتے کیا ہیں۔۔۔ سبکوں کی جھلک دکھانے کا مقصد  
بھی سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔ لیکن خیر۔۔۔ کوئی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے  
۔۔۔ ہمیں اپنے ساتھیوں تک پہنچنا ہی ہو گا۔۔۔ سو باتوں کی ایک بات تو  
یہ ہے۔۔۔ اچھا میں چلا۔“

انہوں نے کہا اور گھر سے نکل آئے۔۔۔ میزبان کی کار تیار تھی۔۔۔

میزبان کو ان کے ڈرائیور کا فرض انجام دینا تھا۔۔۔  
”میں اسے باہر لے آؤں گا۔۔۔ پھر ہمیں کسی ویران ساحل پر جانا  
ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں۔“  
اس نے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔۔۔ پورے ایک گھنٹے کی  
ڈرائیو کے بعد اس نے کہا۔

”ہم کپتان کے گھر کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔“  
”کار اس کے گھر کے دروازے تک لے چلیں۔“ انہوں نے  
کہا۔

”جی بہتر!“

پھر جونہی کار رکی۔۔۔ انسپکٹر جمشید نیچے اتر آئے۔۔۔ انہوں نے  
نہایت بے فکری کے انداز میں گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔۔۔ اس وقت وہ ایک  
غیر مسلم ملک کے باشندے کے روپ میں تھے۔۔۔ ان کا ساتھی بھی اسی  
ملک کے لباس میں تھا۔۔۔

جلدی گھر کا دروازہ کھلا۔۔۔ کپتان کا حلیہ وہ منور علی خان سے  
بڑھ چکے تھے۔۔۔ اس پر ان کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔۔۔ کیونکہ یہ ان  
کے حق میں اچھی بات تھی۔۔۔ دروازہ کھولنے اگر کوئی اور شخص آتا تو



## کپتان

”ہم آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے ... بس آپ کی جیب میں جو کچھ ہے ... ہم وہ نکال لیں گے ... اور آپ کو کسی خالی سڑک پر بحفاظت تمام کار سے اتار دیں گے ... واپسی کا ٹکسی کا کرایہ بھی دے دیں گے ... یہ صرف اس صورت میں ہو گا ... اگر آپ کوئی شرارت نہیں کریں گے ... اگر آپ نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ... تو اس صورت میں ہم آپ کو زخمی بھی کر سکتے ہیں۔“

”نہ نہیں ... میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا۔“

”تو میں آپ کو چھوڑ رہا ہوں ... آپ پر سکون انداز میں میرے ساتھ بیٹھ جائیں ... بالکل اس طرح جیسے دو دوست آپس میں باتیں کر رہے ہوں ... کیا آپ ایسا کر لیں گے؟“ انہوں نے سرد آواز میں کہا۔

”ہاں کیوں نہیں ... میری جیبوں میں زیادہ نقدی نہیں ہے ...“

انہیں کوئی اور تہہ نہ کرنی پڑتی ... انہوں نے چھوٹے ہی کہا۔

”معاف کیجیے گا محترم آپ کے دروازے کے سامنے ایک ہاں گرا پڑا نظر آیا تو میں نے گاڑی روک لی ... میں نے سوچا، سب سے پہلے تو آپ سے پوچھ لیا جائے، کہیں یہ آپ کا ہی نہ ہو۔“

”کہاں ہے وہ پرس۔“

”پرس میں نے ہاتھ میں نہیں رکھا ... گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تھا ... آپ بس ایک نظر دیکھ لیں ... پھر ہم پولیس اسٹیشن میں اسے جمع کر ادیں گے۔“

”ٹھیک ہے ... اس نے کہا اور آگے بڑھا۔

اتنے میں انسپٹر جمشید آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھول چکے تھے ... کار کی سیٹ پر کھلا پرس اور پرس میں نیلے رنگ کے بڑے کرنی نوٹ بھانک رہے تھے ... کپتان زلاٹا تقریباً نصف دھڑ سے کار میں داخل ہو گیا ... یہی وہ وقت تھا، جب انسپٹر جمشید نے اسے ایک زور دار دھکا دیا، ساتھ ہی وہ خود اندر چلے آئے اور دروازہ بند کر دیا ... ان کے ساتھی نے کار چلا دی ادھر ان کا ہاتھ اس کے منہ پر جم چکا تھا ... اتنے میں اندر بیٹھتے ہوئے انسپٹر جمشید اس کے جسم کو پوری طرح چھاپ چکے تھے ... اب ان کے منہ سے ایک سرسراتی آواز نکلی:

اور تھوڑی سی نقدی کے لیے میں کیوں خطرہ مول لوں۔“ اس نے کہا۔  
 ”عقل مند ہیں... فائدے میں رہیں گے۔“  
 ”شکریہ۔“ اس نے فوراً کہا۔

وہ واقعی زیادہ فکر مند نہیں لگ رہا تھا... اور اس کی وجہ ضرور یہی تھی کہ اس کے پاس زیادہ نقدی نہیں تھی... لہذا وہ خیال کر رہا تھا کہ سنا چھوٹ جائے گا... ادھر ان کا مسئلہ چوراہا کراس کرنے کا تھا... چوراہے پر اگر وہ گڑ بڑ کرتا تو بات ٹریفک پولیس کے علم میں آسکتی تھی... پھر جونہی چوراہا قریب آیا... انسپکٹر جمشید نے پستول ہاتھ میں لے لیا اور اس کی نال اس کی پسلیوں سے لگادی... ایک بار پھر ان کے حلق سے سرد آواز نکلی۔

”آرام سے اور سکون سے بیٹھے رہو... بلکہ میں تم سے ہنس ہنس کر بات شروع کر رہا ہوں... تم خوش و خرم انداز میں سر ہلانا شروع کر دو... بس ہم چوراہے سے گزر جائیں گے تو گویا آپ کو چھوڑ دیں گے... نقدی اگر آپ کے پاس زیادہ نہیں ہے تو آپ خوش قسمت ہیں“

”میں کہہ چکا ہوں... میں کوئی گڑ بڑ نہیں کروں گا... پستول نکالنے کی ضرورت نہیں۔“

”یہ احتیاط کے طور پر ہے... اور بس۔“

”اچھی بات ہے۔“

اور پھر وہ چوراہا کراس کر گئے... اب انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی نے سکون کا سانس لیا... کپتان زلائانے کوئی گڑ بڑ کرنے کی قطعاً کوشش نہیں کی تھی... چوراہا کراس کرنے کے کچھ ہی دیر بعد ان کے ساتھی نے کار ایک خالی سڑک پر اتار دی۔

”یہ کس طرف جا رہے ہیں آپ۔“

”خالی سڑک تو پھر شہر سے باہر جا کر ملے گی اور اس کے لیے لمبا سفر کرنا ہوگا... ہم اس سڑک سے واقف ہیں... اس میں آگے جا کر سکون ہی سکون ہے۔“

”اچھی بات ہے... کیا میں نقدی نکال دوں۔“

”اس سے پہلے آپ یہ دیکھ لیں گے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔“

”میں جانتا ہوں... پستول ہے... تو پھر۔“

”میرا مطلب ہے... آپ بھی تو جیب سے نقدی کے بجائے

پستول نکال سکتے ہیں۔“

”اوہ اچھا... تو یہ سوچ رہے ہیں آپ۔“



پہلی فرصت میں وہ اس کی تلاشی لے چکے تھے ... اطمینان والی بات یہ تھی کہ اس کے پاس سے کوئی موبائل نہیں لٹا تھا ... گویا اس کا موبائل اس کے گھر میں ہی رہ گیا تھا ... ورنہ آج کل موبائلوں کی سمیں فوراً نشان دہی کر دیتی ہیں کہ وہ کس جگہ ہیں ... اور پولیس کو اس جگہ پہنچنے میں چند منٹ بھی نہیں لگتے۔“

انہوں نے کپتان کو بستر پر لٹا دیا اور کوئی دوا اسے سنگھائی ... جلد ہی اس نے آنکھ کھول دی۔

”یہ ... یہ کیا؟“ وہ اچھل کر بیٹھ گیا ... ان کا ساتھی پستول اس کی طرف تانے چوکس کھڑا تھا۔

”یہ ... بس وہی؟“ انسپکٹر حبشید مسکرائے۔

”بس وہی کیا؟“

”جو تم نے پوچھا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”تم نے کہا ہے نا ... یہ ... یہ کیا ... جواب میں میں نے کہہ

دیا ... بس وہی۔“

”کیا چاہتے ہو ... تم تو صرف نقدی لوٹنا چاہتے تھے۔“

”دیکھو دوست ... ہماری تمہاری کوئی دشمنی نہیں ... ہم وعدہ

”ہاں! کیا ہم یہ بات نہ سوچیں؟“ انہوں نے کہا ... دراصل وہ اسے ہاتوں میں لگائے رکھنا چاہ رہے تھے۔

”نہیں ... میرے پاس پستول نہیں ہے۔“

”اچھی بات ہے ... آپ جیبوں سے نقدی نکال لیں۔“

یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی جیب سے ایک رومال نکالا اور اس کی ٹاک سے لگا دیا ... وہ فوراً ہی بے ہوش ہو گیا۔

”یہ کام ہم چورہا آنے سے پہلے نہیں کر سکتے تھے ... اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔“

”آپ نے بالکل ٹھیک کیا سر۔“ ساتھی نے کہا۔

جلدی وہ اپنے ساتھی کے گھر میں داخل ہو رہے تھے ... کار اندر داخل کرتے ہی انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا ... اب وہ کپتان کو ان کے گھر کے آخری کمرے میں لے آئے ... کار سے اور دروازے پر سے ہر قسم کے آثار مٹا دیے گئے ... اب اگر پولیس وہاں تک پہنچ جاتی تو بھی کپتان کو برآمد نہیں کر سکتی تھی ... یہ آخری کمرہ گویا اس مکان کا حصہ ہی نہیں تھا ... اور اس کا دروازہ گھر کی ایک قد آور الماری میں کھلتا تھا ... گویا وہ اسے اٹھا کر الماری میں داخل ہوئے تھے اور پھر خفیہ دروازہ کھولتے ہوئے اس کو پچھلے کمرے میں لے آئے تھے

کرتے ہیں... تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے... بہت آرام اور سکون سے رکھیں گے۔“

”تم پاگل ہو۔“ اس نے جھٹا کر کہا۔

”وہ کیسے؟“

”پولیس تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جائے گی۔“

”یہ تمہاری خوش فہمی ہے... تم موبائل گھر بھول آئے ہو۔“

”کیا!!!“ وہ چلا اٹھا۔

”اور اگر موبائل تمہارے ساتھ ہوتا، تب بھی ہم پہلے اس سے نجات حاصل کرتے... پھر کوئی اور کام کرتے... تمہارے گھر والے

پولیس کو فون کر چکے ہوں گے اور یہ بتا چکے ہوں گے کہ تم غائب ہو... پولیس تمہاری تلاش شروع کر چکی ہو گی... اسی لیے تم خیال کر رہے ہو

کہ پولیس یہاں آیا ہی چاہتی ہے... لیکن نہیں... تمہارا موبائل گھر رہ گیا ہے... لہذا اسم کے ذریعے تو پولیس یہاں آئے گی نہیں... کوئی

اور ذریعہ بھی فی الحال وہ اختیار نہیں کر سکے گی۔“

”نہیں... یہ تمہاری بھول ہے... یہ انشارجہ ہے... یہاں کی

پولیس منٹوں میں سراغ لگا لیتی ہے۔“

”ہاں! یہ بات ہے... اور ہو سکتا ہے... ہمارے دروازے تک

پولیس آجائے... لیکن وہ گھر کی تلاشی لے کر واپس چلی جائے گی...

”نہیں برآمد نہیں کر سکے گی۔“  
”آخر کیوں نہیں کر سکے گی۔“

”یہ اس مکان کا ایک خفیہ کمرہ ہے... کوئی ماہر تعمیرات ہی اس

کمرے کا سراغ لگا سکتا ہے... ورنہ باہر سے اور اوپر سے یا چاروں طرف سے اس مکان کو دیکھا جائے تو کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس

مکان میں کوئی خفیہ کمرہ بھی ہو سکتا ہے۔“

”اس مکان میں ایسا کمرہ کسی نے کیسے بنوا لیا۔“ اس نے

حیران ہو کر پوچھا۔

”کیوں... کیا انشارجہ میں جرائم پیشہ لوگ نہیں ہوتے... وہ

ایسے کام نہیں کراتے۔“

”کیوں نہیں... انشارجہ میں تو بہت بڑے بڑے جرائم پیشہ موجود

ہیں۔“

”بس تو پھر... بنوالیا کسی نے ایسا کوئی مکان۔“

”خیر ہو گا... مجھے کیا... یہ میرا مسئلہ نہیں ہے... تم یہ بتاؤ...

مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔“

”ہاں! یہ براہ راست سوال ہے... اور ہونا بھی چاہیے۔“



اٹپکڑ جھپٹہ مسکرائے۔

”لیکن تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”ہمارا ایک آدمی غائب ہے ... اس کے بدلے میں ہم نے

تمہیں غائب کر دیا ہے۔“

”کیا مطلب ... تمہارا ایک آدمی غائب ہے۔“

”ہاں!“ انہوں نے سر ہلایا۔

”وہ کون ہے ... میرا اس کی گم شدگی سے کیا تعلق؟“

”میں تمہیں اس کی تصویر دکھاتا ہوں ... امید ہے ... تم فوراً ہی

جان جاؤ گے۔“

یہ کہہ کر انہوں نے موبائل میں انشارجہ کے نمبر ایک کارکن کی تصویر اس کے سامنے کر دی ... وہ اس تصویر کو دیکھ کر بہت زور سے اچھلا ... ساتھ ہی چلا یا بھی۔

”نن ... نہیں۔“

”اب بات سمجھ میں آئی۔“ وہ مسکرائے۔

”کیا چاہتے ہو۔“

”ہمارا یہ آدمی تم سے اس جزیرے کا پتا پوچھنے آیا تھا ... جس

سے تم نے ایک آدمی کو اپنے بحری جہاز پر سوار کیا تھا ... وہ بے چارہ پتا

معلوم نہ کر سکا ... خود غائب ہو گیا ... اب اس کی جگہ ہم آئے ہیں ... اسے واپس بھی وصول کریں گے اور تم سے جزیرے کا نشان اور پتہ بھی معلوم کریں گے ... اور دیکھیں گے ... تم کیسے نہیں بتاتے ... پہلے تو ہمارے آدمی کے بارے میں بتاؤ۔“

”وہ انشارجہ کی قید میں ہے۔“

”پکی بات ہے ... اسے جان سے تو نہیں مارا گیا۔“

”نہیں ... چیف نے کہا تھا ... اسے چھڑانے کے لیے کچھ لوگ

آئیں گے ... ہم اس کے ذریعے انہیں بھی پکڑیں گے ... لہذا ابھی اسے ہلاک نہیں کریں گے ... ہلاک کرنے کا وقت بعد میں آئے گا۔“

”ہوں ... ٹھیک ہے ... اب ہم اپنے اس آدمی کو تمہارے

بدلے میں حاصل کریں گے ... اپنی بیوی کا نمبر بتاؤ ... ہم صورت حال

اسے بتائیں گے ... وہ پولیس سے رابطہ کرے گی ... ادھر وہ ہمارے

آدمی کو رہا کریں گے ... ادھر ہم تمہیں رہا کریں گے ... لیکن پہلے

جزیرے کا نام پتا معلوم کریں گے ... اور اگر تم نے غلط بیانی کی کوشش

کی تو اس کا انجام تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے ... صرف اس بات پر

غور کر لو ... کہ ہم تمہیں کس قدر آسانی سے یہاں لے آئے ہیں۔“

”ہاں! یہ بات ہے۔“

”تو ہم اچھی ہی آسانی سے اپنے آدمی کو نکلا سکتے ہیں... چاہے تم سے اس سلسلے میں کام بھی نہ لیں۔“

”اچھی بات ہے... میری بیوی کا نمبر لکھ لو۔“

اس نے نمبر بتایا... نوٹ کر لیا... پھر اپنے ایک اور ساتھی کو غلط طور پر ہدایات دیں... پکتان کی بیوی کا نمبر بتایا۔

”یہ کیا... تم نے میری بیوی کا نمبر کسی اور کو بتا دیا... خود کیوں فون نہیں کیا اسے۔“ پکتان زلاٹا نے حیران ہو کر کہا۔

”اس کی وجہ ہے... ہمارا وہ آدمی تمہاری بیوی سے بات کرے گا اور ساتھ ہی وہ جگہ چھوڑ دے گا... اس طرح پولیس اس کا سراغ نہیں لگا سکے گی... جب اس کا نہیں لگائے گی تو ہمارا کیسے لگا سکے گی۔“

”اوہ۔“ مارے حیرت کے اس نے کہا۔

کچھ دیر بعد ان کے دوسرے ساتھی کا فون ملا... اور جو اس نے انہیں بتایا وہ انسپکٹر جمشید نے پکتان کو بتایا کہ تمہاری بیوی نے پولیس اسٹیشن کو بلا کر رکھ دیا ہے... وہ ہمارے ساتھی کو چھوڑنے پر تیار ہو گئی ہے... وہ جو نمبری محفوظ جگہ پر پہنچے گا... فون کرے گا... بس ہم تمہیں چھوڑ دیں گے... لہذا اب جلد ہی تمہیں رہا کر دیا جائے گا، اس سے پہلے یہ بتا دو... وہ جزیرہ کہاں ہے... اس کا نام اگر کوئی ہے تو

”وہ بھی بتا دو... ورنہ نقشے پر اس جزیرے کو دکھا دو۔“

”اور میں نقشہ کہاں سے لاؤں... میں نقشے ساتھ تو لے نہیں

پہرتا۔“

”بالکل ٹھیک... تم نقشے ساتھ نہیں لے پھرتے... ہم تو لے پھرتے ہیں... یہ لو... ہم دنیا کا نقشہ تمہارے سامنے پھیلا دے

رہے ہیں... لیکن یاد رکھو... اگر تم نے غلط نشان دہی کی تو ہم پھر آجائیں گے اور اس مرتبہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے... ہمارے پاس تم تک پہنچنے کے اور بہت طریقے ہیں... ایسے طریقے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے غلط نشان دہی کرنے کی... وہ جزیرہ کیا میرا چچا لگتا ہے... تم وہاں شوق سے جاؤ... شوق سے رہو... جو تمی چاہے کرو۔“

یہ کہہ کر وہ نقشے پر جھک گیا... اس نے فائل ہاتھ میں لے لی... اس کی نوک نقشے پر ادھر ادھر کرتا رہا... آخر اس نے کہا۔

”یہ رہا... وہ جزیرہ... میرا مطلب ہے... سمندر میں وہ

مقام جہاں وہ جزیرہ ہے۔“

”اس جزیرے کے آس پاس کوئی جنگل ہے۔“ انہوں نے اس



کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”جنگل۔“ وہ چونکا۔

”ہاں جنگل... اور اس جنگل کا کوئی نام بھی ہے؟“  
اچانک اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

☆☆☆☆

## سازش

انہوں نے حیران ہو کر کپتان زلانا کی طرف دیکھا... اس کے  
چہرے پر ایک رنگ آ رہا تو دوسرا جا رہا تھا... آخر اس نے کہا۔  
”تو آپ اس جنگل کا رخ کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہمارے کچھ ساتھی غائب ہیں... انہیں غائب کرنے والوں  
نے کہا ہے کہ ان سے ملنا چاہتے ہیں تو اس جنگل میں آ جائیں... کیا  
نام ہے بھلا اس جنگل کا؟“

”کالا جنگل۔“ اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

”لیکن... آپ کا رنگ کیوں اڑ گیا... آپ تو ایک بحری جہاز  
کے کپتان ہیں... آپ کا کسی جنگل سے کیا تعلق۔“ انسپٹر جمشید کے  
لہجے میں حیرت تھی۔

”تعلق... کوئی نہیں... اس جنگل کی بہت ہولناک باتیں سننے  
میں آتی ہیں... میں تو یہی کہوں گا کہ آپ لوگ ادھر نہ جائیں۔“

”کیا کہہ رہے ہیں مسٹر زلاتا ... ہمیں اپنے ساتھیوں کی مثال میں وہاں جانا ہے ... معاملہ ساتھیوں کا نہ ہوتا تو اور بات تھی۔“  
 ”آپ کی مرضی ... میں نے بتا دیا ... اور نقشے میں اس جگہ کی نشان دہی کر دی ... اس جزیرے سے مشرق کی طرف چلیں تو جنگل آجاتا ہے ... اور وہ جنگل دو نہیں۔“  
 ”بس ٹھیک ہے۔“

کچھ دیر بعد ان کے ساتھی کے موبائل کی گھنٹی بجی ... آواز نہر ایک کی ہی تھی۔

”سر! انہوں نے مجھے رہا کر دیا ہے ... لیکن میرا خیال ہے ... میری نگرانی کرائی جا رہی ہے ... تاکہ جونہی ان کا آدمی ان تک پہنچے ... وہ مجھے پھر گرفتار کر لیں۔“

”میں سمجھتا ہوں ... لیکن تم فکر نہ کرو ... تم فوری طور پر پرواز کر جاؤ ... اور طے شدہ ملک میں پہنچ کر فون کرنا ... اس کے بعد ہم کپتان کو رہا کریں گے۔“

”بہت بہت شکریہ سر ... آپ نے میرا اتنا خیال کیا۔“  
 ”میرے سب ساتھی ... جو میرے لیے کام کرتے ہیں ... مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں ... مجھے اپنی جان کی بازی لگانی پڑتی ...

جب بھی میں ”جہیں رہا کراتا۔“  
 ”جان کی بازی تو آپ نے اب بھی لگائی ہے سر ... انشائیہ کی فید سے مجھے نکلوانا آسان کام نہیں تھا ... جان جو کھوں کا کام تھا۔“  
 ”خیر چھوڑو اس بات کو ... تم مجھے زیادہ عزیز ہو اپنی نسبت ... دشمن ملک میں رہ کر کام کر رہے ہو ... اچھا اب بس ... روانہ ہو جاؤ۔“

”جی بہتر!“  
 فون بند کر کے وہ کپتان کی طرف مڑے۔  
 ”معاهدے کی خلاف ورزی ہو رہی ہے ... اس لیے آپ کو رہائی میں قدرے دیر ہو جائے گی۔“  
 ”کیا مطلب۔“

”میرے ساتھی کی نگرانی ہو رہی ہے ... یعنی جونہی ہم آپ کو رہا کریں گے ... اسے پھر گرفتار کر لیا جائے گا ... اب جب تک وہ محفوظ مقام پر نہیں پہنچ جائے گا ... ہم آپ کو رہا نہیں کریں گے ... یا پھر آپ اپنے حکام سے بات کر لیں کہ وہ اس کی نگرانی ختم کر دیں ... لیکن نہیں ... وہ تو کہہ دیں گے کہ نگرانی ختم کرادی ... اگرچہ ختم کرائی نہیں گئی ہوگی۔“



”اچھی بات ہے ... میں ان سے کچھ نہیں کہتا ... جب آپ کا  
اطمینان ہو جائے گا، تب آپ مجھے چھوڑ دیجیے گا۔“  
”اب یہی کر رہا ہو گا۔“

پھر چھ گھنٹے بعد نمبر ایک کی طرف سے اطلاع ملی ... وہ کہہ رہا  
تھا:

”میں اپنے ٹھکانے پر آ گیا ہوں سر ... یہاں انشارجہ کا کوئی  
آدمی نہیں آ سکتا ... آپ بے فکر ہو کر کپتان زلانا کو رہا کر دیں ...  
لیکن اس سے پہلے اس سے کالا جنگل کی نشان دہی نقشے پر کرالیں۔“  
”ہم کراچکے ہیں۔“

”لیکن سر! اس بات کا فیصلہ کیسے ہو کہ اس نے غلط نشان دہی  
نہیں کی ہوگی۔“ نمبر ایک نے پوچھا۔

”اس بات کا امکان ہے ... لیکن اس کی بات کی جانچ یہاں  
نہیں ہو سکتی ... وہاں پہنچ کر ہی ہوگی ... تاہم نقشے پر جو جگہ اس نے  
بتائی ہے ... وہ وہیں ہے ... جہاں کے بارے میں ہم پہلے ہی اندازہ  
لگا چکے ہیں ... منور علی خان کے الفاظ کی روشنی میں میں نے اندازہ لگایا  
ہے کہ کپتان زلانا نے غلط بیانی نہیں کی۔“

”تب تو پھر ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا اور انہوں نے فون بند کر

دیا۔  
”کپتان زلانا ... ہماری وجہ سے آپ کو بہت زحمت ہوئی ... ہم  
میں کو بلاوجہ تکلیف نہیں دیتے ... آپ نے تو انکا ہم پر احسان کیا تھا  
... ہمارے دوست کو اس جزیرے سے اٹھا کر انشارجہ پہنچایا تھا ... ورنہ  
وہ بے چارہ وہاں نہ جانے کس حال میں زندگی کے دن پورے کرتا ...  
ہم تو آپ کے احسان مند تھے ... ان حالات میں آپ کو یہاں لا کر  
قید میں رکھا ... ہمیں بہت افسوس ہے ... ہم معافی چاہتے ہیں ... اور  
آپ کو جو تکلیف ہوئی ... اس کا ازالہ کرنے کے لیے اپنی طرف سے  
ہم یہ چھوٹا سا تحفہ آپ کو دیتے ہیں۔“

”کیا کہا تحفہ۔“ مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

”جی ہاں! تحفہ ... خاص طور پر آپ کے لیے ...“ یہ کہہ کر

انہوں نے اپنی خفیہ جیب سے ایک چھوٹا سا موتی نکالا اور اپنی ہتھیلی اس  
کے سامنے کر دی۔

ہتھیلی پر رکھے موتی کو دیکھ کر کپتان زلانا چونک اٹھا ... اس کے

منہ سے نکلا ...

”نن ... نہیں۔“

”پتا نہیں ... کیا آپ یہ خیال کر رہے ہیں کہ یہ قیمتی موتی نہیں

ہے۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"نہیں۔" اس نے زوردار انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں کہنا چاہتا ہوں ... میں ایک بحری جہاز کا کپتان ہوں ... اس قسم کی چیزوں سے میرا واسطہ پڑتا رہتا ہے ... اس میں شک نہیں کہ یہ ایک قیمتی ہیرا ہے ... عام موتی نہیں ہے۔"

"بہت خوب! یہ اچھی بات ہے ... کہ آپ جانتے ہیں ... ورنہ آپ خیال کرتے کہ ہم آپ سے مذاق کر رہے ہیں اور کوئی بے قیمت موتی آپ کو دے دیا۔"

"لیکن میں ... میں تو آپ کا دشمن ہوں ... میری وجہ سے ہی آپ کو یہاں آنا پڑا ... آپ کا دوست میری وجہ سے یہاں کی جیل میں گیا ... اور آپ مجھے اس قدر قیمتی ہیرا دے رہے ہیں۔"

"ہاں! اس لیے کہ ہماری وجہ سے آپ کو یہاں قید رہنا پڑا ... یہ آپ رکھ لیں۔"

مارے حیرت کے اس کا برا حال ہو گیا ... پھر اس نے ہیرا اٹھا لیا اور کہنے لگا:

"مجھے معاف کر دیں۔"

"اور آپ معافی کس بات کی مانگ رہے ہیں۔"

"اس بات کی کہ میں نے غلط نشان دہی کی ہے ... یہ وہ جزیرہ

نہیں جہاں سے میں نے آپ کے ساتھی کو لیا تھا۔"

"کیا!!!"

"جی ہاں! اس جزیرے میں تو آپ الٹا اور زیادہ مصیبت میں

پھنس جاتے ... وہ انشارجہ کے قبضے میں ہے ... میں یہاں سے جا کر

انہیں یہی بتاتا ... کہ میں نے اس جزیرے کی نشان دہی کی ہے ... وہ اور زیادہ خوش ہوتے۔"

"لیکن اب ... اب کیا ہو گا۔"

"میں نقشے پر درست جزیرہ آپ کو بتا دیتا ہوں۔"

وہ حیرت زدہ رہ گئے ... یہ خیال تو انہیں آیا ہی نہیں تھا کہ

کپتان نے غلط جزیرے پر نشان لگا دیا ہے ... اب اس نے پھر نقشہ

پھیلا لیا ... اور اس پر نشان لگا دیا ... پھر راستے کی تفصیلات بتانے لگا

... کئی منٹ تک وہ تفصیلات بتاتا رہا ... اور وہ ان کو نوٹ کرتے

رہے ... آخر اس نے کہا۔

"اب یہ بالکل وہی جزیرہ ہے ... اور کالا جنگل اس جزیرے

کے بالکل قریب ہے ... لیکن میں آپ کو اس جنگل میں جانے کا مشورہ



نہیں دوں گا۔“

”پکستان زانا... ہم آپ کو بتا چکے ہیں... ہمارے ساتھی... وہ اس جنگل میں نہیں ہو سکتے... وہ جنگل اس قدر خوفناک ہے... اس قدر خطرناک ہے... آپ سوچ بھی نہیں سکتے... لہذا آپ کے ساتھیوں کا زندہ سلامت ملنا ناممکن ہے... ہاں آپ کو ان کی ہڈیوں کے حصے ضرور مل سکیں گے۔“

”نہیں... آپ یہ نہ کہیں۔“

”میں ایسا کہنے پر مجبور ہوں... وہاں جو مخلوق رہتی ہے... وہ انسانوں کو کچا چبا جاتی ہے۔“

”کیا!!!“ وہ سب چلا اٹھے۔

”اور وہ انسان نہیں ہیں۔“

”تب پھر... کیا ہیں۔“

”گوریلوں جیسی مخلوق... جو تعداد میں بے تحاشہ ہے... اتنی کہ آپ انہیں گن نہیں سکتے... غول کے غول جب آپ پر حملہ آور ہوں گے تو آپ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے... سوائے اس کے کہ ان کے ہاتھوں میں آجائیں گے اور وہ آپ لوگوں کو کھا جائیں گے۔“

”نہیں... مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔“

”اس مخلوق کی وجہ سے اس جنگل کو کالا جنگل کہتے ہیں۔“  
”لیکن جس حکومت کو وہ جنگل گلتا ہے... اس نے جنگل کو اس مخلوق سے پاک کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔“ محمود نے حیران ہو کر

پوچھا۔

”کوئی انجانی طاقت اس مخلوق کی حفاظت کر رہی ہے... وہ طاقت نہیں چاہتی کہ اس مخلوق کو ہلاک کیا جائے... ورنہ حکومتیں تو بہر حال انہیں ختم کر سکتی تھیں... جنگل میں کوئی زہریلی گیس چھوڑی جا سکتی تھی... اور بھی کئی طریقے اختیار کیے جاسکتے تھے۔“ اس نے بتایا۔  
”ہوں... اس میں شک نہیں کہ آپ نے ہمیں فکر میں ڈال دیا ہے... ہم مجبور ہیں... اپنے ساتھیوں کی تلاش میں جائے بغیر ہم رہ نہیں سکتے...“

”تب پھر آپ لوگ بھی وہیں پہنچ جائیں گے... جہاں آپ کے ساتھی جا چکے ہیں... یعنی موت کے منہ میں۔“

”آپ ایسا نہ کہیں۔“

”اچھی بات ہے... آپ خود بتائیں... اس مخلوق سے بچ کر آپ لوگوں کے ساتھیوں نے کہاں پناہ لی ہوگی... جب کہ اس پورے جزیرے پر اس مخلوق کا قبضہ ہے۔“

”یہ تو ہمیں معلوم نہیں ... لیکن وہ لوگ بھی کوئی عام لوگ نہیں ہیں ... ہاں ... وہاں جا کر پھنس گئے ہوں تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے ... اگر زندہ ہیں تو یقین کر لیں ، وہ بہت بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہے ہونگے۔“

”اچھی بات ہے ... آپ جانیں ... آپ کا کام جانے ... آپ نے مجھ سے بھی اچھا سلوک کیا ... مجھے قیمتی تحفہ دیا ... اس لیے بدلے میں میں نے بھی آپ لوگوں کو آپ کی منزل کی نشان دہی کر دی ہے ...“

”آپ کا شکریہ۔“

اور پھر انہوں نے تمام تر احتیاطی تدبیر اختیار کرنے کے بعد کپتان کو چھوڑ دیا ... ویسے تو اب انہیں یقین تھا ... کہ کپتان ان کے بارے میں اپنی حکومت تک کو کوئی بات نہیں بتائے گا۔

کپتان کو فارغ کر کے وہ واپس اپنے دوست سلطان برنائی کے ملک پہنچ گئے ... وہ نمبر ایک کو رہائی دلا چکے تھے اور وہ محفوظ مقام پر پہنچ چکا تھا ... اس لیے اب انہیں اپنا اگلا سفر شروع کرنا تھا ...

”دوسرے دن وہ سلطان برنائی کے محل میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے کہ انسپلر جمشید کے موبائل کی کھنٹی بجی ... انہوں نے دیکھا ... فون

منور علی خان کا تھا ...

”ہاں ... جمشید ... کیا رہا۔“

”جذیرے کا پتا چلا لیا ہے ... تم فوراً یہاں آ جاؤ۔“

”سلطان کے ہاں۔“ انہوں نے پوچھا۔

”ہاں ... اور کہاں؟“

”میں نے درست اندازہ لگایا۔“ وہ ہنسے۔

”خرپوزے کو دیکھ کر خرپوزہ رنگ پکڑتا ہی ہے۔“ خان رحمان

بول اٹھے۔

”ہائیں ... خان رحمان ... تم بھی۔“

”تم بھی کیا ...“ خان رحمان نے پوچھا۔

”میرا مطلب ہے ... تم بھی ان کے انداز میں باتیں کرنے

گے۔“ منور علی خان ہنسے۔

”بس کیا کیا جائے ... مجبوری ہے۔“

”اچھا بس ... میں آ رہا ہوں۔“

”یہ ہوئی نا بات۔“

انہوں نے فون بند کر دیا ... اسی وقت انہوں نے قدموں کی آواز سنی ... انہوں نے دیکھا ... سلطان برنائی چلے آ رہے تھے ... ان



کے چہرے پر فکر مند کے آثار تھے ... یہ دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا ...  
"اچھی خیر۔" ان کے منہ سے نکلا۔

اتنے میں سلطان اندر آگئے اور ایک صوفے پر گر سے گئے ...  
"گتا ہے ... آپ نے کوئی پریشان کن خبر سنی ہے۔"  
"نہیں ... یہ بات نہیں۔" سلطان مسکرائے۔

"پھر آپ کے چہرے پر پریشانی کے بادل کیوں ہیں۔"

"پہلی بات ... جو آپ سمجھ رہے ہیں، وہ بات نہیں ہے ...  
آپ یہ خیال کر رہے ہیں کہ آپ لوگوں کی وجہ سے مجھ پر کوئی پریشانی  
آئی ہے۔"

"ظاہر ہے ... ہم تو یہی سمجھ سکتے ہیں۔"

"لیکن یہ بات نہیں ہے۔"

"تب پھر۔"

"میری حکومت کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔"

"بات تو پھر یہی ہوئی نا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب۔"

"ہماری وجہ سے ہی آپ کی حکومت دشمنوں کو کھٹکنے لگی ہے۔"

"ہاں! یہ بات ہو سکتی ہے ... دراصل خفیہ طور پر میری حکومت

کے خلاف کام ہو رہا ہے ... وہ میرا تختہ الٹ دینا چاہتے ہیں ... یہ تو  
آپ کو معلوم ہے ... میرے ملک میں آپ کی طرح جمہوریت نہیں ہے  
... جسے ساری رعایا حکمران چن لیتی ہے ... وہ ساری عمر حکمران رہتا  
... مجھے بھی سابقہ حکمران کی وفات کے بعد ... چنا گیا تھا ...  
... مجھے بھی سابقہ حکمران کی وفات کے بعد مجھے سلطان چن لیا گیا۔"  
رکتے تھے ... اس لیے تایا کی وفات کے بعد مجھے سلطان چن لیا گیا۔"  
"اچھا ... پھر؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

اس کے بعد سے اب تک پوری رعایا کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت  
نہیں ہوئی ... کوئی ایسی بات کبھی ہوئی بھی تو میں نے آپ لوگوں کی  
مدد سے معاملے پر قابو پا لیا ... اب غالباً انہوں نے کسی طرح یہ سراغ  
لگا لیا ہے کہ آپ لوگوں کو جب کسی ملک میں خفیہ طور پر جانا ہوتا ہے تو  
آپ لوگ میری مدد سے جاتے ہیں ... لہذا اب انہوں نے میرے  
خلاف سازش کا جال تیا رکھا ہے ... اور چونکہ ان دنوں آپ میرے  
پاس آئے ہوئے ہیں ... لہذا وہ آپ کی موجودگی میں وار کرنا چاہتے  
ہیں ...

"لیکن ان کے وار کرنے کا طریقہ کیا ہو گا۔"

"ہمارا طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی حکمران قوم کی کوئی خیانت کرے

تو کوئی ایک بندہ بھی حاکم کے خلاف قاضی کے پاس جا سکتا ہے ...  
لیکن اسے اپنی بات ثابت کرنی ہوگی ... جو نہیں وہ بات ثابت کرے گا ...  
قاضی صاحب مجھے معزول کر دیں گے ... میری جگہ رعایا اپنے لیے  
کسی اور کو حکمران چن لیں گے ... اور مجھے قید کر دیا جائے گا ... قاضی  
سزا سنا دیں گے۔“

”تو کیا آپ پر کسی نے الزام عاید کیا ہے۔“

”عوام میں میں بہت مقبول ہوں ... اگر مجھ پر کوئی الزام لگایا  
گیا تو عوام کو بہت پریشانی ہوگی ... لیکن معاملہ ہوگا بے گناہی ثابت  
کرنے کا ... اگر میں اپنی بے گناہی ثابت نہ کر سکا تو قاضی میرے  
بارے میں کچھ بھی فیصلہ دے سکتے ہیں ... اور مجھے ایسا لگتا ہے۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی زور دار انداز میں دستک ہوئی ... سب  
لوگ بری طرح چونک اٹھے ... اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی  
دی ... انہوں نے دیکھا ... سرکاری وردیوں میں کچھ لوگ چلے آ رہے  
تھے ... انہوں نے آتے ہی کہا:

”السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ! سلطان قاضی کی عدالت میں  
آپ کے خلاف مقدمہ درج کرایا گیا ہے ... آپ کو صبح ان کی عدالت  
میں پیش ہونا ہے ... یہ رہا قاضی صاحب کا حکم!“

”ٹھیک ہے ... میں صبح حاضر ہو جاؤں گا۔“ یہ کہتے ہوئے

انہوں نے دستخط کر دیے۔  
سرکاری اہل کار اسی وقت کاغذ لے کر چلے گئے۔

”دی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔“

”آپ پر وہاں کیا الزام لگائے جانے کا امکان ہے۔“

”مجھے معلوم نہیں ... لیکن ظاہر ہے ... غیر ملکی طاقتوں نے یہ

”تو کچھ سوچ کر ہی اٹھایا ہو گا ... وہ کوئی ایسا الزام  
قدم اٹھایا ہے ... میں انکار نہیں کر سکوں گا۔“

”جب پھر ... اس کا انجام کیا ہوگا۔“

”ظاہر ہے ... مجھے معزول کر دیا جائے گا ... آپ لوگوں کو  
فوری طور پر ملک چھوڑ دینے کا حکم جاری ہوگا ... اور مجھے قید میں ڈال  
دیا جائے گا۔“

”کیا عدالت میں آپ کو صفائی کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔“

”کیوں نہیں! موقع دیا جائے گا ... وکیل کرنے کا بھی موقع دیا  
جائے گا۔“

”اور کیا آپ کسی غیر ملکی وکیل کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔“

”یہ میری مرضی ہے ... میں ملکی وکیل کروں یا غیر ملکی ... اس پر



کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا ... لیکن میں قاضی صاحب پر عدم اعتماد کی درخواست نہیں دے سکتا ... مطلب یہ کہ مجھے انہی قاضی صاحب کی عدالت میں اپنا مقدمہ لڑنا ہو گا۔“

”تب ہم آپ کے ساتھ چلیں گے ... آپ قاضی صاحب سے اپنا وکیل مقرر کرنے کا موقع دینے کی درخواست کریں گے ... ہمارے عدالت سے واپس آئیں گے اور میں آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کے وکیل کریں۔“

”اچھی بات ہے ... بات اگرچہ فکر والی ہے ... ہمارے ہاں سلطان کو بہت ہی مشکل سے عدالت میں طلب کیا جاتا ہے ... کیونکہ سلطان ایک ایسا آدمی ہوتا ہے ... جس پر ساری قوم کو اعتماد ہوتا ہے ... اس پر کسی کو بھی کوئی بے اعتباری نہیں ہوتی ... لیکن جب کوئی پیش ہوتا ہے تو کوئی بہت بڑی وجہ ہوتی ہے ... اور پیش ہونے والے کے لیے مشکلات کا ایک پہاڑ ہوتا ہے۔“

”اللہ مالک ہے ... آپ آرام کریں ... کل عدالت میں جانے سے پہلے ملاقات ہو گی۔“

”بالکل ٹھیک۔“

دوسرے دن وہ عدالت جانے کے لیے روانہ ہوئے ... سلطان

برٹانی کو اگرچہ اسپر جہیز نے بہت تسلی دی تھی، لیکن پھر بھی ان کا چہرہ اڑا ہوا تھا ... یہ دیکھ کر انہوں نے کہا۔

”آپ فکر نہ کریں ... آپ کی حکومت کو کچھ نہیں ہو گا ...“

سازش کرنے والے منہ کی کھائیں گے۔“

”لیکن کیسے؟“ انہوں نے کہا۔

”یہ کام آپ کا وکیل کرے گا۔“

”ہمارے ہاں اتنے قابل وکیل نہیں ملتے۔“ سلطان برٹانی اداس

انداز میں مسکرائے۔

”ہمارے ہاں تو ملتے ہیں۔“

”اوہ ہاں ... یہ تو ہے۔“

”بس تو پھر آپ فکر نہ کریں، پہلے یہ دیکھ لیں کہ وہ آپ پر کیا

الزام لگاتے ہیں۔“

آخر وہ عدالت پہنچ گئے ... عدالت کا منظر ان کے ملک کی

عدالتوں سے بالکل مختلف تھا ... قاضی صاحب اپنی جگہ پر ایک عام سے

تخت پر بیٹھے تھے ... ان کے دائیں بائیں قطاروں میں کرسیاں بچھی

تھیں ... ان پر بھی کچھ لوگ موجود تھے ... دروازے کے پاس قاضی

صاحب کے تخت کے بالکل سامنے دو کرسیاں رکھی گئی تھیں ... جو نہی

سلطان ان کے ساتھ اندر داخل ہوئے... عدالت میں بیٹھے ایک ایک نے اعلان کرنے کے انداز میں کہا:

”سلطان تشریف لے آئے ہیں۔“

”اس وقت یہ سلطان نہیں... عدالت میں ایک ملزم ہے۔“  
انہیں ملزم والی کرسی پر بٹھایا جائے۔“ قاضی نے کہا۔  
سامنے والی دو کرسیوں میں سے ایک پر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا گیا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔  
”میرے ساتھ میرے چند مہمان ہیں۔“

”مہمان عام لوگوں کی کرسیوں پر بیٹھ سکتے ہیں، کوئی الزام نہیں۔“ قاضی صاحب نے کہا۔

سلطان نے انہیں اشارہ کیا اور وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

”سلطان پر کیا الزام ہے... الزام لگانے والا خود بیان کرے۔“

اس پر عام لوگوں والی کرسیوں میں سے ایک پر سے ایک شخص

اٹھا اور کہنے لگا:

”جی میں ہوں مدعی۔“

”سلطان کے ساتھ والی کرسی کے پاس چلے جائیں اور بیان

کریں، سلطان پر کیا الزام ہے۔“

”جی بہتر! اس نے کہا اور کرسی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔“

”قاضی صاحب! میرا نام محمد عثمان حمیدی ہے... میں سلطان

کے محل میں ملازم ہوں... یعنی براہ راست ان کا ملازم ہوں... یہاں

عدالت میں چند عام لوگ بھی موجود ہیں... جو ابھی ابھی سلطان کے

ساتھ ہی آئے ہیں... یہ حضرات جیسے ہی آتے ہیں... سلطان ان کے

لیے غیر قانونی کام کراتے ہیں... مثلاً ان کے لیے جعلی پاسپورٹ تیار

کراتے ہیں... ان کی میک اپ والی تصاویر ان کے پاسپورٹوں پر

لگوائی جاتی ہے... اس طرح یہ ان حضرات کو دوسرے ملکوں میں جانے

کی آسانی پیدا کرتے ہیں... اور ایسا ایک بار نہیں... کئی بار ہوا ہے

... میں اس ساری صورت حال کے ثبوت پیش کروں گا... وہ پاسپورٹ

اور دوسرے کاغذات پیش کروں گا... اس کے بعد آپ سے انصاف

چاہوں گا کہ ایسا شخص کیا ملک کا سلطان رہنے کے قابل ہے یا نہیں۔“

”ٹھیک ہے... آپ وہ ثبوت پیش کریں۔“

اس نے اٹھ کر قاضی صاحب کے سامنے کاغذات رکھ دیے...

قاضی صاحب کافی دیر تک ان کاغذات کو غور سے دیکھتے رہے... پھر

سب حاضرین پر نظر ڈالنے کے بعد انہوں نے کہا۔

”ان کاغذات سے تو یہ بات بالکل ثابت ہے کہ سلطان غلط کام



کرتے رہے ہیں ... ان لوگوں کو جعلی کاغذات تیار کروا کر دیتے رہے ہیں ... لہذا سلطان اپنے ملک پر حکومت کرنے کے بالکل اہل ...

”ایک منٹ قاضی صاحب! کیا آپ سلطان کو اپنی صفائی کا کوئی موقع نہیں دیں گے ... کیا مدعا علیہ کو اسلام کوئی حق نہیں دیتا۔“

یہ الفاظ انسپکٹر جمشید نے اٹھ کر کہے تھے ... اور بہت ٹھہرے ہوئے باوقار انداز میں کہے تھے ... قاضی صاحب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا ... ان کی پیشانی پر ایک لمحے کے لیے بل پڑ گئے ... پھر فوراً ہی بل غائب ہو گئے اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی، اب انہوں نے کہا۔

”کیوں نہیں ... سلطان اگر یہ چاہتے ہیں تو انہیں صفائی کا موقع دیا جاتا ہے ... یہ چاہیں تو کسی کو اپنا وکیل مقرر کر سکتے ہیں ... لیکن میں نے ان کاغذات کو بہت غور سے دیکھا ہے ... ان کی موجودگی میں سلطان خود کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتے۔“

”یہ آپ کا خیال ہے ... اور عدالت میں فیصلے خیالات کی بنیاد پر نہیں دیے جاتے۔“ انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

قاضی صاحب ایک بار پھر چونکے ... انہوں نے ایک حیرت بھری نظر ان پر ڈالی، پھر کہنے لگے۔

”اب کیا ہوگا۔“ سلطان کافی فکر مند تھے۔

”ہم کیس لڑیں گے! آپ پریشان نہ ہوں۔“

”میں فیصلہ خیالات کی بنیاد پر نہیں ... ان دستاویزی ثبوتوں کی بنیاد پر کر رہا ہوں۔“

”لیکن مدعا علیہ کو صفائی کا موقع دیے بغیر۔“ انہوں نے کہا۔

”ٹھیک ہے ... ہم صفائی کی بات بھی نہیں گے۔“

”قاضی صاحب! کیا اسی وقت صفائی دی جائے ... یا کل کسی وقت ... کیونکہ صورت حال اچانک سامنے آئی ہے ... بہتر ہوگا، آپ ہمیں کل تک کی مہلت دے دیں۔“

”مہلت دی جاتی ہے ... کل صبح اشراق کی نماز کے پندرہ منٹ بعد عدالت میں پیش ہوں اور صفائی دیں۔“

”بہت بہتر۔“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

پھر قاضی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے ... عدالت کا وقت ختم ہو چکا تھا ... وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی طرف آئے ... انہوں نے پہلے سلطان سے باادب انداز میں مصافحہ کیا ... پھر ان لوگوں سے اور کوئی بات کیے بغیر عدالت سے چلے گئے ... ادھر یہ لوگ سلطان کے ساتھ محل میں آگئے۔

”لیکن آپ کیسے لڑ سکیں گے ... قاضی صاحب کی نظروں میں تو میں مجرم ہوں۔“ سلطان نے کہا۔

”ابھی انہوں نے ہمارا موقف نہیں سنا ... جب سن لیں گے ... تب دیکھیں گے ... وہ کیا کہتے ہیں۔“

”بہر حال میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔“

”اور ہمیں آپ کے بارے میں ایک فیصد بھی خوف نہیں ہے۔“

”اچھا ... کمال ہے ... وہ کیسے۔“

”یہ ہم کل عدالت میں بتائیں گے ... آپ بس اللہ سے دعا کریں ... ویسے کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کاغذات تیار کرنا آپ نے کوئی جرم کیا ہے۔“

”بات میرے سمجھنے کی نہیں ... قاضی صاحب کے سمجھنے کی ہے۔“

”بس! آپ ان کی فکر نہ کریں ... ہم دیکھ لیں گے

ان شاء اللہ۔“

دوسرے دن وہ ٹھیک وقت پر عدالت میں داخل ہوئے تو قاضی

صاحب ان سے بھی پہلے عدالت میں موجود تھے۔

☆☆☆☆☆

## غدار

انہوں نے اندر داخل ہونے سے پہلے السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ کہا۔ ... اندر موجود سب لوگوں نے سلام کا جواب دیا ... کل والے سب لوگ عدالت میں موجود تھے ... لیکن ابھی مدعی نہیں آیا تھا۔ قاضی صاحب نے گھڑی پر نظر ڈالی ... پھر انہوں نے کہا۔

”چند سیکنڈ باقی ہیں ... اگر اس وقت تک مدعی نہ آئے تو ہم ان کی غیر حاضری میں کارروائی شروع کر دیں گے۔“

”میں حاضر ہوں قاضی صاحب!“ محمد عثمان حمیدی کی آواز گونجی۔

”خوب! اچھا ہوا آپ وقت پر آ گئے۔“ قاضی صاحب مسکرائے۔

”ہاں تو سلطان صاحب! آپ اپنی صفائی میں کسی وکیل کو پیش

کریں گے یا خود صفائی دیں گے۔“

”جی میرے وکیل صفائی دیں گے۔“



”آپ تو اپنے وکیل کو ساتھ نہیں لائے؟“  
”جی میں ساتھ لایا ہوں۔“

”ہائیں! وہ ہم سب کو نظر کیوں نہیں آرہے؟“ قاضی صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ ہیں میرے وکیل... انسپکٹر جمشید۔“

”کیا۔“ مارے حیرت کے قاضی صاحب کے منہ سے نکلا۔  
”یہ اپنے ملک کے نامور وکیل بھی ہیں... اور محکمہ سرانجامی کے

ایک معروف ترین آفیسر بھی۔“

”اچھی بات ہے... عدالت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا

کہ مدعا علیہ کے وکیل کرتے ہیں... یہ آپ کے وکیل ہیں... انہیں آپ کی صفائی پیش کرنے کی اجازت ہے۔“

”بہت بہت شکریہ جناب عالی۔“ انسپکٹر جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا... اس کے بعد انہوں نے کہنا شروع کیا۔

”جناب عالی! میرے موکل پر الزام ہے کہ انہوں نے اپنے چار مہمانوں کے لیے جعلی کاغذات تیار کرائے... یہی بات ہے نا۔“

”ہاں بالکل... یہ بات ان کاغذات سے ثابت ہے۔“

”بہت خوب! ہمارے دین میں سب سے بڑا کرفوت کس چیز

کو حاصل ہے... کسی خلیفہ کو، کسی سلطان کو... کسی ریاست کو یا

دین کو۔“ قاضی صاحب یہ کہتے ہوئے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے

”دین کو۔“ قاضی صاحب یہ کہتے ہوئے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے  
”کیونکہ ان کی آنکھوں میں حیرت نظر آنے لگی تھی... گویا انسپکٹر جمشید

کی بات سن کر حیران ہوئے تھے۔  
”بالکل ٹھیک... جب دین کے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو کیا اس وقت ہم حکمت عملی کے تحت کوئی چال چل سکتے ہیں... میرا مطلب ہے کوئی فکر کر سکتے ہیں یا نہیں... جس کا مطلب ہے تدبیر کرنا۔“

”ہاں! اس کی اجازت ہے۔“

”شکریہ سر... ہم جب بھی یہاں آئے... صرف اس ضرورت

کے تحت آئے کہ ہمارے دین کے دشمن اپنے ملکوں میں ہمارے داخلے

کے تمام راستے بند کر دیتے ہیں... معاملہ دین کا ہے... ہمیں اپنے

دین کو نقصان پہنچانے والوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے ان

کے ملکوں میں جانا ضروری ہوتا ہے اور ہم جاتے ہیں... اس کام میں

سلطان برہائی ہماری مدد کرتے ہیں... دین کے خلاف کام کرنے والوں

سے مقابلہ کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں... اب اگر دین کی نظروں

میں یہ جرم ہے تب تو سلطان مجرم ہیں... ورنہ نہیں... اب میں پیش

کروں گا اس بات کے ثبوت کہ ہم نے جب بھی یہاں آکر کاغذات بنوائے ہیں ... وہ کہاں کہاں اور کس کس مہم میں استعمال ہوئے ... میں اپنے ساتھ بہت سے اخبارات لایا ہوں ... ان میں یہ تمام تفصیلات شائع ہوئی ہیں ... آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ آگے آئے اور انہوں نے اخبارات کا پلندہ بیچ صاحب کے سامنے رکھ دیا ... اور کہا۔

”ان پر نشانات لگا دیے گئے ہیں ... تاکہ تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔“

”اچھی بات ہے ... جب تک ان اخبارات کا مطالعہ نہ کر لیا جائے ... عدالت کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتی اور میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ بہت لمبی چوڑی تفصیل ہے ... اس لیے اب یہ کس دو دن بعد لگے گا اور آج کے وقت کے مطابق لگے گا ... اس وقت تک میں ان تمام اخبارات کو دیکھ چکا ہوں گا ... لہذا صبح سویرے ہی فیصلہ سنا دیا جائے گا۔“

”جی بہتر!“

اس پر عدالت برخواست ہو گئی اور وہ محل میں چلے آئے ... اب سلطان کے چہرے کی رونق لوٹ آئی تھی ... وہ ان سے کہہ رہے تھے۔

”جیشید میرے دوست! آپ نے تو کمال کر دیا تھا۔“

”آپ ہمارے لیے اتنا کچھ کرتے رہے ہیں ... میں نے تو آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔“ انسپکٹر جیشید نے مسکرا کر کہا۔

”ارے ارے ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ... آج اگر آپ نہ ہوتے تو میں تو پھر ہو گیا تھا معزول ... اور پھر مجھے قید میں ڈال دیا جاتا ... اور پتا ہے ... پھر کیا ہوتا۔“ وہ کہتے چلے گئے۔

”کیا ہوتا؟“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”یہ ہوتا کہ دشمن کامیاب ہو جاتے ... ملک کا سلطان ان کی مرضی کا بن جاتا ... پھر گویا پوری ریاست ان کی جھولی میں جا گرتی ...

یہ بات کس قدر خوفناک ہوتی ... یہ آپ سمجھ ہی سکتے ہیں۔“

”ہوں ... خیر ... ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں ... اگر ایک دوسرے کے کام نہیں آئیں گے تو کس کے کام آئیں گے۔“

”اب دیکھتے ہیں ... دو دن بعد کیا ہوتا ہے۔“

”فکر نہ کریں ... اخبارات میں جو تفصیل آئی ہوئی ہیں ... وہ

اسلام پسندوں کے لیے بہت خوشی کا سبب ہیں ... اور ہمارا دین ہمیں

اسلام دشمنوں کے خلاف ایسی کاروائیوں کی اجازت دیتا ہے ... میری یہ

بات پرسوں ثابت ہو جائے گی۔“



”اللہ نے چاہا تو۔“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

دو دن بعد پھر وہ قاضی صاحب کی عدالت میں حاضر تھے۔  
سب لوگ موجود تھے۔ آخر قاضی صاحب کی آواز سنائی دینے لگی۔  
”میں نے تمام اخبارات پڑھے ہیں۔ اس وقت پوری غیر مسلم

دنیا اسلام کے خلاف سازشیں کر رہی ہے۔ ان حالات میں اگر انپکڑ  
جمشید جیسے لوگ نہ ہوں تو اسلامی ملکوں کا نہ جانے کیا بنے۔۔۔ یہ وہ لوگ

ہیں جو اپنے دین کے لیے دن رات ایک کرتے ہیں۔ اور اسلام  
دشمنوں کی سازشوں کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں۔ ان جیسوں کی اگر

سلطان جیسے لوگ مدد نہ کریں تو کیا کریں۔۔۔ میں سلطان کے کام کو  
سراہتا ہوں۔۔۔ انہوں نے قابل تعریف قدم اٹھائے ہیں۔ تمام اسلامی

ملکوں کو انپکڑ جمشید جیسے لوگوں کی اسی طرح مدد کرنی چاہیے۔ عدالت  
انہیں با عزت بری کرتی ہے۔۔۔ ان پر کوئی الزام نہیں اور عدالت محمد

عثمان حمیدی کو گرفتار کر کے اس سے تفتیش کرنے کا حکم دیتی ہے۔۔۔ یہ  
شخص ضرور ان غیر مسلم طاقتوں کا آلہ کار بنا ہے۔“

اسی وقت پولیس نے حمیدی کو گھیر لیا۔ اور اسے رسیوں سے جکڑ

لیا۔۔۔ اس وقت انپکڑ جمشید نے کہا۔

”قاضی صاحب! اگر آپ اجازت دیں تو اس سے تفتیش بھی ہم

کر لیں۔۔۔ ہم بہت جلد اس سے اگلا لیں گے کہ کس کے کہنے پر اس نے

پدم اٹھایا تھا۔“

”آپ کو اجازت ہے۔۔۔ اور اس سلسلے میں ملکی اختیار ہے۔“

”آپ لوگ اس شخص کو محل کے الگ کمرے میں پہنچا دیں اور

خود بھی پھرے پر وہیں رہیں۔“

”جی اچھا۔“

اسی وقت قاضی صاحب اپنے تخت سے اٹھ کر ان کے پاس آئے

انہوں نے ان سب سے نہایت محبت اور گرم جوشی سے ہاتھ ملائے۔۔۔

اس کے بعد وہ محل میں آگئے۔۔۔ انہوں نے فوراً اس کمرے کا رخ کیا

۔۔۔ جس میں حمیدی کو رکھا گیا تھا۔۔۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔ بری

طرح اچھلے۔

کمرے میں محمد عثمان حمیدی مردہ پڑا تھا۔۔۔ جب کہ پہرہ دینے

والے کمرے سے باہر تھے۔۔۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اندر وہ مردہ پڑا

ہے۔۔۔ وہ فوراً واپس مڑے۔۔۔ اور باہر آگئے۔

”کیا یہاں کوئی آیا تھا۔“ انہوں نے پوچھا۔

”جی۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ چونکے۔

”یہاں کون آیا تھا۔“

”خیال تو یہی ہے ... کیونکہ اس نے محمد عثمان حمیدی کو ہلاک کر دیا تھا ... لیکن بہر حال ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے۔“

”اور ہم کریں گے ... فکر نہ کریں۔“

”دو گھنٹے بعد سلطان نے انہیں فون کیا ... وہ کہہ رہے تھے :  
”مجھے افسوس ہے ... ہم واقعی اسے گرفتار نہیں کر سکے ، آپ کا خیال بالکل درست ثابت ہوا۔“

”بس ! مجھے اسی کا ڈر تھا ... خیر کوئی بات نہیں ... اللہ مالک ہے ... مطلب یہ ہے کہ ہم اب یہ نہیں جان سکیں گے کہ محمد عثمان حمیدی کو کس نے اس کام پر مقرر کیا ہے ... اگر ہم یہ کہیں کہ پولیس چیف نے مقرر کیا تھا تو پولیس چیف بھی تو آخر کسی کے احکامات پر عمل کر رہا تھا۔“

”یہی بات ہے۔“

”اچھی بات ہے ... آپ کوشش کریں ... ہم تو اب چلیں گے ... اب ہم یہاں مزید نہیں ٹھہر سکتے ... ہمارے اپنے سب ساتھی اس سلسلے میں کہیں نہ کہیں پھنسے ہوئے ہیں ...

”آپ کا مطلب ہے ... انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز۔“

”ہمارے چیف آئے تھے ... وہ بھی اس شخص کو دیکھنا چاہتے تھے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔  
”اور آپ کے چیف کون ہیں۔“

”جی ... ان کا نام ہے شانوس اوراری۔“  
”افسوس یہ برا ہوا۔“

”جی ... کیا مطلب ... کیا ہوا؟“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔  
”انہوں نے کوئی جواب نہ دیا ... اپنے موبائل پر سلطان کے نمبر ڈائل کیے ... پھر ان سے کہنے لگے :  
”محمد عثمان حمیدی اس کمرے میں مردہ پڑا ہے ... پولیس چیف

شانوس اوراری ہم سے پہلے یہاں اس سے ملنے آیا تھا ... مطلب یہ کہ اس نے حمیدی کو موت کے گھاٹ اتارا ہے ... آپ فوراً اس شخص کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیں۔“

”اوہو اچھا ... کمال ہے ... حیرت ہے ... بہر حال آپ لوگ فکر نہ کریں ... اسے بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”کیا مطلب ! کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اسے گرفتار نہیں کر سکیں گے۔“



سلطان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
”ہاں! بالکل۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”آپ ہمارے لیے ایک بڑی کشتی کا بندوبست کر دیں۔“  
جہاز جیسی ہو... یعنی کہنے کو کشتی ہو اور ہو ایک چھوٹا سا جہاز۔  
اس جہاز کے ذریعے اس جزیرے پر جائیں گے اور وہاں سے کالا جنگل  
کا رخ کریں گے... اور جب تک منور علی خان بھی آجائیں گے۔“  
تین دن کے بعد منور علی خان ان کے ساتھ ناشتا کر رہے تھے اور  
بہت خوش نظر آرہے تھے... اس وقت تک سلطان برنائی نے ان کے  
لیے ان کی مرضی کے مطابق کشتی بھی تیار کرادی تھی... اور وہ کشتی کپاتی  
... ایک چھوٹا سا جہاز ہی تھا... اس میں ضرورت کی تمام چیزیں موجود  
تھیں۔

دوسری صبح انہوں نے سلطان برنائی کو الوداع کہا...

اس طرح ان کا سمندر میں سفر شروع ہوا... پندرہ دن بعد وہ  
اس جزیرے کو دور سے دیکھ رہے تھے... اور انہیں حیرت اس بات پر  
ہو رہی تھی کہ اس کے معامل پر انہیں کچھ لوگ نظر آرہے تھے... جو اپنے  
کپڑے ہلا ہلا کر انہیں مدد کے لیے بلا رہے تھے...

”اللہ اپنا رحم فرمائے... یہاں تو لگتا ہے... کچھ لوگ بچنے  
ہوئے ہیں... چلو اچھا ہے... ان کی مدد بھی کر دیں گے۔“  
”لیکن کیسے آتا جان!“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔  
”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے... ہم ان کی مدد کیسے کریں گے... ہمیں تو  
کالا جنگل کا رخ کرنا ہے۔“

”ہوں... خیر دیکھا جائے گا... زیادہ سے زیادہ ہم ان کی مدد  
اس طرح کریں گے کہ کالا جنگل کے کنارے پہنچ کر اپنی کشتی انہیں دے  
دیں گے۔“

”اور ہم... ہم خود۔“

”ہمارا ابھی کوئی پتا نہیں... شاید ہمیں اس وادی میں جانا پڑے  
... جس میں سونے کے پہاڑ ہیں... لیکن یہ سفر سونے کے لیے نہیں  
ہوگا... بلکہ یہ جاننے کے لیے ہوگا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔“

”ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

”یار جشید... پتا نہیں کیا بات ہے... میں بہت بے چینی محسوس  
کر رہا ہوں۔“ خان رحمان کی آواز سے پریشانی ٹپکتی محسوس ہوئی۔  
”خود ہمارا بھی یہی حال ہے۔“ انسپکٹر جشید مسکرائے۔

”اور اگر ہم بھی یہی کہیں۔“ فرزانہ کی آواز ابھری۔

”کیا کہیں۔“ فاروق اس کی طرف پلٹ پڑا۔

”یہ کہ ہم بھی بے چینی محسوس کر رہے ہیں۔“

”تو میں یہی کہوں گا... کوئی حرج نہیں... کیے جاؤ بے چینی محسوس... بے چینی محسوس کرنا صحت کے لیے نقصان دہ نہیں۔“ اسٹیم جمشید مسکرائے۔

”اور وہ بے چارے ابھی بے تابانہ انداز میں ہاتھ اور کپڑے دھو رہے ہیں... اگرچہ انہوں نے جان لیا ہے کہ ہمارا رخ جڑیوں کی طرف ہی ہے۔“ محمود نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”غالباً وہ کہہ رہے ہیں... کہیں ہم ان کی مدد کا ارادہ ترک کر کے واپس نہ چلے جائیں۔“

”جب کہ ایسا نہیں ہو گا۔“ فاروق نے کہا۔

”اب انہیں تو معلوم نہیں... کہ ہم ایسا نہیں کریں گے۔“

”ہاں... بالکل۔“

عین اس لمحے جزیرے پر موجود لوگوں میں سے ایک بہت زور سے اچھلا... وہ حلق پھاڑ کر کچھ چلا یا بھی تھا... بہت جوش میں نظر آ رہا تھا... پھر تو اس کے ساتھی اچھلنے کودنے لگے۔

”گنا ہے... مارے خوشی کے یہ بے چارے پاگل ہو گئے۔“

”فاروق نے منہ بنایا۔

”یہ بات نہیں... بلکہ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم ان کی مدد کریں گے۔“ محمود نے فوراً خیال ظاہر کیا۔

”بلکہ میں سمجھتا ہوں... یہ بات نہیں ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے

سکپاتی آواز میں کہا۔

”جی... کیا کہا آپ نے... ایسی بات نہیں... تو پھر کیسی بات ہے۔“ فرزانہ چونکی۔

”میرا خیال ہے... ان میں سے جو شخص ابھی ابھی خوب زور سے اچھلا تھا... ایک بوڑھا آدمی ہے۔“

”کیا اس بات کا اندازہ تم نے اس کے اچھلنے کے انداز سے لگایا ہے۔“ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

”نہیں... بلکہ اس نے کوئی چیز ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی... اس چیز کو اس نے آنکھوں سے لگایا ہوا تھا... غالباً وہ دور بین نما چیز ہے۔“

”اوہ...“ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”اور اب تو میں ایک بات اور یقین سے کہہ سکتا ہوں۔“

”جی... وہ کیا؟“ وہ ایک ساتھ بولے۔



## والہی

اور بڑی سے کے ساحل پر موجود ان کے ساتھی اچھل رہے تھے... اور یہ کشتی میں اچھل رہے تھے... یوں لگتا تھا جیسے ان پر اچھلنے کا جولو سوار ہو گیا ہو... البتہ ان میں نہ انجیلر جمشید اچھل رہے تھے، نہ ان میں انجیلر کامران مرزا...  
 "اچھلنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم اللہ کا شکر ادا کریں۔"  
 انجیلر جمشید کی آواز ابھری۔

وہ یک لخت رگ گئے... اور شاید انجیلر کامران مرزا نے بھی یہی بات کہی تھی... کیونکہ وہ لوگ بھی رگ گئے تھے... اب سب ٹھیک بنو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے... ساتھ ہی وہ ہاتھ بھی ہلا رہے تھے... آخر درمیانی فاصلہ اتنا وہ گیا کہ انہیں چہرے نظر آنے لگے... انہوں نے جان لیا کہ وہ ان کے ساتھی ہی ہیں... اگرچہ اسی بات کا یقین انہیں پہلے ہی ہو گیا تھا... آہستہ آہستہ وہ جزییرے سے نکلے

"یہ کہ... وہ لوگ اب ہم لوگ ایک جہت میں نظر آ رہے ہیں... اس قدر جہت انجیلر جمشید کے ہم ان سے بھی زیادہ زور سے اچھل رہے ہیں۔"

"جی... کیا مطلب؟" وہ پوچھے۔  
 "ہاں! یہ ہیں یقین سے کہہ سکتا ہوں... کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں... اور اچھلنے والے بولے پروفیسر داؤد ہیں۔"  
 "کیا!!!"

وہ پوری قوت سے ہٹائے اور واقعی وہ اس قدر سے زور سے اچھلے کہ کیا کبھی زندگی میں اچھلے ہوں گے۔

۴۴۴۴۴

”بالکل ٹھیک۔“

”جب پھر پہلے آپ شروع کریں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔  
 ”پہلے آپ شروع کریں ... کیونکہ ہمیں کچھ معلوم نہیں ... آپ  
 کے ساتھ کیا گزری ... جب یہ معاملہ شروع ہوا تھا تو ہم نے چاہا تھا،  
 آپ کو بھی ساتھ شامل کر لیں ... لیکن فون کرنے پر پتا چلا ... آپ  
 لوگوں کا کوئی پتا نہیں ہے ... اور یہی بات شوکی برادرز کے بارے میں  
 معلوم ہوئی تھی۔“

”ٹھیک ہے ... میں شروع کرتا ہوں ... میں اپنے دفتر میں  
 موجود تھا کہ میرے ایک دوست جواد ہاشمی صاحب کا فون موصول ہوا ...  
 ان کی آواز سے پریشانی ٹپک رہی تھی ... اور وہ کہہ رہے تھے ...“  
 ”انسپکٹر کامران مرزا میرے دوست ... میں بہت پریشان ہوں  
 ... یہ پریشانی بہت پراسرار ہے ... کیا آپ فوری طور پر میرے ہاں  
 آسکتے ہیں۔“

مجھے اس وقت کوئی خاص کام نہیں تھا ... لہذا میں بچوں کو لے کر  
 فوراً ان کے ہاں پہنچ گیا ... لیکن ان کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ گھر  
 پر نہیں ہیں ... میں نے انہیں بتایا کہ خود انہوں نے مجھے فون کر کے  
 بلایا ہے ... وہ کہنے لگے ... ابھی ابھی کہیں جانا پڑا ہے ... انہیں ...

ہوتے چلے گئے ... ان سب کے ہاتھ تیزی سے ہٹنے لگے ... پھر غلطی  
 کشتی اتنے فاصلے پر پہنچی کہ اس سے آگے نہیں لے جانی سکتی تھی ...  
 انہوں نے اس کا تختہ کنارے سے لگا دیا ... بس پھر کیا تھا ... وہ دوا  
 پڑے ... محمود سب سے آگے تھا ... اس سے پیچھے فاروق اور پھر  
 فرزانہ ... خان رحمان اور انسپکٹر جمشید البتہ پرسکون انداز میں چلتے سانس  
 کی طرف بڑھ رہے تھے ...

پھر سب ایک دوسرے سے چٹ گئے ... ایسے میں پروفیسر دادو  
 کی آواز ابھری ...

”اللہ کا شکر ہے ... جس نے ہمیں ملا دیا۔“  
 ”ہاں واقعی ... ہمیں سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔  
 چلیں سب لوگ وضو کر کے دو دو نفل شکرانے کے ادا کریں۔“  
 ان سب نے وضو کیا ... نماز ادا کی ... پھر سب وہیں ریت پر  
 بیٹھ گئے ...

”ہم ایک دوسرے کی کہانیوں سے بالکل بے خبر ہیں ... لہذا  
 پہلے کہانیاں سن لی جائیں ... کیا خیال ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے  
 کہا۔

”بالکل ٹھیک ... تبھی ہم آئندہ پروگرام ترتیب دے سکیں گے۔“



پرلی ہو کر رہی۔"

اب میں کیا کرتا ... افراتفری میں ایک عدد لالچ کا فوری انتظام  
کیا اور پھر پڑا ... ساحل پر جواد ہاشمی کا ایک جوتا بھی ملا تھا جس سے  
یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ اسی جگہ سے انہیں لے جایا گیا ہے ... میں  
یہ بات سمجھ گیا تھا کہ ان لوگوں کو جواد ہاشمی سے کوئی غرض نہیں ... یہ  
سارا معاملہ تو ہمیں الجھانے کے لیے ہے ... اس کے باوجود ہمیں جواد  
ہاشمی کی مدد کے لیے جانا تھا ... ہم آگے بڑھتے چلے گئے ... یہاں تک  
کہ ایک لالچ کافی فاصلے پر جاتی نظر آئی ... گویا وہ خود اشیاء دے  
دے تھے کہ کس طرف آتا ہے ... مرتے کیا نہ کرتے ... لالچ کا  
قائب کرتے چلے گئے ... آخر لالچ ایک جزیرے کے کنارے کھڑی  
نظر آئی ... ہم بھی جزیرے کے قریب ہوتے چلے گئے ... آخر لالچ  
سے اتار کر جزیرے پر آ گئے ... ہم نے دیکھا، وہاں کوئی نہیں تھا ... ہم  
جزیرے پر آ گئے ہی آ گئے بڑھتے چلے گئے ... سارا جزیرہ چھان مارا ...  
لیکن وہاں کوئی نہیں تھا ... تھک ہار کر واپس چلے ... تو یہ دیکھ کر دھک  
سے وہ گئے کہ وہاں نہ ہماری لالچ تھی ... نہ دوسری ... وہ لوگ غائب  
تھے ... ہم نے چند دن اس جزیرے پر گزارے ... پھر ایک جہاز اس  
طرف سے گزرتا نظر آیا ... ہم نے شور مچایا ... کپڑے ہلائے ...

وہ بھی اچانک ... انہوں نے ہاتھ سے پچھلے اٹھا لیا تھا ... کہ ہمارے  
کامران مرزا آئیں گے ... انہیں بٹھا دیا گیا ... میں ابھی آ رہی ہوں  
میں ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا ... اور ان کا انتظار کرتے  
لیکن کافی دیر گزرنے پر بھی وہ نہ آئے ... البتہ ان کا فون غروہر آ گیا  
... اس سے پچھلے میں ان کا موبائل نمبر ملتا رہا تھا ... لیکن ان کا  
موبائل بند تھا ... اب خود وہ فون کر رہے تھے ... میں نے سنا کہ وہ  
رہے تھے ...

"انسپیکٹر کامران مرزا ... میں بہت مصیبت میں ہوں ... آپ ذرا  
غربی ساحل پر آ جائیں ... یہاں ایک عمارت ہے ... نیلے رنگ کی  
اوپن سی عمارت ... مجھے اس میں قید کر دیا گیا ہے ... اور قید کرنے  
والے قید کر کے جا چکے ہیں۔"

اس پیغام کے بعد ظاہر ہے ... میں رگ نہیں سکھاتا تھا ... میں نے  
ان قیدیوں کو ساتھ لے لیا ... اس خیال سے کہ نہ جانے کیا صورت حال  
پیش آئے ... ساحل پر پہنچا ہی تھا کہ جواد ہاشمی کا فون پھر آ گیا ... اب  
وہ کہہ رہے تھے ...

"یہ لوگ مجھے ایک لالچ میں لے کر ابھی ابھی روانہ ہوئے ہیں  
... میں نہیں جانتا ... یہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں ... اللہ کے واسطے

دھواں اٹھایا ... تب کہیں جا کر جہاز ہماری طرف متوجہ ہوا۔ اور  
جزیرے کی طرف آیا ... جہاز کے کپتان نے پہلے ہم سے بات کی  
یہ بتایا کہ اس کا جہاز انشارجہ جا رہا ہے ... را ... سستے میں اسے دو مکمل  
کے ساحل پر رکنا ہے ... مال اتارنا ہے اور لانا ہے ... اگرچہ تم لوگ  
جہاز پر سوار ہونا چاہتے ہو تو ہم تمہیں انشارجہ کے ساحل پر اتار دیں گے  
لیکن معاوضے کے طور پر جہاز کی صفائی کا کام تم سے لیا جائے گا۔  
اور جو کچھ نقدی تم لوگوں کے پاس ہے وہ لے لی جائے گی ... گویا  
انشارجہ میں بے یارو مددگار چھوڑ دیا جائے گا ... اب ظاہر ہے ... وہاں  
سے پولیس ہمیں گرفتار کرتی ... لیکن ہم کر ہی کیا سکتے تھے ... ہم نے  
ان کی بات مان لی ... پھر ہمارا سفر شروع ہوا ... ہم معاوضے کے  
مطابق جہاز کی صفائی کرتے رہے ... چاہتے تو کوئی کام دکھا سکتے تھے  
... لیکن ہم نے سوچا ... ان لوگوں نے ہماری مدد کی ہے ... اس  
جزیرے پر تو ہم سوکھ جائیں گے ... اس طرح کم از کم انشارجہ تو پہنچ ہی  
جائیں گے ... وہاں جا کر اپنی حکومت کے ذریعے کام نکال لیں گے  
... بس یہ سوچ کر ہم نے کچھ کارروائی نہ کی ... بس سفر کرتے رہے ...  
ایسے میں ایک دن کپتان نے اعلان کیا ... جہاز کے انجن میں کوئی خرابی  
ہو گئی ہے ... ہمیں کہیں رک کر انجن کو دیکھنا پڑے گا۔

جہاز تو مال بردار تھا ... اور اس پر صرف جہاز کا عملہ سوار تھا ...  
بس ہم ہی ایسے افراد تھے جنہیں یہ اعلان سن کر پریشانی ہوئی تھی ... کچھ  
فی دور گئے تھی کہ یہ جزیرہ نظر آ گیا ... کپتان نے فیصلہ کیا کہ اس  
جزیرے کے ساحل پر رک جاتے ہیں ... جزیرے کی سیر بھی ہو جائے  
گی۔  
اور پھر ہم سب جزیرے پر آ گئے ... کپتان کا عملہ انجن دیکھنے  
کے بہانے جہاز پر ہی رک گیا ... رات ہوئی تو ہمیں نیند نے آ لیا ...  
صبح ہوئی تو جہاز غائب تھا ... گویا وہ لوگ ہمیں جزیرے پر چھوڑ کر نکل  
گئے تھے ... اور یہی ان کا پروگرام تھا ... لیکن یہ پروگرام ان کا کیوں  
تھا ... یہ ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔  
"اور شوکی برادرز ... یہ یہاں تک کیسے پہنچے۔"  
"ہماری کہانی بھی بالکل ایسی ہی ہے ... ہمیں اغوا کر کے جس  
نارت میں رکھا گیا تھا وہاں سے ساحل پر لایا گیا ... اور پھر روانہ کر دیا  
گیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہمیں جزیرے تک نہیں لایا گیا تھا ... کیونکہ  
انہیں معلوم تھا ... ہمارے ساتھی جزیرے پر موجود ہیں ... اسی لیے وہ  
جہاز کو ساحل کے قریب نہیں لا سکتے تھے ... کچھ فاصلے پر پہنچ کر انہوں  
نے ہمیں حکم دیا ... پانی میں کود جاؤ ... اور اس جزیرے تک تیرتے



ہوئے چلے جاؤ ... وہاں تمہارے ساتھی موجود ہیں ... اس نام پر  
یہاں تک پہنچ گئے ... یہ ہے ... ہماری کہانی۔"

"اس کا مطلب ہے ... وہ لوگ تو ہمیں یہاں ہی کرنا چاہتے  
تھے ... اور اس جگہ کے قریب ہی کالا جنگل موجود ہے اور اب ہمارے  
پاس ایک جہاز نمائندگی ... یا کشتی نما جہاز موجود ہے ... ہم آسمان سے  
کالا جنگل کے کنارے جا سکتے ہیں ... لیکن سوال یہ ہے کہ  
کیوں؟" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر ایک جھٹکے سے دگ گئے ...  
"شاید ہمارے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ..."

کامران مرزا نے کہا۔  
"اور ہم لوگ ابھی اس کتاب کا نام بھی معلوم نہیں کر پائے۔"  
فرزادہ بڑبڑائی۔

"جہاں تک جیل سمجھا ہوں ... ہمارے دشمن چاہتے ہیں ... اب  
ہم کالا جنگل میں داخل ہو جائیں اور موت کا شکار ہو جائیں ... موت  
خان کا کہنا ہے ... وہ جنگل موت کا جنگل ہے ... اس میں ایک خوفناک  
مخلوق آباد ہے ... جو ہے تو گوریلا جیسی ... لیکن گوریلا نہیں ہے ...  
اور شاید گوریلا سے زیادہ خطرناک ہے ... ہے بھی خراڑوں کی تعداد  
... لہذا سوال یہ ہے کہ ہم کالا جنگل کیوں جائیں؟" انسپکٹر جمشید نے

ہدایا ہدایا سے کہا۔

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس جنگل میں نہیں جانا  
چاہیے۔" محمود کے لیے میں حیرت تھی۔

"ہاں! میں تو یہی کہتا ہوں ... ہمارے پاس موقع ہے ... محل  
ہم آرام سے اپنے گھر جا سکتے ہیں ... اور اس کیس کا جائزہ وہاں  
سے شروع کر سکتے ہیں ... یعنی چرائی جانے والی کتاب سے ... اگر ہم  
اس کتاب کا نام معلوم کر لیتے ہیں ... تو شاید وہ کتاب بھی کہیں نہ کہیں  
سے حاصل کر سکیں ... اب تک جو اشارات ملے ہیں، وہ یہ ہیں کہ اس  
دنیا میں کوئی جگہ ایسی ہے ... جہاں تک جدید دنیا نہیں پہنچی ... وہ جگہ  
کہاں ہے ... ہمیں معلوم نہیں ... وہاں کیا ہو رہا ہے ... ہم نہیں  
جانتے ... سنا ہے ... وہاں سونے کے پہاڑ ہیں ... اگر ایسا ہے تو ہماری  
دنیا کا کوئی ملک یا بہت سے ملک وہاں جانے کے لیے بے چین ہو  
رہے ہوں گے ... لیکن انہیں اس وادی کا راستہ معلوم نہیں۔" انسپکٹر  
کہتے چلے گئے۔

"تو ... تو کیا ... یہ لوگ ہمارے ذریعے اس وادی کا راستہ  
معلوم کرنا چاہتے ہیں ..."

انسپکٹر کامران مرزا نے چونک کر کہا۔  
"یہ کئی آپ نے میرے دل کی بات۔" انسپکٹر جمشید نے پرجوش

”واقعی ... حالات پکار پکار کر یہی کہہ رہے ہیں ... اس وقت ہمیں انشارجہ کے جہازوں سے واسطہ پڑا ہے ... گویا انشارجہ ان معاملے میں شدید دلچسپی لے رہا ہے۔“

”تب پھر کتاب کیوں غائب کی گئی۔“ شوکی نے پوچھا۔

”کیا مطلب؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

”اگر انشارجہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اس وادی کی تلاش میں نکل جائیں اور اس طرح انشارجہ ہمارے ذریعے سے وہاں پہنچ جائے ... تو کتاب کا ڈرامہ کیوں رچایا گیا۔“

”شوکی کی بات میں وزن ہے ... ہم اس پہلو پر بھی غور کریں گے۔“

”ان حالات میں تو واقعی پھر ہمیں کالا جنگل جانے کی ضرورت نہیں ... اگر اس وادی کا راستہ کالا جنگل سے ہو کر جاتا ہے ... تو بھی ہم یہاں تیاری کر کے آسکتے ہیں ... اس وقت تو اس مخلوق سے مقابلہ کرنے کا بھی ہمارے پاس کوئی بھی سامان نہیں ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”بس تو پھر یہ طے رہا ... ہم یہاں سے واپس چلتے ہیں ... اس پر غور بھی کریں گے ... وہ کتاب بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے ... اور پھر مکمل تیاری سے یہاں آئیں گے ... ہمارے پاس ایسا سامان ہو گا کہ اس مخلوق کو بے ہوش کر دیں اور جنگل کا جائزہ لے سکیں ... اس مخلوق کے علاوہ بھی اس جنگل میں کچھ خطرات ہو سکتے ہیں ... ان کے لیے ہمارے پاس منور علی خان ہیں۔“

”بالکل ٹھیک۔“ انہوں نے فوراً کہا۔

اسی وقت وہ اپنے کشتی نما جہاز پر سوار ہو گئے اور برنائی کے رستے پر روانہ ہو گئے۔

پندرہ دن بعد وہ برنائی میں موجود تھے اور سلطان انہیں حیرت بری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”آپ ہمیں اس طرح حیران ہو کر کیوں دیکھ رہے ہیں انکل۔“

فزت مکرانی۔

”مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ آپ لوگ اس قدر جلد وہیں آجائیں گے ... کیا مہم ختم ہو گئی۔“

”نہیں انکل ... مہم تو ابھی شروع ہو گی۔“ آفتاب نے منہ



"ارے! تو پھر اس والیسی کا کیا مطلب؟"

... پہلے ہم اپنے وطن جائیں گے... شراب نے سر سے ٹرانا اور پھر اس مہم پر نکلیں گے۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ... اچھا... ویسے یہ مہم ہے کیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہائیں... یہ معلوم نہیں تو پھر مہم پر نکلیں گے کیسے۔"

"ہمیں یہ بھی معلوم نہیں۔" فرزانہ نے جٹ سے کہا۔

"تو تمہیں کیا معلوم ہے؟" سلطان برہائی نے ہل کر کہا۔

اور وہ مسکرا کر گئے... ادھر فاروق نے جواب دیا۔

"ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہمیں کیا معلوم نہیں۔"

"حد ہو گئی... بلکہ تو بہ ہے تم سے۔" سلطان برہائی نے مختار

ان کے انداز میں کہا۔

"شکر یہ انگل۔" شوکی کی آواز ابھری۔

"شکر یہ کس بات کا؟" سلطان اس کی طرف پلٹ پڑے۔

"اس بات کا کہ آپ نے ہمارے انداز میں بات کی۔"

"اب تم سے کون مغز مارے؟" وہ بے بسی کے عالم میں

ملائے۔

"کس بات کا موقع؟"

"جی... سب شپ لانے کا موقع... ورنہ پروفیسر صاحب اور

آپ لوگوں کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے مسلسل خاموشی تھی۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

"مطلب یہ کہ اب یہ ٹھہری کہ ہم یہاں سے اپنے ملک جائیں

گے... وہاں سے دوبارہ تیاری کر کے روانہ ہوں گے۔" خان رحمان نے کہا۔

"ہاں! ویسے تو ہم یہاں سے بھی روانہ ہو سکتے ہیں... لیکن

اس طرح کتاب والا معاملہ درمیان میں رہ جائے گا... ہم چاہتے ہیں

... اپنے شہر سے کسی نہ کسی طرح وہ کتاب حاصل کر لیں... اس کا

معالجہ کر لیں اور پھر اس مہم پر نکلیں۔"

"بالکل ٹھیک... میری رائے بھی یہی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا

نے فوراً کہا۔

"ابن تو پھر یہ طے رہا... ہم صبح سویرے کی پرواز سے روانہ

”ٹھیک ہے ... میں سیٹیں بک کر دیتا ہوں ...“ سلطان نے کہا۔

اور پھر دوسرے دن صبح وہ برنائی سے روانہ ہوئے ... چار گھنٹے بعد وہ اپنے گھر کے دروازے پر دستک دے رہے تھے ... فوراً ہی انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی ... اور پھر زور دار آواز میں دروازہ کھل گیا ...

”السلام علیکم۔“ خواتین کا نعرہ گونجا۔

”وعلیکم السلام۔“ ان سب نے جواب دیا۔

”اللہ کا شکر ہے ... مہم بہت جلد ختم ہو گئی ... اور آپ سب کی واپسی ہو گئی۔“ بیگم جمشید کی آواز گونجی۔

”اس خوش فہمی میں نہ رہنا بیگم۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے مڑ کر کہا۔

”جی ... کیا مطلب؟“ سب نے ایک ساتھ کہا۔

”مطلب یہ کہ ... مہم تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی ... ابھی تو

ہم نے مہم کی ایک جھلک دیکھی ہے۔“

”کیا !!!“ وہ سب چلا اٹھیں ... ان کی آنکھوں میں خوف تھا

”کیا ... کیوں ... کیا ہوا۔“

”جس مہم کی جھلک کا یہ حال ہے ... تو وہ مہم ہو گی کیا؟“

”یہ تو خیر تم نے ٹھیک کہا بیگم ... لیکن تم ہمیں اندر تو آنے

”... انہوں نے کہا۔

”اوہ ... معاف کیجیے گا ... خیال ہی نہیں رہا۔“

”اللہ کا شکر ہے ... انکل نے خیال دلادیا ... ورنہ ہم تو کھڑے

رو گئے تھے آج باہر ہی۔“ مکھن کی آواز سنائی دی۔

وہ سب لائبریری میں آگئے اور فرش پر براجمان ہو گئے۔

”اب آپ لوگوں کے آنے کا تو پتا نہیں تھا ... نہ آپ نے فون

کیا ... اس لیے گھر میں تو بس دال دلایا ہی تیار ہے۔“

”ہم دال دلایا ہی صبر شکر سے کھا لیں گے ... بہت زور کی بھوک

لگی ہے ... بس بھابھی آپ لے آئیں۔“ پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر

کہا۔

”اور آپ خوش کس بات پر ہو رہے ہیں۔“

”اس بات پر کہ چلو دال دلایا تو مل رہا ہے ... اگر یہ بھی تیار نہ

ہوتا تو ہم کیا کر لیتے۔“ پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔



”بازار سے منگوائیں آپ کے دشمن ... میں تین منٹ میں کھا تیار کر سکتی ہوں۔“

”تو پھر اس وقت کیوں نہیں تیار کر سکیں۔“

”دراصل ہم آپ کو اپنا دال دلایا کھانا چاہتی تھیں۔“ بیگم کا مرن مرزا کی آواز سنائی دی۔

”اوہ ... تب تو ٹھیک ہے ... لے آئیں پھر۔“ خان رحمان نے فوراً کہا۔

”ابھی لیجیے۔“ بیگم خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

”میں بھی ادھر ہی ہوں ... کبھی آپ لوگ مجھے ادھر خیال کر لیں۔“ انہوں نے بیگم شیرازی کی آواز سنی۔

”ہماری تو بہ ایسا خیال کرنے سے۔“ پروفیسر داؤد نے کانوں کا ہاتھ لگایا ... اور بیگمات ہنستی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

جلد ہی بہت سی چیزیں ان کے سامنے رکھ دی گئیں ... اور واقعی وہ سادہ چیزیں تھیں ... لیکن وہ سادہ چیزیں بھی اس قدر مزے دار تھیں کہ وہ انگلیاں چاٹتے رہ گئے ... ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ نئی تیار کردہ چیزیں ان کے سامنے پہنچ گئیں ...

”جرت ہے ... کمال ہے ... اتنی بہت سی چیزیں اور اتنی ہلکی۔“ پروفیسر داؤد چلائے۔

”جی ... بس ... اب کیا بتائیں ... مجبوری ہے ...“ بیگمات کی آوازیں سنائی دیں۔

”لو اور سنو ... اس میں مجبوری کہاں سے فک پڑی۔“

”مجبوری کی بھی ایک ہی کہی ... یہ تو کہیں سے بھی فک پڑ سکتی ہے۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”ہاں محمود ... یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔“ خان رحمان مسکرائے۔

”محمود اور غلط کہہ جائے ... ہو ہی نہیں سکتا ...“ فاروق نے جمل کر کہا۔

”تو تم کیوں جلے جا رہے ہو۔“ آصف نے اسے گھورا۔

”جلتی ہے ... فرزانہ کی جوتی۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”فرزانہ کی جوتی کیوں ... تمہارا جوتا کیوں نہ جلے۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”تمہیں اس سے کیا ... یہ میرا اور فرزانہ کا معاملہ ہے ... تم سچ نہیں مانگ نہ اڑاؤ۔“ محمود جھلٹا اٹھا۔

”دماغ تو نہیں چل گیا۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”نہیں... ابھی نہیں چلا... جب چلے گا بتا دوں گا۔“

”اچھا شکریہ۔“ آفتاب اور زیادہ خوش ہو کر بولا۔  
 ”بھئی اب باتیں ہی کرتے رہو گے یا... ان نئی چیزوں سے  
 بھی انصاف کرو گے۔“ پروفیسر داؤد نے تھلا کر کہا۔  
 ”اوہ ہاں! انہیں تو ہم بھول ہی گئے۔“ محمود نے چمک کر کہا۔  
 ”بس تم میں یہی بات بری ہے... جب دیکھو... کچھ نہ بھول  
 جاتے ہو۔“ آصف نے فوراً کہا۔  
 ”اور تم میں کون سی بری بات ہے۔“  
 ”یہ تم بتا دو۔“

”اس سے یہ بہتر ہے کہ ہم ان بے چاری چیزوں سے انصاف  
 شروع کر دیں... ذرا دیکھو تو کس قدر معصومانہ انداز میں ہمیں دیکھ رہی  
 ہیں۔“ پروفیسر داؤد مسکرائے۔  
 ”حد ہو گئی انکل... چلیں بھئی آئیں۔“

اور پھر وہ ان چیزوں پر ٹوٹ پڑے... عین اسی لمحے انسپکٹر جمشید  
 کے موبائل کی گھنٹی بجی... انہوں نے دیکھا... فون صدر صاحب کا تھا۔  
 ”السلام علیکم سر۔“ انہوں نے بٹن دباتے ہی کہا۔

”میں نے سنا ہے جمشید تم لوگ آگئے ہو۔“  
 ”جی ہاں!“

”اور یہ اچھا ہی ہے... تم لوگوں کی بہت ضرورت محسوس ہو رہی  
 ہے... فوراً چلے آؤ۔“

”جی... کیا کہا آپ نے فوراً چلے آئیں... لیکن سر... کون  
 کون... یہاں تو سب لوگ جمع ہیں۔“  
 ”اوہ... ضرورت تو اس وقت صرف تمہاری اور انسپکٹر کامران  
 مرزا کی ہے... کوئی تیسرا ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔“  
 ”بہت بہتر! ہم آ جاتے ہیں۔“  
 ”بس ٹھیک ہے۔“

انہوں نے کہا اور فون بند کر دیا... ادھر انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
 ”کامران مرزا مجھے اور آپ کو صدر صاحب یاد فرما رہے ہیں۔“  
 ”چلیے پھر۔“

وہ اسی وقت روانہ ہو گئے...  
 ”سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔“ محمود نے بے چارگی کے عالم  
 میں کہا۔

”جواب یہ ہے کہ عیش کر لیتے ہیں... بہت مدت ہو گئی...



## سرخی

صدر صاحب کے چہرے پر گہرے فکر کے آثار تھے ... ان پر نظریں پڑنے کے فوراً بعد انہوں نے کہا:

”تم دونوں کو ابھی اور اسی وقت براشیل کے لیے روانہ ہونا ہے ... کوئی بہت ہی سنگین مسئلہ پیش آیا ہے ... براشیل کے صدر نے مجھ سے بس اتنی درخواست کی ہے کہ آپ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو ان کے پاس بھیج دیں اور اسپیشل طیارے کے ذریعے بھجوا دیں ... تمام تر اخراجات حکومت براشیل برداشت کرے گی اور ہماری حکومت کا شکریہ بھی ادا کرے گی۔“

”بہت بہتر سر! کیا ہمیں کچھ کہنے کی اجازت ہے۔“

”نہیں۔“ انہوں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

”بہت بہتر! کیا ہم اپنے گھر والوں کو فون پر بتا دیں کہ ہم

کہاں جا رہے ہیں۔“

ہمیں عیش کیے ہوئے۔“

”ہے کوئی تک۔“

”سوچنا پڑے گا۔“ خان رحمان مسکرائے۔

”تو سوچ لیتے ہیں۔“ منور علی خان نے فوراً کہا۔

عین اسی وقت ان کے دروازے پر دستک ہوئی ... انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا ... پھر سب کی نظریں فاروق پر جم گئیں ...

”آپ ... سب مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔“

”جلدی بتاؤ ... یہ دستک دوستانہ ہے ... یا اس سے دشمن کی بو آ رہی ہے۔“

”بو تو دشمن کی آ رہی ہے۔“

”اوہ ... چلو محمود ... دیکھو۔“

محمود اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

☆☆☆☆☆

”نہیں!“ انہوں نے پھر انکار میں سر ہلایا۔  
”جی اچھا!“

انہیں وہیں سے اتر پورٹ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ وہاں ان کے لیے ایک چھوٹا سا طیارہ بالکل تیار کھڑا تھا۔ انہیں اشارے سے بتایا گیا کہ آپ کو اس طیارے کے ذریعے سفر کرنا ہے۔ وہ اس میں جا بیٹھے۔ اور پھر طیارہ پرواز کر گیا۔

”کیا محسوس کر رہے ہو کامران مرزا؟“

”ابھی تو میں کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا۔“

”میرا بھی یہی حال ہے۔“

”سر کچھ چاہیے۔“ اتنے میں ایک ایر ہوٹس نے ان کے نزدیک آکر کہا۔

دونوں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ غیر ملکی تھی۔ لیکن ”یہ اندازہ نہ لگا سکے کہ اس کا تعلق کس ملک سے ہے۔“

”ہمارا سفر کتنی دیر کا ہے۔“

”ہمیں کوئی بات بھی کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔“ اس نے

باادب انداز میں کہا۔

”تب پھر آپ نے یہ کیوں پوچھا کہ کچھ چاہیے۔“

”جس حد تک بات کرنے کی اجازت ہے۔۔۔ اس حد تک تو بات کی جائے گی۔“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔  
”آپ کا تعلق کس ملک سے ہے۔“

”اس حد تک اجازت نہیں۔“ اس نے پھر مسکرا کر کہا۔

”جہاز کا عملہ کتنے افراد پر مشتمل ہے۔“

”صرف تین افراد پر۔۔۔ ایک میں۔۔۔ میری ساتھی اور تیسرے

ہلٹ۔“

”اچھی بات ہے، یہ ہمارا چائے کا وقت ہے۔۔۔ ہم صرف چائے

پیں گے۔“

”بہت بہتر!“ اس نے کہا اور چلی گئی۔

”کامران مرزا۔“

”ہوں۔“

”میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”اوہ اچھا۔“ یہ کہہ کر انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔۔۔ اب

انہوں نے اشارے میں کہا۔

”اگر یہ لوگ غلط ہوئے اور ہمیں غلط جگہ لے گئے تو ہم ان کے

ہر گرام کے مطابق چپ چاپ وہاں جا پھنسیں گے۔۔۔ میرا مطلب ہے



”بلکہ کیا؟“

”بلکہ ہم تو صرف آنکھوں کے اشاروں سے بھی باتیں کر سکتے

ہیں... یعنی ہاتھوں کے اشاروں کے بغیر۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے... اچھا مجھے دکھائیں ذرا... آپ آنکھوں

کے اشاروں سے باتیں کس طرح کر سکتے ہیں... کیا آپ یہ بات

ثابت کر سکتے ہیں۔“

”ہاں! کیوں نہیں... دیکھیے... میں اپنے ساتھی سے آنکھوں

کے اشارے سے ایک بات پوچھتا ہوں... اس کے بعد میں وہ بات

کاغذ پر لکھ لوں گا... میرے ساتھی بھی اپنے کاغذ پر لکھ کر بتائیں گے

کہ میں نے ان سے کیا پوچھا ہے۔“

”بہت خوب! یہ بہت دلچسپ رہے گا۔“ اس نے حیران ہو کر

کہا۔

”آپ کا نام۔“ انسپکٹر جمشید نے روانی کے عالم میں کہا۔

”لیزا۔“ اس کے منہ سے نکل گیا... پھر اس نے گھبرا کر کہا۔

”اوہ... یہ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی۔“

”گویا آپ کو اپنا نام بھی بتانے کی اجازت نہیں۔“

”بالکل نہیں۔“

... ہمیں کیا پتا کہ یہ لوگ واقعی ہمیں براشیل لے جا رہے ہیں یا نہیں اور۔“

”ہاں یہی بات ہے... لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں... صاحب نے کسی قسم کی وضاحت ہی نہیں کی... اور جہاز کا انتظام بھی انہی کی طرف سے کیا گیا ہے... ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں... یہ باتیں وہ اشاروں میں کر رہے تھے... دور کھڑی ایسے ہو سکتی ہیں حیرت زدہ انداز میں دیکھ رہی تھی... اچانک اس نے اپنا جگر سے حرکت کی اور ان کے قریب آکھڑی ہوئی۔

”کیا آپ گونگے ہیں...“ اس نے ہنس کر کہا۔

”نہیں تو اگر ہم گونگے ہوتے تو آپ سے بات کیسے کر سکتے تھے۔“

”تو پھر اس طرح اشاروں میں بات کیوں کر رہے ہیں۔“

”آپ بھی تو ہمیں کچھ نہیں بتا رہیں... لہذا ہم کیوں بتائیں کہ

ہم کیا باتیں کر رہے ہیں۔“

”آپ کو اس طرح باتیں کرنے میں دشواری نہیں ہو رہی۔“

”نہیں... بالکل نہیں... اس طرح باتیں کرنا ہمارے لیے فنی

کھیل ہے بلکہ۔“ انسپکٹر کامران مرزا کہتے کہتے رک گئے۔

پریشان ہو گئی۔

”اس بات سے کہ آپ نے کہا ہے ... یہ آپ کی خوش فہمی ہے ... یہ آپ نے ہماری اس بات کے جواب میں کہا ہے ... کہ میری جواب طلبی نہیں ہوگی ... مطلب یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکیں گے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے ... جب ہم براشیل نہ جا رہے ہوں ... کیونکہ براشیل کے صدر نے تو ہمیں بلایا ہے ... وہاں تو یقیناً ہمارا زور چل سکتا ہے ... ہم براشیل کے صدر سے آپ کی سفارش کر سکتے تھے، لیکن یہ سفارش اس صورت میں نہیں ہو سکتی جب کہ ہم وہاں جا ہی نہ رہے ہوں اور ہماری منزل ہی اور ہو۔“ یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔“

ایر ہوسٹس عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔  
”اسی لیے ہمیں ہدایات دی گئی تھیں کہ آپ دونوں سے کوئی بات نہ کی جائے ... اور یہ غلطی ہم سے ہو گئی۔“

”اس کا صاف مطلب ہے ... ہمیں اغوا کیا جا رہا ہے۔“

”اب ہم چھپا کر کیا کریں گے ... یہی بات ہے۔“

”بہت خوب! ہم آپ کی مدد کریں گے ... آپ تینوں کے خلاف ایک لفظ ان لوگوں سے نہیں کہیں گے ... جن لوگوں تک آپ

”خیر آپ فکر نہ کریں ... ہم کسی کو نہیں بتائیں گے کہ آپ غلطی ہو چکی ہے۔“

”شکریہ! آپ بہت اچھے ہیں۔“ اس نے فوراً کہا۔  
”کیا اب ہم تجربہ کر کے دکھائیں۔“

”ہاں! مجھے خوشی ہوگی۔“

”ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں ... آپ کو ہم سے بات چیت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“

”یہ سب کچھ غیر ارادی طور پر ہو رہا ہے ... اور میں پریشان ہوں ... میری جواب طلبی ہو سکتی ہے۔“

”نہیں ہوگی ... ہم ذمے دار ہیں۔“

”یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔“ اس نے اچانک کہا۔

اب تو ان دونوں کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی ... ان کے ذہن سے ایک ساتھ نکلا۔

”کیا مطلب؟“

”آپ ... آپ کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں۔“

”اس کا مطلب ہے ... ہم براشیل نہیں جا رہے۔“

”آپ نے یہ مطلب کس بات سے نکال لیا۔“ وہ اور زیادہ



ہمیں لے جا رہے ہیں ... کیا اب ہم تجربہ کر کے دکھائیں۔“

”اب اس کی ضرورت نہیں رہی ... آپ لوگ ضرورت سے زیادہ ذہین ہیں ... اور میں ... اور میرے دونوں ساتھی آپ لوگوں کے احسان مند ہوں گے ... اگر آپ ان لوگوں کو کچھ نہ بتائیں۔“

”فکر نہ کریں ... ہم بلا وجہ دوسروں کو مصیبت میں مبتلا کرنے کے عادی نہیں ... ہم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا پسند کرتے ہیں۔ اگر چہ اب ہم جان گئے ہیں ... آپ مسلمان نہیں ہیں ... اس کے باوجود ہم آپ کی مدد کریں گے ... ہماری وجہ سے آپ پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی ... ہم تو آپ سے اب بھی یہ بھی نہیں پوچھیں گے کہ آپ لوگ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔“

”اوہ۔“ اس کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! آپ ہمیں کچھ نہ بتائیں۔“

”لیکن اب نہ بتانے کا کیا فائدہ ...“ یہ آواز دوسری ایر ہوئیں

کی تھی ... انہوں نے دیکھا ... وہ بھی ان کی طرف چلی آ رہی تھی۔ پھر انہوں نے دیکھا ... پائلٹ بھی وہیں آ گیا تھا ...

”آپ لوگ بہت عجیب ہیں ... بہت اچھے ہیں ... ہم سوچا بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طرح آپ کے ساتھ باتیں کرنے لگ جائیں گے

ہمیں تو حکم تھا ... آپ لوگوں سے کوئی بات نہ کریں ... آپ نے ”مگر اختیار کیا کہ ہماری ساری خاموشی دھری کی دھری رہ گئی۔“

”دراصل ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہم براشیل نہیں جا رہے ... اب آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔“

”آپ کو ایکورم لے جایا جا رہا ہے ... یہ بات تو آپ کے علم میں ہوگی کہ ایکورم انشارجہ کی ایک ریاست ہے اور ایک طرح سے آزاد ریاست ہے ... اس کے باوجود وہ انشارجہ سے الگ نہیں ہے۔“ یہ بات کپتان نے کہی۔

”ہاں! یہ بات ہمیں معلوم ہے۔ یہاں پہلا سوال تو یہ ہے کہ براشیل کا طیارہ انشارجہ کی ریاست کا طیارہ کیسے بن گیا ... براشیل تو مسلمان ملک ہے ... اور یہ طیارہ اڑا بھی مسلمان ملک سے ... پھر یہ کیسے ہو گیا کہ طیارہ ایکورم لے جایا جا رہا ہے۔“

”ہمارا تعلق براہ راست براشیل سے ہے ... ہم براشیل کے ہی ملازم ہیں ... لیکن دراصل ہم انشارجہ کے ہیں ... اور ہمیں جاسوس کے طور پر براشیل بھیجا گیا تھا ... وہیں ہمیں پائلٹ اور ایر ہو سٹس کی ملازمت اختیار کرنے کا حکم ملا ... یہ سب انشارجہ کے چکر ہیں ... اس کے چکر وہی جانتا ہے ... ہم اس طرح براشیل سے بھی تنخواہ لے رہے

ہیں اور ایکورم سے بھی۔“

”ہوں... لیکن جب یہ طیارہ براشیل نہیں پہنچے گا تو کیا ہوگا۔“

”براشیل کے صدر کو بھی کسی ذاتی کام کے سلسلے میں آپ لوگوں کی ضرورت ہے... ظاہر ہے جب طیارہ وہاں نہیں پہنچے گا تو آپ کی حکومت سے پوچھا جائے گا... آپ کی حکومت لاعلمی ظاہر کرے گی۔“

اب یہ خیال کیا جائے گا کہ طیارہ کہیں راستے میں لاپتا ہو گیا... ایکورم میں آپ کو شریک کر کے انشارجہ جو کرنا چاہتا ہے... کرنا چاہتا ہے... وہ کیا کرنا چاہتا ہے... یا اس کا کیا پروگرام ہے... یہ ہمیں معلوم... ہمیں جو معلوم تھا... ہم نے بتا دیا... اب اگر انشارجہ کی حکومت کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہم نے آپ لوگوں کو سب کچھ بتا دیا ہے... تو ظاہر ہے... ملازمت تو ہمارے ہاتھوں سے جائے گی ہی... شاید گرفتار کر کے جیل میں بھی ڈال دیا جائے گا۔“

”ایسا نہیں ہوگا... اگر اس جہاز میں ایسے کوئی آلات نصب

نہیں ہیں کہ اس میں ہونے والی بات چیت وہ سن سکیں... تب تو آپ لوگ بال بال بچ جائیں گے اور اگر اس میں ہونے والی گفتگو سنی جا رہی ہے... تب آپ لوگ مارے گئے... اور میں آپ کو ایک بات بتا سکتا ہوں۔“

”جی... وہ کیا۔“ تینوں کے منہ سے نکلا۔

”انشارجہ اپنے ہر جاسوس پر کڑی نظر رکھتا ہے... لہذا ہمارا تو

بھی اندازہ ہے کہ آپ کی ساری بات چیت سنی جا چکی ہے۔“

”ارے باپ رے... پھر تو ہم مارے گئے۔“

”نہیں... ایسی بات نہیں... آپ اب بھی بچ سکتے ہیں۔“

”وہ... وہ کیسے؟“

”جہاز میں کتنا تیل ہے... کیا ہم واپس پاک لینڈ جا سکتے ہیں

یعنی جہاں سے چلے تھے۔“

”جی ہاں...! جا سکتے ہیں... لیکن پروگرام کے بغیر ہمیں وہاں

ازنے کون دے گا۔“

”یہ ہم کر لیں گے... آپ اپنے بارے میں بتائیں... اگر

آپ کو ہم وہاں لے جائیں... تب آپ کس پوزیشن میں ہوں گے۔“

”کیا اس طرح انشارجہ ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر نہیں پڑ جائے

گا۔“

”ہم اس کا انتظام بھی کر دیں گے کہ وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے

اور بعد میں آپ جس ملک میں کہیں گے وہاں آپ کو سیٹل کروا دیں

گے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔



مدے داروں نے حیرت سے ان کا استقبال کیا۔ انسپکٹر جمشید نے آئی جی صاحب کو فون کر کے گاڑی بھیجنے کی درخواست کی تو آئی جی صاحب نے بھی حیرت کا اظہار کیا تو انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی ان کو بھی تفصیل سے آگاہ کیا، اور ایئر پورٹ حکام کو بھی مطمئن کرنے کے بعد گاڑی آتے ہی ایوان صدر روانہ ہو گئے۔

”آپ تینوں ہمارے ساتھ ہی چلیں گے۔“  
”اچھی بات ہے۔“

ایوان صدر میں پروٹوکول آفیسر نے ان کا استقبال کیا اور کہا۔  
”آئیے ... سر ... صدر صاحب بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں ... آئی جی صاحب نے انہیں فون کر کے بتایا ہے کہ آپ لوگ آرہے ہیں۔“

”چلیے ... آئیے۔“ ساتھ ہی انہوں نے ان تینوں سے کہا۔  
”یہ کیا ... آپ ان حضرات کو ساتھ لے جائیں گے۔“  
”ہاں! یہ ہمارے ساتھی ہیں ... ہمارے ساتھ جائیں گے۔“  
”لیکن سر! صدر صاحب نے تو کہا ہے کہ صرف آپ دونوں آئیں گے۔“ آفیسر نے کہا۔

”ہم دو ہی ہیں ... لیکن یہ ہمارے مہمان ہیں ... ہم صدر

”تب پھر ایسا کرنے میں ہی بہتری ہے ... ہمیں انتظار کا دھڑکا لگا رہتا ہے ... اس کی ہمیں آپ گاڑی دے رہے ہیں۔“  
”ہاں! یہی بات ہے ... آپ فکر نہ کریں۔“  
”بس تو یہ طے رہا ... کہ ہم واپس پاک لینڈ جا رہے ہیں۔“

اب ان تینوں کے چہروں پر اطمینان دوڑ گیا ... گویا ان کے اطمینان دلانے پر وہ بے فکر ہو گئے تھے ...

آخر سفر طے ہو گیا ... اور ان کے ملک سے طیارے سے راپڈ کر لیا گیا اور پوچھا گیا:

”یہ طیارہ تو براشیل کے لیے روانہ ہوا تھا، واپس کیوں آرہا ہے ... واپسی کا ہمارے پاس کوئی پروگرام نہیں ہے ... جلدی بتائیں۔“  
”اس طیارے سے میں انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں اور میرے ساتھ انسپکٹر کامران مرزا بھی ہیں، ہم دونوں صدر صاحب کی ہدایت پر براشیل جا رہے تھے مگر صورت حال تبدیل ہو گئی ہے ... ہمیں ایئر پورٹ پر اترنے دیا جائے وہیں آکر ساری بات بتا سکتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

”او کے سر! آپ لینڈ کر سکتے ہیں۔“

آخر کار طیارہ بحفاظت ایئر پورٹ پر اتر گیا۔ اور وہاں کے

اور احرام سے رکھیں... انہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔" صدر نے غم دیا۔  
"بیت بستر جناب۔"

جب صدر کے کارے سے ان تینوں کو لے جانے گئے تو انہوں نے پریشانی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا... اس وقت انہیں جیشہ نے صدر سے کہا۔

"ان لوگوں کی وجہ سے اس وقت ہم یہاں ہیں... ورنہ ہم یہاں ٹکا نہ پاتے... اور اسی بنیاد پر انہیں خطرہ ہو سکتا ہے، لہذا ان کی حفاظت کا پورا پورا انتظام بھی کیا جائے..."

"میں سمجھا نہیں! یہ تم نے کیا کہا کہ ان لوگوں کی وجہ سے یہاں رہیں پچھتے ہو... میں کچھ سمجھا نہیں۔" صدر صاحب حیرت سے کہنے لگے۔

"ہاں! ایسی ہی بات ہے... لیکن درمیان میں ایک اور بات بھی ہے... وہ میں آپ کو بتاؤں گا... پہلے آپ ان کے بارے میں مزید دریافت کریں... تاکہ ہم ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا، پھر کارکنوں کی طرف مڑے۔  
"ان کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کیا جائے... کوئی خطرہ نہیں ہو تو فوراً ہمیں بتایا جائے۔"

صاحب سے ان کے بارے میں بات کر لیں گے۔ آپ اچھے ہوئے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"اچھی بات ہے... آپ دنے وار ہوں گے۔" انہیں نے قرارے ناگوار لہجے میں کہا۔

"آپ فکر نہ کریں... صدر صاحب آپ پر براہی نہیں کریں گے۔"

"اچھی بات ہے... دیکھا جائے گا۔" قرارے نے کہنے لگے۔

صدر صاحب ان کے ساتھ تھے اور افراد کو دیکھ کر پوچھے۔

"مگرے جیشہ اہم دونوں تو براہی کے لیے روانہ ہوئے تھے وہاں کیوں آگئے اور یہ ان حضرات کو کیوں ساتھ لے آئے ہو؟"

"یہ قرارے بھان ہیں... آپ کے افسر نے انہیں لے کر کوشش کی تھی... لیکن ہم انہیں اپنے ساتھ لے کر پھرتے۔"

قرارے نے کئی پروگرام میں دغل انداز نہیں ہوں گے... آپ انہیں ہمارے خانے بھجوا دیں... ہم آپ سے فارغ ہو کر ان سے ملاقات کریں گے۔"

"اچھی بات ہے... ان تینوں حضرات کو بھان خانے میں لے آئے۔"



”بہت بہتر سر۔“

اور پھر وہ انہیں لے کر چلے گئے ... اب صدر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

”آپ میرے ساتھ آئیں ... اور پہلے ان تینوں کے بارے میں بتائیں ... یہ آپ کو لے کر کہاں جا رہے تھے۔“

”انشارجہ کی ریاست ایکورم ... یہ طیارہ ہم دونوں سمیت افواہوں رہا تھا ... لیکن کچھ ایسا معاملہ پیش آیا کہ اس ساری سازش کا رخ بدل گیا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ اور زیادہ حیران ہو گئے۔

”پہلے ہم آپ کو تفصیل سناتے ہیں، پھر آپ کو اندازہ ہو گا کہ سازشی لوگ کہاں کہاں موجود ہیں اور کس کس رخ سے ہمارے خلاف سرگرم ہیں۔“

”آئیے ... پہلے آرام سے بیٹھ جاتے ہیں ... پھر تفصیل سنائیں۔“

صدر انہیں اپنے خاص کمرے میں لے آئے ... دروازے اندر سے بند کر لیے گئے ... اب انہوں نے کہا۔

”ہاں! پہلے آپ ان تینوں کے بارے میں بتائیں۔“

انہوں نے تفصیل سنا دی ... راستے میں پائلٹ اور دونوں ایئر ہوسٹوں سے جو بات چیت ہوئی تھی ... وہ مکمل طور پر انہیں سنا دی ... صدر صاحب حیرت زدہ سے سنتے رہے ... ان کی آنکھیں مارے خوف کے پھیلتی جا رہی تھیں ... آخر انہوں نے بات مکمل کر لی تو صدر نے کہا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے ... یہ تینوں ہمارے ہاں اتنے عرصے سے

ملازم ہیں اور ہمیں پتا تک نہیں چلا کہ یہ انشارجہ کے جاسوس ہیں۔“

”لیکن اب نہیں رہے ... اب تو ان لوگوں کو انشارجہ سے پہچانا ہے ... کیونکہ ایسے لوگوں کو انشارجہ کسی صورت زندہ نہیں چھوڑتا ... اسی

لے ان لوگوں کی حفاظت کا بھرپور انتظام کرنا پڑے گا۔“

لیکن انشارجہ کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور جب یہ لوگ غداری کر سکتے ہیں ... تو یہاں ایسے اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں ... میرے ایوان میں بھی

ایسے لوگ ہو سکتے ہیں ... جو کسی وقت بھی ... ان پر حملہ کر سکتے ہیں۔“

”اوہ ہاں ... ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ... آئیے جلدی

پلیں ... جہاں انہیں بھیجا گیا ہے ... اس کمرے کی طرف چلیں ...

بلکہ دوڑ لگا دیں۔“

یہ کہتے ہی انہوں نے صدر سے بھی پہلے دوڑ لگا دی۔

## وہ کمرہ

صدر صاحب بھی ان کے پیچھے ہی باہر نکل آئے تھے ... انہیں جمشید کو پیچھے مڑنا پڑا ... کیونکہ انہیں نہیں معلوم تھا ... تینوں کو کس کمرے میں رکھا گیا ہے۔

”اس طرف والے برآمدے کے آخر میں ہے مہمان خانہ۔“ دونوں نے دوڑ لگادی اور پھر مہمان خانے کے دروازے سے پورے زور سے نکلے ... دروازہ تو اندر سے بند تھا۔

”کک ... کون؟“ انہوں نے اندر سے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

”دروازہ کھولیں ... ہم آپ کو ایک خطرے سے خبردار کرنا چاہتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے ... ایک منٹ۔“ اندر سے اڑ ہوش کی آواز سنائی دی۔

”کیا کہا آپ نے ... ایک منٹ؟“

”جی ہاں! پائلٹ صاحب ہاتھ روم میں ہیں ... وہی دروازہ

کھولیں گے ... کیونکہ ہم خوف محسوس کر رہے ہیں۔“

”کیوں ... کیا ہم سے پہلے کسی نے دروازہ کھلوانے کی کوشش کی تھی۔“

”جی ... جی ہاں! لیکن ہم نے دروازہ نہیں کھولا تھا ... آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔“

”اچھی بات ہے ... میں اور انسپکٹر کامران مرزا ہیں دروازے پر اور صدر صاحب بھی ہیں ... لہذا آپ بے خوف ہو کر دروازہ کھول دیں۔“

”مجھے افسوس ہے ... پائلٹ صاحب نے ہم سے کہا تھا ... جب تک میں باہر نہ آ جاؤں کسی کے لیے دروازہ نہ کھولنا۔“

”اچھی بات ہے ... ہم ایک منٹ انتظار کر لیتے ہیں ... آپ ہاتھ روم کے دروازے پر دستک دے کر پائلٹ کو خبردار کر دیں ... اس طرح وہ جلد باہر نکل آئیں گے۔“

”جی اچھا۔“

انہوں نے دستک کی آواز سنی ... آخر کار پائلٹ کی آواز سنائی



ہے کہہ رہے تھے کہ اپنے کمرے میں چلے جائیں ... آخر انہوں نے  
موس کیا ... ان کے لیے یہی بہتر ہے کہ اپنے کمرے میں چلے  
جائیں۔

جب انہوں نے دیکھا صدر صاحب جا چکے ہیں ... تب انہوں  
نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور پائلٹ کی طرف مڑے۔

”ہمیں خیال آیا تھا کہ صدر صاحب کے محل میں بھی انشارجہ کے  
باسوں ہو سکتے ہیں ... اور ان حالات میں انشارجہ اپنے ان لوگوں کو حکم  
دے گا کہ وہ آپ تینوں کو قتل کر دیں ... یہ خیال آتے ہی ہم اس  
طرف دوڑ پڑے ... اللہ کا شکر ہے ... یہاں کوئی نہیں آیا ...“ یہ کہہ  
کر وہ رک گئے۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ۔“

”میرے خیال میں یہ کمرہ محفوظ نہیں ... آپ کو کسی اور کمرے  
میں ٹھہرانا ہو گا ...“ آخر انہوں نے کہا۔

”آپ کا مطلب ہے ... ہم اس کمرے سے نکل جائیں۔“  
پائلٹ نے فوراً کہا۔

”ہاں!“ انہوں نے فوراً کہا۔

تینوں انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھے ...

”جی فرمائیے۔“

”یہ ہم ہیں، دروازہ کھول دیں۔“

”آپ کا مطلب ہے ... انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا ...“  
اندر سے کہا گیا۔

”جی ہاں! بالکل۔“

”اچھی بات ہے ... میں دروازہ کھول رہا ہوں۔“

اور پھر دروازہ کھل گیا ... پائلٹ اور دونوں ایئر ہوسٹس کمرے  
نظر آئے ...

دونوں اندر داخل ہو گئے ... انہوں نے صدر صاحب کو باہر ہی  
رکے رہنے کا اشارہ کیا تھا ... پہلے وہ اندر کا جائزہ لینا چاہتے تھے، پھر  
انہیں اندر بلاتے ... انہوں نے پہلے تو پائلٹ اور ایئر ہوسٹس پر غور  
ڈالی ... پھر کمرے پر ... آخر انہوں نے کہا:

”صدر صاحب ... یہاں حالات معمول پر ہیں ... آپ اپنے  
کمرے میں چلیے ہم وہیں آجاتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ صدر صاحب نے قدرے حیران ہو کر کہا۔  
کیونکہ وہ تو ان کے ساتھ اندر آنا چاہتے تھے ... جب کہ انسپکٹر جمشید ان

”اور آپ؟“

”میں... میں دیکھوں گا کہ ہم یہاں کیا کر سکتے ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے... آپ اس کمرے میں ٹھہریں گے۔“

پائلٹ نے حیران ہو کر کہا۔

”اس صورت میں... یہ یہاں سے نہیں جا سکتے... انہیں ہمیں ٹھہرنا ہوگا۔“

کمرے میں ایک آواز گونجی... انہوں نے چونک دیکھا...

کمرے میں انہیں چار نقاب پوش کھڑے نظر آئے... ان کے ہاتھوں میں پستول تھے... اور اس سے پہلے انہوں نے ایسے پستول کبھی نہیں دیکھے تھے۔

”یہی خیال تھا ہمارا۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”کیا خیال تھا؟“ ان میں سے ایک نے سانپ کی طرح پھکار کر کہا۔

”یہ کہ ان تین بے چاروں کو ہلاک کرنے کے لیے انٹارجہ یہاں کسی نہ کسی کی ڈیوٹی ضرور لگائے گا... تم چاروں ظاہر ہے، ایوان صدر کے ملازم ہو... اسی لیے نقاب میں نظر آرہے ہو... اللہ کا شکر ہے، ہمیں یہ وقت خیال آگیا... ورنہ تم تو اپنا کام کر گئے تھے...“

”جے اللہ رکھے اسے کون چکے۔“

”جو ہمارا کام ہے... وہ تو ہم اب بھی کریں گے۔“

”اب یہ تم لوگوں کے لیے اتنا آسان نہیں، اس لیے کہ صدر صاحب کو تمام حالات معلوم ہو چکے ہیں... وہ ہمارے ساتھ دروازے تک آئے تھے... اس صورت میں تم لوگوں کے ساتھ نہایت برا سلوک ہوگا... لیکن اگر یہ پستول گرا دیتے ہو تو اس صورت میں نرم سلوک ہوگا... سوچ لو۔“

”سلوک ہوگا ضرور... سوچ لو۔“

”صدر صاحب کو کچھ معلوم نہیں... یہ تم ہوا میں فائر کر رہے ہو۔“

”اچھی بات ہے... اب یہاں جو ہوگا... تم دیکھ لو گے... تم ایک ہم سے واقف نہیں ہو... ورنہ ایسی حماقت ہرگز نہ کرتے...“

انہیں ہمیشہ کہتے چلے گئے۔

”خیر ایسی بھی بات نہیں... تم انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر بٹلر... انٹارجہ اتنے کچے کام نہیں کرتا... وہ تو پتا نہیں تم نے ان جنوں کو کیسے توڑ لیا اور اپنے ساتھ ملا لیا۔“

”اس کی وجہ ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”اور وہ کیا؟“



”اللہ کی مہربانی سے ہم لوگ جو ز توڑ کے باہر واقع ہوئے ہیں۔“ وہ پھر مسکرائے۔

”ابھی تم ان پستولوں سے واقف نہیں ہو، اس لیے بلاؤ کچھ باتیں کر رہے ہو... تم یہیں بھسم ہو جاؤ گے... اور ہم باہر نکل کر دوسروں کے ساتھ تمہیں تلاش کرتے پھریں گے اور صدر صاحب حیرت زدہ ہوں گے کہ تم کہاں چلے گئے۔“

”اور ہماری لاشیں؟“

”میں نے بتایا نا... کہ ہمارا تعلق انشارجہ سے ہے اور انشارجہ کچے کام نہیں کرتا... یہ عمارت انشارجہ کے کاری گروں نے ہی بنائی تھی... لہذا اس نے ایسے موقعوں کے لیے بہت کچھ کیا ہوا ہے... ابھی تم دیکھ ہی لو گے... پہلے تم یہ سن لو... یہ پستول عام پستول نہیں... ان سے گیس نکلے گی... نشانہ لینے کی ہمیں ضرورت نہیں... گیس ہم پراڑ نہیں کرے گی... صرف تم پر کرے گی... اس کے بعد اس کمرے میں ایک خلا نمودار ہو گا... جو کہ قدرے چوکور سا ہو گا... اور وہ کسی لفٹ کی طرح نیچے جائے گا... نیچے جا کر ٹیڑھا ہو گا... جیسے کچرا پھینکا جاتا ہے نا... اسی طرح چوکور ٹکڑا تم لوگوں کو نیچے بالکل کچرے کی طرح پھینک دے گا اور یہ فرش پھر اسی طرح برابر ہو جائے گا کہ ذرا سا نشان

بھی کسی کو نظر نہیں آئے گا... اب کوئی لاکھ سرچکے... لیکن اس خلا کا راستہ نہیں جان سکے گا... کیا سمجھے... بات دراصل یہ ہے کہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا تم خود کو بہت زیادہ عقل مند خیال کرتے ہو... تم عقل مند... لیکن انشارجہ کے مقابلے میں نہیں ان تینوں کو بھی غداری کا مزہ چکھنا ہو گا... ان پستولوں سے چونکہ نشانہ لینے کی ضرورت نہیں... اس لیے نشانہ خطا جانے کا بھی سوال نہیں... ایک پستول کا ٹریگر دباتے ہی گیس پھیل جائے گی اور تم مکمل بے ہوش... اب رہی یہ بات کہ تم سانس روکنے کے ماہر ہو... سانس روک کر خود کو اس گیس سے بچانے کی کوشش کرو گے... لیکن ان پستولوں کی ایک اور بھی خوبی ہے... تم لوگ جو نبی اندر آئے تھے، ہم نے ان ہتھکڑیوں کی اس خوبی سے کام لے لیا تھا... ان میں سے ایسی شعاعیں نکلتی ہیں... کہ لمحہ بہ لمحہ انسان کمزور ہوتا چلا جاتا ہے... میرے کہنے سے پہلے بھی اگرچہ تم کمزوری محسوس کر چکے ہو گے... لیکن اب کچھ زیادہ کرو گے... ذرا اپنے ہاتھ ہی ہلا کر دیکھ لیں... انہیں سر سے بلند کر کے دیکھ لو... میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دینے کی کوشش کی... انسپکٹر جمشید بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ کندھے کے پاس تک

لائے اور پھر ہاتھ نیچے گرتا چلا گیا ... ادھر انپکڑ کا مرزا کی حالت بھی ایسی ہی تھی ... ان حالات میں بھی ... انپکڑ جوشید نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور زبان کو حرکت دی۔

”تت ... تم ... ایک ... ایک بات بھول رہے ہو۔“

”نہیں ... ہم کوئی بات نہیں بھول رہے ... لو ہم ٹریگر دبا رہے ہیں ... کوئی کاری گری دکھا سکتے ہو تو دکھا لو۔“

اس کے ساتھ ہی انہوں نے ٹریگر دبا دیے ... دو گرتے چلے گئے اور پھر انہیں کچھ ہوش نہ رہا

○

”مجھے صدر صاحب کی یہ بات پسند نہیں آئی۔“ آفتاب نے ان کے جانے کے بعد منہ بناتے ہوئے کہا۔

”کون سی بات؟“ فاروق نے اسے گھورا۔

”یہ کہ صرف اتا جان اور انکل کو بلا لیا ... اور ہمیں نہیں بلایا۔“

”ایسا کرنے کی کوئی وجہ ہوگی، ورنہ وہ تو خاص طور پر یہ کہہ

کرتے ہیں کہ بچوں کو بھی ساتھ لے کر آؤ۔“ محمود مسکرایا۔

”پھر بھی نہ جانے کیوں مجھے یہ بات آج اچھی نہیں لگی۔“

”اب اس میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔“ فرزانہ نے کہا۔

”کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں ... اتا جان اور انکل ہمیں خود آکر بتائیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”تمہارا مطلب ہے ... ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہیں۔“

آفتاب نے کہا۔

”نہیں ... میری طرف سے تم ٹانگ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہو۔“

”ہے کوئی تمک۔“ شوکی نے برا سا منہ بنایا۔

”نہیں ہے تو نہ سہی۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”کیا نہیں ہے۔“ آصف نے اس کی طرف دیکھا۔

”تمک اور کیا۔“

”ارے باپ رے۔“ اچانک فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

”میری طرف سے بھی۔“ فرحت نے جلدی سے کہا۔

”میری طرف سے بھی کیا؟“ مکھن نے حیران ہو کر اس کی

طرف دیکھا۔

”یہی بات ہے ... یعنی کہ ارے باپ رے۔“

”عد ہو گئی ... توبہ ہے تم سے۔“ محمود نے انہیں گھورا۔



”اچھا بس چپ ... دماغ نہ چاٹو ... ہم دونوں بہت سنجیدہ بلکہ  
 رنجیدہ لگ رہے ہیں۔“  
 ”وہ تو خیر شکل سے ہی نظر آ رہی ہو۔“ محمود مسکرایا۔  
 ”میں کہہ رہی ہوں ... کوئی گڑ بڑ ہے ... اور تم سنجیدگی اختیار  
 کرنے میں ہی نہیں آرہے ہو۔“ فرزانہ نے جملے کئے انداز میں کہا۔  
 ”اچھی بات ہے ... اب ہم پوری طرح سنجیدگی کی طرف  
 آجاتے ہیں ... بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو۔“  
 ”ہمیں فوری طور پر انہیں فون کرنا چاہیے۔“

”اباجان اور انکل صدر صاحب سے بات کر رہے ہیں ... ان  
 حالات میں ہمارا دخل دینا ٹھیک نہیں۔“  
 ”ٹھیک ہے یا نہیں ... میں فون کیے بغیر نہیں رہ سکتی ... میں  
 جانوں، میرا کام ... زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ اباجان جھاڑ پلا دیں  
 گے ... کوئی پرواہ نہیں ... کیا ہم نے کبھی جھاڑ نہیں پی۔“  
 ”وہ تو خیر ہم پیتے رہتے ہیں۔“ آفتاب نے سر ہلایا۔  
 ”فرزانہ ٹھیک کہہ رہی ہے ... کیونکہ۔“ شوکی نے کانپتی آواز  
 میں کہا۔

”اب یہ تم ایک عدد کیونکہ کہاں سے لے آئے۔“ آصف نے

”مم ... میرا خیال ہے ... یہ کچھ کہنا چاہتی ہیں ... اور بہتر ہو  
 گا کہ ہم ان کی بات سن لیں۔“  
 ”چلو بھئی ... سناؤ ... کیا بات ہے۔“  
 ”میرا دل بری طرح گھبرا رہا ہے ... شاید انکل اور اباجان کسی  
 مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔“  
 ”حد ہو گئی ... ارے بھئی وہ گاڑی میں گئے ہیں ... گئے بھی  
 ایوان صدر ہیں ... کسی ایسی ویسی جگہ نہیں گئے ہیں۔“  
 ”تب پھر تم ہی بتاؤ ... میرا دل کیوں دھک دھک کر رہا  
 ہے۔“  
 ”دل تمہارا دھک دھک کر رہا ہے اور بتاؤں میں کہ کیوں  
 دھک دھک کر رہا ہے، ہے کوئی تک۔“  
 ”اس میں شک نہیں۔“ فاروق نے فوراً کہا۔  
 ”کس میں؟“ آفتاب نے اس کی طرف دیکھا۔  
 ”اس میں کہ اس میں کوئی تک نہیں۔“  
 ”حد ہو گئی ... ہے کوئی تک۔“ فرزانہ جھٹلا اٹھی۔  
 ”پہلے ہی کہہ چکا ہوں ... کہ کوئی تک نہیں ہے۔“ فاروق  
 مسکرایا۔

شوکی کو گھورا۔

”جہاں سے پہلے لاتا رہا ہوں۔“

”یار چپ رہو۔۔۔“ آفتاب جھٹکا اٹھا۔

اور ادھر فرزانہ موبائل نمبر ڈائل کر چکی تھی۔۔۔ لیکن دوسری طرف فون بند تھا۔۔۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں انیکٹر کامران مرزا کے نمبر ڈائل کیے۔۔۔ لیکن ان کا موبائل بھی بند تھا۔۔۔ اب تو اس پر شدید گھبراہٹ چھا گئی۔۔۔ اس نے صدر صاحب کے نمبر ملائے۔۔۔ فوراً ہی جواب ملا۔

”ہاں فرزانہ۔۔۔ کیا بات ہے۔“

”انکل۔۔۔ ابا جان اور انکل کے موبائل بند ہیں۔۔۔ کیا یہ دونوں حضرات آپ کے پاس ہیں۔“

”ہاں وہ لوگ گئے تو تھے ایک سفر پر، مگر جلد ہی ان کی واپسی ہو گئی۔۔۔ طیارے کے پائلٹ اور ایئر ہوسٹس غدار نکلے۔۔۔ مگر اب ہمارے ساتھ ہو گئے ہیں۔۔۔ اور اس وقت وہ ان تینوں سے بات کر رہے ہیں۔“

”نہیں انکل۔“ فرزانہ چلائی۔

”کیا کہا فرزانہ۔۔۔ نہیں انکل۔“

”جی انکل۔۔۔ آپ فوراً انہیں چیک کریں۔۔۔ ادھر گڑ بڑ ہے۔“

”اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ میں دیکھتا ہوں۔“

”آپ فون بند نہ کریں۔۔۔ اسی طرح اسے آن رکھے رکھے ان کی طرف جائیں۔۔۔ لیکن موبائل کان سے لگا کر نہ رکھیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

اور پھر وہ صدر صاحب کے قدموں کی آواز سننے لگے۔۔۔ جلد ہی انہوں نے دروازے پر دستک کی آواز سنی۔۔۔ پھر تین بار دستک دی گئی۔۔۔ آخر صدر صاحب کی پریشان کن آواز سنائی دی۔

”تمہارا اندازہ ٹھیک ہے فرزانہ۔۔۔ اندر سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔“

”ارے باپ رے۔۔۔ آپ دروازہ تڑوا دیں۔۔۔ ہم آرہے ہیں۔“

”اچھ۔۔۔ چھی بات ہے۔“

اور پھر انہوں نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔۔۔ جلد ہی وہ آندھی اور طوفان کی طرح ایوان صدر کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے۔۔۔

”صدر صاحب نے غلطی کی۔۔۔ ہمیں بھی ساتھ بلانا چاہیے

فانا۔“ فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”جہاں ابا جان اور انکل کی دال نہیں گلی۔۔۔ وہاں ہم بھی ساتھ



ہوتے تو کیا کرتے ... لگتا ہے ... کوئی بہت خوفناک سازش ہو رہی ہے۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”آمین۔“

اور پھر وہ ایوانِ صدر پہنچ گئے ... انہیں فوراً ہی اس کمرے کی طرف لے جایا گیا ... جس کمرے میں دونوں بڑے ان تینوں سے ملاقات کر رہے تھے ... انہوں نے دیکھا ... کمرے کا دروازہ توڑا جا چکا تھا اور صدر صاحب ایک کرسی پر حیرت کابت بنے بیٹھے تھے ... ان کے قدموں کی آواز سن کر بھی ان کے جسم میں حرکت نہ ہوئی ... یہ بات محسوس کر کے محمود کھنکارا ... اور دبی آواز میں گویا ہوا۔

”انکل! ہم آگئے ہیں۔“

صدر صاحب کے جسم میں معمولی سی حرکت ہوئی ... انہوں نے ایک نظر ان پر ڈالی ... غمگین انداز میں مسکرائے پھر انہوں نے کہا۔

”مجھے بہت افسوس ہے۔“

”کس بات پر انکل۔“

”اس پر کہ ایوانِ صدر میں بھی سازشی لوگ موجود ہیں اور یہ

انہی کا کام ہے۔“

”آپ پریشان نہ ہوں ... یہ بات تو طے ہے تاکہ وہ تینوں

اسی کمرے میں تھے۔“

”ہاں بالکل۔“

”اور اہاجان اور انکل نے بھی ان سے اسی کمرے میں ملاقات

کی تھی۔“

”ہاں! میں نے انہیں اسی کمرے میں چھوڑا تھا ... اس کمرے

سے انہیں نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا ... آلات بھی یہی بتاتے ہیں اور

اس جگہ کے محافظ بھی۔“

”بس تو پھر اس کمرے میں کوئی خفیہ راستہ موجود ہے ... اور ہم

وہ تلاش کر لیں گے ... زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ اس کمرے کے

بچے کوئی تہہ خانہ ہے ... یا پھر کوئی سرنگ ہے ... جس کے ذریعے وہ

کہیں اور لے جائے گئے ہیں ... اور اللہ نے چاہا تو ہم وہ راستہ تلاش

کر لیں گے۔“

”مجھے بھی یہی امید ہے، لیکن ساتھ میں میرا دل ڈوبا جا رہا

ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں ... ہم بہت جلد تہہ خانہ تلاش کر لیں گے ...

اور اب آپ اپنے کمرے میں آرام کریں ... جونہی راستہ ملا ... ہم آپ

”اچھی بات ہے... اللہ تمہیں کامیاب کرے۔“  
یہ کہتے ہی صدر صاحب کمرے سے نکل گئے... اب وہ محفلوں  
سے مخاطب ہوئے۔

”آپ لوگ چوکس رہیے گا... کوئی اچانک صورت حال پیش  
آسکتی ہے۔“

”فکر نہ کریں۔“ وہ ایک ساتھ بولے... ان کی تعداد پانچ تھی  
... اور وہ اسلحے سے پوری طرح لیس تھے۔

انہوں نے ایک نظر کمرے پر ڈالی... پھر غور سے کمرے کی ایک  
ایک چیز کو دیکھنے لگے... یہ ایک ہال کمرہ تھا... اس کے درمیان میں  
ایک بڑی اور بیضوی میز تھی... اس کے گرد کرسیاں تھیں... میز اور  
کرسیاں شاہی قسم کی تھیں... ان پر کام ہوا ہوا تھا... ہاتھی دانت کا  
بھی اور پیتل کا بھی... اس طرح یہ بہت خوب صورت نظر آ رہی تھیں...

دیواروں پر جدید طرز کی الماریاں بنائی گئی تھیں... الماریاں بند  
تھیں... ظاہر ہے، ان میں فائلیں ہوں گی... یا ایوان صدر سے متعلق  
دوسری چیزیں ہوں گی... ہال کی آمنے سامنے کی دیواروں پر بڑے  
بڑے فریم بھی تھے... یہ قدرتی مناظر کے فریم تھے... دائیں طرف

281

والے فریم کے نیچے ایک بہت بڑا آتش دان تھا۔  
”سب سے پہلے اس آتش دان کو دیکھنا چاہیے... کیونکہ ہمارا  
واسطہ عام طور پر آتش دانوں سے پڑتا ہے۔“ فرزانہ نے پر خیال انداز  
میں کہا۔

انہوں نے ہاں میں سر ہلا دیے... نہ جانے کیوں... کبھی چپ  
پاپ تھے...

”یہ فریم عجیب ہے... اس کا منظر بھی عجیب ہے... سورج  
غروب ہو رہا ہے... اور وہ گویا سمندر میں ڈوب رہا ہے...“ آفتاب  
نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

”مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آئی... کیونکہ ایسے  
مناظر تو عام ہیں... اور ایسے فریم عام طور پر دیکھنے میں آئے ہیں۔“  
فرحت نے براسا منہ بنایا۔

”اس میں شک نہیں... لیکن... ایک بات کی طرف تم نے  
دھیان نہیں دیا۔“ آفتاب مسکرایا۔

”اور وہ کیا۔“ فرحت نے اسے گھورا۔

”یہ دیکھو...“ یہ کہتے ہوئے اس نے فریم پر ایک جگہ انگلی رکھ  
دی... انہوں نے دیکھا... اس جگہ کا شیشہ بالکل نرم تھا...



## ہم سے پہلے

”یہ کیا... نرم شیشہ... بھلا شیشہ بھی نرم ہوتا ہے۔“ محمود نے مارے حیرت کے کہا۔

”ہوتا تو نہیں... لیکن یہ ہے...“ آصف نے جلدی سے کہا۔  
اب فرزانہ نے شیشے کو اس جگہ سے دبایا... اور پھر ان سب کو اچھل کر پیچھے ہٹا پڑ گیا... فریم کسی ڈھکنے کی طرح اوپر اٹھا تھا... جیسے اس میں اسپرنگ لگے ہوں... اور ساتھ ہی ان کے منہ سے نکلا۔  
”مل گیا راستہ۔“

انہوں نے دیکھا... ایک بہت کھلا زینہ ان کے سامنے تھا... انہوں نے فوراً محافظوں کو اشارہ کیا... وہ اندر آگئے اور خلا دیکھ کر دھک سے رہ گئے۔

”صدر صاحب کو بلا لیں... ورنہ وہ شکایت کریں گے کہ ہم انہیں کچھ بتائے بغیر ہی چلے گئے۔“

”جی بہتر!“

ان میں سے دو نے دوڑ لگا دی... جلد ہی صدر صاحب بھی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے... زینہ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں سارے جہاں کی حیرت سمٹ آئی... آخر ان کے منہ سے نکلا۔

”اب... اب کیا پروگرام ہے۔“

”ہم جا رہے ہیں... آپ ہمارے پیچھے اپنے بااعتماد آدمی بھیج دیں... ضرورت پڑی تو ہم ان سے مدد لے سکیں گے۔“  
”ہوں اچھا۔“

اور پھر وہ بسم اللہ پڑھ کر خلا میں اتر گئے... انہیں یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ سیڑھیاں پہلے نیچے کی طرف گئیں پھر اوپر کی طرف... لٹ کی طرح، اس طرح انہیں کافی فاصلہ طے کرنا پڑا... آخر سیڑھیوں کا اختتام ایک کمرے میں ہوا... انہوں نے اس کمرے سے باہر نکل کر دیکھا تو پتا چلا... وہ ایوان صدر کے پچھلے حصے میں ہیں اور وہاں ملازمین کے کوارٹرز ہیں... یہاں سامان لانے کے لیے بڑی بڑی چار گاڑیاں کھڑی تھیں... ان گاڑیوں پر نظر پڑتے ہی ان کے منہ سے نکلا۔

”ارے باپ رے۔“

”اس کا مطلب ہے ... انہیں یہاں سے سامان لانے کے لئے والی گاڑی میں لے جایا گیا ہے ... اب یہ گاڑیاں ہیں ایوان صدر کی ... اور ایوان صدر کے لیے سامان انہی گاڑیوں کے ذریعے سے لایا جاتا ہے، لہذا ان گاڑیوں کو تو کوئی چیک کرتا ہی نہیں ہوگا ... افسوس ہم سوچ بھی نہ سکے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، ایوان صدر میں بھی ہمارے خلاف جال بچھا ہو سکتا ہے ... اس کیس میں ہم پہلے ہی گھن چکر بن چکے ہیں، لگتا ہے ... ابھی اور گھن چکر بننا باقی ہے۔“ محمود پریشانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

”ہوں ... گھبرانے اور پریشان ہونے سے تو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوگا ... دشمن خار کھائے بیٹھا ہے ... ہمارے خلاف اس کے پاس ایک طے شدہ منصوبہ ہے جب کہ ہمیں اس کے منصوبے کا کچھ بھی پتا نہیں ... اس وقت کی صورت حال یہ ہے کہ ہمارے دو اہم ساتھی اور تین افراد وہ جنہیں ہم بچانے کی کوشش میں تھے ... وہ ان کے قبضے میں ہیں ... آخر ہم ان تک کیسے پہنچیں۔“

”ان گاڑیوں کے منتظم کے ذریعے ... کیونکہ اس کے بغیر یہ واردات ہو ہی نہیں سکتی۔“

”بالکل ٹھیک ... اور ابھی ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم

”ٹھیک ہے، ہم اپنا کام بیٹیں سے شروع کریں گے ... یہاں ... لہذا وہ پوری طرح بے فکر ہوں گے۔“

پار گاڑیاں کھڑی ہیں ... ان میں کوئی نظر نہیں آ رہا ... لہذا ان لوگوں کے کوارٹرز کو دیکھ لیا جائے۔“

اب وہ کوارٹرز کی طرف مڑے ... یہ تقریباً دس کوارٹرز تھے ... کہا دس افراد تو یہاں ضرور ہی رہتے تھے اور اگر وہ اپنے بیوی بچوں سمیت رہتے تھے تو ان کی تعداد زیادہ تھی ... محمود نے آگے بڑھ کر پہلے کوارٹر پر دستک دی ... فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک عورت کی مورت نظر آئی ...

”معاف کیجیے گا ... آپ کو زحمت دی۔“ فرزانہ نے فوراً اس کے نزدیک ہوتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں ... فرمائیے ... آپ کون لوگ ہیں ... یہ جگہ کوئی عام جگہ نہیں ہے ... آپ یہاں کیسے آئے ... اور کس راستے سے آئے ... کیا کوارٹرز کے بیرونی گیٹ سے ہو کر آئے ہیں ... اور وہاں آپ کو کسی نے روکا نہیں۔“ عورت کے لہجے میں ناخوش گواری تھی۔

”دیکھیے ... یہ ایک عجیب سی صورت حال ہے ... پہلے تو یہ بتا دیا ... پانچویں گاڑی کہاں ہے؟“ فرحت نے اندھیرے میں تیر



”آنے کا وقت وہی نکلتے ہیں... لہذا آپ لوگ گیٹ پر چلے جائیں  
... میں اس سے پہلے تو آپ مجھے مطمئن کر دیں... آپ لوگ کون  
... یہاں تک کیسے پہنچے۔“  
”ہم یہ بات گیٹ پر ہی بتا دیں گے... آپ فکر نہ کریں۔“  
... نے جلدی سے کہا۔

”نہیں... آپ لوگوں کو یہ بات مجھے ہی بتانی ہوگی... ورنہ  
... میں تم لوگوں کو پکڑوا دوں گی... بس ایک گھنٹی بچانے کی دیر ہے...  
... اس گھنٹی سے فائدہ اٹھانا ہمارا کام ہوگا۔“  
”نہیں نہیں... ہم لوگ لڑائی بھڑائی کو خاص پسند نہیں کرتے...  
... برائی فرما کر آپ گھنٹی نہ بجائیں۔“ فرزانہ نے گھبرانے کی اداکاری  
... کی۔

”اچھی بات ہے... تو سیدھی طرح بتاؤ... یہاں تک کیسے  
... پہنچے۔“

”اندرونی راستے سے۔“

”کیا کہا... اندرونی راستے سے۔“

”ہاں! اندرونی راستے سے۔“ فرحت نے گردن ہلائی۔

”یہاں کوئی اندرونی راستہ نہیں ہے... تم لوگ مذاق کر رہے

”پانچویں گاڑی... لینے گئی ہو گئی سامان... آپ لوگوں نے  
... میری بات کا جواب نہیں دیا... آپ یہاں تک آ کیسے گئے... یہ کون  
... عام جگہ نہیں ہے... گزرگاہ بھی نہیں ہے... یہاں تو خاص لوگ رہتے  
... ہیں... یہ ان کی جگہ ہے...“ اس نے پر پھر منہ بنا کر کہا۔  
”ہم آپ کو بتا دیتے ہیں کہ یہاں تک کیسے آئے ہیں... لیکن  
... پہلے آپ بتائیں... پانچویں گاڑی یہاں سے کتنی دیر پہلے گئی ہے۔“  
”مجھے نہیں معلوم... یہ میرا کام نہیں... یعنی ان کے آنے  
... جانے کی خبر رکھنا... طوسی صاحب کا کام ہے۔“ وہ روانی کے عالم میں  
... کہتی چلی گئی۔

”ٹھیک ہے... ہم طوسی صاحب سے پوچھ لیتے ہیں... ان  
... سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔“

”بیرونی دروازے سے جب آپ لوگ اندر آئے تھے... اور  
... میں حیران ہوں کہ پتا نہیں کیسے اندر آ گئے تھے... خیر... اس وقت کیا  
... آپ نے دائیں طرف ایک دفتر نہیں دیکھا تھا... بس وہی دفتر طوسی  
... صاحب کا ہے... اس شعبے کے انچارج وہی ہیں... یعنی کون سی گاڑی  
... کہاں جائے گی... کون سی گاڑی کہاں... گاڑی کے جانے کا وقت

”ہاگل موجود ہے... تو انہوں نے کیا جواب دیا؟“

”کہ یہ اندر سے آئے ہیں۔“

”اندر سے آئے ہیں... دماغ تو نہیں چل گیا... اندر سے کہاں

آئے ہیں۔“ ان میں سے ایک نے چلا کر کہا۔

”اس طرف سے... اگر آپ کو یقین نہیں تو ہم وہ راستہ دکھا

دیتے ہیں... جس سے ہم یہاں آئے ہیں اور ہم سے پہلے۔“ محمود کہتے

کہتے رک گیا۔

”اور ہم سے پہلے کیا؟“ اہل کار نے اسے کھا جانے والی

نظروں سے گھورا۔

اس وقت محمود نے قدرے خوف محسوس کیا... پھر بھی اس نے پر

سکون آواز منہ سے نکالی۔

”ہم سے پہلے پانچ افراد کو بھی اندر سے یہاں تک لایا گیا ہے

اور آپ لوگوں نے انہیں سامان لانے والی ایک گاڑی میں بٹھا کر یہاں

سے کہیں بھیجا ہے... اب یہ بات آپ کو بتانا ہوگی... کہ کہاں بھیجا

ہے۔“

”خبردار... ہاتھ اوپر اٹھا دو... تمہیں بھی وہیں بھیج دیتے

ہیں۔“

ہو... اب مجھے گھنٹی بجانی پڑے گی۔“ یہ کہتے ہی اس نے دھار میں

گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

”آپ کی مرضی... ہم نے تو سوچا تھا... اس کے بغیر...“

”کس کے بغیر۔“ خاتون نے حیران ہو کر کہا۔

”گھنٹی کے بغیر۔“ آصف مسکرایا۔

”تم لوگ پاگل لگتے ہو۔“

”ہم اور بھی کئی لوگوں کو پاگل لگتے ہیں... لیکن ہیں نہیں۔“

عین اسی لمحے دوڑتے قدموں کی آواز ابھری... اور پھر سرکاری

وردی میں کچھ لوگ اندر آ گئے...

”کیا بات ہے... یہ کون لوگ ہیں... اسے ایہ یہاں کیے

آ گئے... گیٹ پر تو ہم موجود تھے۔“

”یہی بات میں ان سے پوچھ رہی تھی۔“ خاتون نے فوراً کہا۔

”کیا... کیا پوچھ رہی تھیں۔“ ایک اہل کار نے حیران ہو کر

پوچھا۔

”یہ کہ یہ یہاں کیسے پہنچ گئے... جب کہ گیٹ پر پہرہ موجود

ہے۔“



اس بار سرد آواز میں کہا گیا ... اہل کاروں میں سے ایک نے یہ الفاظ کہے تھے۔

ان کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں ... یہی وہ ان کے منہ سے سننا چاہتے تھے ... اس کے ساتھ ہی محمود موبائل کا بٹن دبا چکا تھا اور اب صدر صاحب کے موبائل کی گھنٹی بجنا شروع ہو چکی تھی ... فوراً ہی انہوں نے بھی بٹن دبا دیا ... اور اس طرف ہونے والی گفتگو سنی گئی۔

”یہ کیا ... ہاتھ اٹھا دیں ... مگر کیوں ... آپ ہمارے ہاتھ اٹھوا کر کیا کریں گے۔“

”وہی کریں گے ... جو تم لوگوں کے بڑوں کے ساتھ کر چکے ہیں ... ایک گاڑی میں بھر کر تم لوگوں کو بھی ان کے پاس پہنچا دیں گے۔“

”نہیں ...“ مارے خوف کے محمود نے کہا۔

”آپ آئیں بائیں اور شائیں نہ کرو ... اور خاموشی سے اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“

”تو ایوان صدر کے پچھلے حصے میں ... سامان لانے والی گاڑیوں کے ذریعے یہ کام کیا جا رہا ہے ... کہنے کو تم لوگ ایوان صدر کے ملازم ہو ... لیکن ... ایجنٹ کسی اور کے ہو۔“

”ہاں! ہیں ... ضرورت پڑنے پر ہم یہاں سے ایوان صدر کے اندر جاسکتے ہیں اور ادھر سے اپنے ساتھیوں کو ادھر لاسکتے ہیں۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے ... جب ایوان صدر کا یہ حال ہے تو باقی بچوں کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔“

”ادھر ادھر کی باتیں نہ کرو ... یہاں کوئی تمہاری مدد کے لیے نہیں آئے گا ... بیٹھ جاؤ ... گاڑی میں۔“

”آؤ بھئی ... چلیں ... یہ لوگ بھی کیا یاد کریں گے ... ہم تو

چاہتے ہی یہ تھے کہ کسی طرح بڑوں کے پاس پہنچ جائیں ... سو یہ شریف لوگ ہمیں خود ہی وہاں لے جا رہے ہیں ... ہمیں تو ان کا شکر ادا کرنا چاہیے۔“ محمود روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

”اگر تم کہتے ہو تو چلے چلتے ہیں ... ورنہ یہ لوگ ہمیں لے جانے لگتے تھے۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”ہاں اور کیا؟“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”بھئی ... آخر ہمیں اپنے بڑوں تک جانا ہے یا نہیں۔“

”وہ تو خیر جانا ہے۔“

”تو پھر چلو۔“

ان کے چاروں طرف رائفلیں تکی تھیں ... اس کے باوجود وہ

”اوہو اچھا... ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا۔“

”بس بات کا۔“ ان کا انچارج بول اٹھا۔

”اس بات کا کہ ہم آپ کا دماغ چاٹ چکے ہیں۔“

”تو یہ ہے... کن بے وقوف لوگوں سے واسطہ پڑ گیا ہے۔“

”ہم سے... اور یہ بات رکھیے گا... آپ نے ہمیں بے وقوف

کہا ہے... ہم آپ کا کہا... آپ پر لوٹائیں گے... ان شاء اللہ۔“

ان سب کے منہ بن گئے... اس وقت تک وہ گاڑی میں سوار ہو

چکے تھے، پھر پچھلا دروازہ آواز کے ساتھ بند ہو گیا... اور گاڑی چل

پڑی... اب ظاہر ہے، ایوان صدر کی گاڑیوں کو کون روک سکتا تھا...

کون چیک کر سکتا تھا... اس لیے ان کا سفر رکے بغیر جاری رہا...

یہاں تک کہ گاڑی رک گئی... اس کا پچھلا دروازہ کھولا گیا... تو انہیں

پہلوں کی خوشبو آئی... گویا وہ پھلوں کی منڈی پہنچ گئے تھے... اور

گاڑی ایک عمارت کے اندر کھڑی تھی... پچھلا دروازہ کھلتے ہی ان سے

کہا گیا۔

”چلو نیچے اترو... تمہاری منزل آگئی ہے... اور وہ بھی آخری

منزل۔“

”کک... کیا کہا... آخری منزل۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

یہاں بہت کچھ کر سکتے تھے... لیکن وہ کرنا نہیں چاہتے تھے... وہ بڑوں کے پاس پہنچنے کے لیے بری طرح بے چین تھے... اور یہ لوگ خود ہی انہیں لے جا رہے تھے... اور انہیں کیا چاہیے تھا... جو کام انہیں کچھ دیر پہلے مشکل نظر آ رہا تھا... یعنی بڑوں تک پہنچنا... وہ اب بہت آسان ہو گیا تھا... انہوں نے اس پر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا... اور گاڑی میں سوار ہو گئے... ادھر محمود نے صدر صاحب کا سنانے کے لیے کہا۔

”گاڑی میں تو ہم بیٹھ رہے ہیں... لیکن یہ تو بتادیں... آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔“

”چپ رہو... زیادہ ٹرٹر نہ کرو... وہاں پہنچ کر تمہیں پتا چل ہی جائے گا کہ تم کہاں پہنچ گئے ہو۔“ ایک نے غزا کر کہا۔

”جی اچھا... یہ بہت اچھی بات ہے۔“ مکھن نے دانت نکالے۔

”کیا بہت اچھی بات ہے...“ اس نے مکھن کو گھورا۔

”یہ کہ ہمیں وہاں چل کر پتا چل جائے گا کہ ہم کہاں پہنچ گئے ہیں... ورنہ وہاں پہنچ کر بھی پتا نہ چلتا تو ہم کیا کر لیتے۔“

”اچھا چپ رہو... دماغ چاٹ گئے ہو۔“ ایک نے بھڑک کر کہا۔



”ہاں کیوں... کیا ہوا۔“ آصف نے اسے گھورا۔  
 ”مم... میرا مطلب ہے، یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“  
 ”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھٹا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔  
 ”بری بات ہے فاروق۔“ فرزانہ نے گویا اسے گھورا۔  
 ”یہ بھی تو بتاؤ نا... کون سی بات بری ہے۔“  
 ”تمہیں ایسے میں بھی ناولوں کے نام سوچ رہے ہیں۔“  
 ”اچھی بات ہے... میں یہ نام واپس لیتا ہوں۔“ فاروق نے کہا۔

”حد ہو گئی یعنی کہ۔“ فرحت نے جھٹا کر کہا۔  
 ”ادھر ادھر کی حد ہانکو... چلو اس طرف۔“

رائفلوں کے سایے میں انہیں ایک سمت میں لے جایا گیا... یہ ایک بڑا اسٹور تھا... انہیں کافی دیر تک پیدل چلنا پڑا... تب کہیں جا کر وہ ایک دروازے تک پہنچے... وہ کافی بڑا دروازہ تھا... اور تھا بھی لوہے کا... ایک گن مین نے اس پر زور دار انداز میں دستک دی... ایک منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔

”جو مہمان رہ گئے تھے... ہم انہیں بھی لے آئے ہیں۔“  
 ”بہت خوب! یہ ہوئی نا بات... آجاؤ بھی... اپنی آرام گاہ

میں۔“ مہرے طنزیہ انداز میں کہا گیا۔  
 وہ اندر داخل ہو گئے... بڑا دروازہ فوراً بند کر دیا گیا۔  
 ”آگے چلو۔“ غزا کر کہا گیا۔

وہ آہستہ انداز میں قدم اٹھانے لگے... ایسے میں انہوں نے قدموں کی آواز سنی... پھر لوہے کا گیٹ زور دار انداز میں دھڑ دھڑایا گیا... انہیں آگے لے جانے والے اچھل کر رک گئے... پھر ان میں سے ایک دروازے کی طرف گیا... اس نے پوچھا۔  
 ”کون... کیا بات ہے۔“

”جلدی دروازہ کھول دیں... اگر ہمیں دیکھ لیا گیا تو پھر پولیس اندر آجائے گی۔“

”ارے باپ رے۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی رائفل بردار نے دروازہ کھول دیا... اور وہ لوگ فوراً ہی اندر آ گئے... جو انہیں یہاں تک لائے تھے... یعنی جن کا تعلق گاڑی سے تھا... ان کے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔

”اب اس سے پہلے کہ پولیس اس گیٹ تک پہنچ جائے اور اسے کھولے... ان لوگوں کو ان کے ساتھیوں تک پہنچا دیا جائے۔“

”ٹھیک ہے ... چلو میاں جلدی کرو ... دیر کرو گے تو ہم کوئی چلا دیں گے ... پھر چاہے کچھ ہو جائے ... کیونکہ ہم مارے جائیں گے تو تم لوگوں کو کیوں چھوڑ دیں گے۔“

یہ الفاظ سرد ترین لہجے میں کہے گئے ... اور انہوں نے قدم اٹھا دیے ... جونہی وہ ایک اور دروازے پر پہنچے ... لوہے کے گیت پر خوف ناک دستک ہوئی ...

”جلدی کرو ... ان کی تلاش میں نکلنے والے لوگ آ پہنچے۔“ فوراً ہی دروازہ کھل گیا اور انہیں اندر دھکیل دیا گیا ... وہ دل ہی دل میں مسکرا دیے ... پھر دروازہ بند کر دیا گیا ... انہوں نے دیکھا، انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور پائلٹ اور دونوں ایر ہوشیں وہاں بندھے پڑھے تھے ... ان کے ہونٹوں پر بھی ٹیپ چپکائی گئی تھی۔

”ان لوگوں کو بھی فوراً باندھ دو ... اور ہونٹوں پر ٹیپ چپکا دو ... تاکہ باہر والے ان کی ہلکی سی آواز بھی نہ سن سکیں گے۔“ ان کے انچارج نے غزا کر کہا۔

فوراً ہی انہیں باندھا جانے لگا۔

”تم کچھ بھی کر لو ... اب بچ نہیں سکو گے۔“ محمود نے مسکرا کر

کہا۔

”فلٹن کرو ... اس کمرے میں پہلوں کی چٹیاں ہی چٹیاں نظر آئیں گی اور پیٹوں کی دیوار کے دوسری طرف تم ہو گے ... بٹے جلنے کے قابل تو تم ہو گے ہی نہیں ... منہ سے کوئی آواز بھی نہیں نکال سکو گے ... ہذا وہ لوگ مایوس ہو کر لوٹ جائیں گے۔“

”تم بے وقوف ہو ... تم نہیں جانتے ... ہم۔“ فاروق کہتے بہتے رک گیا۔

”نہیں جانتے ... ہم ... کیا؟“ اس نے حیران ہو کر کہا۔

”نہیں جانتے کہ ہم۔“

میں اس لمحے ایک زور دار آواز گونج اٹھی۔

☆☆☆☆☆



”دروازہ نہ کھولا گیا تو ہم توڑ دیں گے ... ہمارے پاس دروازہ  
 توڑنے کے آلات موجود ہیں ... ہم صرف ایک منٹ انتظار کریں گے۔“  
 ”ہم ... ہم دروازہ کھول رہے ہیں۔“ ان میں سے ایک نے  
 ہٹکا کر کہا۔

”اور اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ہم پھر کوئی لحاظ  
 نہیں کریں گے۔“  
 ”اور انہوں نے دروازہ کھول دیا ... فوراً ہی ان سب کو چھاپ

لیا گیا ...

”ان پانچوں کی حالت ٹھیک نہیں ہے ... انہیں فوری طور پر  
 ہسپتال لے جانا پڑے گا ... کیونکہ بے ہوش کیے بغیر تو یہ لوگ ان پر  
 قابو پا ہی نہیں سکتے تھے۔“ محمود نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
 ”فکر نہ کریں۔“

فورا ہی انہیں وہاں سے ملٹری ہسپتال لے جایا گیا ... صدر  
 صاحب ہل ہل کی خبریں لے رہے تھے ... وہ بھی ہسپتال پہنچ گئے ...  
 تفصیل سن کر ان کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی حیرت سما گئی ... وہ تو  
 سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے اپنے ایوان صدر میں ایسا کچھ بھی تھا  
 ... گویا ایوان صدر کی تمام تر کاروائیاں دشمن کو ساتھ ساتھ معلوم ہوتی

## بند مٹھی

زوردار دستک کی آواز سنتے ہی ان کے چہروں پر رونق آگئی۔  
 فاروق نے چمک کر کہا۔

”لو ... اب سمجھ میں آیا ... میں کیا کہنا چاہتا تھا ... بس یہی کہنا  
 چاہتا تھا کہ تم لوگ بے وقوف ہو ... نہیں جانتے کہ ہم کیا چیز ہیں اور  
 راستے میں اپنا کیا کچھ کام کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں ... اور  
 چلتے چلتے یہ بھی بتادوں کہ ایوان صدر کے پیچھے ہی ہم صدر صاحب کو خیر  
 دار کر چکے تھے ... پھر بھلا پولیس اور ایوان صدر کا فوجی دستہ یہاں تک  
 کیوں نہیں پہنچا ہو گا۔“

”نن ... نہیں ...“ پہلی مرتبہ ان کے منہ سے بوکھلائے ہوئے  
 انداز میں نکلا۔

ایسے میں ایک بار پھر ہولناک انداز میں دستک دی گئی ... ساتھ  
 ہی چلا کر کہا گیا۔

ہمارے پاس لے دے کے کچھ معلومات ضرور ہیں ... انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”اور ہمارے پاس کام کرنے کے لیے ایک چھوٹے جہاز کے تین افراد ہیں ... آخر وہ بھی پہلے اس سازش کا حصہ تھے ... یہ بات ہے کہ انہیں کوئی خاص معلومات نہ ہوں ... اسی طرح ایوان صدر کا گرفتار شدہ عملہ ہے ... ان سب سے پوچھنا تو کی جائے گی آخر۔“

”وہ تو خیر ہم کریں گے ... اس کے علاوہ ہمارے پاس وہ سب موجود ہے۔“

”اور ملک سبران ... یہ کہاں ہے ... جس کے سونے کے سٹے اس وقت کئی ملکوں میں سنسنی پھیلا چکے ہیں۔“

”میرے پاس اس سلسلے میں کچھ معلومات ہیں۔“ صدر صاحب نے کہا۔

اس پر سب حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

”آپ کے پاس کچھ معلومات ہیں؟“ انسپکٹر جمشید کے لہجہ میں حیرت تھی۔

”ہاں بالکل ہیں۔“

تھیں ... صدر صاحب تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا، اور چھوٹے جہاز کے ملے تینوں افراد کو خصوصی نگہداشت وارڈ میں رکھا گیا ... ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم اب ان کا علاج کر رہی تھی ... باقی سب افراد بھی وہاں آچے تھے ...

پھر تین گھنٹے کی سر توڑ کوشش کے بعد کہیں جا کر ان لوگوں کو ہوش آیا ... اور ان سب نے شکر ادا کیا ... چہروں پر رونقیں آ گئیں تیسرے دن انہیں گھر آنے کی اجازت ملی ... پھر کبھی انسپکٹر جمشید کے گھر آ گئے ...

ناشتے پر کبھی موجود تھے ... بیگمات نے اپنی مہارت دکھائی تھی اور وہ سب ناشتے سے لطف اندوز ہو رہے تھے ... اور خاص بات یہ کہ صدر صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔

”اس کیس میں اب تک ہم نے کیا پایا ... اور کیا کھویا۔“ پروفیسر داؤد کی آواز گونجی۔

”لگتا ہے ... پایا کچھ بھی نہیں اور کھویا سب کچھ ہے۔“ خان رحمان مسکرائے۔

”بات تو خیر ایسی ہی ہے ... لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ



اپنے کامران مرزا نے اچھل کر کہا... ان کے چہرے پر اچانک بے پناہ  
چوڑی نظر آیا تھا۔

”گلتا ہے اکل! آپ کو کوئی بہت ہی خاص بات یاد آگئی ہے  
یا کوئی خیال سوچا ہے۔“

”ہاں! لیکن خیال دیر سے آیا ہے... اگر یہ لوگ وہاں نہ پہنچ  
پتے ہوں۔“

”کہاں۔“

”ایک شخص ہے... اسے کتابیں جمع کرنے کا جنون ہے... لیکن  
وہ کوئی مشہور آدمی نہیں ہے... جانا پہچانا آدمی نہیں ہے... بس ایک  
عام سا آدمی ہے... یا یوں کہہ لیں کہ عام سا آدمی بن کر زندگی گزارتا  
اس کا شوق ہے... خود کو نمایاں نہیں کرتا... اگر ان لوگوں کو یعنی  
ہمارے ان مہربانوں کو جو اس کتاب کی تلاش میں ہیں... اس کے  
بارے میں معلوم نہیں تو پھر اس کی لائبریری میں وہ کتاب مل جائے  
گی۔“

”ارے واہ... اگر ایسا ہو جائے تو کیا ہی بات ہے۔“ فرزانہ  
نے منہ ہوا میں لہرایا۔

”تب پھر بتائیں... وہ کون صاحب ہیں۔“ فرحت نے بے

”تب تو سب سے پہلے ہم وہ معلومات جاننے کی کوشش کریں  
گے۔“

”میں بتاتا ہوں... اس وقت تک سات اسلامی ملکوں میں  
سونے کے سکے مل چکے ہیں... اور ہر ملک میں کسی نہ کسی قتل کی  
واردات میں یہ سکے ملتے ہیں... یعنی قتل کی کوئی واردات ہوتی ہے  
اور لاش کے پاس سکہ ملتا ہے۔“

”اوہ!“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات... جہاں جہاں واردات  
ہوتی ہے... وہاں وہاں سے کوئی کتاب چرائی جاتی ہے۔“

”کیا!!!“ وہ سب چلا اٹھے۔

”ہاں! جیسا کہ ہمارے ملک میں ایسا ہو چکا ہے۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے... ابھی تک ہم اس کتاب کا نام نہیں جان  
سکے۔“ خان رحمان نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”یہی تو وہ چاہتے ہیں... ہم کسی طرح اس کتاب کا نام نہ جان  
پائیں... یا کسی طرح ہم وہ کتاب نہ حاصل کر پائیں... اس وقت تک  
اس کیس کی اہم ترین بات بس یہی ہے۔“

”اور اس بات کا افسوس رہے گا... کہ ہم یہی... ارے۔“

پھر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو... اور ہم بس وہاں جا پہنچیں... ہم  
 وہاں رہیں گے کہ ہمارا تعاقب تو نہیں ہو رہا۔“  
 ”بالکل ٹھیک۔“ انسپکٹر جمشید نے ان کی تائید کی۔  
 ”لہذا میں کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا... اور ہم وہاں پہنچ  
 جائیں گے۔“  
 ”بس تو پھر جلدی سے ناشتا کر لیں۔“ پروفیسر داؤد نے پر جوش  
 انداز میں کہا۔  
 ناشتے سے فارغ ہوتے ہی سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔  
 ”اچھا بھئی... میں بھی چلتا ہوں... تم لوگ تو اپنا کام شروع  
 کر رہے ہو۔“ صدر صاحب نے کہا۔  
 ”جی بہتر!“ سب نے کہا۔  
 صدر صاحب کے رخصت ہونے کے بعد وہ لگے خان رحمان کی  
 بڑی گاڑی میں بیٹھنے... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
 ”کیا یہ مناسب رہے گا کہ سب جائیں۔“  
 ”لگتا تو نہیں مناسب۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔  
 ”تب پھر ہم میں سے دو تین چلے جاتے ہیں۔“  
 ”لیکن یہ دیکھ لیں... اگر دشمن نے تعاقب شروع کر دیا تو پھر

چھٹی کے عالم میں کہا۔  
 ”میں اتنا پاگل نہیں۔“ وہ مسکرائے۔  
 ”اس... اس کا مطلب ہے... آپ۔“ فاروق کہتے کہتے رو  
 گیا... کیونکہ اسی وقت انسپکٹر جمشید نے کہا تھا۔  
 ”چپ!“  
 ”جج... جی اچھا۔“  
 ”نہ موقع دیکھتے ہو، نہ محل... نہ چھوٹا دیکھتے ہو نہ بڑا۔“  
 نے جھل کر کہا۔  
 ”اب... اب۔“ فاروق گڑبڑا گیا۔  
 ”اب اب کیا؟“  
 ”اب دیکھا کروں گا۔“ اس نے فوراً کہا۔  
 ”کیا دیکھا کرو گے!“ آفتاب نے جلدی سے کہا۔  
 ”موقع... محل... چھوٹا بڑا۔“  
 انسپکٹر کامران مرزا اور چند اور ہنس پڑے...  
 ”آپ نے یہ کیوں کہا تھا انکل کہ میں اتنا پاگل نہیں۔“  
 ”میں اتنا پاگل نہیں کہ اس شخص کا نام بتا دوں... ہم ابھی اور  
 اسی وقت... میرا مطلب ہے... ناشتے سے فارغ ہو کر وہاں چلیں گے



”سب سے آتی رہے گی انکل ... آپ تو روانہ ہو رہے ہیں ... اور ہمیں ابھی فیصلہ کرنا ہے ... کون کون یہاں ٹھہرے گا اور کون کون غائب میں جائے گا ... اور یہ فیصلہ کرنے میں بھی تو وقت لگے گا ...“

”جی دیکھ میں آپ تو نکل جائیں گے کہیں کے کہیں۔“

”تو بھئی ... آنا فانا میں فیصلہ کر لو نا ... ویسے کچھ دیر لگ جائے تو بھی موبائل پر رابطہ کر کے معلوم کر سکتے ہو کہ ہم کس سمت میں جا رہے ہیں۔“

”اچھی بات ہے ... آپ تو پھر بسم اللہ کریں۔“

دونوں ایک بڑی گاڑی میں روانہ ہو گئے ...

”اب ہمیں آنا فانا میں فیصلہ کرنا ہے ... یہاں کون کون ٹھہرے گا۔“ محمود نے کہا۔

”میں بوڑھا ہوں ... میں تو یہیں ٹھہروں گا۔“ پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

”تب پھر پروفیسر صاحب کے ساتھ میں ٹھہر جاتا ہوں ... باقی لوگ ان کے تعاقب میں چلے جائیں۔“

”بھئی واہ ... یہ تو بہت جلد بات طے ہو گئی ...“ فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

”کیا سب سے گا ... اس صورت میں باقی لوگوں کی ضرورت محسوس ہو گی نہیں۔“

”تب پھر مناسب یہ رہے گا کہ پہلے میں اور جمشید روانہ ہوں ... ہمارے بعد باقی لوگ روانہ ہوں ... بلکہ چند افراد گھر پر بھی ٹھہریں ... کیونکہ خطرہ تو ادھر بھی ہو سکتا ہے۔“

”یہ زیادہ مناسب رہے گا ... ویسے میرا خیال ہے ... ڈشمن اس وقت ہم پر نظریں جمائے بیٹھا ہے ... وہ ہمارا تعاقب ضرور کرے گا۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”تب تو پھر ان حالات میں ان صاحب کی طرف جانا ہی نہیں چاہیے۔“ فرزانہ نے کہا۔

”ہم ہاتھ پر ہاتھ کر بھی تو نہیں بیٹھ سکتے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے ... لہذا اللہ مالک ہے ... چلتے ہیں ... جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔“

”بس تو پھر تین پارٹیوں والا پروگرام ٹھیک رہے گا۔“

”آؤ جمشید ... ہم تو چلتے ہیں ... یہ خود ہی اپنے آپ کو“

حصوں میں تقسیم کرتے رہیں گے اور ان میں سے ایک پارٹی ہمارے تعاقب میں آتی رہے گی۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“

خان رحمان نے دروازے پر جا کر سوراخ سے باہر جھانکا... باہر  
جو بھی شخص تھا... وہ نظر نہ آیا۔

”کون؟“ انہوں نے آہستہ آواز میں کہا۔

”بیگم شیرازی... میں نے سنا ہے... آج سب خواتین یہاں

جمع ہیں... سو میں بھی چلی آئی۔“

”آپ نے اچھا کیا... میں دروازہ کھول رہا ہوں... لیکن آپ

مجھے نظر کیوں نہیں آرہے... میجک آئی سے آپ کو نظر آنا چاہیے۔“

”اوہ... میں دراصل دروازے سے لگی کھڑی ہوں۔“

بیگم شیرازی کی آواز سنائی دی... پھر وہ میجک آئی سے نظر آنے

لگیں۔

”یہ تو واقعی آپ ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے انہوں نے دروازہ کھول دیا... فوراً ہی بیگم

شیرازی کو کسی نے زور دار انداز میں دھکا دیا... وہ اندر آ کر اوندھے

منہ کریں... ان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

خان رحمان نے دیکھا... دو لمبے چوڑے آدمی اندر داخل ہو رہے

تھے... ان کے ہاتھوں میں خوفناک قسم کے پستول تھے... انہوں نے

”آنا فانا تو پھر اسی کو کہتے ہیں...“ آصف نے جواب دیا۔  
”چلو پھر چلیں... یہ دونوں یہاں رہیں گے... تاکہ خواتین نہ  
گھبرائیں۔“

”ہماری بات چھوڑیں... ایسے حالات سے گھبرانے والے اسے  
آسمان نہیں ہم۔“ بیگم جمشید کی آواز باورچی خانے سے آئی... گویا  
سب خواتین باورچی خانے ہی میں تھیں۔

”نہیں نہیں... یہاں بھی بہر حال کسی نہ کسی کو ہونا چاہیے...  
حالات غیر یقینی ہیں... کسی وقت بھی کوئی بھی ناخوش گوار صورت حال  
سامنے آسکتی ہے... لہذا ہم دونوں یہاں ٹھہریں گے۔“ خان رحمان نے  
کہا۔

”اچھی بات ہے... آپ لوگ لائبریری میں یا ڈرائنگ روم  
میں آرام کر سکتے ہیں... ہم اپنا ٹھکانا باورچی خانے کو بنا لیتی ہیں...“  
بیگم جمشید نے کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“

عین اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی... انہوں نے چونک کر  
ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر خان رحمان نے کہا۔

”آپ یہیں ٹھہریں... اپنا کوئی ہتھیار ہاتھ میں لے لیں۔“



اپنی زندگی میں ایسے پستول کبھی نہیں دیکھے تھے ... ان میں سے ایک  
نے اپنا بایاں ہاتھ ان کی طرف کر دیا ... پہلے منہ بند تھی ... اب  
اس نے منہ کھول دی۔  
خان رحمان کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

☆☆☆☆☆

## ڈر سچا ہے

”اہا جان اور انکل کب کے چلے بھی گئے اور ہم ابھی گاڑی میں  
بیٹھ بھی نہیں پائے۔“ فرزانہ کی جھلٹائی ہوئی آواز سنائی دی۔  
”اب تعاقب کچھ فاصلے پر رہ کر ہی تو کرنا ہے نا۔“ محمود نے

منہ بنایا۔

”وہ تو ٹھیک ہے ... لیکن درمیانی فاصلہ اتنا بھی نہیں ہونا چاہیے  
کہ ہم انہیں پکڑ ہی نہ سکیں۔“ فرحت نے منہ بنایا۔  
”موبائلوں کا دور ہے ... یہ نہ بھولو۔“ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔  
”اچھی بات ہے نہیں بھولوں گی۔“

”شکریہ فرحت۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”شکریہ کس بات کا۔“ فرحت نے اس کی طرف دیکھا۔

”اس بات کا کہ تم نہیں بھولو گی ... یہ موبائلوں کا دور ہے۔“

”عد ہو گئی ... بلکہ توبہ ہے تم سے۔“ فرزانہ نے جھلٹا کر کہا۔

”ویسے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ شوکی کی فکر میں ڈوبی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔  
”کس بات کا ڈر؟“

”تم تو ہو ہی ڈر پوک... تمہارا کیا ہے۔“ آصف نے فوراً کہا۔  
”بھائی پہلے پوچھ تو لو... اسے ڈر کیوں لگ رہا ہے... یا کس بات سے لگ رہا ہے۔“ فرحت نے منہ بنایا۔

”مجھے ڈر ہے... کہیں ہمیں دیر نہ ہو جائے اور دشمن اس جگہ ہم سے پہلے نہ پہنچ جائے۔“ شوکی نے جواب دیا۔  
”ناممکن... انکل نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ انہیں کہاں جانا ہے

... کس کے پاس جانا ہے... انہیں تو اچانک اپنے کسی دوست کا خیال آیا تھا... جنھوں نے دنیا بھر کی کتابیں جمع کر رکھی ہیں... اور انہیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ دشمن ان کے دوست تک نہیں پہنچے ہوں گے... کیونکہ وہ کوئی گوشہ نشین قسم کے آدمی ہیں... مشہور و معروف نہیں ہیں۔“

”اور تم یہ نہ بھولو... کہ ہمارے شہر سے دو ایسے آدمیوں کی لائبریری سے کتاب اڑائی گئی ہے... جو مشہور نہیں تھے۔“

”خاور لودھی تو خیر کسی قدر مشہور آدمی ہیں... دوسرے شخص کا

ہم ہے جو احسن... ہو سکتا ہے... وہ اپنے حلقے میں جانے پہچانے ہوں۔“

”ہوں... خیر... دیکھا جائے گا اگر دشمن اس جگہ پہنچ گیا...“

”جب ہم لوگ بھی تو آخر وہاں موجود ہوں گے۔“

انہوں نے سر ہلا دیے... ایسے میں شوکی کی آواز پھر ابھری۔  
”پھر بھی میں چاہتا ہوں... انکلو سے رابطہ کر کے اپنا خیال انہیں

بتا دوں... آخر اس میں کیا حرج ہے۔“

”کوئی حرج نہیں... ضرور فون کرو... جو وہ کہیں گے... ہم

کریں گے۔“

شوکی نے انسپٹر جمشید کے نمبر ملائے... سلسلہ ملتے ہی اس نے

کہا۔

”انکل مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے شوکی۔“

”جی... کیا کہا آپ نے... ٹھیک ہے شوکی۔“ آصف نے

حیران ہو کر کہا۔

”ہاں آصف! میں نے یہی کہا ہے۔“

”لیکن آپ نے یہ کیوں نہیں کہا... کیوں شوکی... کیا بات



”ہاں! شوکی کا ڈر سچا ہے۔“

”سچا ڈر۔“ فاروق کے منہ سے نکلا۔

”ہاں ہاں! کہہ دو... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

آصف جل گیا۔

”یہی تو مشکل ہے... یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا... ہاں

کسی کہانی کا نام ضرور ہو سکتا ہے اور یہ میں کہہ نہیں سکتا... کیونکہ میرا

اور ناولوں کے ناموں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”لو اور سنو... ناولوں کے ناموں کا اور ان کا چولی دامن کا

ساتھ ہے۔“ آفتاب نے کہا۔

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“ مکھن نے منہ بنایا۔

”ابھی کیا ہے... آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا۔“ آصف ہنسا۔

”اچھا دیکھ لیں گے... ہاں نہیں تو اور کیا۔“

”مطلب یہ کہ آپ دونوں کو بھی ڈر لگ رہا ہے۔“

”ہاں! دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

”ارے باپ رے۔“ ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

”تب پھر... ہم وہاں جائیں کیوں... شوکی کی آواز ابھری۔

”کیا مطلب... یہ کیا بات ہوئی... ہم وہاں جائیں کیوں...“

ہے... کس بات سے ڈر لگ رہا ہے۔“

”ہاں! میں نے یہ نہیں کہا... کامران مرزا یہ بات ان سے تم

کہو۔“ انسپکٹر جمشید ہنسے۔

”میں کہہ دوں... شوکی سے... یہ کہ اسے ڈر کیوں لگ رہا ہے

... نہیں نہیں... میں بھی وہی کہتا ہوں... جو آپ نے کہا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ چھوٹی پارٹی نے چونک کر کہا۔

”شوکی نے اگرچہ مجھے فون کیا ہوتا... اور اس نے مجھ سے یہ

کہا ہوتا کہ اٹکل! مجھے ڈر لگ رہا ہے تو میں اس سے کہتا... ٹھیک ہے

شوکی۔“

”کیا مطلب!!!“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”یہ... یہ کیا بات ہوئی۔“ آصف چلا آیا۔

”تت... تو کیا آپ کو بھی... مم... مگر نہیں... آپ کو ڈر

نہیں لگ سکتا۔“ آصف نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”کیوں نہیں لگ سکتا آصف... کیا ہم دونوں انسان نہیں

ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”وہ تو آپ ہیں۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

”تت... تو کیا واقعی۔ آپ دونوں کو بھی ڈر لگ رہا ہے۔“

ہم وہاں اس لیے جا رہے ہیں کہ وہاں سے وہ کتاب ملنے کی امید ہے۔“

”لیکن ڈر یہ ہے کہ دشمن بھی وہاں پہنچ جائے گا... اس لیے کہ اس کی نظریں ہم پر ہیں... اور کتاب اچک لے جائے گا... اگر ڈریبی ہے تو ہم وہاں کیوں جائیں... پہلے اس بات کا انتظام کر لیں کہ وہ کتاب نہ لے جا سکیں... پھر ادھر کا رخ کریں۔“ شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

”شوکی کی بات میں وزن ہے... اس بار ہمارا واسطہ عجیب و غریب لوگوں سے ہے... اب تک بھی اس نے ہمیں انگلیوں پر نچایا ہے... لیکن ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہو گا۔“

”اچھی بات ہے... جہاں ہو... وہیں رک جاؤ... ہمارے دشمن کو ابھی یہ معلوم نہیں کہ ہمیں کس شخص کے گھر جانا تھا... جب تک ہم وہاں نہیں جائیں گے... اس وقت تک دشمن کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی... کیا خیال ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔“

”بالکل ٹھیک... ہم آئی جی صاحب سے بات کرتے ہیں... اس وقت ہمیں فوج کے ایک دستے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے... خیر...

دست نہ سکا... سو دو سو فوجیوں کو تو ضرور ساتھ لے کر جانا ہو گا۔“  
اب انہوں نے آئی جی صاحب کو فون کیا... جلد ہی ان کی آواز بنی دی۔

”ہاں جمشید... کیا صورت حال ہے۔“

”اس وقت ہم واقعی ایک مشکل صورت حال سے دوچار ہیں اور فوج کی مدد چاہتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
”فوج کی مدد... ایسا کیا معاملہ پیش آ گیا۔“

”میں وضاحت کرتا ہوں سر... آپ جانتے ہیں، یہ کیس ایک کتاب کو اڑا لے جانے سے شروع ہوا تھا، ہمارے دشمن چاہتے ہیں... ہم اس کتاب کو دیکھنے نہ پائیں... اور ہمارے ملک میں جس جس کسی کے پاس بھی وہ کتاب ہے... اس سے بس وہ حاصل کر لیں... ہمارے ہاتھ کوئی کتاب نہ لگے... اور اس وقت تک وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہیں... یعنی جہاں جہاں ان کے علم کے مطابق کتاب موجود تھی... وہ نکال لے گئے ہیں... ابھی تھوڑی دیر پہلے انسپکٹر کامران مرزا کو ایک شخص کا خیال آیا ہے... وہ صاحب رہتے بھی ہیں ہمارے صفے میں... جو وہی خیال آیا ہم ان کی طرف روانہ ہو گئے... لیکن راستے میں شوکی نے کہا... مجھے ڈر لگ رہا ہے... اب کچی بات



یہ ہے کہ مجھے اور کامران مرزا کو بھی ڈر لگ رہا تھا... سو ہم راستے میں ہی رک گئے ہیں... کیونکہ اس گھر کے بارے میں صرف کامران ہی کو معلوم ہے... اور دشمن ہم پر نظریں جمائے بیٹھا ہے... ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ یہ کتاب بھی نہ لے جائے... اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں بہت افسوس ہو گا... ہم یہ نہیں جان سکیں گے کہ اس میں ہے کیا... ”ہوں... تو پھر اب تم چاہتے ہو... تمہیں فوج کی حفاظت میں اس گھر تک پہنچایا جائے۔“

”ہاں! یہی بات ہے سر... بلکہ جب ہم وہاں پہنچیں تو اسٹار کریں تو اس گھر کو فوری طور پر گھیرے میں لے لیا جائے اور ہم بھی اس کے بعد ہی اس گھر میں داخل ہوں۔“

”اچھی بات ہے جمشید! ہم ایسا کر لیتے ہیں... کوئی مسئلہ نہیں۔“

اور پھر فوجی جوان ان کے پاس پہنچ گئے... ان کی حفاظت میں یہ قافلہ آگے روانہ ہوا۔

”کیا خیال ہے شوکی... اب تو تمہیں ڈر نہیں لگ رہا۔“ آفتاب نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

”ڈر تو خیر لگ رہا ہے... لیکن پہلے کی نسبت کم۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“

انسپکٹر کامران مرزا کی رہنمائی میں آخر وہ ایک بہت پرانی آبادی میں داخل ہوئے... پھر انہوں نے فوجی آفیسر کے کان میں کہا۔

”آپ کو سامنے پہلے رنگ کا ایک حویلی نما مکان نظر آ رہا ہے نا... بس ہمیں اسی میں جانا ہے... آپ فوری طور پر اسے گھیر لیں۔“

”اوکے۔“ انہوں نے کہا اور گاڑی سے اتر آئے... فوراً ہی انہوں نے حکم دیا۔

”اس پہلے مکان کو گھیرے میں لے لیا جائے۔“

فوجی دوڑ پڑے... آبادی کے لوگ پہلے ہی حد درجے حیرت زدہ ہو رہے تھے کہ نہ جانے کیا معاملہ ہے... یہ فوج ان کے علاقے میں کہاں سے آگئی... فوجیوں نے آن کی آن میں اس گھر کو گھیرے میں لے لیا۔

”اب ہماری اجازت کے بغیر کوئی اس مکان میں نہیں جائے گا... صرف ہم جا سکیں گے... ملک کے صدر بھی اگر اندر جانا چاہیں تو آپ انہیں بھی نہیں جانے دیں گے۔“

میں اچلے تھے اور زمین پر گرتے ہی بے ہوش ہو چکے تھے۔

آگ اور دھوئیں کے طوفان نے کسی کو کسی کا ہوش نہ رہنے دیا۔

انہیں ہوش آیا تو ہسپتال میں تھے ... اس بلا خیز جملے میں کئی

زنی بھی کام آئے تھے ... زخمی بھی تھے ... عام لوگ بھی ہلاک اور زخمی

ہی ہوئے تھے ... چھوٹی پارٹی البتہ محفوظ رہی تھی ... کیونکہ وہ تو

قائب میں تھی اور اس وقت وہاں پہنچی تھی ... جب دھماکا ہو چکا تھا ...

ہناچہ اب وہ بھی ہسپتال میں اپنے بے ہوش ساتھیوں کے پاس سو گوار

ہات میں موجود تھے ... سب کے سب تشویش میں مبتلا تھے ... یہ تو

انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا ... کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

انسپیکٹر جمشید اور انسپیکٹر کامران مرزا کو تین گھنٹے بعد ہوش میں لایا جا

کا ... آنکھ کھلتے ہی انہوں نے کہا۔

”کیا رہا۔“

”آپ کا مطلب ہے ... کتاب کا۔“

”ہاں؟“

”افسوس ... ہمیں تو یہ تک معلوم نہیں کہ وہ گھر کون سا ہے ...

جس میں کتاب موجود ہے۔“

”ہے نہیں ... تھی۔“ انسپیکٹر جمشید اداس انداز میں مسکرائے۔

”آپ فکر نہ کریں۔“ انسپیکٹر نے کہا۔

”اور میں آپ پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں ... کہ کوئی

کوئی آدمی کسی بھی قیمت پر اندر داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔“

آپ اسے اندر داخل نہیں ہونے دیں گے۔“

”ٹھیک ہے ... آئیے چلیں۔“ انسپیکٹر کامران مرزا نے انہیں

جمشید کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”چلیے۔“

دونوں تیزی سے پیلے مکان کی طرف بڑھے ... انہوں نے ایک

نظر چاروں طرف ڈالی ... میدان بالکل صاف نظر آیا ... انہوں نے

محسوس کیا، وہ بلا وجہ خوف محسوس کر رہے تھے ... یہاں تو کچھ بھی نہیں

ہے ... آخر دونوں دروازے تک پہنچ گئے ... انسپیکٹر کامران مرزا نے

دروازے پر لگا بٹن دبا دیا ... اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔

عین اس لمحے ایک ہولناک دھماکا ہوا ... کان پھاڑ دینے والا

دھماکا ... زمین زور سے ہلی ... کئی گاڑیاں فضا میں اچھلیں اور زمین پر

آئیں ... پھر اس کے بعد وہاں آگ اور دھوئیں کے سوا کچھ نظر نہ آیا

... ہر طرف قیامت خیز افراتفری مچ گئی ... خود انسپیکٹر جمشید اور

انسپیکٹر کامران مرزا بھی اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے ... وہ بھی فضا



”آپ کا مطلب ہے ... وہ کتاب لے گئے۔“

”ہاں تو اور کیا ... اتنا بڑا دھماکا بلا وجہ تو نہیں کیا گیا تھا فوجیوں کا کیا حال ہے۔“

”پانچ فوجی شہید ہوئے ہیں ... پندرہ زخمی ہیں ... عام افراد میں سے بھی دس افراد ہلاک ہوئے ہیں ... اور 60 کے قریب زخمی ہیں۔“

”نن ... نہیں ... نہیں۔“

دونوں رو پڑے ... وہ سوچ رہے تھے ... یہ ان کی وجہ سے ہوا۔ لیکن اس میں ان کا بھی کیا قصور تھا ... اگر انہیں معلوم ہوتا کہ دشمن ایسا کر گزریں گے تو وہ اس گھر کا رخ بھی نہ کرتے اور اس بات کی پروا بھی نہ کرتے کہ وہاں کتاب موجود ہے ... کتنی ہی دیر وہ سکے کے عالم میں رہے ... پھر انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

”اور اس گھر کا کیا بنا؟“

”وہ گھر محفوظ ہے ... لیکن جب آپ دونوں وہاں پہنچے تھے اور دستک کے جواب میں دروازہ کھلا تھا ... عین اس وقت دھماکا ہو گیا تھا ... اس کے بعد تو وہاں قیامت کا منظر تھا ... کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا ... یہ بات بھی ایک فوجی نے بتائی تھی ... اس نے دروازہ کھلتے دیکھا تھا، پھر وہ بھی بے ہوش ہو گیا تھا ... اس کے بعد وہاں کیا ہوا کسی کو

معلوم نہیں۔“

”ہوں ... ہم وہاں جانا چاہتے ہیں ... پتا نہیں گھر کے مالک

اور گھر کے افراد پر کیا گزری۔“ انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ارے باپ رے ... یہ آپ کیا کر رہے ہیں ... ابھی آپ کو

آرام کی ضرورت ہے۔“ ڈیوٹی پر موجود ایک نرس نے کہا۔

”آرام کا وقت گزر چکا ... دشمن نے یہ وار ایسا کیا ہے کہ اب

ہم آرام نہیں کام کریں گے ...“ یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے

ہوئے ... ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا حرکت میں آ گئے۔

ڈاکٹر حضرات انہیں روکتے رہ گئے ... لیکن انہوں نے ایک نہ

سنی اور باہر نکل آئے ... چند منٹ بعد وہ ایک بڑی گاڑی میں اس گھر

کی طرف اڑے جا رہے تھے ...

وہاں ہر طرف تباہی کے آثار نظر آئے اور موت کا سا سماں تھا

... انہوں نے گاڑی پیلے دروازے پر روک دی ... دستک کے جواب

میں دوازہ فوراً ہی کھلا ... انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً کہا۔

”ہاشم بھائی! السلام علیکم ... پہچانا مجھے۔“

”اوہ! یہ آپ ہیں ... انسپکٹر کامران مرزا میں غلطی پر تو نہیں

ہوں۔“

324 آپ نے بالکل ٹھیک پہچانا ... مدت پہلے آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔

دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا ... پھر ہاشم صاحب نے باقی لوگوں سے مصافحہ کیا ... اور انہیں اندر لے آئے۔

”دھماکے سے آپ لوگ تو محفوظ رہے ہیں نا۔“

”جی ... جی ہاں! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ... ورنہ گھر کے سامنے تک تو بہت ہولناک صورت حال تھی۔“

”جب دھماکا ہوا تو اس کے بعد کیا ہوا تھا ... آپ تو بے ہوش نہیں ہوئے تھے۔“

”جی نہیں ... کوئی اسی وقت ملنے کے لیے آیا تھا ... کھٹی بی تھی ... ابھی میں دروازے کی طرف جانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ دھماکا ہو گیا ... ہم تو سب چیخ پڑے تھے ... یوں لگا تھا جیسے بہت زور کا زلزلہ آ گیا ہے ... پھر باہر چیخ دیکار کی آوازیں سنائی دی تھیں ... آخر جب ہم کچھ سنبھل گئے اور ہم نے جان لیا کہ ہم سب بال بال بچ گئے ہیں ... تب ہم نے دروازہ کھول دیا تھا ... باہر کا منظر دیکھ کر ہمارے ہوش اڑ گئے تھے ... ایسے میں کچھ لوگ بدحواسی کے عالم میں ہمارے گھر کے دروازے تک آئے تھے ...“ انہوں نے کہا تھا۔

”اب تو خیر ہم بتا سکتے ہیں ... لیکن ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ... ضرورت کی چیزیں تھیں، کسی کے کام آگئیں۔“

”آپ کی ایک لائبریری ہے ... بہت بڑی۔“

”لائبریری۔“ وہ چونکے۔

”ہاں ... کیوں۔“

”آپ نے اس کی فہرست بنائی ہوئی ہے۔“

”ہاں ... کیوں۔“

”وہ لوگ یہاں سے آپ کی ایک کتاب لے گئے ہیں ... ہم

بنانا چاہتے ہیں ... وہ کتاب کون سی ہے۔“

”کچھ امدادی چیزوں کی ضرورت ہے ... آپ کے گھر سے ضرور

لی جائیں گی ... یہ کہہ انہوں نے اجازت کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی

... اور اندر چلے گئے تھے ... ایسے میں ہم بھی کیا روکتے ... انہوں نے

پورے گھر سے نہ جانے کیا کیا چیزیں جمع کی تھی ... ہمارا تو دھیان ہی

نہیں گیا تھا ... ہم تو سب زخمیوں کی مدد کے لیے باہر نکل گئے تھے ...“

یہاں تک کہ ہاشم صاحب خاموش ہو گئے۔

”اس کا مطلب ہے ... آپ لوگوں کو نہیں معلوم ... وہ یہاں

سے کیا کچھ لے گئے۔“



انہوں نے کہا: "یہ کتاب کون سی ہے... یہ کیا بات ہوئی۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! ہم یہی جاننے کے لیے یہاں آئے ہیں... مہربانی فرما کر ہمیں اپنی لائبریری میں لے چلیں۔"

"آئیے۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔ وہ انہیں لائبریری تک لے آئے۔ "آپ چیک کریں... کیا یہاں سے کوئی کتاب کم ہوئی ہے... ریکوں کو غور سے دیکھیں۔"

"لیکن اگر وہ کوئی کتاب لے گئے ہیں... تو مجھے کیسے پتا چلے گا... اس کے لیے تو فہرست سے ایک ایک کتاب کو چیک کرنا پڑے گا... آپ دیکھ رہے ہیں... یہاں ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔"

"ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں... اچھا خیر... یہ کام ہم خود کر لیں گے... آپ ایسا کریں کہ فہرست ہمیں دے دیں۔"

"جی اچھا... لیکن پہلے میری حیرت کو دور کر دیں... یہ پتہ کیا ہے... کسی کو میری لائبریری سے کوئی کتاب عین اس وقت لے جانے کی کیا ضرورت تھی... جب باہر قیامت مچی تھی۔"

"ہم آپ کو بتاتے ہیں... وہ قیامت بچائی ہی اس کتاب کو"

انہوں نے کہا: "یہ کتاب کون سی ہے... یہ کیا بات ہوئی۔"

انہوں نے کہا اور پوری تفصیل سنا دی... مارے حیرت کے ہاشم صاحب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں... کافی دیر تک وہ سکتے کے عالم میں بیٹھے رہے... آخر انہوں نے کہا۔

"یہی بات ہے... میں آپ کو بتاتا ہوں۔"

انہوں نے کہا اور پوری تفصیل سنا دی... مارے حیرت کے ہاشم صاحب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں... کافی دیر تک وہ سکتے کے عالم میں بیٹھے رہے... آخر انہوں نے کہا۔

"یہی بات ہے... میں آپ کو بتاتا ہوں۔"

انہوں نے کہا اور پوری تفصیل سنا دی... مارے حیرت کے ہاشم صاحب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں... کافی دیر تک وہ سکتے کے عالم میں بیٹھے رہے... آخر انہوں نے کہا۔

"نہیں... یہ... یہ نہیں ہو سکتا... نہیں ہو سکتا۔"

## سونے کے پہاڑ

اس کی ہتھیلی پر سونے کے دس بارہ سکہ تھے اور وہ خوب چمک رہے تھے... سکہوں کا ذکر وہ پہلے سن چکے تھے... سکہوں کی جھلک دکھانے کا مطلب بھی یہی تھا کہ وہ جان جائیں... ان کا واسطہ کن لوگوں سے پڑا ہے۔

"کیا چاہتے ہو۔" خان رحمان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ہم تم سے کیا چاہیں گے... تم ہو کیا چیز... ہمارے لیے مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں..." اس نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"تب پھر یہاں آنے کی کیا ضرورت؟"

"یہاں ہمارے مطلب کی کچھ چیزیں ہیں... بس وہ لے جائیں گے... اس کے دو فائدے ہوں گے... ایک تو وہ چیزیں ہمارے کام آئیں گی... دوسرے یہ کہ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ سے نکل جائیں گی۔"

"ہوں! اور یہ پستول کیسے ہیں۔"

ان کی خوف زدہ آواز سن کر سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔  
انہیں دیکھا... ان کے چہرے پر زمانے بھر کی حیرت تھی... آفران کے منہ سے نکلا۔  
"یہ... یہ... یہ کیا!!!"

☆☆☆☆☆



”ان کا مزہ تو خیر تمہیں چکھائیں گے ... اس کے بعد ہی ہم ان کا کام شروع کریں گے ... یہ لو۔“

ان الفاظ کے ساتھ اس نے ٹریگر دبا دیا ... خان رحمان نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی تھی ... لیکن ادھر تو نہ کوئی فائر ہوا تھا، نہ پستول کی نال سے کوئی گیس نکلی ... نہ ٹریگر دبانے کی کوئی آواز کوئی ... لگا جیسے وہ کوئی کھلونا پستول ہو ... خان رحمان کے منہ سے مارے جوت کے نکلا۔

”اس سے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔“

”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں ... یہ پستول کوئی عام پستول نہیں ہے ... خاص ہیں۔“ وہ ہنسا۔

”ٹریگر دبانے سے کچھ تو ہونا چاہیے تھا۔“

”پہلے اپنے ساتھی سے کہیں ... وہ اپنا ہتھیار آزمائیں۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”اوہ! تو آپ یہ بھی جانتے ہیں۔“

”وقت نہ ضائع کریں۔“

”پروفیسر صاحب ... آپ سن رہے ہیں۔“

”ہاں خان رحمان سن چکا ہوں ... ان صاحب کو اپنے ان

ہتھوں پر بہت فخر ہے ... پتا نہیں ... یہ کیسے پستول ہیں ... خیر ... یہ زبرد میں دیکھیں گے ... پہلے میں ذرا انہیں اپنی گیند کا مڑا چکھا

”الہ۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی پروفیسر صاحب نے شیشے کی ایک گیند ان کی طرف اچھال دی ... گیند ان کے پیروں کے پاس گری تھی ... اس سے ہٹا سا دھواں نکلا ... لیکن ان لوگوں پر اس دھوئیں نے کوئی بھی اثر نہ کیا ... جب کہ خان رحمان پہلے ہی چھلانگ لگا کر پروفیسر داؤد کے ہاں آچکے تھے ... اور دھوئیں سے دور ہو چکے تھے ... اس گیند سے بس اتنا سا دھواں نکلا تھا کہ جن کے پاس وہ پھنکتی تھی ... بس انہی کو نقصان پہنچا سکتی تھی ... باقی لوگ محفوظ رہتے تھے ...

دونوں نے جب یہ دیکھا کہ گیند نے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑا تو ان کے رنگ اڑ گئے ... ساتھ ہی انہوں نے محسوس کیا، ان کے جسموں سے جان نکلتی جا رہی تھی ... پھر وہ گرتے چلے گئے ... گویا پستول کے فائر نے اپنا کام دکھا دیا تھا ...

”اور ایک فائر باورچی خانے کی طرف ... اگرچہ بزدل عورتوں نے دروازہ بند کر لیا ہے ... لیکن ان پستولوں کا یہ کمال بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ بند دروازے کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ... خواتین بھی

اور پھر وہ لائبریری میں گھس گئے ... کچھ وقت وہاں رہے ...  
پھر انپلر جیشید کے ذاتی کمرے میں چلے گئے ... اسی طرح انہوں نے  
پورے گھر میں اپنی کارروائی کی ... اس کے بعد صحن میں آئے ...  
"اب ذرا ہو جائے تیز گرم پانی کا جواب۔"

وہ باورچی خانے کی طرف بڑھے اور پھر حیرت زدہ رہ گئے ...  
دروازہ اندر سے بند کیا جا چکا تھا۔

"اوہو اچھا ... ان میں ابھی اتنی سکت تھی کہ دروازہ اندر سے بند  
کر لیا ... خیر کوئی بات نہیں پھر سہی ... آؤ دوستو چلیں ... ان سے  
انتقام ادا کر رہا۔"

اور پھر ان کے قدموں کی آواز گونج اٹھی ... جلد ہی دروازہ کھلنے  
اور بند ہونے کی آواز سنائی دی ... اس کا مطلب تھا، وہ لوگ جا چکے  
ہیں ... ان کے جانے کے بعد بھی ان میں حرکت کرنے کی طاقت نہ  
آئی ... وہ جوں کے توں پڑے رہے ... آخر پورے نصف گھنٹے بعد  
فان رحمان کی آواز سنائی دی۔

"میرا خیال ہے ... میں خود کو بہتر محسوس کر رہا ہوں اور جلد ہی  
اللہ جاؤں گا ... آپ کا کیا حال ہے پروفیسر صاحب۔"  
"بس میں بھی ... فکر نہ کرو۔" انہوں نے نڈھال سے انداز میں

ہاتھ بھر ہلانے کے قابل نہیں رہیں گی۔"

یہ کہتے ہی ان کے پستول باورچی خانے کی طرف اٹھ گئے اور  
ٹریگر دبا دیے گئے ... فوراً ہی بیگم جیشید کی آواز ابھری۔  
"باہا باہا ... کچھ بھی نہیں ہوا ... اور یہ تم نے بزدل کے کہہ

ہمیں ... خیر کوئی بات نہیں ... تمہیں اپنے الفاظ واپس لینے پڑیں گے  
... اب تم ہمارا کمال دیکھو۔"

"ضرور ... ضرور ... کیوں نہیں۔" پستول والا چپکا۔

اسی وقت باورچی خانے کے روشن دان سے تیز گرم پانی کی ایک  
تیز دھار ان پر آکر گری ... ان کے منہ سے چیخیں نکل گئیں ... غائب  
اس حملے کے لیے وہ تیار نہیں تھے ... تاہم اتنی دیر میں وہ اس جگہ سے  
دور ہٹ گئے تھے اور پانی کی دھار کی زد سے نکل گئے تھے۔  
"کوئی ... پپ ... پر ... وا ... ارے ... یہ ... یہ کیا۔"

بیگم جیشید کی ڈوبتی آواز سے انہوں نے جان لیا تھا کہ ان پر بھی  
پستولوں کی نظر نہ آنے والی گیس اثر انداز ہو چکی ہے۔  
"تم نے ہمیں تکلیف میں تو مبتلا کر دیا ... لیکن ہمارے ان  
پستولوں سے بچ تم بھی نہیں سکیں ... جاتے ہوئے ہم پانی کا مزہ تمہیں  
بھی چکھا کر جائیں گے ... انتظار کرو ہماری واپسی کا۔"



”فکر نہ کریں... ہم یہ کوشش کر رہی ہیں۔“

آخر تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا... ان سب کے منہ سے نکلا۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“

”اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ لوگ کیا کر گئے ہیں۔“ خان رحمان نے

کہا۔

”دیکھ لیتے ہیں... ویسے تو اندازہ ہے... وہ کچھ خفیہ

دستاویزات کی تلاش میں ہوں گے... اگر ان کے ہاتھ لگ گئے ہوں

گے تو لے گئے ہوں گے... دوسری بات یہ کہ وہ لوگ کچھ آلات نصب

کر گئے ہوں گے... ان کو خیر ہم تلاش کر لیں گے... اصل مسئلہ

دستاویزات کا ہے۔“

اب دونوں لائبریری میں آئے... انہوں نے دیکھا... لائبریری

کے قالین پر سونے کے بہت سے سیکے بکھرے پڑے تھے... وہ یہ دیکھ

کر حیرت زدہ رہ گئے... انہوں نے اپنے پیچھے خواتین کی آواز سنی۔

”ارے باپ رے... اتنے بہت سے سونے کے سیکے۔“

دونوں صرف مسکرا دیے... انہوں نے مڑ کر نہ دیکھا... جانتے

تھے... عورتوں کو سونے کا کتنا شوق ہے... خان رحمان نے صرف اتنا

کہا۔

”ادھر ہم میں بھی زندگی کے آثار شروع ہو رہے۔“ باورچی

خانے کے اندر سے آواز آئی۔

وہ مسکرا دیے... مزید پندرہ منٹ گزرنے پر خان رحمان

کھڑے ہوئے... انہوں نے پروفیسر داؤد کو سہارا دیا... وہ بھی بیٹھ

گئے... اس وقت انہوں نے کمزور آواز میں کہا۔

”میرا خیال ہے... اس گیس کا اثر پانی پینے سے بالکل ختم

جائے گا۔“

”اوہ اچھا... آپ یہیں رہیں۔“

صحن میں ایک طرف پانی کا تل تھا... دوسری طرف فرج بھی

تھا... لیکن فرج کا سرد پانی نقصان دہ ہو سکتا تھا، اس لیے انہوں نے تل

سے پانی لے لیا... فرج کا پانی اس میں ملایا اور پہلے پروفیسر داؤد کو

پلایا... پھر خود پیا... اس وقت انہوں نے چپکٹی آواز میں کہا۔

”میرا اندازہ درست ثابت ہوا... میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”اللہ کا شکر ہے... اور میں بھی ٹھیک ہوں۔“

”بس تو پھر خواتین کو بھی چاہیے... پانی پینے کی کوشش کریں۔“

تاکہ ان میں زندگی کی لہر دوڑ جائے اور وہ دروازہ کھول سکیں۔“

تاکہ ان میں زندگی کی لہر دوڑ جائے اور وہ دروازہ کھول سکیں۔“

”اس وقت جس گیس میں ہم الجھے ہوئے ہیں... اس کا نفع ایک ایسی وادی سے ہے جس میں سونے کے پہاڑ ہیں۔“  
 ”کیا کہا... سونے کے پہاڑ... یعنی ایک دو پہاڑ جس سونے کے بہت سے پہاڑ۔“ بیگم خان رحمان چلا آئیں۔  
 خان رحمان کو ہنسی آگئی۔

”ہاں بیگم... سونے کے بہت سے پہاڑ... ہمارے ہاں تو سونے کی کانیں ہوتی ہیں... اور ان میں سے ہم بڑا وہ نکالتے ہیں اس بڑادے میں سونے کے ذرات ہوتے ہیں... ہم ان ذرات کو الگ کرتے ہیں... اس طرح سونا حاصل کرتے ہیں... اور ہماری ایلی کانوں سے اتنا سونا نکلتا ہے کہ ہم مال دار گئے جاتے ہیں... لیکن اس وادی کے بارے میں غور کرو... جہاں خالص سونے کے پہاڑ موجود ہیں... یعنی وہاں سونا پتھروں میں ملا ہوا نہیں ہے۔“

”ارے باپ رے... اتنا سونا۔“

”ہاں! ان لوگوں کا تعلق اس وادی سے ہے... سمجھی اتنے سارے لیے پھر رہے ہیں اور اس طرح گراتے پھر رہے ہیں... جیسے ان کے نزدیک کنکر پتھر ہوں۔“

”لیکن ان لوگوں کا اس سے مقصد کیا ہے۔“

”ابھی تک ہم کوئی اندازہ نہیں لگا سکے... لیکن بہت جلد اندازہ چلے گا... کہ یہ لوگ آخر چاہتے کیا ہیں... فی الحال تو ہماری اور پہاڑی... یہ لوگ ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے... لیکن ہمیں جان سے بھی نہیں مارنا چاہتے... ایسا معلوم ہوتا ہے... یہ ہم سے اس وادی میں کچھ کام لینا چاہتے ہیں، لیکن یہ ہوتا ہے... جو غلط بھی ہو سکتا ہے... ہاں اگر یہی اندازہ صرف اندازہ ہے... انپکٹر کامران مرزا کا ہے... تب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ غلط نہیں ہوگا۔“

”اور... یہ وادی ہے کہاں۔“ بیگم کامران مرزا نے پوچھا۔

”ایک بار پھر وہ مسکرا دیے... اور پھر خان رحمان نے کہا۔“

”بس! یہی کسی کو معلوم نہیں... خیال ہے کہ وہ ہماری دنیا سے

باہر کسی جگہ موجود ہے۔“

”کیا مطلب... ہماری دنیا سے باہر... کیا ہماری دنیا سے باہر

ہی کوئی مقام ہے۔“

”ایسا محسوس ہوتا ہے... یا پھر اسی دنیا میں کچھ مقامات ایسے

ہیں جو دنیا والوں کے علم میں نہیں... اور یہ وادی بھی کسی ایسی جگہ

ہے۔“



ان کے دفتر کی چیزوں سے متعلق تھا ... یہاں بھی کافی مل چل نظر آئی  
... گویا اس کمرے میں انہوں نے کافی کچھ کام دکھایا تھا ...  
"میری پریشانی بڑھتی جا رہی ہے ... " بیگم جمشید کی آواز ابھری۔  
" اچھی بات ہے ... ہم انہیں فون کیے لیتے ہیں ... تاکہ وہ  
لوگ جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کریں۔ "

" اور ان سٹوں کو بھی ہم نے اسی طرح چھوڑ دیا۔ " پروفیسر داؤد

نے کہا۔  
" اچھا یہی ہے ... جمشید اور کامران مرزا آکر پہلے ایک نظر ان  
کو دیکھ لیں ... پھر اٹھا لیں گے۔ "

" ارے باپ رے ... یہ ... یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔ " انہوں  
نے بیگم جمشید کی خوف میں ڈوبی آواز سنی۔  
سب چونک کر ان کی طرف مڑ گئے ...

" خیر تو ہے بھابھی۔ " پروفیسر داؤد اور خان رحمان نے ایک

ساتھ کہا۔  
بیگم جمشید کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا ... وہ سکتے کے عالم  
میں ایک سمت میں تنکے جا رہی تھیں ... اب جو انہوں نے اس سمت  
میں دیکھا تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔

" ارے باپ رے ... یہ ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ "

" اور اس وادی میں کیا اسی دنیا کے لوگ رہتے ہیں ... یا کسی  
دوسری دنیا کی کوئی مخلوق؟ " بیگم جمشید نے پوچھا۔  
" اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ... صرف اندازے  
لگا سکتے ہیں ... لیکن سچ یہ ہے کہ ابھی ہم اندازے لگانے کے بھی قابل  
نہیں۔ "

" اوہو ... ہم بھول رہے ہیں ... ہمیں جائزہ لینا ہے ... وہ  
لوگ ہمارے گھر سے کیا کچھ لے گئے ہیں۔ "

" اوہ ہاں ... ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہاں سے وہ کچھ کتابیں  
لے گئے ہیں ... کیونکہ کتابیں کسی حد تک بے ترتیب لگ رہی ہیں ...  
جب کہ ہماری لائبریری میں کتب ایک انچ بھی ادھر سے ادھر نہیں  
ہوتیں۔ "

" اور یہ جمشید ہی بتا سکتا ہیں کہ وہ کون سی کتب لے گئے  
ہیں۔ " خان رحمان نے کہا۔

" آؤ خان رحمان ... جمشید کا کمرہ دیکھیں ... ایسا لگتا ہے ...  
جیسے وہ کافی کچھ لے گئے ہیں۔ "

" اللہ اپنا رحم فرمائے۔ "

پھر وہ انسپکٹر جمشید کے ذاتی کمرے میں داخل ہوئے ... یہ کمرہ

## فضا میں جھٹکا

”کیا ہوا ہاشم صاحب ... خیر تو ہے۔“

”دو ... دیکھیے ... میری یادداشت کمزور نہیں ... پھر بھی میں چیزیں رکھنے کے معاملے میں بہت باقاعدہ ہوں، با اصول ہوں ... یعنی یہ ہو نہیں سکتا ... چیز کسی جگہ رکھنی ہو اور رکھ دوں کہیں اور ... جو چیز جس جگہ کی ہوتی ہے ... وہ وہیں رکھتا ہوں۔“

”آپ ... کہنا کیا چاہتے ہیں۔“

”یہ کہ ... لائبریری کی فہرست یہاں نہیں ہے ... جب کہ وہ ہمیشہ یہیں ہوتی ہے ... میں اسے کسی اور جگہ نہیں رکھتا ... اور نہ وہ کسی اور کے کام کی چیز ہے ... وہ تو بس میرے ہی کام کی ہے ... لہذا یہ بات ناممکن ہے کہ میں نے اسے کہیں اور رکھ دیا ... تب پھر سوال یہ ہے کہ فہرست یہاں کیوں نہیں ہے۔“

”اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی کتابوں کی

فہرست بھی ساتھ لے گئے ہیں اور وہ کتاب بھی ... لہذا ایک بار پھر ہم کام ہو گئے ... ہمیں نہیں معلوم ... وہ یہاں سے کون سی کتاب لے گئے ہیں ... اور نہ آپ بتا سکتے ہیں ... ہاں فہرست کتب یہاں ہوتی تو اور بات تھی ... اس صورت میں تو ایک ایک کتاب کو چیک کیا جاسکتا تھا

لیکن اب ایسا کرنا ممکن نہیں رہا ... کیا خیال ہے آپ کا۔“

یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے ... سب لوگ سکتے کے عالم میں مگر فکر ان کی طرف دیکھ رہے تھے ... حیرت کی بات تھی ... وہ لوگ اس کتاب کو ہر جگہ سے نہایت اہتمام سے غائب کر رہے تھے ...

”اب تو یہ سوال میرے دماغ میں بہت زور زور سے گونجنے لگا ہے کہ اس کتاب میں ہے کیا۔“ انسپکٹر جشیہ نے کہا۔

”سونے کی واوی کے بارے میں معلومات ... اس کا راستہ۔“

انسپکٹر کامران مرزا نے جواب میں کہا۔

”ہاں شاید ... اس کے سوا ہم کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔“

”تب پھر ... اب کیا ہوگا ... وہ لوگ تو یہاں سے بھی کتاب

لے گئے اور فہرست بھی۔“

”افسوس ... اس قدر انتظامات کے باوجود ہم کچھ نہ کر سکے ...

اس کا مطلب ہے، ہم اس کیس میں اب بھی وہیں ہیں ... یعنی جہاں



سے یہ کیس شروع ہوا تھا۔

میں اس لئے اسپیکر جمشید کے موبائل کی کھنٹی بج اٹھی... انہوں نے دیکھا، فون صدر صاحب کا تھا...

”صدر صاحب کا فون ہے۔“ یہ بتاتے ہی انہوں نے ہن دیا... فوراً ہی صدر صاحب کی آواز سنائی دی:

”السلام علیکم جمشید... ایک نئی خبر... اور نیا سفر۔“

”جی کیا فرمایا... نئی خبر... اور نیا سفر۔“

”ہاں جمشید... سفر کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ... خبر یہ ہے کہ تمام اسلامی ملکوں کے نمائندوں کا اجلاس بلایا گیا ہے... یہ اجلاس ایک خفیہ مقام پر ہونے والا ہے... وہ تمام لوگ جن کو دعوت دی گئی ہے... وہاں خفیہ طور پر پہنچیں گے... مطلب یہ کہ اس مقام تک سب لوگوں کو لے جانا ان کا اپنا کام ہو گا۔“

”آپ نے بتایا نہیں سر... اجلاس کس سلسلے میں ہو رہا ہے۔“

”سونے کے سٹوں کے سلسلے میں۔“

”کیا مطلب؟“

”سونے کے سٹوں نے خوفناک صورت حال اختیار کر لی ہے...“

یہ تمام اسلامی ملکوں میں ادھر ادھر پڑے مل رہے ہیں... اسلامی ملکوں

کے ذہنوں میں اس وقت کا خوفناک ترین سوال یہ گونج رہا ہے... آخر ان لوگوں کا مقصد کیا ہے... لوگ ان سٹوں کی تلاش میں رہے گے... کسی کو کوئی سہ مل جاتا ہے تو فوراً صرافہ بازار لے جا کر اسے چس... ہر سہ کم از کم تین گرام کا ہے... آج کل سونے کا دس سو روپے ملتا ہے... گویا ایک سٹے کے میں گرام کا بھاء تقریباً ساٹھ ہزار روپے ہے... اب تو لوگ دیوانوں کی طرح ہزار روپے مفت میں مل جاتے ہیں... اور یہ بات نہیں کہ سٹے نہیں ان سٹوں کو تلاش کرتے پھرتے ہیں... لیکن شہر میں کہیں نہ کہیں سے چند سٹے ضرور مل جاتے ہیں... لیکن ملنے کہاں سے ہیں... یہ کسی کو معلوم نہیں... اسلامی ملکوں کے سربراہان ان حالات میں سر جوڑ کر بیٹھے ہیں... ان کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہے... کیوں ہے... سٹے ملنے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا... تو مسلمان قوم انہی کے چکر میں پڑ جائے گی... وہ کام کاج محنت مزدوری سے جی چرانے لگے گی... اور جلد ہی ہم بے کار قوم بننے جانے لگیں گے... اسی لیے مسلمان سربراہوں نے ایک خفیہ اجلاس رکھا ہے، اس میں غور و فکر کیا جائے گا کہ یہ سب ہے کیا... اور اس کا علاج کیا ہے... لیکن یہ اجلاس سربراہوں کا نہیں ہو گا... بلکہ سرافرانوں کا ہو گا... یعنی وہ وہاں جمع ہو کر اسلامی نقطہ نگاہ سے غور

کریں گے... اپنا اپنا رائے دیں گے کہ ان لوگوں کا آخر مقصد کیا ہے اور ہم اس نئی مصیبت سے چھٹکارا کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔“

”تو کیا سر... تمام اسلامی ملکوں میں ہی یہ سکتے پائے گئے ہیں... غیر مسلم ممالک میں نہیں پائے گئے۔“

”چند غیر مسلم ممالک میں بھی سکتے پائے گئے ہیں... لیکن یہ وہ ملک ہیں... جن کے تعلقات اسلامی ملکوں سے بہت زیادہ ہیں... جو اسلامی ملکوں کے دوست ملک ہیں... آپس میں جن کی تجارت ہوتی ہے... مطلب یہ کہ سکتے صرف ان ملکوں میں مل رہے ہیں جو مسلمان ہیں یا جن غیر مسلم ملکوں کے دوستانہ تعلقات ان سے ہیں... اس بنیاد پر یہ بات سوچتی جا رہی ہے کہ یہ سازش صرف اسلامی ملکوں کے خلاف ہے... تاہم اس اجلاس میں ان غیر مسلم ملکوں کے نمائندے بھی شرکت کر رہے ہیں۔“

”ہوں! تو آپ ہمیں اس سلسلے میں بلا رہے ہیں۔“

”بلا نہیں رہا... ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہمارے ملک کی طرف سے تم دونوں شرکت کر دو گے۔“

”صرف ہم دونوں؟“ انپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

”تو اور کیا... وہاں بچوں اور دوستوں سمیت تو شرکت ہو نہیں

سکتی۔“

”یہ تو بے مزہ بات ہوگی... ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں کہاں ہوگا... اس صورت میں ہمارے ساتھی اپنے طور پر اس ملک میں چلے جاتے... وہاں کے کسی ہوٹل میں جا ٹھہرتے... اس طرح ہم ساتھ ساتھ رہتے۔“

”اس سلسلے میں یہ کیا جا سکتا ہے کہ باقی لوگ سفر کے لیے تیار رہیں... جو نبی تم دونوں کو معلوم ہوگا کہ کہاں ہو... ان لوگوں کو بھی ان ملک میں بھیج دیا جائے گا... اس پر کسی کو اعتراض بھی نہیں ہو سکتا ہے... کیونکہ باقی لوگ اس اجلاس میں شرکت کے لیے تو جائیں گے نہیں۔“

”چلیے یہ ٹھیک رہے گا۔“

”بس تو پھر تم اسی وقت ادھر کے لیے روانہ ہو جاؤ... کسی جہاز کی ضرورت نہیں... بس ایک ایک چھوٹے سائز کا ساتھ لے لو... وہاں ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس رہائش ملے گی۔“

”بہت بہتر!“

فون بند کر کے وہ گھر پہنچے... وہاں بھی سونے کے سٹے موجود تھے... انہوں نے ساری بات ان سب کو بتائی تو ان کے چہرے اتر



”اور۔۔۔“ باقی سب نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”لیکن“ انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر ایک جھٹکے سے رک گئے۔

سب ان کی طرف دیکھنے لگے۔

”لیکن... ہمیں جانا ہو گا... یہ حکم ہے... اس پر اسی طرح عمل

کرنا ہو گا... تاہم مجھے امید ہے... اجلاس کے بعد جب ہم فارغ ہو

جائیں گے تو اس وقت کی صورت حال دیکھ کر ہم ضرور بالضرور تم لوگوں

کا اطلاع دینے کی کوشش کریں گے... مطلب یہ کہ اگر ہم اس قابل

ہوئے۔“

”اچھی بات ہے... اللہ کو جو منظور جمشید۔“ پروفیسر داؤد نے

اداس لہجے میں کہا۔

اور پھر وہ اسی وقت ایک ایک بیگ ہاتھ میں لیے ان سے

رخصت ہو گئے... وہ ہاتھ ہلاتے رہ گئے... ان سب کی آنکھوں میں

آنسو تھے... وہ بالکل بے بس تھے۔

ایوان صدر پہنچتے ہی صدر صاحب کے ایک مشیر نے انہیں بتایا کہ

ان کے لیے گاڑی بالکل تیار ہے... یہاں سے وہ ایوان صدر کی گاڑی

میں جائیں گے... اور گاڑی بالکل تیار کھڑی ہے۔

گئے تھے... کیونکہ بہر حال وہ ان کے ساتھ نہیں جا رہے تھے...  
یہ عجیب، انوکھی ترین صورت حال تھی۔  
”یہ مبہم ہمیں اداس کیے دے رہی ہے۔“ فرزانہ نے پریشانی کے  
عالم میں کہا۔

”جب کہ میرے خیال میں ایسا نہیں ہے... جونہی ہمیں معلوم  
ہو گا کہ ہم کہاں ہیں... ہم تم لوگوں کو اطلاع کر دیں گے۔“  
”کیا ایسا کرنا ممکن ہو گا ابا جان۔“ فرزانہ بڑبڑائی۔  
”کیوں بھلا۔“

”تب پھر وہ مقام خفیہ کیسے رہے گا... باقی لوگ بھی تو اپنے  
ساتھیوں کو فون کر کے بتا دیں گے کہ ہم کہاں ہیں۔“  
انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کی طرف نہایت سنجیدہ انداز میں دیکھا۔  
پھر اداس انداز میں مسکرائے۔

”جو اندازہ میں نے لگایا ہے... وہی تم نے لگایا۔“  
”کیا مطلب؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

”صدر صاحب کا یہ کہنا کہ بعد میں باقی لوگوں کو اس مقام کی  
طرف روانہ کر دیا جائے گا، دراصل ایک طرح کی تسلی تھی... حالانکہ  
وہ خود جانتے ہیں... اس صورت میں وہ مقام خفیہ ہرگز نہیں رہ جائے

ایوان صدر کی گاڑی نے انہیں ائر پورٹ پہنچا دیا... وہاں ان کے لیے ایک خصوصی طیارہ تیار کھڑا تھا... انہیں کچھ ہی مدت پہنچانے کا خصوصی سفر یاد آگیا... وہ فکر مند ہو گئے کہ کہیں یہ طیارہ بھی اسی جیسا نہ ہو... اور یہیں سے دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائیں... لیکن اس وقت معاملہ تھا حکم کی تعمیل کا... لہذا وہ خاموشی سے طیارے میں بیٹھ گئے۔ طیارے میں ان کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا... عملے کے چار افراد موجود تھے... ان میں دو پائلٹ تھے اور دو ایئر ہوسٹس تھیں... پرواز شروع ہوئی... کچھ دیر بعد ایک ایئر ہوسٹس نے ان کے قریب آکر کہا۔

”کچھ چاہیے سر۔“

”ہمارا سفر کتنی دیر کا ہے۔“

”سر! ہمیں آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں... یہ طیارہ آپ کے ملک کا نہیں... نہ عملہ آپ کے ملک کا ہے... ہمیں حکم ہے... آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو... وہ آپ کو مہیا کی جائے... لیکن آپ کے کسی سوال کا جواب نہ دیا جائے۔“

”کسی بھی قسم کے سوال کا؟“

”عام قسم کے سوالات تو آپ کر سکتے ہیں۔“ ایئر ہوسٹس

مسکرائی۔

”یہاں آپ کا نام کیا ہے۔“

”جی ہاں! آپ یہ پوچھ سکتے ہیں۔“

”تو پھر بتائیں... آپ کا نام کیا ہے۔“

”جی شکریا۔“

”آپ کہاں کی رہنے والی ہیں۔“

”اس سوال کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔“

”خیر کوئی بات نہیں... آپ کی ساتھی کا نام؟“

”نووشی۔“

”پائلٹ نمبر ایک اور نمبر دو کے نام بھی بتا دیں۔“

”ان کے نام مسٹر ساورمل اور مسٹر ساہیر۔“ وہ مسکرائی۔

”آپ کی مسکراہٹ کہہ رہی ہے کہ یہ چاروں نام اصل نہیں

ہیں۔“

اس کی مسکراہٹ یک لخت بجھ گئی... اس نے فوراً سنجیدہ لہجے میں

کہا۔

”ہمیں یہی نام بتانے کی ہدایات ہیں۔“

”اوہ! تب تو ٹھیک ہے۔“

”اس کا مطلب ہے... ہمارا سفر 9 گھنٹے کا ہے۔“



"میں ابھی لے آتی ہوں ... آپ چائے کے ساتھ۔"  
اس کے الفاظ درمیان میں رو گئے ... جہاز کو ایک زبردست اور  
روک تسم کا جھٹکا لگا تھا۔

☆☆☆☆☆

اس کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی ... اس کے منہ سے نکلا۔  
"یہ کیسے جان لیا آپ نے۔"  
"میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ہماری منزل ہنائی ہے۔"  
"نن ... نہیں۔" وہ کانپ گئی، پھر اس نے فوراً کہا۔  
"یہ آپ کا ایک اندازہ ہے ... یہ درست ہے یا غلط ... ہم اس  
پر تبصرہ نہیں کر سکتے ... لیکن آپ سے یہ ضرور پوچھ سکتے ہیں کہ آپ نے  
آخر یہ اندازہ کس بنیاد پر لگایا؟"

"بہت آسان ہے، دیکھئے میری گھڑی میں جی پی ایس سسٹم  
نصب ہے، اور اس وقت ہم جس روٹ پر سفر کر رہے ہیں غیاروں کا یہ  
روٹ ہنائی کے لیے مخصوص ہے ... اور ہمارے ملک سے ہنائی کا سفر  
پورے نو گھنٹے کا ہے۔"

"آپ لوگ واقعی حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہیں۔"  
"اچھا آپ چائے تو پلوا سکتی ہیں ہمیں ... کیونکہ ہمارا چائے  
وقت ہو گیا ہے۔"

"چائے کا وقت سے کیا مطلب؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔  
"ہاں چائے کا وقت ... ہم چائے بھی صرف اپنے وقت پر پیے  
ہیں ... صبح ناشتے کے وقت اور شام کو عصر کی نماز کے بعد۔"

## کالا جنگل

انہوں نے دیکھا ... سامنے والی دیوار میں ایک مستطیل جگہ دکھائی  
ہو گئی تھی ... جیسے کسی سینما کی اسکرین ہوتی ہے اور اس اسکرین پر  
چھوٹا طیارہ فضا میں اڑتا نظر آرہا تھا ... بیگم جمشید کو پہلے صرف اس  
وہ جگہ روشن ہوتی نظر آئی تھی جس پر وہ خوب زور سے چوکی تھیں ...  
پروفیسر داؤد اور خان رحمان بھی اسے دیکھنے لگے تھے مگر اسے میں  
جمشید وغیرہ پہنچ گئے تو ان کے ذہن سے یہ بات نکل گئی، مگر  
اچانک اسکرین پر طیارہ نظر آنے لگا تھا ...

وہ سب ٹکر ٹکر ... مارے حیرت کے اس طیارے کو دیکھ  
لگے ... پھر طیارے کے اندر کا منظر بھی نظر آنے لگا تھا ... اندر کا منظر  
دیکھ کر تو وہ اچھل پڑے ... اندر انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بیٹے  
نظر آئے ... ایک ایئر ہوسٹس ان سے باتیں کرتی نظر آئی ... ان کی  
حیرت اس وقت بڑھی جب ان کی آوازیں تک انہیں صاف سنائی دے

تھی۔ "اچانک حیرت انگیز ... اب بات سمجھ میں آئی۔" پروفیسر داؤد  
نے رزنی آواز میں کہا۔  
"جی کیا مطلب۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"وہ لوگ ہمیں بے ہوش کر کے گھر میں ایسے کام کر گئے ہیں ...  
ابن پھر بھی یہ حد درجے حیرت انگیز ہے ... کسی گھر میں ایسے آلات  
نہیں کرنا تو عام بات ہے کہ اس کی گھر کی آوازیں سنی جاسکیں ... یا  
اس گھر میں کسی دوسری جگہ کی آوازیں سنائی دیں ... لیکن ایک جہاز کی  
آوازیں ... یہ حیرت انگیز ہی نہیں ... خوفناک بھی ہے ... اور ابھی تک  
کابجہ جیسا ملک بھی ایسے کوئی آلات ایجاد نہیں کر سکا ... اس کا مطلب  
ہے ... ان لوگوں کا تعلق انشارجہ سے نہیں ہے۔"  
"اوہ۔"

"خیر ... پہلے سنتے ہیں ... ان میں کیا بات ہو رہی ہے۔"  
وہ ایئر ہوسٹس اور انسپکٹر جمشید کی بات چیت سننے لگے ... ان کی  
حیرت بڑھنے لگی ... انسپکٹر جمشید جہاں ایئر ہوسٹس کو حیرت میں ڈال  
رہے تھے ... وہیں انہیں بھی ان کے اندازوں پر حیرت ہو رہی تھی اور  
جب انہوں نے یہ کہا کہ میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ہماری منزل کتنی



”اوہ... سنگ... کہیں یہ وہی جنگل تو نہیں... ہاں یاد آ گیا“

”کہیں اس کا نام کالا جنگل تو نہیں۔“

”بالکل یہی نام ہے... اب ہم یا تو اس جنگل میں جا کر گریں“

”یا اس کے ساتھ واقع سمندر میں۔“

”ہیں اس لیے انہوں نے جہاز کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھا... اب وہ جہاز کے ٹکڑوں کو نیچے کا رخ کرتے دیکھ رہے تھے اور چھ عدد جراثیم فضا میں تیر رہے تھے... ساتھ ہی اسکرین تاریک ہو گئی۔“

”ارے باپ رے۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”ہمیں صدر محترم کو فون کرنا چاہیے۔“ محمود نے جلدی سے کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“

اور پھر محمود نے صدر کے نمبر ڈائل کیے... جلد ہی ان کی آواز

سنائی دی...

”انکل جس طیارے میں اتنا جان اور انکل کامران مرزا کو بھیجا گیا“

”تھا... وہ فضا میں پھٹ گیا۔“

”کیا!!!“ وہ چلائے۔

”جی ہاں! لیکن سب لوگ پہلے ہی پیرا شوٹ باندھ چکے تھے...“

لہذا اب وہ زمین کا رخ کر رہے ہیں۔“

”ہے... تو وہ اہل چڑے... کیونکہ انہیں بھی تو ایسی کوئی بات معلوم نہیں تھی... اور پھر انہوں نے جہاز کو زبردست جھٹکا لگتے دیکھا... ان کے رنگ اڑ گئے۔“

”یا اللہ رحم! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔“

”یہ کیا ہوا۔“

”گڑ بڑ لگتی ہے... آپ لوگ فوراً پیرا شوٹ باندھ لیں۔“

ایئر ہوسٹس چلائی اور انجن روم کی طرف دوڑ گئی۔

”یا اللہ رحم۔“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

انہوں نے دیکھا انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا جلدی جلدی پیرا شوٹ باندھ رہے تھے... ادھر دونوں ایر ہوٹیس اور دونوں پاکٹ بھی یہی کام کر رہے تھے... ان کے دیکھتے ہی دیکھتے... انہوں نے پیرا شوٹ باندھ لیے... اس وقت انسپکٹر کامران مرزا نے بلند آواز میں پوچھا۔

”ہم اس وقت کس مقام سے گزر رہے ہیں۔“

”یہ ایک جنگل ہے... بہت طویل جنگل... لیکن بہت ہی“

ہولناک اور خوفناک جنگل... اس کے بارے میں بہت خوفناک اور“

ہولناک باتیں سننے میں آتی ہیں۔“

”لے لیجئے... تمہیں یہ بات کیسے معلوم؟“ مارے غصے کے صدر نے کہا۔

”یہ ایک الگ حیرت انگیز تفصیل ہے۔“

”میں وہ سننا چاہتا ہوں۔“

محمود نے تفصیل سنا دی... پھر اس نے کہا۔

”اور اب ہم سب کے سب کالا جنگل جانا چاہتے ہیں... اس کے لیے بہترین راستہ بذریعہ برنائی ہے... آپ ہمیں فوری طور پر برنائی بھجوانے کا انتظام کر دیں... لیکن یہ انتظام صرف اور صرف جانے پہچانے لوگوں کے ذریعے کرائیں... ایسا نہ ہو کہ ہمارا طیارہ بھی فضا میں ہی پھٹ جائے... ہم تو اس قدر جلد پیرا شوٹ بھی نہیں باندھ سکیں گے۔“

صدر صاحب کو ہنسی آگئی... انہوں نے کہا۔

”فکر نہ کرو... پہلے دو مرتبہ غلطی ہو چکی ہے... ان شاء اللہ

اب نہیں ہوگی... اب صرف اور صرف اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ آپ لوگوں کو بھیجا جائے گا... لیکن یہ بات سن لیں... کہ بہر حال انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو اس اجلاس میں تو جانا پڑے گا... اور اب ان کا سفر برنائی کے راستے ہو گا... آپ لوگ برنائی سے ان

تک پہنچنے کی کوشش کریں... وہاں سے انہیں برنائی لائیں... برنائی سے انہیں برنائی پہنچایا جائے گا۔“

”اور ہم برنائی میں ٹھہر کر ان کا انتظار کریں گے... یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ۔“

”مجبوری ہے... وہاں سے فارغ ہو کر وہ آپ لوگوں کے پاس آجائیں گے۔“

”اچھی بات ہے... یونہی سہی... ہم انکل منور علی خان کو بھی فون کر دیتے ہیں مگر آپ سے ایک درخواست ہے کہ... برنائی میں ابھی یہ نہ بتائیں کہ اس طرح سے ان کا طیارہ تباہ ہو گیا ہے کیونکہ آگے بڑھنے کی صورت حال بنتی ہے۔“

”اچھی بات ہے... میں دیکھتا ہوں۔“

اور پھر صدر صاحب نے اپنے طیارے کے ذریعے انہیں برنائی بھجوا دیا... منور علی خان بھی وہاں آچکے تھے... صدر برنائی کو پہلے ہی صورت حال بتا دی گئی تھی، لہذا ان کے لیے پہلے ہی وہی لائٹ تیار تھی... جس کے ذریعے وہ اس جزیرے تک پہنچے تھے... لیکن جزیرے پر وہ کہیں بھی نظر نہ آئے... نہ ان کے جزیرے پر اترنے کے آثار نظر آئے۔



تھے۔ یہاں سے کافی فاصلے پر ہیں... اور اگر پھنسے ہوئے نہیں ہیں تو اس طرف روانہ ہو چکے ہوں گے... لہذا ہمیں بالکل اسی جگہ رکتا ہو گا... کیونکہ وہ آواز کی سمت کا پورا پورا اندازہ کر کے روانہ ہوں گے... اور اگر وہ پھنسے ہوئے ہیں تو ابھی ان کی طرف سے پھر پیغام۔“  
ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... انسپکٹر کامران مرزا کی آواز مٹی تھی... اس آواز کو سنتے ہی منور علی خان کے منہ سے نکلا۔  
”وہ جنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔“

☆☆☆☆☆

”اس کا مطلب ہے... ان کے پورا شوٹ جنگل میں کہیں کرے ہیں اور ہم جانتے ہیں، یہ جنگل کس قدر خوفناک ہے... بالکل اب آپ بتائیں... ہم کیا کریں... کیا ہم انہیں جنگل میں تلاش کر سکیں گے۔“  
”بہت مشکل ہے... جنگل خطرات سے اٹا پڑا ہے... اور پھر ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ جنگل میں کہاں ہوں گے... ہیں بھی یا نہیں... لیکن میں جنگل کا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے دونوں ہاتھ اپنے منہ کے گرد رکھے اور پوری قوت سے آواز نکالی... یہ ان کی خاص آواز تھی... اور انسپکٹر کامران مرزا اس آواز کو بخوبی پہچانتے تھے۔

آواز نکالنے کے بعد انہوں نے تین منٹ تک انتظار کیا... پھر منہ دوسری طرف کر کے آواز لگائی... اسی طرح تیسری طرف آواز لگائی... تیسری طرف آواز کا لگانا تھا کہ دوسری طرف سے انسپکٹر کامران مرزا نے آواز لگائی۔

”وہ مارا۔“

مارے خوشی کے وہ اچھل پڑے... اسی وقت منور علی خان نے

کہا۔

”ہم فی الحال یہیں رک کر انتظار کریں گے... وہ نزدیک نہیں

## آدم خور درخت

ان کے رنگ اڑ گئے ... سب منور علی خان کی طرف دیکھ لگے ...

”پھر ... اب؟“ فرزانہ نے بے تابانہ کہا۔

”اب کیا ... ہمیں جانا ہو گا۔“

”تو پھر بسم اللہ کریں۔“ محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

”ہمیں کچھ نہ کچھ تو تیاری کرنا ہو گی ... اور میں یہ تیاری برناتی سے کر کے چلا ہوں ... کیونکہ اندیشہ اسی بات کا تھا کہ جنگل کا سفر کرنا ہو گا۔“ یہ کہتے ہوئے منور علی خان مسکرائے بھی تھے۔

”جی ... کیا مطلب ... آپ تیاری کر کے چلے ہیں۔“ مارے

حیرت کے آصف نے کہا۔

”ہاں بالکل ... آپ لوگوں کے آنے سے پہلے میں نے مدد

برناتی کو بتا دیا تھا کہ وہ ہمارے لیے کیا کیا چیزیں تیار کروا دیں ... لہذا

انہوں نے تیار کردہ چیزیں اس میں موجود ہیں ... کہ زہریلے کیڑوں کے ڈاک نقصان نہیں پہنچا سکیں ... جنگلی مخلوق حملہ آور ہوگی تو ہم بخوبی اس کا مقابلہ کر سکیں گے ... پہنچ رہے ہیں اور انسپکٹر کامران مرزا تو اس سلسلے میں تیاری کر کے چلے ہی نہیں تھے ... اس لیے جنگل میں پھنس گئے ہیں ... ان چیزوں کے علاوہ ہیں درختوں سے بھی بچ کر چلنا ہو گا ... جنگل میں ایسے ایسے درخت ہیں کہ ان کو آدم خور درخت کہا جائے تو بے جا نہیں ہو گا۔“

”آدم خور درخت۔“ مارے خوف کے ان منہ سے نکلا۔

”ہاں! لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ... ان سے ہمیں

بچ کر گزرنا ہو گا ... اگر ہم ان کی شاخوں کی زد میں آجاتے ہیں تو کچھ

لیں ... گئے کام سے پھر اور بھی کئی قسم کے ہولناک درخت ہیں ... میں

ساتھ ساتھ بتاتا جاؤں گا اور خبردار کرتا جاؤں گا ... اب پہلے ہمیں وہ

نام لباس پہننا ہوں گے ... اور ان لوگوں کے لیے بھی لباس ساتھ لے

جانے پڑیں گے ... تاکہ واپسی پر ہم آسانی سے آسکیں ... وہ پھنسے ہی

اس لیے ہیں کہ ان کے پاس حفاظتی سامان نہیں ہے۔“

”آپ کا شکریہ اٹھل ... اگر آپ ساتھ نہ ہوتے تو ہم تو کس

طرح جنگل کو عبور کرتے۔“ فرزانہ نے جذباتی آواز میں کہا۔



”ارے ارے... تم میرا شکریہ ادا کر رہی ہو... کمال ہے...  
یعنی کہ۔“ منور علی خان گھبرا گئے اور سب لوگ ان کی گھبراہٹ پر  
ہنس دیے۔

اب ان سب نے لانچ کے ایک کمرے میں رکھے سامان میں  
سے جنگل کے لیے تیار کرائے گئے لباس پہن لیے... ان کو پہن کر  
انہیں حفاظت کا ایک عجیب سا حساس ہوا...  
”واقعی اٹکل! اس جنگل میں ایسے ہی لباس کی ضرورت تھی...  
ایک بار پھر میں آپ کا...“

”اے خبردار! اگر اب تم نے شکریہ کا لفظ منہ سے نکالا تو۔“ منور  
علی خان نے گویا دھمکی دی۔

”میں واپس چلا جاؤں گا۔“ وہ مسکرائے۔

”ارے باپ رے...“ انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

”لیکن اٹکل... دوسرے والا تو ابھی منہ سے نکالا نہیں تھا۔“

”اچھا خیر... جاؤ... معاف کیا۔“ انہوں نے گویا حاتم طائی کو

پچھے چھوڑ دیا۔

”اور جائیں کہاں اٹکل! اب تو ہمیں آپ کے ساتھ ہی جانا

ہے۔“

”آؤ پھر بسم اللہ کریں۔“ انہوں نے کہا اور قدم آگے بڑھا دیا

اب وہ سب ان کے پیچھے چلنے لگے۔

”اب ایک احتیاط کرنی ہے... اور وہ یہ کہ کوئی بھی مجھ سے

آج نہیں نکلے گا... ورنہ انتہائے میں اور بے خبری میں کسی بھی درخت

کا تھن بن سکتا ہے۔“

”ارے باپ رے... درخت کا لقمہ۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”ہاں ہاں کہہ دو... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”نہیں خیر... ناول کا نام تو یہ نہیں ہو سکتا... ہاں کسی کہانی

کا نام ضرور ہو سکتا ہے۔“

”تو یہ ہے تم سے۔“ آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

ایسے میں ان کی نظریں درختوں کا جائزہ لینے لگیں... وہ واقعی

جپ و غریب تھے اور بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی تھی کہ انہوں نے اس

تم کے درخت زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے...

”حیرت ہے اٹکل... آپ کیسے ان جنگلوں میں رہ لیتے ہیں۔“

فرحت کی آواز ابھری۔

”اس سوال کا جواب بہت ہی آسان ہے۔“ منور علی خان

مسکرائے۔

”اور وہ کیا ہے؟“

”تم نے کبھی نارزن کی کہانی پڑھی ہے۔“

”جی... جی ہاں... بچپن میں پڑھی تھیں... بلکہ نارزن ہاں کبھی گئی بہت سی کہانیاں پڑھنے میں آئی تھیں... اس زمانے میں نارزن کے موضوع پر بہت لکھا جاتا تھا اور پڑھا جاتا تھا... آپ نے یہ کیوں پوچھا۔“

”تم لوگ مجھے بھی نارزن سمجھ لو... مجھے بچپن میں ہی جنگلوں میں رہنا پڑا تھا۔“ انہوں نے بتایا۔

”تو کیا اٹکل... آپ کا بھی جہاز خراب ہو کر کسی جنگل میں گر گیا تھا۔“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ بات تو خیر نہیں... لیکن ایسا ہوا تھا کہ میری والدہ مجھے لیے ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گئی تھی... میں اس وقت ان کی گود میں تھا... دراصل ان کے پیچھے کچھ دشمن لگے ہوئے تھے، وہ ان کی جان لینا چاہتے تھے... اور غالباً ایسا جائیداد کی وجہ سے تھا... میری والدہ کو اپنی جان سے زیادہ میری جان کی فکر تھی... وہ جانتی تھیں کہ دشمن مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا، کیونکہ جائیداد کا اصل وارث تو میں تھا... والدہ گھر سے تو کار پر بھاگی تھیں... اور بے تحاشہ رفتار سے کار

بھاڑی تھیں... لیکن پھر کار کا پٹرول ختم ہو گیا... جس جگہ پٹرول ختم ہوا وہاں سڑک سے دائیں بائیں جنگل تھا... انہیں اور تو کچھ نہ بچھا، مجھے گود میں اٹھایا اور جنگل میں گھس گئیں۔“ وہ سانس لینے کے لیے رکے تو ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے اٹکا۔

”اوہ۔“

اس اوہ میں پروفیسر داؤد اور خان رحمان کی آوازیں بھی شامل تھیں... گویا وہ بھی یہ کہانی پہلی بار سن رہے تھے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ منور علی خان کو بھی پہلی بار ہی یہ کہانی سنانے کا اتفاق ہوا تھا۔

”پھر اٹکل۔“ مارے بے چینی کے مکھن نے کہا۔

”بس! میری والدہ آگے ہی آگے بھاگتی چلی گئیں... وہ ہر صورت میں میری جان ان لوگوں سے بچانا چاہتی تھیں... اس لیے جان توڑ کر بھاگ رہی تھیں... انہیں نہ جنگل کا خوف تھا... نہ درندوں کا... خوف تھا تو ان ظالم لوگوں کا جو مجھے جان سے مار دینے پر تلے تھے اور آخر وہ اس حد تک جنگل میں اندر چلی آئیں کہ دشمن وہاں تک آنے کی ہمت نہ کر سکا... کیونکہ جنگل میں اب درندے نظر آنے لگے... نہ جانے کیوں... والدہ ان درندوں سے بھی نہ ڈریں... اور انہوں نے آگے بڑھنے کا عمل جاری رکھا... وہ اس وقت تک بھاگتی



رہیں... جب تک کہ الٰہ میں دم تھا... اور آخر تھک کر گر پڑیں۔“  
 اس رات میری والدہ نے مجھے سینے سے لگائے جنگل میں رکھا  
 عجیب ترین بات یہ تھی کہ جنگل کے کچھ درندے جن میں ہاتھی، ہندو  
 بن مانس تھے... ہمارے آس پاس آکر بیٹھ گئے تھے... انہوں نے ہمیں  
 کچھ نہ کہا... یوں لگتا تھا... جیسے وہ ہمارے ہمدرد ہوں... ہمارے  
 گسار ہوں... ہماری مدد کرنا چاہتے ہوں... اور یوں لگتا تھا جیسے اللہ  
 تعالیٰ نے انہیں سمجھ عطا فرما دی ہے... انہیں ہدایات دے دی ہیں کہ  
 ان دونوں کی حفاظت کرنی ہے... اور بات ہے بھی یہی... اللہ تعالیٰ  
 جب حفاظت کرانے پر آئیں تو دشمن سے بھی حفاظت کرا دیتے ہیں...  
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال سامنے ہے، فرعون آپ کو قتل کرا دیا  
 چاہتا تھا... لیکن پوری کوشش کے باوجود ایسا نہ کر سکا... آخر موسیٰ علیہ  
 السلام کا تعاقب کرتا دریا میں غرق ہو گیا... ایسی اور بھی بہت سی  
 مثالیں موجود ہیں... ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی  
 جنگل میں راستہ بھول گئے تھے... ایک شیر آیا اور اس نے انہیں اشارہ  
 کیا کہ میری پیٹھ پر بیٹھ جائیں... وہ صحابی شیر کی کمر پر بیٹھ گئے... اور  
 وہ شیر انہیں کمر پر بٹھائے جنگل کے کنارے تک لے آیا... اب  
 دیکھیں، شیر کا کام تو چیر پھاڑ ڈالنا ہے نا... لیکن اس نے انہیں کچھ

بھی نہ کہا... ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں... تو میں کہہ رہا تھا کہ جنگل  
 کے درندے ہمارے ارد گرد آکر بیٹھ گئے... ایسے میں رات کے آخری  
 ہر میری والدہ کی طبیعت خراب ہو گئی... اور وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں  
 ... اب میں ننھا بچہ... دودھ پیتا بچہ... بس وہ جانور نہ جانے کہاں  
 کہاں سے میرے لیے خوراک کا انتظام کرتے رہے... میرے منہ میں  
 دودھ وغیرہ نکالتے رہے... بس میں بھی بالکل ٹارزن کی طرح جنگل  
 میں پلا بڑھا... یہ ہے میری کہانی...  
 ”حیرت انگیز انکل... بہت حیرت انگیز... اور اس پر مزید  
 حیرت ہے کہ آپ نے اپنی یہ کہانی زندگی میں پہلی بار سنائی ہے...  
 میں اس کہانی کا کوئی علم نہیں تھا۔“  
 ”خیر... آج تو ہو گیا نا۔“ وہ ہنسے۔  
 ”بالکل... اب معلوم ہوا کہ آپ کو جنگلوں سے اتنی واقفیت کیسے  
 ہے... اور آپ کو جنگل کے درندوں سے ڈر کیوں نہیں لگتا۔“ محمود نے  
 کہا۔  
 ”چلو... شکر ہے تم لوگوں کو پتا تو چلا۔“  
 ”لیکن منور علی خان... وہ بات تو اُس جنگل کی تھی... یہ جنگل  
 وہیں... نہ یہاں کے درندے وہ ہیں۔“ پروفیسر سداؤد نے کہا۔

بہل کی مخلوق سے تو ہم بٹ لیں گے... بس ان درختوں سے بچ کر چلتا ہے... میں ساتھ ساتھ درختوں کے بارے میں بھی بتاتا رہوں

”شش... اٹکل۔“ فاروق شکر یہ ادا کرتے کرتے رک گیا۔

”دیکھا آپ نے اٹکل... اس نے آپ کو شش کہا ہے۔“

آفتاب نے فوراً کہا۔

”ارے نہیں بھئی... بھول میں میرا شکر یہ ادا کرنے چلا تھا...

بھین پھر اسے یاد آ گیا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا...“ انہوں نے فوش گوار انداز میں کہا... پھر چونک کر بولے۔

”خبردار اس وقت سامنے جو درخت آرہے ہیں... ہمیں اس کی

شاخوں سے بالکل بچ کر نکلتا ہے... اور درخت ہیں بالکل ساتھ ساتھ

... یعنی ایک کی شاخیں دوسرے تک پہنچی ہوئی ہیں۔“

”تب پھر ہم بچ کر کیسے نکلیں گے۔“

”ہمیں وہ جگہ تلاش کرنی ہوگی... جہاں سے ہم نکل سکیں گے

... اور اگر ایسی جگہ نہ مل سکی... تب ہمیں ان درختوں سے لڑنا پڑے

گا۔“

”گگ... کیا کہہ رہے ہیں اٹکل... درختوں سے جگہ۔“

”بالکل ٹھیک... لیکن جانوروں میں ایک بہت تیز چلتا ہے... وہ دوست اور دشمن میں فوراً تیز کر لیتے ہیں... انسان سے بھی زیادہ تیز حس... مطلب یہ کہ انسان اس قدر تیز حس کا مالک نہیں ہے کہ جانور... بس اس وقت درندوں نے اور دوسرے جانوروں نے بھی یہی محسوس کیا کہ یہ ہمارا دوست ہے اور میں تو تھا بھی بالکل بچہ... ان میں پلنے لگا... لیکن پھر جلد ہی کچھ شکاری لوگ مجھے اس جگہ سے نکال لے گئے... انہوں نے پڑھایا لکھایا، میں بڑا ہوا تو جنگلوں سے محبت میرے اندر رچی بسی ہوئی تھی... بس شکاری بن گیا... مگر آئی تک بندر، بن مانس یا ہاتھی کو میں نے نہیں مارا جب تک کہ میری جان پر نہ بن آئے۔ اس طرح زندگی جنگل میں گزری، اس لیے... ہر طرح کے درندوں، درختوں اور دوسری چیزوں سے واقف ہوتا چلا گیا۔“

”اب بات مکمل سمجھ میں آئی...“ فرحت کی آواز گونجی۔

”اللہ کا شکر ہے۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”اس سفر میں ضرورت کی تمام چیزیں میں پہلے ہی تیار کر چکا ہوں... اس لباس کے ذریعے ہم بہت حد تک محفوظ رہیں گے... اس کے علاوہ ہمارے پاس مختلف قسم کے ہتھیار ہیں... ان میں راکٹس تو ہیں ہی... گولہ بارود بھی ہے... پروفیسر صاحب کے ہتھیار ہیں



نیاموں میں تھیں ... انہوں نے نیاموں سے بھی ان کو نکال لیا اور انہیں  
پرانے زمانے کی جنگیں یاد آگئیں ... جو تلواریں سے لڑی جاتی تھیں ...  
اب انہوں نے درختوں کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا ... تاکہ ایسی جگہ  
حاش کر سکیں ... جہاں سے وہ گزر سکیں ... لیکن دور دور تک ایسی کوئی  
جگہ نظر نہ آسکی ... اب وہ ایک ہی سیدھ میں تو چل نہیں سکتے تھے ...  
کیونکہ انہیں اس سمت کا بھی خیال رکھنا تھا ... جس سمت سے انسپکٹر  
کاہران مرزا اور انسپکٹر جمشید کی آواز آئی تھی ۔

”اب ایک ہی حل ہے دوستو۔“

”اور وہ کیا۔“

”تلواروں سے شاخیں کاٹنے کا کام کرنا ہو گا ... اور یہ کام

آسان نہیں ہو گا۔“

”لیکن مجبوری ہے، کرنا ہو گا۔“ خان رحمان نے کہا۔

”ہاں! میں نے ایک جگہ نوٹ کی بھی ... اس جگہ صرف دو

درختوں کی شاخیں آپس میں ملی ہوئی ہے ... ان سے آگے کا راستہ

صاف ہے ... اور ہم صرف وہیں سے اپنی اس مہم کا آغاز کر سکتے

ہیں۔“

”تو پھر بسم اللہ کریں۔“

آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! درختوں سے جنگ ... کیونکہ یہ گوشت خور درخت ہیں  
نا۔“

”آپ کا مطلب ہے ... گوشت کھانا پسند کرتے ہیں۔“

”بالکل۔“

”لیکن کن کا ... جانوروں کا یا انسان کا۔“

”جو جان دار بھی ان کی زد میں آجائیں ... بس یہ اس کو پتہ  
کر جاتے ہیں ... کوئی انسان یا جانور جو ان کے نزدیک پہنچتا ہے  
... ان درختوں کی شاخیں لپٹ جاتی ہیں اور اسے اس طرح جکڑ لیتی  
ہیں کہ پھر وہ لاکھ زور لگائے ... ان سے بچ نہیں سکتا ... ہاں کوئی دوسرا  
انسان تلواریں سے ان شاخوں کا کاٹ دے تو اسے نجات مل سکتی ہے ...  
لیکن اس وقت تک درخت اس کا گوشت جگہ جگہ سے کھا چکا ہوتا ہے۔“

”ارے باپ رے ... یہ درخت تو پھر بہت زیادہ خطرناک

ہیں۔“

”انتہائی خطرناک ... اب ہم سب کو چاہیے کہ تلواریں اپنے

ہاتھوں میں لے لیں۔“

انہوں نے سامان سے تلواریں نکال لیں ... یہ تلواریں باقاعدہ

اب جو شاخ خان رحمان یا منور علی خان کی طرف بڑھتی نظر آتی،  
 پیچھے سے وہ اس پر تلواریں دے مارتے ... اس طرح انہیں مدد ملنے لگی  
 اور وہ اپنی سکر کی طرف سے بے فکر ہو گئے ... منور علی خان کو کہنا پڑا ...  
 ”یہ زیادہ بہتر ہے ... اب ہمیں بے فکری ہو گئی ... لیکن تم  
 دونوں پر پیچھے والے نظر رکھیں ... کہیں ہمیں بچانے کے لیے تم لپیٹ  
 میں نہ آ جاؤ۔“

”ٹھیک ہے انکل! آپ فکر نہ کریں۔“  
 ایسے میں فرحت کی چیخ فضا میں گونج گئی ... وہ گھبرا اٹھے۔

☆☆☆☆

اب وہ واپس پلٹے اور اس جگہ پہنچے ... اس جگہ غور سے دیکھتے ہوئے  
 انہوں نے جان لیا کہ واقعی وہاں صرف دو درخت آپس میں ملے ہوئے  
 تھے ... منور علی خان اور خان رحمان تلواریں لیے آگے بڑھے۔  
 ”باقی لوگ پیچھے ہی رہیں ...“ انہوں نے کہا۔  
 ”جی اچھا۔“

دونوں آپس میں ملی ہوئی شاخوں پر تلواریں بڑھانے لگے۔  
 شاخیں کٹنے لگیں۔  
 ”اور یہ کئی ہوئی شاخیں انکل ... یہ تو خطرناک نہیں ہیں۔“  
 ”نہیں!“

شاخیں تیزی سے کٹ رہی تھیں ... لیکن ساتھ میں انہیں یوں  
 محسوس ہو رہا تھا جیسے شاخیں ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے  
 بہت بے چین ہوں اور پوری پوری کوشش کر رہی ہوں ...  
 ”یہ معاملہ خطرناک ہے ... ہم لوگ کھڑے نہیں رہ سکتے ...  
 شاخوں پر نظر رکھ کر آگے بڑھنا ہو گا۔“ محمود نے کہا۔

”اچھی بات ہے ... لیکن صرف میں اور تم چلتے ہیں ... باقی  
 لوگ ابھی الگ ہی رہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے سر ہلا دیے۔



## آواز کا جواب

انہوں نے دیکھا، ایک بہت لمبی شاخ فرحت کے کندھے تک پہنچ گئی تھی اور اس کے کندھے سے بری طرح چٹ چٹکی تھی... بس ادھر چلائی... ادھر محمود نے تلوار چلا دی... شاخ فوراً کٹ گئی... اور ساتھ ہی اس کا اگلا حصہ فرحت کے کندھے سے الگ ہو گیا۔

”اُف خدا! اس نے تو اتنی سی دیر میں میری گویا جان ہی نکال دی تھی۔“ فرحت نے مارے خوف کے کہا۔

”فرحت کی طرف سب کے سب متوجہ نہ ہو جائیں۔“ منور علی خان گرجے۔

وہ چونک اٹھے... کیونکہ ان کے بے دھیان ہونے کی صورت میں کسی بھی درخت کی شاخیں ان میں سے کسی کو بھی لپیٹ میں لے سکتی تھیں... باقی سب لوگ درختوں کی طرف متوجہ ہو گئے جب کہ فرزانہ نے فرحت کے کندھے کو دیکھنا شروع کیا... وہ اسے پیچھے ہٹا کر ایک

طرف لے گئی اور کندھے کا کپڑا ہٹا دیا... وہاں سے خون رس رہا تھا۔ فرزانہ نے فوراً اس جگہ پر مرحم لگا دیا... منور علی خان پہلے ہی اس دم کی چیزیں سب میں تقسیم کر چکے تھے...

”تم ابھی ادھر ہی بیٹھو... جب تک راستہ صاف نہ ہو جائے۔“

”نہیں خیر... میں بھی درختوں کے خلاف کارروائی میں حصہ لوں گی... اب میں اتنی بھی زخمی نہیں۔“

وہ ایک بار پھر سب کے ساتھ تلوار چلانے لگی... ایسے میں فرزانہ نے اس سے پوچھا...

”جلن کم ہو گئی یا نہیں۔“

”ابھی ہو رہی ہے... لیکن آہستہ آہستہ کم ضرور ہو رہی ہے۔“

”بس ٹھیک ہے۔“

تلواروں سے درختوں کے خلاف یہ جگہ دو گھنٹے تک جاری رہی... تب کہیں جا کر ان کا راستہ صاف ہوا... انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا...

ان کا سفر آگے کی طرف شروع ہوا... وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہے تھے... ایک گھنٹے تک وہ مسلسل چلتے رہے... اس وقت شوکی نے کہا:

نے جو فاصلہ طے کیا ہے، اس کے لحاظ سے قدرے قریب کی لگی ہے  
لیکن اگر انہوں ہماری طرف آنا شروع کیا ہوتا تو اس وقت تک  
آواز بہت نزدیک آچکی ہوتی۔“ منور علی خان نے یقین بھرے لہجے میں

کہا۔  
”بالکل ٹھیک اٹکل۔“ فرزانہ نے فوراً کہا۔

”اچھی بات ہے... اللہ مالک ہے... ہمارا سفر جاری ہے...  
اور ان شاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ ہم ان تک  
نہیں پہنچ جاتے۔“ پروفیسر داؤد نے جذباتی آواز میں کہا۔

”اور ہم ایک اور قسم کے خوفناک درختوں کے پاس پہنچنے والے  
ہیں۔“ منور علی خان نے گویا خوف کے عالم میں کہا۔

سب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

”اب کون سے درخت آگئے ہمارے راستے میں ہیں۔“

”یہ پورے درخت تو نہیں... بڑے بڑے پودے ہیں... انہیں

سکڑیگ کوکمر کہا جاتا ہے... یہ جو سامنے نظر آرہے ہیں... یہ دنیا کا  
زہریلا ترین پودا ہے... کوئی شخص اگر اسے ہاتھ لگا دے تو اس میں  
سے زہریلے مادے کی پھوار اس شخص پر گرتی ہے... اور انسان آن کی

آن میں مر جاتا ہے۔“

”اگرچہ کسی جانور کی آواز جیسی تھی... لیکن انپیکٹر جمشید اور انپیکٹر کامران  
مرزا اس آواز کو پہچانتے تھے... فوراً ہی دوسری طرف سے آواز کا  
جواب آگیا...“

”اللہ کا شکر ہے... ہم درست سمت جا رہے ہیں اور وہ لوگ  
بھی خیریت سے ہیں۔“ فرزانہ نے فوراً کہا۔  
”خیریت سے تو خیر نہیں ہیں۔“ منور علی خان بڑبڑائے۔

”جی... کیا مطلب... اگر وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہیں  
تو خیریت سے کیوں نہیں ہیں بھلا۔“ اشفاق نے حیران ہو کر کہا۔  
”اگر خیریت سے ہوتے تو کب کے ہماری طرف چل پڑے  
ہوتے۔“

”اور یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہماری طرف روانہ نہیں ہو  
سکے۔“ آفتاب نے حیران ہو کر پوچھا۔

”آواز سے... آواز اب بھی اسی فاصلے سے آئی ہے... ہم



”کچھ نہیں کہا جا سکتا ... لیکن ہمارا کام ہے آگے بڑھنا ... لہذا

”اب مالک ہے۔“  
وہ مزید تین گھنٹے تک چلتے رہے ... یہاں تک کہ پروفیسر داؤد

بول اٹھے ...  
”بس! اب مجھ سے نہیں چلا جاتا ... میں یہیں ٹھہر جاتا ہوں ...

تم لوگ آگے چلے جاؤ ... واپسی پر مجھے یہاں سے ساتھ لے لینا۔“  
”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ خان رحمان ہنسے۔

”جب پھر کیا ہو سکتا ہے۔“

”آپ میرے کندھے پر بیٹھ جائیں۔“ خان رحمان نے کہا۔

”تم انسپکٹر جمشید نہیں ہو۔“

”لیکن آپ کو کندھے پر تو اٹھا ہی سکتا ہوں۔“

”کیوں نہ ہم کچھ دیر آرام کر لیں ... اس طرح مجھ میں پھر سے

چلنے کی ہمت پیدا ہو جائے گی۔“ انہوں نے کہا۔

”ہو تو جائے گی ... لیکن ... مشکل یہ ہے کہ سورج غروب

ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں ہے ... اور اس قدر خطرناک جنگل کی

رات اور زیادہ ہولناک ہوتی ہے ... لہذا میں چاہتا ہوں ... ہم سورج

غروب ہونے سے پہلے ان تک پہنچ جائیں۔“

”ارے باپ رے۔“ ان کے منہ سے مارے خوف کے لفظ۔  
”لیکن یہ ہے کہ جب تک ہم اسے نہیں چھوئے، اس وقت تک

یہ بے ضرر ہے۔“ انہوں نے بتایا۔  
”بس تو پھر ہم اس سے بچ کر نکل جاتے ہیں۔“

”ہاں! بہت احتیاط کی ضرورت ہے ... خود کو سمیٹ سنا کر  
نکال لے جانا ہو گا ... کیونکہ جونہی کوئی جسم اسے چھو لے گا ... اس

سے پھوار شروع ہو جائے گی۔“  
”ٹھیک ہے ... آپ فکر نہ کریں ... ہم سے تو بے احتیاطی ہو  
گی نہیں ... آپ یہ بتائیں ... ان کی شاخیں خود سے تو ہماری طرف

نہیں بڑھیں گی۔“  
”نہیں! ان میں یہ بات نہیں۔“

ایک بار پھر ان کا سفر شروع ہوا ... اس مرتبہ انہیں بہت آہستہ  
آہستہ آگے بڑھنا پڑا ... وہ ایک لائن میں آگے بڑھ رہے تھے اور  
منور علی خان ان سب سے آگے تھے ... آخر کار یہ مرحلہ بھی خیر و خوبی  
سے طے ہو گیا ... اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا ...

”کیا خیال ہے انکل ... اب تو ہمارے راستے میں کوئی خطرناک

درخت یا پودے نہیں آئیں گے۔“

دھول کی یہ آواز مجھے یہی بات بتا رہی ہے۔“  
”نہن... نہیں۔“

”اور غالباً انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا انہی لوگوں کے قبضے میں ہیں... وہ کس طرح ان کے قابو میں آ گئے... یہ تو مجھے معلوم نہیں... لیکن لگتی ہے یہی بات۔“  
”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”اب درست صورت حال معلوم کرنے کے لیے ہمیں آگے بڑھنا ہوگا... اب ہم اپنی جانوں کی پروا نہیں کریں گے... ان کی جانیں بچانے کے لیے اپنی جانوں پر کھیل جائیں گے... خان رحمان... تم سب میں اسلحہ تقسیم کرو... اب ان کی کمان تمہارے ہاتھوں میں ہے۔“  
”فکر نہ کرو۔“

انہوں نے جلدی جلدی اسلحہ لے لیا... گولہ بارود بھی لے لیا گیا اور پروفیسر داؤد نے اپنی چیزیں جیبوں میں ڈال لیں... اب وہ درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھ رہے تھے... کیونکہ بہتر یہی تھا کہ آدم خوروں کو ان کی آمد کا پتا نہ چل سکے... ایک ایک درخت کر کے وہ آگے سرکتے رہے... ابھی تک تو خود انہیں بھی کوئی نظر نہیں آیا تھا... البتہ دھول کی آواز ضرور نزدیک آتی محسوس ہو رہی تھی اور پھر چہ

”کیا آپ یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ابھی اور کتنا سفر باقی ہے۔“  
”ان کی آواز سن کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے... میں آواز لگا ہوں۔“

منور علی خان نے حلق سے آواز نکالی... فوراً ہی جواب ملا...  
جواب سن کر انہوں نے پر جوش انداز میں کہا۔  
”میرے خیال میں تو اب ہم صرف پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہیں۔“

”بس تو پھر پروفیسر انکل... اتنی ہمت تو کر ہی لیں گے۔“  
”ہاں ہاں! کیوں نہیں۔“

اور وہ پھر چل پڑے... آخر گرتے پڑتے انہوں نے پندرہ منٹ کا یہ سفر بھی طے کر ہی لیا... عین اس وقت انہیں دھول کی دھمک سنائی دینے لگی۔

”ارے باپ رے۔“ منور علی خان نے مارے خوف کے کہا۔  
”گگ... کیا ہوا۔“

”یہ... یہ آدم خور ہیں... جو دھول بجا رہے ہیں اور آج غالباً چاند کی تیرہ تاریخ ہے... تیرہ تاریخ کو یہ لوگ انسانی قربانی دیا کرتے ہیں اور قربانی کے بعد اس کا گوشت کھانے کا جشن منایا کرتے ہیں...“



## گھوڑے سوار

الفاظ ان کی سمجھ میں نہیں آئے تھے... جو بھی وہ الفاظ ختم ہوئے، جنگیوں نے پھر سے اچھلنا کودنا شروع کر دیا تھا... ایک بار پھر جنگل ان کی آوازوں سے گونجنے لگا، ہلنے لگا... کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی... ایسے میں منور علی خان نے کہا۔

”نیچے کھڑے رہ کر ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے... ہمیں درختوں پر چڑھنا ہوگا... چونکہ یہ جنگلی یہاں رہتے ہیں، اس لیے یہ درخت خطرناک نہیں ہو سکتے... ورنہ یہ یہاں رہ بھی نہ پاتے۔“

”یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔“ خان رحمان نے فوراً کہا۔

وہ آس پاس کے درختوں پر چڑھ گئے... ایک ایک آدمی ایک

ایک درخت پر چڑھ گیا تھا... وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے... والا

کار... جنگل، خوب روشن تھا...

منٹ بعد انہیں احساس ہوا کہ آگے کہیں آگ کا بہت بڑا لالہ روشن کیا گیا ہے... کیونکہ شعلوں کی وجہ سے جو روشنی ہو رہی تھی... اس کا اثر دور دور تک محسوس ہو رہا تھا اور یہ اثر ان تک بھی پہنچ رہا تھا... ان کے دل اب زور زور سے دھڑک رہے تھے... اور پھر آگ کے لالہ کا لہجہ والا حصہ انہیں نظر آنے لگا... جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے... آگ نزدیک آتی جا رہی تھی... پھر انسانوں کا ایک بہت بڑا جھوم انہیں اچھلنا کودنا نظر آ گیا... وہ بے تحاشہ اچھل رہے تھے... کود رہے تھے اور کچھ گارے تھے...

”یہ... یہ کیا گارے ہیں انکل۔“

”میں بھی ان کی زبان نہیں جانتا... اندازہ لگا سکتا ہوں... یہ خوش ہو رہے ہیں کہ شکار مل گیا... اور اب مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اس جشن میں ہمارے ساتھیوں کو آگ میں بھون کر کھانے کا جشن منا رہے ہیں۔“

”نن... نہیں۔“ ان کے منہ سے مارے خوف کے لگا۔

پھر یک لخت ڈھول کی آواز رک گئی... اور پورے جنگل میں موت کا سناٹا چھا گیا... عین اس لمحے کوئی بہت خوفناک آواز میں بولا تھا۔

☆☆☆☆☆

انہوں نے دیکھا، تمام جنگی ایک بہت بڑے دائرے کی شکل میں  
اچھل کود رہے تھے اس دائرے کے درمیان میں آگ کا لاؤ روشن تھا  
... اس آگ کے لاؤ کے پاس ایک بہت اونچا چبوترہ تھا ... اس  
چبوترے پر انہیں دو نو جوان لڑکیاں ایک ستون سے بندھی نظر آئیں  
”یہ ... یہ دو لڑکیاں ... وہی تو نہیں ... جہاز والی ...“  
ہوئیں۔“ فرزانہ نے کہا۔

”ہاں! یہ وہی ہیں ... لیکن ابا جان اور انکل نظر نہیں آ رہے۔“  
نہ پائلٹ نظر آ رہے ہیں۔“  
”پتا نہیں کیا چکر ہے۔“

ایسے میں شور یک دم بہت بڑھ گیا ... اور پھر دائرے میں سے  
ایک راستہ بنتا نظر آیا ... پھر دو آدمی زنجیروں سے جکڑے نظر آئے۔  
انہیں لاؤ کی طرف لایا جا رہا تھا ... انہوں نے دیکھا ... وہ دونوں غیر  
ملکی تھے ...

”یہ اس طیارے کے پائلٹ ہیں۔“

”اس کا مطلب ہے ... اب ابا جان اور انکل کو بھی لایا جائے  
گا۔“ محمود کی آواز ابھری۔

ان دونوں کو بھی چبوترے پر لایا گیا ... اور ایک اور ستون سے

باندھ دیا گیا ... ایک بار پھر ان کا تاج شروع ہو گیا ... پھر وہ منٹ تک  
... ہانگوں کی طرح تاپتے رہے ... اس کے بعد ایک بار پھر بے تماشہ  
شور بلند ہوا ... دائرے میں پھر راستہ بنایا گیا ... اور انہوں نے اپنے  
دونوں ساتھیوں کو آتے دیکھا ... انہیں دیکھ کر گویا ان کی جان میں جان  
آئی ... ایسے میں خان رحمان نے کہا۔

”دوستو! تیار ہو جاؤ ... سب سے پہلے ان کے سردار کو نشانہ بنایا  
جائے گا ... سردار کے مارے جاتے ہی یہ لومڑیوں کی طرح بھاگیں  
گے۔“

”ان شاء اللہ۔“

انہوں نے رائفلیں تان لیں ... ادھر انپکٹر جمشید اور انپکٹر  
کامران مرزا کو بھی اب ستون سے باندھا جا رہا تھا ... اس چبوترے پر  
درختوں کے ستون اسی لیے گاڑے گئے تھے ... یہ اس پر اپنا شکار  
باندھتے تھے ... پھر ان سب سے لمبا تڑکا جنگی چبوترے پر چڑھتا نظر  
آیا ... اس کے سر پر پردوں کا ایک خوفناک تاج تھا ... اس نے دونوں  
ہاتھ اٹھا کر جنگیوں کو کوئی اشارہ دیا ... وہ یک دم اچھل کود سے رک  
گئے اور خاموش بھی ہو گئے ... اب جنگی ان کے سامنے گویا تقریر کرنے  
لگے ...



جلدی کہا۔

انہوں نے اللہ کو یاد کیا ... بسم اللہ کہتے ہوئے فائر کھول دیا۔  
سردار اچھل کر چبوترے سے نیچے گرا ... چبوترے کے آس پاس کے  
لوگ بھی اچھل اچھل کر گرے اور کئی تو آگ میں جا گرے ... وہ  
راکتیں بھی بہت خوفناک اور طاقت ور ترین تھیں ... ان کی آوازیں  
بہت ہولناک تھیں ... جنگلیوں پر تو ایسا خوف طاری ہوا کہ سر پر ہتھیار رکھ  
کر گیدڑوں کی طرح بھاگے ... ادھر انہوں نے فائرنگ جاری رکھی اور  
جنگی اچھل اچھل کر گرتے چلے گئے ... ان کی لاشوں پر لاشیں گرتی چلی  
جائیں ... ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ  
دیکھا کہ کس پر کیا گزری ... چند منٹ کے اندر ہی اندر میدان صاف تھا  
... اور ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں ...

”سب کے سب درختوں سے نہیں اتریں گے ... ان لاشوں پر  
نظر رکھنے کے لیے میں اوپر ہی ٹھہروں گا اور پروفیسر صاحب بھی ...  
باقی لوگ نیچے اتر جائیں اور اپنے ساتھیوں کو زنجیروں سے آزاد کر  
دیں ...“ منور علی خان کی آواز گونجی۔

”جی اچھا!“ وہ ایک ساتھ بولے۔  
اور پھر وہ چبوترے کی طرف دوڑ پڑے ... ساتھ ہی وہ چلائے۔

وہ فخریہ انداز میں کچھ کہہ رہا تھا ... اور بہت جوش کے عالم میں  
کہہ رہا تھا ... اس کے ہاتھ میں ایک بھاری بھر کم بھالا تھا ... وہ بار  
بار اس نیزے سے ان چھ قیدیوں کی طرف اشارہ کر رہا تھا ...  
”یہ اپنے بھالے کے ذریعے ان چھ کے چھ کے جسموں کو چھین  
دینے کی بات کر رہا ہے ... کہہ رہا ہے ... پہلے میں ان دونوں لڑکیوں  
کو ان کے سامنے بھالے ماروں گا ... پھر ان چاروں کو ... اس کے  
بعد انہیں آگ پر بھون کر میں اپنا حصہ کھاؤں گا ... باقی تم لوگوں کا ...  
تم میں سے جس کے حصے میں جو آیا ... وہ تمہارا ... میں اس سلسلے میں  
کچھ نہیں کر سکتا ... ہاں جب تک میں اپنا حصہ نہیں کھاؤں گا ... اس  
وقت تک تم لوگ اپنی اپنی جگہ پر رہو گے۔“

سب نے نیزے اور بھالے اٹھا اٹھا کر اور شور مچا مچا کر خوشی کا  
اظہار کیا ... گویا سب کو سردار کی بات پسند آئی تھی۔  
”ہمیں اب اور انتظار نہیں کرنا چاہیے۔“ خان رحمان نے بے  
چین ہو کر کہا۔

”ٹھیک ہے ... بسم اللہ کرو ... میں سردار کو نشانہ بنا رہا ہوں ...  
باقی سب چبوترے کے آس پاس کے لوگوں کو نشانہ بنائیں ... اور غرنہ  
کریں ... ہمارے پاس اسلحہ بہت ہے ...“ منور علی خان نے جلدی

”ہم آرہے ہیں۔۔۔ گھبراہٹ گامت۔“

”ارے نہیں بھی۔۔۔ ہم کیوں لگے گھبرانے۔۔۔ ہاں ان چاروں بے چاروں کا حال ضرور بہت پتلا ہے۔۔۔ اور اس وقت تک ہم لوگ دراصل انہی بے چاروں کے لیے کچھ نہیں کر سکے تھے۔۔۔ اگر صرف ہم دونوں ان کی قید میں ہوتے تو کسی نہ کسی طرح نکل گئے تھے۔“

”اوہ۔۔۔ ان کے منہ سے نکلا۔

مرنے والوں کے ہتھیار چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔۔۔ ان میں کلہاڑے بھی تھے۔۔۔ انہوں نے کلہاڑوں کی مدد سے زنجیریں کاٹ دیں۔۔۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کے گلے سے لگ گئے۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ دونوں پائلٹ اور دونوں ایر ہوٹیس مکمل طور پر بے ہوش تھے۔۔۔

”ان پر پانی ڈالا جائے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

چھینٹے دینے پر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا ہم دوسری دنیا میں ہیں۔“

”جی نہیں۔۔۔ فی الحال آپ اسی دنیا میں ہیں۔۔۔ چاروں طرف

دیکھیے۔۔۔ کتنے جنگلی مرے پڑے ہیں۔۔۔ اللہ کی مہربانی سے ہم محفوظ

رہے ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ لیکن یہ سب کیسے ہوا۔“

”یہ ہمارے ساتھی ہماری مدد کو پہنچ گئے تھے۔۔۔ بس انہوں نے آتے ہی فائرنگ شروع کر دی۔۔۔ اور بزدل جنگلی سر پر بچہ رکھ کر ہمارے نکلے۔“

”مطلب۔۔۔ یہ کہ۔۔۔ ہماری جانیں بچ گئیں۔“ وہ چلائے۔

”ہاں! اللہ کی مہربانی سے۔“

”یقین نہیں آرہا۔“

”وہ بعد میں آتا رہے گا، فی الحال تو ہمیں جنگ کی تیاری کرنی

ہے۔۔۔ کیونکہ جنگی جمع ہو کر پھر ادھر آئیں گے۔“

”اور ہم یہاں رکھیں گے کیوں۔۔۔ ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش

کیوں نہ کریں۔“ خان رحمان نے کہا۔

”خان رحمان! میرے دوست! یہ اتنا آسان نہیں۔“ انسپکٹر

جمشید مسکرائے۔

”کیا مطلب۔۔۔ آسان کیوں نہیں۔۔۔ وہ سیدھے اس طرف

آئیں گے۔۔۔ ہم یہاں سے کئی کترا کر نکل جاتے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک۔۔۔ ہم یہی کریں گے۔۔۔ لیکن ہو گا کیا۔۔۔ یہ سوچا

ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔



”کیا ہوگا۔“ ایک ایر ہوش نے کہا۔  
 ”جنگی ہزاروں ہیں ... وہ پورے جنگل میں ہمیں تلاش کرتے  
 پھریں گے اور آن کی آن میں چاروں طرف پھیل جائیں گے ... ہم  
 کب تک دوڑ سکیں گے۔“  
 ”اوہ ... تب پھر۔“

”ہمیں ان سے جنگ کرنا ہوگی ... انہیں مکمل شکست دینا ہوگی  
 ... یہاں تک کہ سب کے سب جنگی ہتھیار پھینک دیں۔“  
 ”بھلا یہ کیسے ممکن ہے ... یہ کیسے ہو سکے گا۔“  
 ”ہمیں جنگ کی تیاری شروع کر دینی چاہیے ... ہمارے ساتھ  
 جنگ کے ماہرین موجود ہیں ... ہم ان کی کمان میں لڑیں گے ... جو وہ  
 کہیں گے ... ہم وہ کریں گے ... آپ سمجھ گئے۔“  
 ”جی! چاروں نے کہا۔“

”خان رحمان ... منور علی خان ... فوراً حرکت میں آجاؤ ...  
 ہمارے پاس تیاری کے لیے وقت بہت کم ہے۔“ اسپیکر کامران نے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے۔“

اور پھر خان رحمان اور منور علی خان انہیں وہاں سے ایک سمت  
 میں لے آئے ... انہوں نے ان سب کو ایک ایک درخت پر مقرر کر دیا

اب ہر ایک کے پاس ایک رائفل تھی ... تیرے ... نیزے اور بھالے  
 ہی تھے ... تیرے اور بھالے انہوں نے شاخوں میں اس طرح  
 گھونپ دیے کہ ضرورت پڑنے پر ان کو آسانی سے نکال سکیں اور ان  
 کو کام میں لاسکیں۔

خان رحمان نے جلد ہی ان چاروں کو بھی فارنگ کرنا سکھا دیا ...  
 ان حالات میں پختہ نشانے کی تو ضرورت تھی ہی نہیں ... کیونکہ جنگی تو  
 ایک بھیڑ کی شکل میں آنے والے تھے ... ان کی طرف تو بس رائفل کر  
 کے ٹریگر ہی دہانا تھا ... دیے پائلٹ اور ایر ہوش کسی حد تک فارنگ  
 کرنا جانتے تھے ... موت کے منہ سے نکل آنے پر وہ یوں بھی بہت  
 خوش تھے اور پر جوش بھی ...

”ہم لوگ اس وقت ایسی جگہ پر ہیں کہ جنگی اس طرف نہیں  
 آئیں گے ... بلکہ وہ سیدھے اس طرف جائیں گے جس طرف سے ہم  
 آئے ہیں ... ہم نہایت خاموشی سے درختوں پر دبکے رہیں گے ...  
 یہاں تک کہ وہ تلاش کر کے تھک ہار کر واپس آجائیں گے اور جب وہ  
 واپس آجائیں گے تو بے تحاشہ تھکے ہوئے ہوں گے اور اپنے جھوپڑوں  
 میں بے دم ہو کر گر پڑیں گے ... پھر صبح ہونے پر ہماری تلاش میں لگیں  
 گے ... اگر ہم نے جنگل سے نکلنے کی کوشش کی تو وہ ہم تک پہنچ جائیں

کے ... کیونکہ وہ اس جنگل میں رہنے کے ماہر ہیں ... ہم نہیں ... اس لیے میں نے سوچا ہے ... ہم ان پر شب خون ماریں گے اور اس کی ترکیب انوکھی ہوگی۔ ”منور علی خان کہتے چلے گئے۔

”کیا مطلب انکل؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

”یہ لوگ کئی گھنٹے تک اچھلے کودے ہیں ... پھر ہماری تلاش نے انہیں اور زیادہ تھکا دیا ہے ... اس لیے یہ بے سدد ہو کر سو جائیں گے ... یہ خیال کر کے کہ یہ ہمیں صبح اٹھ کر پکڑ لیں گے ... ہم بھاگ کر جائیں گے کہاں ... وہ یہ اطمینان لے کر سو جائیں گے ... بس ہم نیچے اتر کر ان کے ہتھیار سمیٹ لیں گے۔“

”کیا !!!“ مارے حیرت اور خوف کے ان چاروں کے منہ سے نکلا۔

”ہمیں یہ کام رات بھر کرنا ہوگا ... اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ...“

”منور علی خان ٹھیک کہہ رہے ہیں ... ہم ان شاء اللہ یہ کام کر لیں گے ... اس طرح جنگلی نہتے رہ جائیں گے ... اس وقت منور علی خان ان سے بات چیت کریں گے ... اگر یہ لوگ نہ مانے تو ہم انہیں اڑا کر رکھ دیں گے۔“

”ماننے سے آپ کی کیا مراد ... یہ آدم خور ہیں۔“

”لیکن پھر بھی ہیں انسان ... اگر یہ تو پہ کر لیں ... تو انہیں چھوڑا جاسکتا ہے۔“

”اس طرح یہ دھوکا دے سکتے ہیں۔“

”ہاں! اس بات کا امکان ہے ... لیکن ہم ان کے ہتھیار ایسی ہڈی گرائیں گے، یہ ان کو پھر حاصل نہیں کر سکیں گے۔“

”ٹھیک ہے ... ایسا کر لیتے ہیں۔“

اور پھر وہ ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے ... آخر نصف رات کے وقت ان کی واپسی شروع ہوئی ... وہ درختوں کی اوٹ لے لے کر بہت احتیاط سے آگے آرہے تھے ... گویا ان کی طرف سے وہ بہت خوف زدہ تھے ... اور چوری چھپے آرہے تھے ... اس خیال کے تحت کہ ”لوگ ان کی تاک میں ہوں گے ... اور پھر ان کی ایک بڑی تعداد چہرے کے آس پاس جمع ہوگئی ... اس تعداد میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا ... انہوں نے ان لوگوں کو ہر طرف تلاش کیا ... آخر تھک ہار کر اپنے غیموں کا رخ کیا ... اس وقت تک وہ درختوں پر دبکے رہے تھے ... جنگلیوں نے آوازیں نکال نکال کر اپنے ساتھیوں کو بھی پیغام دے دیا تھا کہ واپس آسکتے ہیں ... اب یہاں کوئی خطرہ نہیں رہ گیا ... اس طرح



”ہاں! یہ مسئلہ ہے... گیس اسپرے کی صورت میں خارج ہو گی... اور ان کے نزدیک جا کر اسپرے کرنا ہو گا۔“

”جب ہم یہ مصیبت کیوں مول لیں... بس اسپرے مشین تیار رہیں... جہاں کوئی جاگتا نظر آئے... اسی پر اسپرے کر دیں... ہم میں ایک دو تو یوں بھی رائفلیں تائیں تیار کھڑے ہوں گے... خطرے کی صورت میں... فائرنگ کر سکتے ہیں۔“

”بس ٹھیک ہے...“ انسپکٹر جمشید نے گویا منظوری دی۔

اور پھر وہ سب اس کام میں جٹ گئے... خان رحمان گمن سنبالے چوکس کھڑے ہو گئے... اور انہوں نے ایک ترتیب سے خیموں کی صفائی شروع کر دی... نزدیک ہی ایک کنواں نما کھائی تھی... اس کھائی میں دراصل انسانی ہڈیاں پھینکی جاتی تھیں... آج وہ کھائی ان کا اسلحہ پھینکنے کے کام آرہی تھی... وہ اس بات پر مسکرا بھی رہے تھے... کھائی سے ناقابل برداشت بدبو آرہی تھی لیکن وہ مجبور تھے... کوئی دور دراز کھائی تلاش کرتے تو اس میں پھینکنے میں زیادہ وقت لگتا... لہذا انہوں نے بدبو برداشت کرنا منظور کیا... اسلحہ پھینکنے کے لیے دور جانے کی صورت میں وہ وقت پر اپنا کام مکمل نہ کر پاتے...

رات گئے تک ان کی کمانڈ جاری رہی اور آتے ہی وہ جھوپڑوں کا رخ کرتے رہے اور گر گر کر خیمہ کی وادی میں جاتے رہے... ان کی وادی کا یہ عمل رات کے تیسرے پہر تک جاری رہا... آخر آمد کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا...

”اب ہمارے پاس بہت کم وقت بچا ہے... کیا ہم اتنے کم وقت میں ان بے شمار لوگوں کا اسلحہ جمع کر لیں گے اور اسے کسی کھائی میں پھینک سکیں گے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”وقت واقعی کم رہ گیا... اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ یہ لوگ کون سا صبح سویرے جاگ جائیں گے... یہ تو دن چڑھے تک سوتے رہیں گے... اس طرح امید ہے... ہم کام مکمل کر لیں گے... دوسرے یہ کہ پروفیسر صاحب کوئی کام دکھا سکتے ہیں... ان کی فینڈ کو لبا کرنے کے لیے ان کے پاس کچھ چیزیں ضرور ہو سکتی ہیں۔“

”اوہ ہاں! میں ایسا کر سکتا ہوں۔“

”بس تو پھر پہلے آپ یہ کام کر لیں... آئیے ہمارے ساتھ...“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”لیکن ابا جان! انکل اتنے بہت سے لوگوں تک اپنی دوا کس طرح پہنچا سکیں گے... ظاہر ہے... وہ دوا گیس کی صورت میں ہو

”فرزانہ ٹھیک کہتی ہے... فوری طور پر درختوں کی اوٹ لے لی جائے... بلکہ اس جگہ سے جس قدر دور ہو کر درختوں کی اوٹ لیں، بہتر ہوگا... اس جگہ تو ہمیں آسانی سے گھیرے میں لیا جاسکتا ہے۔“ انسپکٹر امران مرزا نے کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“ انسپکٹر جمشید نے ان کی تائید کی۔

اور پھر وہ اپنا اسلحہ لیے اس جگہ سے دور ہٹتے چلے گئے... یہاں

تک کہ چہوڑا ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

”آواز اب اور زیادہ صاف ہو گئی ہے... اب میں یہ بات

بین سے کہہ سکتی ہوں کہ آواز جھونپڑوں کے عقبی سمت سے آرہی ہے

... جب کہ پہلے میں یہ سمجھی تھی کہ آواز اس سمت سے آرہی ہے...

جس طرف سے ہم یہاں پہنچے تھے۔“

”ہاں! اب تو خیر میں بھی یہ آواز سن رہی ہوں۔“ فرحت نے

کہا۔

”اور میں بھی۔“ شوکی نے سر ہلایا۔

”اور یہ لوگ کتنی تعداد میں ہوں گے بھلا۔“

”کم از کم پچاس۔“

”کوئی پروا نہیں... ہم اتنی تعداد سے نبٹ لیں گے۔“

”وہ مسلسل حرکت کرتے رہے... یہاں تک کہ صبح ہو گئی... انہوں نے نماز ادا کی... جنگیوں میں ابھی جاگنے کے کوئی آثار نہیں تھے نماز کے بعد انہوں نے پھر سے اپنا کام شروع کر دیا... جنگی سہ فرسوتے رہے... اور ان کا اسلحہ کھائی میں ختم ہوتا رہا... آخر وہ اپنے قریب وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے... اور ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ انہوں نے فرزانہ کی خوف میں ڈوبی آواز سنی...

”ارے باپ رے... گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز۔“

”گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز۔“ ان سب کے منہ سے ایک

ساتھ نکلا۔

”ہاں! میں آواز صاف سن رہی ہوں... آواز اسی طرف آرہی

ہے... یوں لگتا ہے... جیسے بے شمار لوگ گھوڑوں پر سوار ادھر آ رہے

ہیں۔“

”تمہارے کانوں کو وہم ہوا ہوگا... یہاں گھوڑے اور گھوڑے

سوار کہاں... یہاں تو بس یہ جنگلی آباد ہیں۔“ آصف نے برا ساند

بنایا۔

”جو بات میں نے محسوس کی بتا دی... اگر یہ میرا وہم ہے تو بھی

ہوشیار ہو جانے میں کیا حرج ہے۔“



سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں۔

ان جنگیوں کے ہمدرد، ان کے ساتھی۔

یہاں بھلا ان کے ہمدرد کہاں سے آگئے۔

یہ تو مجھے معلوم نہیں ... لیکن ... لگتا ہے ... اس جنگ میں کوئی اور بھی چکر چل رہا ہے ... کالا جنگل کا نام ہم نے شروع میں ہی سن لیا تھا ... پھر ہم پہلے بھی اس جنگل کے قریب سمندر میں واقع اس جزیرے تک آئے تھے ... اس جزیرے کا ... اور اس جنگل کا آپس میں کوئی گہرا تعلق ہے ... جنگیوں پر حملے کے جواب میں ہی یہ لوگ آرہے ہیں ... تاکہ ہمارا صفایا کیا جاسکے ... اس کا مطلب ہے ... کچھ جنگلی انہیں بلا کر لائے ہیں ... اور ظاہر ہے ان لوگوں نے ان جنگیوں کو یہ ہدایات دے رکھی ہوں گی کہ کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے تو ہمیں بلا لینا۔

تب تو خطرہ ہمارے سر پر آپہنچا۔

خطرات سے ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم۔

انہوں نے خود کو پوری طرح درختوں کے پیچھے چھپا لیا۔

میرا خیال ہے ... ہم میں سے ہر ایک کو درخت کے اوپر ہونا

پا ہے۔

تو ہم سبھی درختوں پر کیوں نہ چڑ جائیں ... اس طرح ہم

آسانی سے دشمنوں کا نشانہ لے سکیں گے ... اور وہ ہمیں نہیں دیکھ سکیں

گے۔

میرے خیال میں یہی مناسب رہے گا۔

اب وہ ساتھ ساتھ واقع درختوں پر چڑھ گئے ... یہ درخت تھے

بھی خوب گھنے ... وہ ان کے پتوں میں پوری طرح چھپ گئے ...

جب تک میں فائر نہ کروں ... کوئی فائرنگ نہیں کرے گا۔

خان رحمان نے انہیں ہدایت دی۔

اچھی بات ہے کمانڈر صاحب۔

گھوڑوں کی آواز اب بالکل صاف سنائی دے رہی تھی اور وہ

اپنے دلوں میں دھڑکنیں محسوس کر رہے تھے، کیونکہ حالات غیر یقینی تھے

... کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کیا صورت حال پیش آنے والی ہے ... آخر

جنگ گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونجنے لگا ... اب جنگلی بھی جلدی جلدی

اٹھنے لگے ... جو ہوش میں آتا تھا ... اپنا نیزہ یا بھالا اٹھاتا چاہتا تھا اور

غائب پا کر حیرت زدہ رہ جاتا تھا ... فوراً ہی ان سب کو یہ بات معلوم

”تم لوگ فکر نہ کرو... اب ہم ان لوگوں کو دیکھ لیں گے... یہ  
تو... وہ کس طرف گئے ہیں۔“  
اس کی انگریزی کے جواب میں اس جنگلی نے اپنے ساتھیوں سے  
اپنی زبان میں کچھ کہنا شروع کیا... منور علی خان انہیں بتانے لگے۔  
”جنگلی انگریزی بات کا ترجمہ کر رہا ہے... ادھر اس کے ساتھی  
اسے بتا رہے ہیں کہ ان سب کے تیر، نیزے اور بھالے غائب ہیں  
... اب یہ بات وہ جنگلی گھوڑے سواروں کے سردار کو بتا رہا ہے... ان  
سب کی آنکھوں میں حیرت بڑھ رہی ہے... بلکہ اب وہ کسی قدر  
پریشان بھی ہو گئے ہیں۔“

”خان رحمان... یہ تعداد میں کتنے ہوں گے۔“  
”پچاس سے زیادہ تو یہ نہیں ہیں... لیکن ان کے پاس بالکل نئی  
قسم کی رائفلیں ہیں۔“  
”درختوں پر ہونے کی صورت میں کیا ہم ان کا مقابلہ کر سکیں  
گے۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“  
”بس تو پھر... اگر یہ ہماری طرف آئے تو ہم انہیں دیکھ لیں  
گے ان شاء اللہ۔“ خان رحمان نے پر جوش انداز میں کہا۔

ہو گئی کہ ان کا سارا اہلہ غائب ہے... اب وہ سب ہی طرف پانچوں  
نظر آ رہے تھے... اور بار بار اس سمت میں دیکھ رہے تھے... جس  
طرف سے گھوڑے آ رہے تھے...

پھر گھوڑے سوار دستہ انہیں نظر آنے لگا... وہ پوری رفتار سے  
گھوڑے دوڑا رہے تھے... دیکھتے ہی دیکھتے... وہ چھوڑے کے پاس  
آ گئے... الاؤ اب صرف کونکوں کی شکل میں رہ گیا تھا... ایک گھوڑے  
پر ایک جنگلی بھی نظر آیا... گویا وہ انہیں بلا کر لایا تھا... نزدیک آنے  
ہی اس نے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں سے  
کچھ کہنے لگا...

”یہ کیا کہہ رہا ہے انکل۔“ فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں  
کہا۔

”یہ کہہ رہا ہے... ہمارے مددگار آ گئے ہیں... اب ہم اپنے  
دشمنوں کی لاشوں کو بھون کر کھائیں گے۔“  
”ارے باپ رے۔“ مکھن کانپ گیا۔

”سنو سنو...“ منور علی خان نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ  
کیا... کیونکہ اسی وقت اگلا گھوڑے سوار پکارا تھا... وہ انگریزی میں  
کہہ رہا تھا...



نے کہا۔

ادھر ان میں بات چیت جاری تھی ... آخر گھوڑے سوار سوار

”میرا خیال ہے ... وہ لوگ چلے گئے ہیں ... اب انہیں جنگل میں تلاش کرنا ہو گا ... آؤ ساتھیوں ... پہلے اس سمت میں چلیں۔“ اس نے اس سمت میں اشارہ کیا جس طرف سے وہ آئے تھے۔ انہوں نے جنگلیوں کو وہیں چھوڑا اور گھوڑے دوڑاتے چلے گئے ... دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

”ہمیں تو یہ خیر تلاش نہیں کر سکیں گے ... سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔“

”کرنا کیا ہے ... اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے ... ہم اس طرف جائیں گے جس طرف سے یہ گھوڑے سوار دستہ آیا ہے۔ اور ان لوگوں سے کئی مسکتر اکر نکل جائیں گے ... تاکہ یہ لوگ ان گھوڑے سواروں کو بتانے کے قابل بھی نہ ہوں کہ ہم کس طرف گئے ہیں۔“ خان رحمان نے کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“ انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

اب وہ درختوں سے نیچے اتر آئے تھے اور وہاں سے اور پیچھے ہٹے ہوئے جھونپڑوں کی قطاروں کے عقب میں پہنچ گئے ... یہ جھونپڑے

چھوڑے سے کافی دور واقع تھے ... تاہم چھوڑے سے صاف نظر آرہے تھے ... وہ دبے پاؤں اور درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے وہاں سے نکلتے چلے گئے ... یہاں تک کہ چھوڑہ دکھائی دینا بند ہو گیا ... ایسے میں

فرزادہ کے منہ سے خوف کے عالم میں نکلا۔

”میرا خیال ہے ... ہمیں رک جانا چاہیے ... اور مقابلے کی تیاری شروع کر دینی چاہیے۔“

”تک ... کیا مطلب۔“

”ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش ہو رہی ہے ... جو ہم سمجھ رہے تھے ... ویسا نہیں ہے۔“

”کیا مطلب ... ہم کیا سمجھ رہے تھے۔“

”یہ کہ انہوں نے ہمیں درختوں پر دیکھا نہیں تھا ... دراصل انہوں نے دیکھ لیا تھا، لیکن یہ بات انہوں نے ظاہر نہیں کی تھی ... اور ہماری تلاش کا بہانہ بنا کر وہاں سے چلے گئے تھے ... اب وہ ہمیں گھیرنے کے چکر میں ہیں۔“

”یہی بات ہے ... ہم سے غلطی ہوئی ... ہم انہیں اسی وقت نشانہ بنا سکتے تھے، لیکن خیر کوئی بات نہیں۔“

”ویسے ابا جان! میرا خیال ہے کہ یہ پچاس نہیں ہیں ... دوسرے

چاروں طرف سے نہیں گھیرا ... صرف تین طرف سے گھیرا ہے ... اور ابھی ایک سمت بالکل محفوظ ہے ... ہم نہایت آسانی سے اس سمت سے نکل سکتے ہیں ... ان کا آسانی سے سامنا کر سکتے ہیں ... یہ اور بات ہے کہ دوسو آدمیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

”وہ بعد کی بات ہے ... پہلے تو ہم ان کے گھیرے سے نکلنے کی کوشش کریں گے ... تم نیچے آ جاؤ۔“

”جی اچھا۔“

فاروق نیچے اتر آیا ... اس نے اس سمت میں اشارہ کیا جس طرف جانا تھا ... وہ درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے اس طرف چلے ... ایسے میں گھوڑے سوار کی طرف سے کہا گیا۔

”تم لوگوں نے جواب نہیں دیا ... ہم صرف ایک منٹ انتظار کریں گے ... اگر تم لوگوں نے ہتھیار نہ پھینکے تو پھر ہم فائر کھول دیں گے اور اس صورت میں تم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔“

انسپکٹر جمشید نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اب انہوں نے تیزی سے قدم اٹھانے شروع کیے ... ساتھ میں وہ یہ بھی دیکھتے جا رہے تھے کہ گھوڑے سوار اپنی جگہ پر موجود ہیں یا حرکت کرنے لگے ہیں ... وہ جوں کے توں موجود تھے ... شاید پہلے وہ چوٹی سے

کے قریب ہیں ... گویا دوسو آدمی ہمیں گھیرنے کی فکر میں ہیں، یہ لوگ اس جنگل کے چپے چپے سے واقف ہیں ... جب کہ ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ... ان حالات میں ہمیں اپنا بچاؤ کرنا ہے۔“

”اللہ مالک ہے۔“

اچانک ایک تیز آواز گونجی...

”تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے ... اب تم جس طرف چاہو بڑھو ... رائفلیں تمہارا سامنا کریں گی ... اور گولیاں تمہیں چٹ کر جائیں گی ... تم لوگوں کے حق میں بہتر یہ ہے کہ اپنے ہتھیار گرا دو ... اور ہاتھ اوپر اٹھا کر سامنے آ جاؤ۔“

”خاموش ... کوئی کچھ نہ بولے ... یہ جھانسنے دے رہے ہیں ... ابھی ہم ان کے گھیرے میں مکمل طور پر نہیں آئے ... فاروق فوراً سامنے والے درخت پر چڑھ کر ان کی پوزیشن بتاؤ ... بس ایک منٹ سے زیادہ نہ لگانا۔“ انسپکٹر جمشید نے دہی آواز میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے فاروق بندروں کی پھرتی سے درخت پر چڑھ رہا تھا ... دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت کی چوٹی پر نظر آیا ... اس نے چاروں طرف کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

”آپ کا یہ اندازہ درست ہے ابا جان کہ ابھی انہوں نے ہمیں



سے انہیں گھیرنے کے چکر میں تھے ... اور اپنی باتوں میں الجھا کر چاہتے تھے، یہ وہیں کھڑے رہیں ... گھیرا مکمل ہونے پر وہ ضرور فائرنگ شروع کرنے والے تھے ... اور انہیں اس وقت سے پہلے پہل وہاں سے آگے نکل جانا تھا ... اس طرح وہ چلتے رہے ... آخر قادیان نے کہا۔

”میرے اندازے کے مطابق، ہم ان کے گھیرے میں آنے سے بچ گئے ہیں ... اور نکل آئے ہیں ... اب الٹا ہم پوزیشن لے سکتے ہیں اور اپنی طرف آنے والوں کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔“

انہوں نے اپنے رخ تبدیل کر لیے ... درختوں کی اوٹ لے لی ... اپنے ہتھیار سنبھال لیے ... انہیں سامنے کی طرف تان لیا ... کیونکہ اب دشمن ان کی زد میں آنے والا تھا ... اس وقت تک دونوں پانکوں اور دونوں ایر ہوسٹسوں کی وجہ سے انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی ... وہ چاروں بہت سمجھ دار تھے، درختوں پر چڑھنا اور اترنا جانتے تھے ... کیونکہ فضائی حادثے کی صورت میں کسی بھی قسم کے حالات پیش آسکتے تھے ... اس لیے انہیں ہر طرح کی تربیت دی گئی تھی ... یہاں تک کہ وہ رائفلس چلا سکتے تھے ... اور یہ چاروں بزدل قسم کے لوگ بھی نہیں تھے ... بلکہ جب سے جنگیوں کے چنگل سے بچ نکلے تھے، وہ بہت زیادہ

خوش تھے اور ان سب کے گرویدہ ہو گئے تھے ... اب ان چاروں کے نزدیک یہ سب لوگ حیرت انگیز تھے ... دلیر تھے ... بہادر تھے اور نہ جانے کیا کچھ تھے ... لہذا ان کے ساتھ ساتھ وہ آسانی سے چل رہے تھے اور اب وہ بھی پوزیشن لیے تیار کھڑے تھے ...

”جونہی میں فائر کروں ... سب لوگ نشانہ لے کر فائر کریں ... اور جتنے لوگ زد میں ہوں ... سب کے سب پر فائر کیا جائے۔“ خان رحمان نے ہدایات دیں۔

”کیا اس طرح ہم باقی سب کو بھی ادھر متوجہ نہیں کر لیں گے ...“ شوکی کی آواز سنائی دی۔

”جب پھر شوکی ... تم ہی بتاؤ ... ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”اس جگہ سے مزید آگے بڑھ جاتے ہیں ... یہ لوگ گھیرا مکمل کرنے کے بعد گھیرے کو تنگ کرنا شروع کریں گے اور بلا کھٹکے آگے نہیں بڑھیں گے ... اس طرح انہیں کافی وقت لگ جائے گا ... کیونکہ اپنے خیال کے مطابق ہم ان کے دائرے میں ہوں گے ... جب کہ ہم دائرے سے باہر ہوں گے اور کافی دور جاسکیں گے ... اس وقت ہم صورت حال کے مطابق عمل کر سکیں گے۔“

شوکی کی تجویز نے سنانا طاری کر دیا ... آخر خان رحمان نے کہا۔

## غائب

انہوں نے دیکھا ... وہ جنگل کے کنارے پر پہنچ گئے تھے ... اور  
اس جگہ بہت گہرائی میں سمندر تھا ... نیچے دیکھنے سے خوف محسوس ہوتا تھا  
... وہ کافی دیر تک جھک کر سمندر کا جائزہ لیتے رہے ... آخر اسپر  
کاہران مرزا نے کہا۔  
"اس طرف کہیں نیچے جانے کا راستہ موجود ہے ... لیکن ... وہ  
کہتے کہتے رک گئے۔

"لیکن کیا اکل ... لیکن کہہ کر رک جانا ... آپ کی نہیں ... ہم  
میں سے کسی کی عادت ہے۔" شوکی نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں واقعی ... میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم اس طرف سے  
جنگل کے کنارے کنارے چلنا شروع کریں تو اس جگہ پہنچ جائیں گے  
جہاں سے ہم جنگل میں داخل ہوئے تھے اور وہاں ہماری لالچ موجود  
ہے ... ہم اس لالچ کے ذریعے ان چاروں کو ان کے ملک بھیجے گا

"واقعی ... ان حالات میں بہتر یہی رہے گا ... بہت خوب شوکی  
بہت خوب۔"

"شکریہ اکل شکریہ!" اس نے بھی انہی کے انداز میں کہا۔  
اور پھر وہ وہاں سے آگے روانہ ہو گئے ... اب ان کے قدم  
نہایت تیزی سے اٹھ رہے تھے ... کیونکہ دشمن اب پیچھے رہ گیا تھا ...  
اور لمحہ بہ لمحہ ان سے دور ہو رہا تھا ... ادھر ان کا رخ اب اس سمت  
میں ہو گیا تھا ... یعنی جھوپڑوں کے عقب میں ... وہ اس سیدھ میں  
آگے بڑھ رہے تھے ... گویا ان کی کمر کی طرف جھوپڑے تھے ... اور  
ان کے منہ اس سمت میں تھے ... جس طرف سے گھوڑے سوار آئے  
تھے ... ہر لمحے وہ اپنی رفتار بڑھاتے چلے گئے ... اور آخر ایک جگہ پہنچ  
کر انہیں رک جانا پڑا ... اس وقت انہوں نے ایک حیرت ناک منظر  
دیکھا ...

☆☆☆☆☆



رہے اور بغیر کسی رکاوٹ کے ان کا سفر جاری رہا... آخر کار وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے جنگل میں داخل ہوئے تھے... مارے جھگن کے اس وقت تک وہ چور چور ہو چکے تھے... لیکن لالچ کو اپنی جگہ دیکھ کر ان کی جان میں جان میں آگئی... اب تو سب لالچ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

جلدی وہ لالچ میں سفر کر رہے تھے... ان کے چہروں پر خوشی تھی... اطمینان تھا... ایک بار پھر وہ موت کے منہ سے نکل آئے تھے... اور بال بال بچے تھے۔

آخر پندرہ دن کے تھکا دینے والے اس سفر کے بعد وہ برتائی پہنچ گئے... سلطان برتائی نے ان کا زبردست استقبال کیا...

”سب سے پہلے ان چاروں کے لیے انتظام کریں... لیکن اس سے پہلے ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے... یہ تاریخی سفر انہیں یاد رہے گا اور ہمیں بھی۔“

”بالکل یہی بات ہے... ویسے آپ لوگ بہت حیرت انگیز ہیں... آپ ہمیں ہمیشہ یاد رہیں گے۔“

”شکریہ! یہ سب اللہ کی مہربانی ہے۔“

”ہم اس دوران... جب کہ انتہائی مشکل حالات تھے... آپ

”بات معقول ہے... اس وقت تک یہ چاروں اگرچہ ہمارے لیے الجھن کا سبب نہیں بنے، لیکن... پھر بھی یہ ہمارے ساتھ کہاں کہاں مارے مارے پھریں گے... ہمیں انہیں ان کے گھر پہنچانے کا انتظام تو کرنا ہی ہو گا... اس کے بعد ہم پھر یہیں آئیں گے... اور دیکھیں گے کہ یہاں سے ہمارا سفر اپنی اصل مہم کے لیے شروع ہو سکتا ہے یا نہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

”بھئی کامران مرزا... تم بھول رہے ہو۔“ انسپکٹر ہمیشہ مسکرائے۔

”اور میں کیا بھول رہا ہوں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ کہ ہم اپنے ملک سے ہٹائے جانے کے لیے روانہ ہوئے تھے... لیکن اس سے پہلے ہی ہمارے خصوصی طیارے کو اڑا دیا گیا تھا... یہ چاروں اسی طیارے کے ساتھی تو ہیں۔“

”دھت تیرے کی... خیر پہلے ہٹائی... پھر کوئی دوسرا کام۔“

”بس تو پھر کنارے کنارے چلتے ہیں۔“

انہوں نے کنارے کنارے چلنا شروع کیا... چلتے رہے... چلتے

حنائی اور پورٹ پر انہیں لینے کے لیے انتظامیہ کی طرف سے ہاتھ گاڑیاں بھیجی گئی تھیں... ان کے ساتھ حفاظتی دستہ بھی تھا... اس کی حفاظت میں وہ حنائی محل کی طرف روانہ ہوئے... جہاں تمام اسلامی ملکوں کا اجلاس ہونے والا تھا...

رات نصف گھنٹے میں طے ہوا... آخر گاڑیاں رک گئیں... فوج کے چند بڑے آفیسرز نے ان کا استقبال کیا اور انہیں کشاں کشاں ایک پر تکلف کمرے میں لے آئے...

”آپ دونوں حضرات کچھ دیر آرام کریں... اس وقت تک تقریباً تمام مہمان آچکے ہیں... بس آپ ہی لیٹ ہوئے ہیں... اور سب مہمان آپ ہی کے انتظار میں کافی ناراض ہیں... آپ کو ان سب کی ناراضی بھی دور کرنی ہے۔“ ایک آفیسر نے کہا۔

”تو کیا آپ لوگوں کو حالات معلوم نہیں؟“ انپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

”جی... کیسے حالات؟“

”یہ کہ ہم کیوں لیٹ ہوئے ہیں۔“

”نہیں... یہاں کسی کو کچھ معلوم نہیں... آپ کی حکومت سے صرف اتنا پیغام ملا تھا کہ آپ روانہ ہو گئے ہیں... اس کے بعد حکومت

لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھتے رہے... اس سے بھی ہمارے دلوں پر بہت اثر ہوا ہے... ہم اپنے وطن جا کر اسلام کا مطالعہ کریں گے... یہ ہمارا آپ سے وعدہ ہے۔“

”اللہ آپ کی مدد فرمائے۔“ پروفیسر داؤد نے جذباتی انداز میں کہا۔

سب نے ان کے ساتھ ایک پر تکلف دعوت اڑائی... دوسرے دن ان کے کاغذات تیار ہو گئے اور انہوں نے انہیں الوداع کہا... وہ گاڑی میں بیٹھ کر اور پورٹ کی طرف روانہ ہونے لگے تو انہوں نے ایک دوسرے کے لیے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلائے... تو ان چاروں کی آنکھوں میں آنسو آگئے... اور پھر کار روانہ ہو گئی... وہ دیر تک ہاتھ ہلاتے رہے... اسی روز انہوں نے حنائی کا پروگرام بتا لیا... باقی لوگوں کے لیے فیصلہ کیا گیا کہ برنائی میں ٹھہریں گے... وہ حنائی سے فارغ ہو کر سیدھے ادھر آئیں گے پھر جنگل میں اس جگہ جائیں گے جہاں سے انہوں نے واپسی اختیار کی تھی... اسی شام انپکٹر جمشید اور انپکٹر کامران مرزا نے باقی ساتھیوں کو الوداع کہا... اور ان کا جہاز حنائی کی طرف روانہ ہوا... وہاں کی انتظامیہ سے پہلے ہی بات کر لی گئی تھی...



کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی ...  
”یہ ... یہ کیسے ممکن ہے ...“ مارے حیرت کے اسیکڑ کاہن

مرزا نے کہا۔

”یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے ... لیکن ایسا ہوا ہے ...  
البتہ اب جب آپ برتائی سے روانہ ہوئے ہیں تو ہمیں تو صدر بہائی  
نے آپ کے بارے میں یہ اطلاع دی ہے کہ آپ دونوں ان کے ملک  
اس طرف کے لیے روانہ ہو رہے ہیں ... اور یہ کہ آپ کو ان کا  
خصوصی طیارہ لا رہا ہے ... یہ ہے وہ آخری اطلاع جو آپ کی آمد کے  
بارے میں ہمیں ملی۔“

”حیرت ہے ... کمال ہے ... خیر ... اس بارے میں ہم اپنے  
صدر صاحب سے بات کرتے ہیں ... وہ وضاحت کریں گے ... آپ  
یہ فرمائیں ... ہمارے پاس آرام کرنے کے لیے کتنا وقت ہے۔“

”آج شام پانچ بجے تمام مہمانوں کو ایک ساتھ متعارف کرایا جا  
رہا ہے ... وہیں آپ اپنے دیر سے پہنچنے کی وضاحت کریں گے ... اس  
کے بعد آپ لوگوں کو کیا کرنا ہے ... یہ آپ خود طے کریں گے۔“

”پہلے تو ہمیں یہ بتایا جانا چاہیے کہ اس اجلاس کا مقصد کیا ہے  
... کیونکہ ہمارے ملک میں ہم سے صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ہمیں ہنسی

پہننا ہے۔“  
”ہاں! ہمارے ملک کے صدر وضاحت کریں گے ... اس  
اجلاس میں افتتاحی تقریر انہی کی ہوگی۔“

”اچھی بات ہے ... ہم گویا پانچ بجے سے چند منٹ پہلے تک  
ہائل فارغ ہیں۔“

”جی ہاں!“

”ٹھیک ہے، ہم وقت پر تیار ملیں گے۔“

”شکریہ!“

وہ کمرے سے نکل گئے ... دروازہ خود بخود بند ہو گیا ... اب

اسکڑ جشید نے صدر صاحب کے نمبر ملائے ... فوراً ہی ان کی آواز  
سنائی دی۔

”السلام علیکم جشید۔“

”الحمد للہ! ہم ہنسی پہنچ گئے ہیں اور اس وقت صدر کے مہمان

خانے میں ہیں ... لیکن یہاں آکر حیرت انگیز ترین بات یہ سننے میں

آئی ہے کہ ان لوگوں کو یہ بات معلوم ہی نہیں کہ ہم کیوں لیٹ ہوئے

ہیں۔“

”ہاں جشید! ہم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو ابھی ہمیں

## غائب کرنے والے

”چلیں ٹھیک ہے سر! ہم خود ہی ان لوگوں کو یہ کہانی سنا دیں

گے۔“

پھر دونوں نے تھوڑی دیر آرام کیا پھر اجلاس میں شرکت کے لیے تیار ہونے لگے۔۔۔ جب میزبان انہیں بلانے کے لیے آئے تو وہ بالکل تیار تھے۔۔۔ ان کے آتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ یہ دیکھ کر میزبانوں کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔۔۔

”خیر تو ہے۔“

”آپ۔۔۔ آپ تو بالکل تیار ہیں۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”کیوں۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ کیا ہمیں تیار نہیں ملنا چاہیے تھا۔“

”میرا مطلب ہے۔۔۔ ہمیں تو مہمانوں کو بلانے کے لیے کئی کئی

بار جانا پڑتا ہے۔۔۔ اور کئی بار یہ سننا پڑتا ہے کہ بس ابھی تیار ہوتے

ہیں۔۔۔ کانفرنس روم میں ابھی تک کوئی بھی نہیں پہنچ پایا۔۔۔ ہم بھی اپنے

پوری بات نہیں بتانی چاہیے، جب تم آ جاؤ گے تو تم خود ہی مناسب کہہ گے تو بتا دو گے اس لیے ان لوگوں کو اطلاع نہیں دی۔“

”اوہ۔“ انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆☆☆



خیال میں آپ کو ہوشیار کرنے کے لیے آئے تھے کہ تیار ہو جائیں۔  
 "ہمیں آپ نے بتایا تھا کہ پانچ بجے تیار رہیے گا ... سو ہم تیار ہو گئے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"تب پھر ... اب کیا کرنا ہے۔"

"کرنا کیا ہے ... چلیے آپ ہمیں کانفرنس روم میں لے چلیے۔"

"لیکن ابھی وہاں کوئی نہیں پہنچا۔"

"تو کیا ہوا ... ہمارا تو فرض ہے نا کہ وقت پر وہاں موجود ہوں ... چلیے۔"

وہ پریشان پریشان سے انہیں ہال میں لے آئے اور ان کی رہنمائی ان کی کرسیوں تک کی ... تمام مہمانوں کی کرسیوں کے سامنے میز پر ان کے ناموں کی تختیاں لگائی گئی تھیں ... اور واقعی ... پانچ بجے تھے اور ابھی وہاں ان کے علاوہ کوئی نہیں پہنچا تھا ...

"آپ کے صدر صاحب بھی نہیں پہنچے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ بالکل تیار بیٹھے ہیں ... انہوں نے ہم سے کہا تھا کہ جوئی کوئی ایک مہمان بھی ہال میں پہنچے، مجھے بتا دیا جائے ... اب ہم انہیں جا کر بتاتے ہیں ... لہذا وہ تو فوراً آئیں گے ... ہمارے صدر وقت

کہا۔

"آپ کا مطلب ہے ... اس اجلاس کا۔"

"بلکہ اس جیسے اجلاسوں کا۔"

"اور میرا تو خیال ہے ... اس اجلاس کا اشارہ بھی دشمن نے ہی دیا ہوگا ... یعنی کہ اسلامی ملک کو ہمدردی کے پردے میں اشارہ دیا ہوگا ... اور دشمن ہمارا بھی دراصل یہی چاہتا ہے کہ ہم اس قسم کے بیکار اجلاسوں میں الجھے رہیں ... عملی قدم کوئی نہ اٹھائیں ... یعنی وہ اپنا کام کرتے رہیں اور ہم اپنا وقت برباد کرتے رہیں۔"

"مم ... میرا بھی۔"

ان کے الفاظ اور بیان میں وہ گئے ... اسی وقت حنائی کے منہ اندر داخل ہوئے تھے ... وہ فی وی چینلوں پر انہیں اکثر دیکھ چکے تھے ... لہذا فوراً ہی پہچان گئے ... وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ...

”ارے ارے! یہ کیا کر رہے ہیں ... آپ تشریف رکھیں ... ہرگز اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھیں ... وہیں ٹھہریں، میں خود آؤں گا آپ تک۔“ انہوں نے اس قدر پر زور انداز میں کہا اور تیزی سے ان کی طرف لپکے ... کہ انہیں رکنا پڑا ... نزدیک آنے پر انہوں نے بہت ہی گرم جوشی سے مصافحہ کیا ... پھر کہنے لگے۔

”زندگی میں پہلی بار ملاقات ہو رہی ہے آپ سے ... بہت نام سنا ہے آپ کا اور سچ پوچھیں تو بے پناہ خوشی محسوس کر رہا ہوں۔“

”شکریہ سر ... آپ تشریف رکھیں۔“

”جب تک باقاعدہ اجلاس شروع نہیں ہو جاتا ... میں یہیں آپ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں ... باقاعدہ کارروائی شروع ہوگی تو اپنی سیٹ پر چلا جاؤں گا۔“ کیا خیال ہے۔“ یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائے۔

”بالکل ٹھیک ... تشریف رکھیں۔“ انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

انہوں نے دیکھا ... وہ ایک سیدھے سادے سے انسان تھے ... ان میں حکمرانوں والا کوئی چھل بل نہیں تھا ... تھے بھی سادہ لباس میں

421

فرض اس وقت وہ تینوں میں بالکل سادہ نظر آ رہے تھے ...

”مجھے افسوس ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”جی ... کیسا افسوس۔“

”یہ کہ پانچ بج کر چند منٹ ہو چکے ہیں اور اب تک کوئی نہیں آیا۔“

”تو کیا آپ ہمیں کوئی میں شامل نہیں سمجھتے۔“ انسپٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”مم ... میرا مطلب ہے ... آپ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔“

”آپ کے علاوہ بھی تو کوئی نہیں آیا۔“ انسپٹر جمشید خٹہ۔

”ادہ ہاں ... واقعی ... آپ دونوں تو خوش مزاج بھی ہیں ...

یعنی خشک مزاج ہرگز نہیں ہیں۔“

”جی بس کیا کیا جائے ... ہمارا کام ہی ایسا ہے ... خوش مزاجی ہی کام دیتی ہے۔“

”ٹھیک کہتے ہیں۔“ صدر صاحب مسکرائے۔

”کیوں نہ باقی لوگوں کے آنے سے پہلے ہم غیر رسمی بات چیت کر لیں۔“

”ہم تو خود یہی چاہتے ہیں ...“



کے لوگ لا پتا ہیں ... یہ بات نہیں کہ انہیں انہوا کیا گیا ہے ... نہیں  
بلکہ وہ اپنی مرضی سے کہیں گئے ہیں ... مطلب یہ کہ اپنے گھر والوں  
سے باقاعدہ رخصت ہوئے ... گھر کے لوگوں نے انہیں انہر پورلوں پر  
الوداع کہا ہے ... ایک طرح سے وہ بہتر روزگار کے سلسلے میں گئے ہیں  
اور یہ کہہ کر گئے ہیں کہ انہیں بہت زبردست پیش کش ہوئی ہے ... وہ  
اس موقع کو ضائع نہیں کر سکتے ... اور جس ملک میں وہ گئے ہیں، وہاں  
جانے کے بعد انہوں نے پھر سے اپنے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہیں  
کیا۔

”جی ... کیا مطلب؟“ دونوں بری طرح چوٹے ... کیونکہ  
ایسی بات انہوں نے پہلی بار سنی تھی۔

”ہاں! آپ کو شاید یہ معلوم نہیں ... کیونکہ ایسے لوگ بس چپ  
ہیں ... کسی کو کچھ بتا نہیں رہے ... نہ پولیس میں رپورٹیں لکھوا رہے  
ہیں ... وہ بس انتظار کر رہے ہیں ... اور روز بروز ان کی پریشانی بڑھتی  
جا رہی ہے ... لیکن آخر کار انہیں رپورٹیں تو لکھوانا ہوں گی ... یہ اور  
بات ہے کہ اس کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔“ صدر صاحب کہتے چلے گئے۔

”لیکن سر ... گھر سے تو وہ ملک کا نام بتا کر گئے ہوں گے  
...“

”ہاں! میرا خیال بھی یہی ہے ... آپ لوگ تو پھر بھی یہاں  
پہنچ گئے ... لیٹ ضرور پہنچے ہیں ... لیکن پھر بھی آگئے ہیں۔“  
”جی ہاں! اللہ کا شکر ہے ... اب ذرا ہو جائے یہ ذکر کہ ہم  
لوگ یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں۔“

”میں بتاتا ہوں ... جتنے ملکوں کے نمائندے یہاں جمع ہوئے  
ہیں ... ان سب ملکوں میں سونے کے سکے ملے ہیں ... سونے کے ان  
سکوں نے ایک عجیب سا سسپنس پھیلا دیا ہے ... عوام میں شدید بے  
چینی پائی جاتی ہے ... کیونکہ عوام کو بھی سکے ملے ہیں ... اب جنہیں  
ملے ہیں، وہ تو بہت خوش ہیں ... اور جنہیں نہیں ملے ... وہ بہت بے  
چین ہیں ... وہ چاہتے ہیں انہیں بھی سکے ملیں ... اور اگر انہیں یہ بتا دیا  
جائے کہ وہ جگہ دنیا میں کہاں واقع ہے ... جہاں سونے کے پہاڑ موجود  
ہیں ... جہاں ایسے سکے کنکروں اور پتھروں کی طرح پڑے ہیں تو یہ لوگ  
بے تحاشہ اس طرف بھاگ کھڑے ہوں ... گویا لوگوں کو اس وادی  
کے جنون میں مبتلا کیا جا رہا ہے ... لوگ اس وادی کے دیوانے بننے  
جارہے ہیں ... انہیں اپنے ملک سے اپنے کام کاج سے دلچسپی نہیں رہی  
... وہ تو چاہتے ہیں ... بس کسی طرح اس وادی میں چلے جائیں ... اور  
آپ لوگوں کو شاید معلوم نہیں ... کئی ملکوں کے بہت ہی بہترین اور کام

”اس طرح تو پھر ہمارے ملک کے بھی کچھ لوگ غائب ہوں گے۔“

”ہاں غائب ہوں گے ... میں نے بتایا تھا کہ وہ لوگ چھپا رہے ہیں ... کچھ گھرانے ایسے ہیں ... جو برداشت نہیں کر سکے اور انہوں نے یہ بات دوسروں کو بتا دی ... اس طرح بات آگے بڑھتی چلی گئی۔“

”حالات واقعی بہت نازک ہیں ... سوال یہ ہے کہ ہم یہاں کیا کرنا چاہتے ہیں۔“

”اس سلسلے میں ایک مشترکہ کوشش ... وہ ملک یا وادی کہاں ہے جس میں سونے کے پہاڑ ہیں ... اس ملک کے لوگ آخر کیا چاہتے ہیں ... کیوں وہ پوری دنیا میں یہ سکتے پھیلا کر چین اور سکون لوٹ رہے ہیں ... آخر وہ چاہتے کیا ہیں ... یہاں جمع ہونے والے سب ملک یہ جاننا چاہتے ہیں اور یہ جاننے کے لیے اپنی کوشش کرنا چاہتے ہیں اور یہ کوشش ہٹائی سے شروع ہوگی ... یعنی اس کام کا آغاز یہاں سے ہوگا ... اب بتائیں ... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔“

”بالکل نہیں ... ہم اس معاملے میں ساتھ ہیں ... ساتھ رہیں گے ... کیونکہ دال میں کالا ہے۔“

”ہاں! یہی بات ہے ... ایسے لوگ اپنے اپنے گھر سے ایکورم کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے ... سب کے سب؟“

”ہاں! سب کے سب اپنے اپنے ملک سے ایکورم کے لیے روانہ ہوئے ہیں ... یہ ان میں سے کسی نے نہیں بتایا کہ انہیں کیا پیشکش موصول ہوئی تھی ... یا کس کی طرف سے ہوئی تھی ... بس انہوں نے ایکورم کے ویزے حاصل کیے ... اپنے گھر والوں کو یہ بتایا اور چلے گئے ... ایکورم پہنچ کر انہوں نے یہ اطلاع ضرور دی کہ وہ یہاں پہنچ گئے ہیں، اس کے بعد سے ان کا کوئی پتا نہیں۔“

”یہ تو پھر اچھی بات ہوگئی۔“ انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

”کیا کہا آپ نے اچھی بات ہوگئی ... میرے خیال میں تو یہ بہت زیادہ پریشان کن بات ہے۔“

”میرا مطلب ہے ... ہمارے لیے یہ اچھی بات ہوگی ... ہم اپنا کام ایکورم سے شروع کر سکتے ہیں۔“

”اوہ اچھا ... آپ اس سلسلے میں کہہ رہے ہیں ... ہاں یہ ٹھیک ہے ... آپ کے لیے ایک راستہ سامنے ہے ... میں ان گھروں کی پریشانی کی بات کر رہا ہوں۔“



## گوشتی آواز

انہوں نے دیکھا، اسکرین پر کوئی نمبر نہیں تھا اور گھنٹی بج رہی

تھی۔

”یہ... یہ کیا... اسکرین پر کسی کا نمبر نہیں ہے اور گھنٹی بج رہی ہے... یہ کیسے ممکن ہے... کچھ تو لکھا ہونا چاہیے... کچھ لوگوں کے فون نمبر ہوتے ہیں... یعنی خفیہ اداروں کے... تو اسکرین پر لکھا نظر آتا ہے... تو نمبر... لیکن یہاں تو نو نمبر بھی نہیں لکھا۔“ ایک مہمان نے کہا۔

”خیر... آپ فون تو سنیں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

صدر نے بٹن دبایا اور اسپیکر آن کر دیا... اب سب لوگ گفتگو

کے کرتے تھے...

”صدر محترم... حنائی صاحب... آپ کو یہ کانفرنس مبارک ہو

... جو لوگ یہاں جمع ہیں... ان سب کو بھی مبارک ہو... آج ہماری

”کیا کہا آپ نے... دال میں کالا؟“ صدر حنائی نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! دال میں کالا... یہ معاملہ کوئی چھوٹا سا نہیں... اگر ان لوگوں نے بہت سے اسلامی ملکوں کے لوگوں کو غائب نہ کیا ہوتا تو اور بات تھی... یعنی پھر پریشانی اس قدر نہ ہوتی... ہم اطمینان سے اپنا کام کرتے رہتے اور اس وادی تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہتے... لیکن اب ہمیں ان لوگوں کی تلاش کے لیے سرگرمی دکھانا ہوگی... نہ جانے کتنے گھروں کے لوگ پریشان ہیں... اور نہ جانے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں... اب تو ہم بھی بے چینی اور گھبراہٹ محسوس کرنے لگے ہیں۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“ صدر صاحب نے کہا۔

ایسے میں صدر صاحب کے موبائل کی گھنٹی بجی... اسکرین پر فخر پڑتے ہی ان کا رنگ اڑتا نظر آیا... پھر انہوں نے موبائل ان کی طرف بڑھا دیا... اتنے میں دوسرے مہمان بھی آنا شروع ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

”صدر محترم ۲۴ پ کو اس لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے ...  
 ابھی تو یہاں صرف اسلامی ملکوں کے نمائندے موجود ہیں ... بہت جلد  
 پوری دنیا کے نمائندے ہمارے خلاف جمع ہوں گے ... لیکن وہ ہمارا  
 ہال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے ... کیونکہ دنیا اور دنیا کے لوگ نہیں جانتے  
 ہم کہاں ہیں ... ہمارا ملک کہاں ہے ... کون ہے ... جو ہمارا سراغ لگا  
 سکے ... کوئی نہیں ... کوئی نہیں۔“  
 ”ضرورتاً کوئی پاگل ہو۔“

”ہم بے دلیل بات کرنے کے عادی نہیں ... جو بات کہیں گے،  
 اُسے کی چوٹ کہیں گے ... کوئی آج ہماری باتوں کو پاگل پن کہے تو  
 کہتا رہے ... آج ہی ہم اپنی حکمرانی کا اعلان کر رہے ہیں ... اس دنیا  
 میں اب ہمارا سلسلہ چلے گا ... ہم امریکہ کی غربت دور کر رہے ہیں ...  
 پیکل کی غربت دور کر دیں گے ... اور بھی جو ملک ہم سے مدد لینا  
 چاہے گا ... ہم اسے مدد دیں گے ... کیونکہ ہمارے پاس سونے کے  
 پہاڑ ہیں ... سونے کے پہاڑوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہمارے  
 پاس ہے ... دنیا میں کسی ملک کے پاس ایسے پہاڑ ہیں ... کسی کے  
 پاس نہیں ... لہذا اس دنیا کے حکمران بھی ہم ہوں گے ... کوئی ایک  
 ملک بھی ہماری حکمرانی سے انکار نہیں کر سکے گا ... سب کو ہمارے آگے

تاریخ کا شان دار دن ہے ... ہماری سے مراد آپ لوگوں کی نہیں  
 ... سہراں کی تاریخ کا دن۔“  
 ”سہراں ... یہ کیا چیز ہے۔“ مارے حیرت کے صدر کے منہ سے  
 نکلا۔

”ہاں سہراں ... دنیا کی پیشانی پر نیا نام ... پہلی بار ... ہم دنیا  
 کو پہلی بار اپنے ملک کا نام دے رہے ہیں ... گویا آج سے یہ ملک  
 اس دنیا میں وجود میں آگیا ہے ... اب اس دنیا پر انشارجہ کی نہیں ...  
 بیگال کی نہیں ... کسی اور ملک کی نہیں ... اور کسی اسلامی ملک کی نہیں  
 ... ہماری حکومت ہوگی ... آج ہم یہ اعلان کر رہے ہیں ... اس دنیا  
 کے حکمران ہم ہیں ... آج انشارجہ یہودیوں کا مقروض ہے ... یہودیوں  
 کا اپنا حال بہت پتلا ہے ... اسلامی ملک انشارجہ جیسے ملکوں کے محتاج ہیں  
 ... بڑے سے بڑا ملک بھی دوسری طاقتوں کا محتاج ہے ... ظاہر ہے ...  
 اگرچہ انشارجہ محتاج ہو سکتا ہے تو دوسرے ملک تو اس سے بڑھ کر محتاج  
 ہو سکتے ہیں ... لیکن ہم کسی کے محتاج نہیں ... سب ملک آج سے  
 ہمارے محتاج ہیں۔“

”یہ کیا فضول باتیں ہیں ... بے وقوف پاگل ... تم ہو کون؟“

صدر ہنائی نے جھٹکا کر کہا۔



ہاتھ پھیلائے پڑیں گے ... اور جو ہاتھ نہیں پھیلائے گا ... ہم اس سے حکومت چھین لیں گے۔“

”کیا فضول باتیں ہیں ... کیسے چھین لو گے تم ہماری حکومتیں۔“

”یہ خود بخود ہو جائے گا ... سونے کے پہاڑ دنیا کو پاگل کر دیں گے ... لوگ ہمارے ساتھ دیں گے ... حکومتیں ہمارا ساتھ دیں گی ...“

وہ کہتے کہتے رک گیا۔

”مثلاً کیا؟“

”مثلاً ہم انصارجہ سے کہتے ہیں ... تمہاری مالی ضرورتیں ہم پوری کریں گے ... جتنا کہو ... تمہیں سونا دیں گے ... بس تم وہ کرو جو ہم کہتے ہیں ... ظاہر ہے ... انصارجہ کہے گا ... میں تیار ہوں ... کہ گا یا نہیں ... اگر تم کہتے ہو ... نہیں تو اس کی مثال سن لو ... کہ مدت پہلے انصارجہ نے ایک اسلامی ملک کو دھمکی دی تھی یا نہیں ... یہ دھمکی کہ تمہیں ہمارا ساتھ دینا ہے یا اپنے پڑوسی ملک کا ... کیونکہ ہم تمہارے پڑوسی ملک پر حملہ کرنے والے ہیں ... اب تم سوچ لو ... تم کس کا ساتھ دو گے اور ایک دن کے اندر اندر ... بلکہ ایک رات کے اندر اندر اپنا فیصلہ سنا دو ... ورنہ ہم اس کے ساتھ تمہیں بھی نہیں کر دیں گے ... اور اسلامی ملک کے سربراہ نے ... یعنی صدر نے فوراً

انصارجہ کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا تھا ... اور پھر اسی اسلامی ملک کے راتے اس کے پڑوسی ملک کو تمہیں نہیں کیا گیا یا نہیں ... اس کی ایسٹ سے ایسٹ بھا دی گئی یا نہیں ... اب بھی تو وہ بیگال کا حکم مانتا ہے ... شاید تم لوگوں کو یہ بات عجیب لگے ... کیونکہ دنیا یہ سمجھتی ہے کہ انصارجہ بیگال کی مدد کرتا ہے ... جب کہ بیگال انصارجہ کا بڑا ہے ... جو بیگال کہتا ہے ... انصارجہ وہی کرتا ہے ... اب جب ہم انصارجہ کو سونا دیں گے ... تو وہ ہمارا حکم مانے گا یا نہیں ... کیونکہ اس کی معیشت تباہ ہو چکی ہے ... گیارہ سال سے وہ جس جنگ میں پھنسا ہے ... گیارہ سال پہلے اس نے جو جنگ شروع کی تھی وہ اس میں اپنی مالی حالت خراب کر چکا ہے ... اسے کوئی ہم جیسا دوست چاہیے ... ہماری مدد سے وہ وہاں پر کھڑا ہو سکے گا ... تو وہ ہمارا حکم کیوں نہیں مانے گا ... اور اگر وہ انکار کرے گا ... تو اور کئی ملک ہیں ... وہ ہر طرح ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے ... ہم ان کی مدد سے اپنا کام کریں گے ... اول تو انصارجہ کا اعلان بہت جلد سننے میں آجائے گا ... اور وہ اعلان یہ ہوگا:

”ہم بہران کے ساتھ ہیں۔“

پھر اس وقت ہم جو کام انصارجہ سے لیں گے، آج تک اس نے

وہ کام تو کیا ہی نہیں ہو گا... لہذا ہم آج سے اس دنیا کے حکمران  
ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں... فی الحال ہم تمہارے ملک حنائی میں لوگوں  
کو پاگل بنانے کا آغاز کر رہے ہیں... حنائی کے لوگ اس وقت تک  
چینلوں پر یہ آوازیں سن رہے ہیں... اب ہم براہ راست ان سے  
مخاطب ہیں... حنائی کے لوگو... آج ہم تم لوگوں پر سونے کے سکہ  
کی بارش کر رہے ہیں... دیکھو... حنائی کے آسمان سے سکہ کی بارش  
... ہاں... ہاں... دیکھو اور لوٹ لو سونے کے سیکے... کر دو بھلائی  
حنائی کے خلاف... بھاڑ میں گیا... تم لوگوں کا یہ اجلاس... کون مانا  
ہے تمہیں حکمران... تمہاری حکومت کے خلاف تو سمجھ لو آج ہی سے  
سول نافرمانی شروع ہو رہی ہے... لو منظر دیکھو۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے فضا میں گھن گرج کی آوازیں  
سنیں... ان کے منہ مارے حیرت اور خوف کے کھل گئے... جلدی سے  
ٹی وی آن کیا گیا... اس میں آسمان کی فضا میں ایک طیارہ... بجلی کی  
تیزی سے گزر گیا... دوسرے ہی لمحے وہ پھر آتا نظر آیا... اور اس بار اس  
سے ان گنت سونے کے سیکے گرتے نظر آئے... حنائی کے عوام پاگوں کی  
طرح ان سکہ کی طرف دوڑ پڑے اور پھر انہوں نے وہ منظر دیکھا جس  
کے بارے میں انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہو گا...

ان حالات میں آپ کی حکومت اپنے لوگوں پر رہ جائے  
گی۔

”نہیں... بالکل نہیں... سونے کے پہاڑوں کے مالک انہیں  
بے چاہیں... جو چاہیں... حکم دے سکتے ہیں... وہ ہماری ایک نہیں  
سین کے جب کہ ان کی ہر بات سنیں گے... اور ان کا ہر حکم مانیں  
گے... ان حالات میں حکومت کہاں رہ جائے گی۔“ حنائی کے صدر  
نے کہا۔



”یہ زندگی گزارنے کے لیے اچھی جگہ، اچھا گھر، اچھا لباس، اچھا کھانا، اچھی گاڑی یا اچھا ہوائی جہاز ہی کافی نہیں ہوتے... انسانوں کو اپنے وطن سے بھی محبت ہوتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ایک اور چیز سے بھی محبت ہوتی ہے۔“

”وطن سے بھی بڑھ کر... وہ کیا چیز ہے۔“

”اپنا دین... دین کے لیے تو انسان اپنا وطن بھی چھوڑ دیتا ہے۔“

”یہ سب پرانی باتیں ہیں... فرسودہ باتیں... جب یہاں کا پیش لوگوں کو ملے گا تو وہ یہیں کے ہو کر رہ جائیں گے۔“

”میرا خیال ہے... ایسا نہیں ہو سکے گا... لوگ اپنے گھروں کو جانے کے لیے ترسیں گے... اور ایک دن تم سب پر ٹوٹ پڑیں گے... تمہیں ختم کر دیں گے اور تمہارا سونا اٹھا اٹھا کر اپنے ملک کا رخ کریں گے... اس طرح تم ناکام ہو جاؤ گے... لہذا یہ منصوبہ اسی موڑ پر ختم کر دو... اسی میں تمہاری بہتری ہے... ہاں... تمہارے لیے اس سے بہت بہتر راستے ہیں... تم اتنے سونے کے مالک ہو... کہ کیا پوری دنیا کے پاس ہو گا... تم اس کے ذریعے ملکوں کو اپنا دوست بناؤ... ان کے کام آؤ... انسانیت کے کام آؤ... پھر دیکھنا... لوگ

”اور فرض کر لیں... یہ لوگ آپ کے عوام کو غم سے وسیع ہیں... ایوانِ صدر پر قبضہ کر لو... صدر کو گرفتار کر لو... تو کیا عوام مل کر آپ پر نہیں چڑھ دوڑیں گے۔“

”ہاں! ایسا ہو گا... عوام اندھے ہو جائیں گے، بہرے ہو جائیں گے... عقل سے پیدل ہو جائیں گے... سکوں کے پجاری بن جائیں گے۔“

”تو اس کانفرنس کا کیا فائدہ... اپنی اپنی خیر منائیں... ختم کریں یہ سب۔“

”اور یہ جو لوگ غائب ہو رہے ہیں۔“

”اپنے مطلب کے لوگ ہم اپنے ملک میں جمع کر رہے ہیں... ہمیں ہر قسم کے ماہرین کی ضرورت ہے... خاص طور پر سائنس دانوں کی... جن لوگوں کو یہاں بلایا گیا ہے... اب وہ یہیں رہیں گے... ان کے بیوی بچوں کو بھی یہیں لے آیا جائے گا... اب وہ ہمارے شہری ہیں۔“

”لیکن آپ لوگ وطن کی محبت کا کیا کریں گے۔“ انپکڑ جھینڈنے پوچھا۔

”وطن کی محبت... کیا مطلب؟“

”بچوں والی باتیں نہ کرو انپکڑ جمشید ... اچھے نہیں لگتے ...  
 تمہارے بچے ایسی باتیں کرتے اچھے ضرور لگتے ہیں ... ہماری طرف آؤ  
 تو انہیں بھی ساتھ لانا ... انہیں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔“  
 ”اچھی بات ہے ... تمہاری مرضی۔“ انہوں نے برا سامنے بتایا۔  
 ”ہٹائی کے لوگو! یہ ایک جھلک تھی ... پوری دنیا میں ہم اس قسم  
 کے باقاعدہ پروگرام شروع کریں گے ... ہر ملک کو تاریخ دی جایا کرے  
 گی ... کہ فلاں تاریخ ہے ... سکتے لوٹنے کی ... ہمارے کام میں کسی  
 نے اگر رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو اسے اسی کے ملک میں ختم کر دیا  
 جائے گا ... ایسا کرنا ہمارے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہوگا ... مثلاً ہٹائی  
 کے اسی کانفرنس ہال کو دیکھ لو ... ہم اسے کسی بھی وقت اڑا سکتے ہیں ...  
 میں اپنی بات ختم کر رہا ہوں ... اس کانفرنس ہال میں ٹائم بم موجود ہے  
 ... لیکن ہم جھلک دکھانا چاہتے تھے ... اس ہال کو تباہ کر کے ہمیں کیا  
 ملے گا ... شکریہ!“

ان الفاظ کے ساتھ ہی آواز بند ہو گئی ... اب ٹائم بم کی تلاش  
 شروع ہوگی ...

”بم اگر مل جائے تو مہربانی فرما کر اسے ہاتھ نہ لگائیے گا ... ہم  
 یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ وہ یہاں کس نے رکھا۔“

کس طرح پیار سے اور محبت سے تمہارا نام لیں گے ... تمہیں یاد کریں  
 گے ... دکھی انسانیت مرتے دم تک تمہیں یاد کرے گی ... یہ راستہ بہتر  
 ہے یا وہ راستہ۔“  
 ”وہ راستہ۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔  
 ”یہ تمہاری سوچ ہے ... ایک دن تم اس سوچ پر پہنچناؤ گے ...  
 کیونکہ۔“

”کیونکہ کیا۔“  
 ”یہ نشہ بہت جلد اتر جائے گا ... اور تمہارے ہاتھ کچھ نہیں رہ  
 جائے گا۔“  
 ”ارے نہیں انپکڑ جمشید ... اب کچھ نہیں ہوگا ... اور تم جو یہ  
 سوچ رہے ہو کہ اب تم ہماری ... بلکہ ہمارے ملک کی تلاش میں نکلے  
 اور ہمارا سارا کام خراب کر دو گے تو ایسا کچھ نہیں ہوگا ... ہم تمہیں  
 پوری طرح آزاد چھوڑ رہے ہیں ... تمہارا راستہ نہیں روکیں گے ...  
 اگر تم ہم تک آسکتے ہو؟ آجاؤ ... ہم یہاں تمہارا استقبال کریں گے ...  
 کیونکہ ہمارے ملک کو تم جیسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے۔“

”ہم اگر وہاں پہنچ گئے تو وہاں بھی تم سے یہی کہیں گے ... دیے  
 تمہارا نام کیا ہے ... اور کیا تم ہی اس ملک کے کرتہ دھرتہ ہو۔“



بم کانفرنس ہال کی میز کے نیچے چپکایا گیا تھا۔۔۔ انہیں جوشید نے اسے پوری احتیاط سے اتار لیا۔۔۔ اس وقت تک حسائی کی خفیہ پولیس وہاں آچکی تھی۔۔۔ اس کے ذریعے بم پر سے انگلیوں کے نشانات ال لیے گئے۔۔۔ وہ نشانات ایوان صدر میں موجود ملازمین کے نشانات سے ملانے لگے۔۔۔ جلد ہی ایک ملازم کا نام سامنے آگیا۔۔۔ اب جو اس کی تلاش ہوئی تو وہ غائب تھا۔۔۔ ظاہر ہے۔۔۔ اسے اس پروگرام کا پتا تھا کہ بعد میں یہ بات بتائی جائے گی کہ اس ہال میں بم موجود ہے۔۔۔ لہذا وہ پہلے ہی وہاں سے جا چکا تھا۔۔۔

خفیہ پولیس نے اس کے گھر پر چھاپہ مارا۔۔۔ وہ وہاں بھی نہیں تھا۔۔۔ پتا چلا وہ ملک سے ہی باہر جا چکا ہے۔۔۔ اب ظاہر ہے۔۔۔ جس ملک کے ایئر پورٹ پر وہ اترا ہوگا۔۔۔ وہاں سے اس گھرانے نے کسی اور ذریعے اس ملک کو بھی چھوڑ دیا ہوگا۔۔۔ اس طرح اب اس کا سراغ لگانا ممکن نہیں رہا تھا۔۔۔

”اس کا نام کیا تھا۔۔۔“

”فارغ شیفور۔۔۔“ انہیں بتایا گیا۔

انہوں نے اس کا نام اور حلیہ نوٹ بک میں لکھ لیا۔۔۔ اور اس

طرح یہ کانفرنس ختم ہو گئی۔۔۔ انہیں تو اب اپنے اپنے ملک کی پڑ گئی تھی۔۔۔ ہر کوئی سوچ رہا تھا کہ اب کیا بنے گا۔۔۔ یہ تو ایک ایسا طوفان آنے والا تھا۔۔۔ جو کسی کے رو کے نہیں رک سکے گا۔۔۔ ہر ملک کے لوگ سونے کے سٹوں کی بارش کا انتظار کیا کریں گے۔۔۔ نہ کام کے رہیں گے، نہ کاج کے۔۔۔ اور اس طرح تو پوری دنیا کا نظام مفلوج ہونے کے امکانات تھے۔۔۔ ان حالات میں سب نے اپنے اپنے ملک جانے کی ٹھانی۔۔۔ انہوں نے برٹائی کا رخ کیا۔۔۔ برٹائی میں سب کے چہرے اترے اترے نظر آنے لگے۔۔۔ وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

”کیوں بھئی۔۔۔ خیر تو ہے۔۔۔ بہت اداس ہو۔“

”پوری دنیا کے لوگ ہی پریشان اور اداس ہیں۔۔۔ کیونکہ سونے

کے سٹوں کا یہ ہوا نہ جانے کس کروٹ بیٹھے گا۔“

”ہاں! یہ بہت خوف ناک ہوا ہے۔۔۔ اب کیا کیا جائے۔۔۔

ہم اپنے ملک واپس جائیں یا یہیں سے اس ہوئے کا تعاقب کریں۔“

انہیں جوشید نے کہا۔

”جج۔۔۔ جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ ہوئے کا تعاقب۔۔۔ یہ تو کسی

بادل کا نام ہو سکتا ہے۔“

”ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”السلام علیکم جمشید ... کیا خبریں ہیں۔“

”سر! خبریں معلوم کرنے کے لیے ہی تو آپ کو فون کیا ہے۔“

”ہمارے ملک کے تین بڑے سائنس دان ... تین بڑے انجینئر

اور کئی اہم شعبوں کے ماہرین غائب ہیں ... ان سب کے عزیز رشتے

دار بہت بے چین ہیں ... یہ بے چینی بہت سے ملکوں میں پھیلی ہوئی

ہے ... لہذا اس وادی کی تلاش میں جانے کے بجائے ... تم ادھر آ جاؤ

... پہلے یہ کیوں نہ معلوم کیا جائے کہ یہ لوگ ماہرین کو کس طرح اغوا کر

رہے ہیں۔“

”جی اچھا! پہلے ہم ادھر آ جاتے ہیں، کیونکہ اس کا فائدہ

”دوسرے اسلامی ملکوں کو بھی ہو گا۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”دوسرے ملکوں کو کس طرح جمشید؟“ صدر صاحب نے حیران

ہو کر کہا۔

”اگر ہم ان کے اغوا کے طریقے کار کو جان لیتے ہیں تو دوسرے

ملکوں کو بھی بتا دیں گے کہ یہ لوگ اس طرح غائب کر رہے ہیں ... اس

طرح وہ لوگ اغوا کرنے میں تو ناکام ہو ہی جائیں گے ... خود بھی

گرفتار ہوں گے ... اور یہ بہت اچھا رہے گا۔“

”واقعی جمشید ... یہ ٹھیک رہے گا۔“

”حد ہو گئی یعنی کہ ... پوری دنیا پریشان ہے ... ہم خود بھی پریشان ہیں اور انہیں ایسے میں مذاق کی سوچھ رہی ہے۔“ آصف نے جھلکا کر کہا۔

”اب اور کیا کریں ... کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا ... اور کچھ نہیں تو مذاق ہی کر لیں۔“ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”توبہ ہے تم سے۔“ فرحت جل گئی۔

”خیر ہوگی ... ہمیں کیا۔“

”میرا خیال ہے ... پہلے فیصلہ کر لیں ... باتیں بعد میں کر لیں۔“ مکھن نے منہ بنایا۔

”ہاں واقعی ... اٹکل آپ ایسا کیوں نہیں کرتے ...“ شوکی کی آواز ابھری۔

”کک ... کیا؟“

”اپنے صدر سے مشورہ کر لیں۔“

”اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا ... وہاں کے حالات بھی تو معلوم

ہو جائیں گے۔“

اب انسپکٹر جمشید نے صدر کا نمبر ملایا ... تھوڑی دیر بعد ان کی

آواز سنائی دی۔



دوسرے دن صبح انہوں نے برٹائی کے صدر سے اجازت لی ...  
 انہیں بھی ہدایات دیں کہ اپنے ملک میں انہیں کیا کچھ کرنا ہے ... ویسے  
 بھی برٹائی ایک چھوٹی سی آزاد ریاست تھی ... وہاں اتنے بڑے بڑے  
 ماہرین تھے ہی نہیں کہ سہراں کے لوگ اس کی طرف توجہ دینے کی  
 ضرورت محسوس کرتے ...

شام کے وقت وہ اپنے ملک کے ایئرپورٹ پر اترے تو بے شمار  
 لوگ ان کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے ... انہیں ایک جلوبس کی  
 صورت گھر تک لایا گیا ... تب کہیں جا کر استقبال کرنے والے رخصت  
 ہوئے۔

ادھر گھر میں تمام بیگمات جمع تھیں ... اور انہوں نے ان کے لیے  
 طرح طرح کے کھانے تیار کیے تھے ... چنانچہ پہلے کھانا کھایا گیا ... پھر  
 انکیز جشید نے آئی جی صاحب سے رابطہ کیا ...

"سراغوا ہونے والوں کے نام ... نمبر اور پتے درکار ہیں ...  
 ہم اس کیس پر کام شروع کر رہے ہیں۔"

"تو یہ تم سے جشید۔" آئی جی صاحب نے ہنس کر کہا۔

"جی ... کیوں؟"

"بھائی ... ابھی ابھی تو آئے ہو ... ایک رات تو آرام کر لو۔"

"پھر ہم لوگ اپنے لوگوں کو اور دوسرے اسلامی ملکوں کے لوگوں  
 کو مال کے فتنے سے خبردار کریں گے ... لوگوں کو بتائیں گے ... مال  
 سے بڑا فتنہ انسان کے لیے کوئی نہیں ... آخر ہم کیا کریں گے سونے  
 کے سٹکوں کا ... اصل عیش آخرت کی عیش ہے ... اس زندگی کی عیش  
 کتنی بھی کیوں نہ ہو ... پھر بھی مختصر ترین ہے ... اس قسم کے پھر دیسے  
 جائیں گے ... لوگوں کو خبردار کیا جائے گا ... اس طرح شاید ہم اس  
 فتنے سے بچ سکیں۔"

"اچھی بات ہے جشید ... ان حالات میں یہاں تمہاری بہت  
 ضرورت ہے۔"

"تب پھر ہم اپنے ملک میں جا کر اپنے لوگوں کو سمجھاؤ شروں  
 کرتے ہیں۔"

"نہیں ... اس طرح نہیں ... پہلے اغوا کا طریقہ کار دریافت  
 کریں گے ... اس سے پوری دنیا کے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں گے ...  
 پھر کوئی اور کام کریں گے۔"

"مطلب یہ کہ پہلے ہم دارالحکومت چل رہے ہیں۔" انکیز  
 کامران مرزا مسکرائے۔

"ہاں! بالکل۔"

444

”جی... آپ کہتے ہیں تو کر لیتے ہیں... آپ نام بتا دیں۔“

”نہیں بھائی جان! نام نہ بتائیے گا... ورنہ یہ رات میں آرام

ہرگز نہیں کریں گے۔“

بیگم جمشید نے اچانک ان کے

یہ سب کچھ سن کر وہ بھی ہنس پڑی۔  
 بیگم جمشید نے اچانک ان کے ہاتھ سے موبائل لے کر آئی جی  
 صاحب سے کہا... اس وقت انسپکٹر جمشید موبائل پر بات کرتے ہوئے  
 اپنے کمرے کی طرف آرہے تھے...  
 ”اچھی بات ہے... یہ ترکیب ٹھیک رہے گی۔“ انہوں نے ہنس  
 کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے بیگم جمشید کو تیز نظروں سے گھورا تو انہوں نے پھر موبائل میں کہا۔

”یہ مجھے گھور رہے ہیں بھائی جان۔“

”خبردار جمشید... جو تم نے ہماری بہن کو گھورا۔“

”جی... جی... اچھا۔“

”ہا ہا ہا۔“ بیگم جمشید ہنسی ... ادھر آئی جی صاحب بھی نہیں پڑے ... پھر انہوں نے کہا۔

”خطرہ سر پر آچکا ہے سر۔“

”ایک رات میں تم کیا کر لو گے ... یہ تو دیکھو کہ کب سے اس

درمیان میں کوئی آرام کیا تم نے۔“

”جی... ٹھیک ہے۔“

اس طرح اس رات انہیں آرام کرنا پڑ گیا ... دوسرے دن ناشتے  
کے بعد دو آئی جی صاحب کے دفتر پہنچ گئے ... شیخ صاحب انہی کا  
نہا کر رہے تھے ...

”آئیں بھئی آئیں۔“

وہ بے بیٹھ گئے... تب آئی جی صاحب نے ایک فائل میں سے  
 سامنے شروع کیے... وہ نام سنتے رہے اور حیران ہوتے رہے...  
 ان کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”ان میں جو میرے سب سے قریبی جاننے والے ہیں ... وہ  
میں تاج ... بس ہم ان کے ہاں چلے جاتے ہیں ... سب لوگوں  
پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ... ایک گھر کے ذریعے ہم نے سراغ



لگا لیا تو یہ کامیابی گنی جائے گی۔“

”ٹھیک ہے جمشید... تم بسم اللہ کرو... اور یہ جان کر کام شروع کرو کہ صرف ایک ہمارے ملک کا مسئلہ نہیں ہے... تمام اسلامی ممالک کا مسئلہ نہیں ہے... بلکہ میں سمجھتا ہوں... اس سازش کی لپیٹ میں غیر مسلم ملک بھی آئیں گے... یہ لوگ پوری دنیا پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں... انشارجہ اور بیگال پہلے بھی یہ خواب دیکھتے رہے ہیں...“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ انہی کی سازش ہو... یعنی انشارجہ اور بیگال کی۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”جی ہاں! اس بات کا زبردست امکان ہے... لیکن ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا... تو اب ہمیں اجازت دیں۔“

”ٹھیک ہے... میں آپ لوگوں کی کامیابی کی دعا کرتا رہوں گا... جہاں تک ہو سکے... ساتھ ساتھ بتاتے رہنا کہ کہاں تک پہنچے ہو۔“

”ہم پوری کوشش کریں گے کہ ساتھ ساتھ بتاتے رہیں۔“

اس کے ساتھ ہی وہ سب اٹھے تھے، ایسے میں انہوں نے کوئی چیز گرنے کی آواز سنی۔

☆☆☆☆☆

## پیتل کا ٹکڑا

انہوں نے چونک کر دیکھا... کمرے کے فرش پر قالین نہیں بچھایا گیا تھا بس فرش ہی تھا... اور فرش پر گرنے والی چیز کسی دھات کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا... وہ ٹکڑا نیچے جھک کر دیکھنے پر نظر آیا تھا... انسپکٹر جمشید نے اسے احتیاط سے اٹھا لیا... اور میز پر رکھ دیا۔

”یہ کیا چیز ہے بھلا؟“ انہوں نے کہا۔

سب اسے ٹکر ٹکر دیکھتے رہے... لیکن کسی کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا چیز ہے...

”یہ ہم میں سے تو کسی کی ہے نہیں... اس کا مطلب ہے، اس ہال میں یہ یہیں کہیں رکھی گئی تھی... اب جب ہم اٹھے تو یہ اس جگہ سے ہٹ گئی... اور گر گئی...“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے، سوال تو یہ ہے کہ یہ ہے کیا۔“ خان رحمان

نے کہا۔

فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! یہ سوال ہے... لیکن آلات سے چیک کیا گیا ہے...“

اگر یہ کوئی خاص چیز ہوتی... کوئی جاسوسی آلہ ہوتا تو معلوم ہو جاتا...

ہو سکتا ہے، دشمنوں نے ہمیں بلاوجہ الجھانے کے لیے یہ وہاں رکھ دیا

ہو... اس کا اس طرح گرنا بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے... کیونکہ

اسے کسی احتیاط کے بغیر وہاں رکھا گیا تھا... اگر خفیہ رکھنا ہوتا تو بہت

آسانی سے ایسا کیا جاسکتا تھا... لیکن ایسا نہیں کیا گیا... ”انسپکٹر جمشید

کہتے چلے گئے۔“

”میرا خیال بھی یہی ہے... یہ وقت ضائع کرنے کا آلہ ہے...“

اسے باہر کوڑے پر پھینک دیا جائے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”بلکہ میرا ایک اور خیال بھی ہے کہ یہ اغوا وغیرہ بھی ہمیں

الجھانے اور بھٹکانے کے لیے ہی کیے گئے ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے

کہ دوسرے ملکوں کی طرح یہاں سے بھی کچھ لوگ پیسے کے لالچ میں

خود ہی گئے ہوں اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمیں اغوا والے واقعے پر

توجہ دینے کے بجائے سہرا ان کے لیے چل دینا چاہیے۔“ انسپکٹر جمشید

نہایت سنجیدگی سے بولے۔

”چلیے اس کے بارے میں تو فیصلہ ہو گیا... اب ہم کیا کریں۔“

”پروفیسر صاحب... آپ اس کا جائزہ لیں ذرا۔“

انہوں نے سر ہلا دیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھا... پھر انکار

”دیئے تو کچھ پتا نہیں چل رہا... ہم یہ ساتھ لے جاتے ہیں...“

آلات کے ذریعے اسے چیک کریں گے۔“

”ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔“

انہوں نے ایک لفافے میں ڈال کر اسے جیب میں رکھ لیا اور آئی

جی صاحب سے رخصت ہوئے...

”سب سے پہلے اس ٹکڑے کا جائزہ لینا ہو گا کہ یہ ہے کیا چیز

... اس کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کریں گے... کوئی پروگرام طے

نہیں کریں گے۔“ پروفیسر داؤد نے باہر نکلتے وقت کہا۔

انہوں نے سر ہلا دیے... لہذا گھر تک کا سفر خاموشی سے طے

ہوا... پھر پروفیسر داؤد نے اس کا جائزہ شروع کیا اور آخر انہوں نے

کہا۔

”یہ بے ضرر ٹکڑا ہے۔“

”تب پھر اس کا محکمہ سراغ رسانی کے اس ہال میں کیا کام۔“



”کرنا کیا ہے... اب ہمیں اپنی مہم کا آغاز کرنا ہے... اور اس مہم کے دوران ہم کئی بار واپس آچکے ہیں... لیکن اب اس وقت تک واپس نہیں آئیں گے جب تک کہ یہ مہم مکمل نہ ہو جائے۔“

”اور یہ کوئی اتنی آسان مہم نہیں ہے... ہم پورے ایک ملک یا پوری ایک ریاست یا پوری ایک وادی کے خلاف نکل رہے ہیں۔“

”کیا پوری پوری لگا رکھی ہے تم نے۔“ محمود نے اسے گھورا۔

”لگتا ہے، صبح ہمیں ناشتے میں پوریاں ملنے والی ہیں۔“

”ہائیں... پوریاں۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

”ہم نے سن لیا ہے... فکر نہ کریں... کل کا ناشتا پوریوں کا ہو گا۔“

”اور اس کے فوراً بعد ہم گھر سے نکل جائیں گے۔“

”لیکن جائیں گے کہاں۔“ فاروق نے کہا۔

”جہاں اللہ لے جائے... ہمیں ”سبران“ کا راستہ تو معلوم نہیں۔“

”میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے... کالا جنگل میں جس جگہ تک ہم پہنچ گئے تھے... ہمیں اپنا سفر وہیں سے شروع کرنا

”شوکی نے دہی آواز میں کہا۔  
”تمہارا مطلب ہے... جس جگہ کنارے کنارے سفر کرتے ہم

”اچانک پہنچے تھے۔“ آصف نے فوراً کہا۔  
”ہاں بالکل۔“

”اس بات کا امکان ہے تو سہی کہ وادی سبران کا راستہ وہاں جنگل میں غیر ملکی لوگوں کا آنا بھی اسی طرف سے ہو کر جاتا ہو... کم از کم وہاں سے ہمیں کوئی نہ کوئی سراغ ضرور ملے

اشارہ کرتا ہے... کم از کم وہاں سے ہمیں کوئی نہ کوئی سراغ ضرور ملے گا۔“ انسپکٹر جمشید نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”اس کا مطلب ہے... ہمیں ایک بار پھر برنائی جانا ہو گا۔“

”ہاں! یہ تو ہے۔“

”بس تو پھر... میں انہیں فون کر دیتا ہوں۔“

”یہ ٹھیک رہے گا۔“

انہوں نے اسی وقت صدر برنائی کے نمبر ملائے... جلد ہی ان کی

آواز آئی...

”السلام علیکم! انسپکٹر جمشید میرے دوست۔“ ان کی پرجوش آواز

سنائی دی۔

”ہمیں افسوس ہے... ہم ایک بار پھر آپ کو زحمت دینے کے

لیے آنا چاہتے ہیں۔“

”کیا کہا... زحمت... یہ کیا کہہ رہے ہیں میرے دوست آپ...“  
”ہم کل صبح سویرے یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔“

”نہیں... اس طرح نہیں۔“ ادھر سے صدر برٹائی نے کہا۔  
”کیا مطلب... اس طرح نہیں۔“

”ہاں! اس طرح نہیں... میں ابھی اپنا طیارہ ادھر سے بھیج دیتا ہوں... آپ لوگ اس کے ذریعے آئیں... کیونکہ پہلے بھی دو بار گزری ہو چکی ہے۔“

”اوہ ہاں... یہ ٹھیک رہے گا... میں صدر صاحب کو بتا دیتا ہوں... طیارے کے آتے ہی اس کے گرد گھیرا ڈال دیا جائے گا... ہمارے فوجی جوان رات بھر اس کا پہرہ دیں گے... صبح ناشتے کے بعد ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔“

”کیا کہا... صبح ناشتے کے بعد... تو ناشتا آپ لوگ میرے ساتھ کیوں نہیں کرتے۔“

”اس لیے کہ ہم ناشتے کے وقت تو پہنچیں گے ہی نہیں... آپ کے ساتھ تو ہم کھانا کھائیں گے۔“

”اچھی بات ہے... یونہی سہمی... یہاں سے بھی طیارہ پورے انتظامات کے ساتھ بھیجا جائے گا۔“  
”شکریہ۔“

اور پھر دوسرے دن پوریوں کے ناشتے کے بعد انہوں نے خواتین کو الوداع کہا... سب نے انہیں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور دونوں طرف سے اس وقت تک ہاتھ ملتے رہے، جب تک کہ وہ ایک دوسرے کو نظر آتے رہے... پھر وہ انٹرپورٹ پر پہنچے... ان کا طیارہ بالکل تیار تھا... فوجیوں نے انہیں اپنے گھیرے میں طیارے تک پہنچایا... جونہی وہ طیارے میں داخل ہوئے... طیارہ ریٹلنے لگا... اور تھوڑی دیر بعد وہ فضا میں تھا۔

”الحمد للہ! ایک بار پھر ہم طیارے کا سفر کر رہے ہیں... اس کیس کے دوران پہلے بھی کئی بار طیاروں کے سفر کرنے پڑے ہیں... لگتا ہے... اس کیس کا اور طیاروں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔“  
”کوئی بات نہیں... ساتھ ہونے دو۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”تو تم کیوں جلے جا رہے ہو۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”جلتی ہے فرزانہ کی جوتی۔“ آفتاب مسکرایا۔

”سنا فرزانہ... تمہاری جوتی کو بلاوجہ گھسیٹ رہا ہے۔“



”آفتاب تمہاری یہ جرات ... کہ میری جوتی کو گھسیٹو۔“  
 ”تم غلط سمجھیں فرزانہ ... فاروق تمہیں مجھ سے لڑانے کی کوشش  
 کر رہا ہے۔“  
 ”حد ہو گئی ... میں کیوں کرتا ایسی فضول کوشش۔“ فاروق بھٹا  
 اٹھا۔

”بھئی خیال رہے ... ہم اس وقت طیارے میں ہیں۔“ خان  
 رحمان نے گھبرا کر کہا۔  
 ”تو اس سے کیا ہوتا ہے انکل ... کیا طیارے میں باتیں کرنا  
 منع ہے ... یا ہمارے باتیں کرنے سے طیارہ ڈگمگا جائے گا۔“  
 ”تو بہ ہے تم سے ... بال کی کھال اتارنا کوئی تم سے سیکھے۔“  
 محمود نے جل بھن کر کہا۔

”ضرور سیکھ لو ... کوئی اعتراض نہیں۔“

”کیا سیکھ لو۔“ پروفیسر داؤد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔  
 ”جی بال کی کھال اتارنا۔“

”اوہ اچھا ... ہائیں کیا کہا ... بال کی کھال اتارنا سیکھ لو۔“ وہ  
 چونکے۔

”جی ہاں ... بالکل یہی کہا ہے اس نے۔“ فرحت مسکرائی۔

”لو ہوابی مینڈ کی کو بھی زکام۔“ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔  
 ”حت ... حت تم ... تم نے مجھے بی مینڈ کی کہا۔“ فرحت اچھل  
 کر کھڑی ہو گئی۔

”ارے ارے! ہم طیارے میں ہیں۔“  
 ”اوہ! میں تو بھول ہی گئی تھی۔“ فرحت فوراً سیٹ پر بیٹھ گئی۔  
 ”اللہ کا شکر ہے ... آپ کو یاد آ گیا۔“ مکھن نے خوش ہو کر

کہا۔  
 ”گلتا ہے ... اب یہ جہاز مچھلی بازار بن جائے گا۔“  
 ”ل ... لیکن انکل ... طیارے میں مچھلی کہاں ... یہ ہوائی  
 طیارہ ہے ... کوئی لالچ نہیں ... یا کوئی بحری جہاز نہیں۔“  
 ”ایسی کوئی بات نہیں۔“ پاس سے گزرتی ایر ہوسٹس نے ہنس کر  
 کہا۔

”کیسی کوئی بات نہیں۔“ پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”یہ کہ اس طیارے میں مچھلی نہیں ہو سکتی ... مچھلی ہے ... لیکن  
 تلی ہوئی۔“

”ارے واہ ... پھر تو مزہ آ گیا۔“ پروفیسر داؤد خوش ہو گئے۔  
 ”دھت تیرے کی ... بات کہاں کی کہاں پہنچ گئی۔“ شوکی نے

”تو تم کیا چاہتے تھے ... بات یہیں کی یہیں رہ جائے۔“  
 آصف نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”بس ... شروع ہو گئے سب کے سب ... اب کہاں بریک  
 لگے گی۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے برا سامنہ بنایا۔  
 ”طیارے میں بریک نہیں ہوتی انکل۔“ فاروق جہا۔  
 ”ادہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا ... ارے مگر ... میں نے  
 طیارے کے بریکوں کی بات کب کی ہے بھلا ... وہ تو میں ان کی باتوں  
 میں بریک کی بات کر رہا تھا۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے برا سامنہ بنایا۔  
 ”ادہ اچھا ... معاف کیجیے گا انکل۔“ فاروق نے جلدی سے  
 کہا۔

”بالکل کیا معاف۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً کہا۔  
 اسی وقت ایر ہوٹل ان کی طرف آئی۔  
 ”آپ لوگ کھانے میں کیا کیا لینا پسند کریں گے۔“  
 ”ابھی آپ نے خود ہی تو بتایا تھا، تلی ہوئی مچھلی بھی ہے طیارے  
 میں۔“ پروفیسر داؤد جلدی سے بولے۔  
 ”جی ہاں! وہ تو ہے۔“

”ہیں تو پھر ... مچھلی ہی چلے گی۔“  
 ”وہ دراصل ... آپ کے لیے اور بہت چیزیں تیار کروائی گئی  
 ہیں۔ آپ ہمارے صدر کے قریبی دوست ہیں ... آخر۔“  
 ”پھر تو جو چیزیں بھی تیار کی گئی ہیں ... لے آئیں۔“ پروفیسر  
 داؤد نے جلدی سے کہا۔  
 اور سب لوگ مسکرانے لگے ... کیونکہ اس کا مطلب تھا ... کہ  
 پروفیسر صاحب کو بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی ہے ...  
 ایر ہوٹل کھانا لگانے کے لیے سرگرم ہو گئیں ... ان حالات میں  
 انسپکٹر جمشید نے عجیب سے انداز میں کہا۔  
 ”مجھے ایک خیال سوچ رہا ہے۔“

☆☆☆☆☆



... یا تو انٹارچ کا ہے یا بیگال کا ہے ... یا ان دونوں کا ... اور یہ  
... کے ذریعے پوری دنیا کو اپنا غلام بنا لینا چاہتے ہیں ...  
... اور جیسے انسان ذہنی غلام بن جاتا ہے تو پھر ہر لحاظ سے  
... کیا خیال ہے ، اس بارے میں آپ سب

## سرخ

... "یہ ممکن ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"اگر بات یہی ہے تو بھی ہمیں وہاں جانا ہے ... لیکن ہم چند  
... تاکہ معلوم ہو ... یہ لوگ کیا کر رہے ہیں  
... اور کیا کچھ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔"  
"بالکل ٹھیک۔" ان سب نے کہا۔

چند منٹ کے اندر اتر ہو سٹوں نے کھانا چن دیا ... طیارے میں  
... اور وہ کھانا کھانے لگے ... صدر برٹائی نے  
... انہیں کھانے میں بہت لطف آیا ...  
... آخر وہ برٹائی کے اتر پورٹ پر اترے ... صدر انہیں لینے کے  
... لے خود آئے ہوئے تھے ... وہ گرم جوشی سے ملے ... اس طرح انہیں  
... ل میں لایا گیا اور وہ سیدھے اپنے مہمان خانے میں آگئے ... یہ  
... کرے ان کے لیے مکمل طور پر مخصوص تھے ... ان کی غیر حاضری میں

ان سب نے چونک کر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا ...  
"یہ تو اچھی بات ہے جمشید ... کہ تمہیں کوئی خیال سوجھا ہے ...  
... وہ کیا خیال ہے۔"  
"سبران کوئی ملک نہیں ہے۔"  
"اوہ ... تو پھر کیا ہے۔"

"نہ وہاں کسی ملک یا کسی ریاست جیسی آبادی ہے۔"  
"تو پھر؟" ان سب نے ایک ساتھ کہا۔  
"وہ کوئی وادی ہے ... پہاڑوں کی وادی ... لیکن فرق صرف  
... اتنا ہے کہ اس وادی کے پہاڑ سونے کے ہیں۔"  
"میرا خیال بھی یہی ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔  
"اور ان لوگوں نے وہاں ہر قسم کے ماہرین جمع کیے ہیں ...  
... انہوں نے اس وادی کو جدید ترین سائنسی بنیادوں پر بنایا ہے ... اور یہ

”اللہ اپنا رحم فرمائے ... اگر ایسا ہو گیا تو کیا ہوگا۔“ خان رحمان نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

”حالات خراب سے خراب تر ہو رہے ہیں ... حکمرانوں کے پلے پلے نہیں رہ جائے گا ... لیکن اس کے بعد اور زیادہ ہولناک صورت حال سامنے آئے گی ... حکمران لوگ تو ادھر ادھر بھاگ جائیں گے ... بارش ہو جائیں گے ... ذرا سوچیں، اس کے بعد کیا ہوگا ... کیا وہ لڑ نہیں مریں گے۔“

”اوہ ہاں ... حد درجے خوفناک حالات سامنے آنے والے ہیں۔“

”لہذا دعا کرو ... اللہ ایسا وقت نہ لائے ... ان لوگوں کا منصوبہ ٹل ہو جائے ... ورنہ تمام اسلامی ملک تباہی کے گڑھے میں جا گریں گے۔“

”یا اللہ رحم۔“

”ہاں! بس اللہ سے دعا کریں۔“

”اور پیارے دوست ہم ابھی چند دن یہاں ٹھہر کر حالات کا جائزہ لیں گے ... پھر روانہ ہو جائیں گے۔“

”لیکن کس طرف ... مجھے بتا دیں تاکہ میں تیاری کر سکوں۔“

بھی کسی کو نہیں دیے جاتے تھے ...

”کوئی نئی خبر ... یعنی سر کی وجہ سے ہم تک نہ پہنچا ہو۔“

”کئی ملکوں میں سونے کے سٹکوں کی بارش ہوئی ہے۔“

”ہوں! اور وہاں کے عوام کیا محسوس کر رہے ہیں۔“

”وہ یہ بارش کرنے والوں کو دعائیں دے رہے ہیں اور اپنی حکومت کو برا بھلا کہہ رہے ہیں ... عوام کا کہنا یہ ہے کہ حکومت نے تو کبھی ان کے بارے میں سوچنے کی زحمت تک نہیں کی ... ہماری حکومت سے تو یہی لوگ بہتر ہیں ... ہمیں سونے کے سٹکے تو دے رہے ہیں۔“

”لیکن اس طرح بھلا کتنے لوگوں کو ملے ہوں گے سونے کے سٹکے ... اور جنھیں نہیں ملے ... وہ تو انہیں برا ہی کہہ رہے ہوں گے۔“

”نہیں ... ایسے لوگ کہتے ہیں ... کوئی بات نہیں ... اب جب پھر بارش ہوگی تو انہیں بھی سٹکے مل جائیں گے ... اصل میں بے شمار لوگوں کو مل چکے ہیں ... لہذا جنھیں نہیں ملے، انہیں بھی پوری امید ہے کہ مل جائیں گے۔“

”ہوں ... اور حکومتوں کا کیا حال ہے۔“

”حکومتیں بہت پریشان ہیں ... عوام سے ان کا اثر اٹھ رہا ہے ... اور وہ دن دور نہیں ... جب حکومتیں بالکل بے اثر ہو جائیں گی۔“



”آپ بس ہماری وہ لالچ تیار کر ادیں ... ہم کالا جنگل تک جائیں گے۔“

”اچھی بات ہے ... ضرورت ہو تو کوئی فوجی دستہ بھی ساتھ کر دوں ... کیونکہ اس مرتبہ آپ لوگوں کا مقابلہ چند آدمیوں سے نہیں ہے ... پورے ملک سے یا پوری ایک ریاست سے ... یا پھر کم از کم ایک وادی سے تو ضرور ہے اور وادی میں اتنے کم لوگ نہیں ہوتے۔“ صدر برنائی نے جلدی جلدی کہا۔

”نہیں ... اس کی ضرورت نہیں ... ہم موقع محل کے اعتبار سے کام کرتے ہیں ... آپ بس ہمارے لیے دعا کریں ... ہاں! لالچ میں اسلحہ اور خوراک جس قدر بھی رکھوا سکیں، رکھوا لیں۔“

”ٹھیک ہے ... یہ کام میں کر ادیتا ہوں ... آپ فکر نہ کریں۔“ تیسرے دن صبح سویرے انہوں نے صدر برنائی کو اللہ حافظ کہا۔ ان کا سفر ایک بار پھر سمندر میں شروع ہوا ... یہ سفر وہ پہلے بھی کرتے رہے تھے ... کالا جنگل بھی ہو آئے تھے اور اس جزیرے کی سیر بھی کر چکے تھے ... پندرہ دن کے سفر کے بعد وہ جنگل کے کنارے پہنچ گئے ... لالچ سے اترنے سے پہلے انہوں نے ضروری اسلحہ اور دوسری چیزیں لے لیں ... باقی اسلحہ اور سامان انہوں نے جنگل کے کنارے ایک جگہ چھپا

”اب ہمیں جنگل کے اندر داخل ہونے کی ضرورت نہیں ... ہم کنارے کنارے چلیں گے اور اس جگہ پہنچ جائیں گے جہاں ہم پھیلی مرتبہ پہنچے تھے۔“ انسپکٹر جشید نے کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

انہوں نے سفر شروع کیا ... یہ سفر بھی کوئی مختصر سفر نہیں تھا ...

پہلے وہ جنگل کے اندر داخل ہو کر بالکل سیدھے گئے تھے اور جنگلیوں تک پہنچے تھے ... اس کے بعد ان سے جنگ کی تھی ... پھر وہ غیر ملکی گھوڑے

سوار وہاں آگئے تھے ... ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور تھے بھی وہ جدید ترین اسلحے سے لیس ... بس انہوں نے ان سے جنگ مول نہیں لی تھی

... بس کئی کترا کر ٹکڑے گئے تھے اور جھوپڑوں کے عقب کی طرف چلے گئے تھے ... اسی طرف سے غیر ملکی گھوڑے سوار آئے تھے ... عقب کی

طرف سے آگے بڑھتے بڑھتے آخر وہ جنگل کے کنارے تک پہنچ گئے تھے ... اس سے آگے سمندر تھا اور تھا بھی اس جگہ نشیب میں ... اس

وقت چونکہ انہوں نے وہاں سے واپسی کا فیصلہ کیا تھا، اس لیے اس بات کا جائزہ نہیں لیا تھا کہ وہ گھوڑے سوار کہاں سے آئے تھے ...

کیونکہ پورا راستہ طے کرنے کے باوجود انہیں گھوڑے سواروں کی کوئی

”یہاں تو کہیں ان کے آثار نہیں ہیں۔“ فاروق نے منہ ہٹایا۔  
”ابھی ہم نے ادھر ادھر گھوم پھر کر نہیں دیکھا۔“ فرزانہ نے

اسے گھورا۔

”تو اس میں کاٹ کھانے والی کون سی بات ہے۔“ فاروق نے

فورا کہا۔

”بالکل نہیں ہے۔ میں نے کب کہا کہ اس میں کاٹ کھانے

والی بات ہے۔“

”حد ہو گئی۔ سنا آپ سب نے اس کا جواب۔“ فاروق نے

گردن ادھر ادھر گھمائی اور پھر چونک کر ایک سمت میں دیکھنے لگا۔ فورا

اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔ اس کے منہ سے نکلا۔

”نن۔۔۔ نہیں!“

سب اس وقت اس کی طرف تو دیکھ نہیں رہے تھے کہ چونک کر

کہتے، کیا ہوا۔۔۔

”مم۔۔۔ میں۔“ فاروق ہکلا یا۔

”کیا ہو گیا بھئی۔۔۔ اب ہکلانے بھی لگے۔۔۔ کوئی جن بھوت تو

نہیں دیکھ لیا۔“ فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

”تم کون سا کسی جن بھوت سے کم ہو۔“ آصف ہنسا۔

رہائش یا پڑاؤ نظر نہیں آیا تھا۔۔۔ لہذا اب وہ اسی جگہ پہنچنا چاہتے تھے۔  
اس کے علاوہ انہیں کوئی اور راستہ بچھائی نہیں دے رہا تھا۔۔۔ لیکن  
بہر حال اب وہ اس مہم پر باقاعدہ نکلے تھے۔۔۔ اس لیے ہر بات کا  
جائزہ لینا چاہتے تھے۔۔۔

ان کا پیدل سفر شروع ہوا۔۔۔ ان پر ایک لگن اور جوش سوار تھا۔۔۔  
ناکامی کا کوئی خوف انہیں دامن گیر نہیں تھا۔۔۔ بس وہ آگے ہی آگے  
بڑھے چلے جا رہے تھے۔۔۔ انہیں مسلسل کئی گھنٹے چلنا پڑا۔۔۔ یہاں تک  
کہ پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

”بس جمشید۔۔۔ اب مجھ سے نہیں چلا جا رہا۔۔۔ کچھ دیر یہاں  
رک کر آرام کریں گے، پھر آگے بڑھیں گے۔۔۔ کوئی ہمیں بہت جلد تو  
کسی جگہ پہنچنا نہیں۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ یہی بات ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے  
انتہائی نرم انداز میں ان سے کہا۔

اور پھر درختوں کے ایک جھنڈ کے درمیان انہوں نے پڑاؤ ڈال  
دیا۔۔۔ اس جگہ وہ دھوپ سے پوری طرح محفوظ تھے۔۔۔ انہوں نے بغور  
چاروں طرف جائزہ لیا۔۔۔ کہیں ان غیرملکیوں کے نشانات نظر نہ  
آئے۔۔۔



یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے ... قدم بڑھانے سے

پہلے انہوں نے کہا۔

”آپ سب بھی درختوں کی اوٹ لے لیں اور میری کمر کی طرف

دھیان رکھیں ... کوئی میری کمر کی طرف سے حملہ کرنا چاہے تو آپ

پوری طرح ہوشیار ہوں۔“

”فکر نہ کریں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

اب انسپکٹر جمشید ایک ایک درخت کر کے آگے بڑھنے لگے ...

ان سب کی نظریں ان پر جم گئیں ... اور وہ بار بار چاروں طرف بھی

دیکھ رہے تھے کہ کہیں ادھر ادھر سے ان پر حملہ نہ ہو جائے۔

انسپکٹر جمشید کافی آگے چلے گئے ... پھر انہوں نے ان کی حیرت

میں ڈوبی آواز سنی

”اوہو ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“

☆☆☆☆☆

”صد ہو گئی ... تو یہ ہے تم سے ... ہاں فاروق کیا بات ہے۔“

”م ... میں نے ... اس طرف کچھ دیکھا ہے ... کہیں“

”پہلے یہ بتاؤ ... تم نے ادھر دیکھا کیا؟“ محمود نے اسے گھورا۔

”آخر سب میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں ... مجھے کچھ نظر آیا ...

میں نے بتا دیا۔“

”ہاں واقعی ... بات تو اتنی ہی ہے۔“ آفتاب نے اس کی تائید

کی۔

”وہی تو ہم پوچھ رہے ہیں ... تم نے کیا دیکھا۔“

”کسی کی جھلک ... گویا وہ درخت کے پیچھے چھپا ہوا تھا ... اور

ہمارا جائزہ لے رہا تھا ... ایسے میں اس نے درخت سے قدرے باہر ہو

کر ہمارا جائزہ لینے کی کوشش کی ... بس عین اس لمحے مجھے اس کی جھلک

نظر آنے لگی۔“

”اگر واقعی یہ بات ہے ... تب ہم خطرے میں ہیں۔“

”میں آگے جا کر جائزہ لیتا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”کیا اس طرح آگے جانا خطرناک نہیں ہوگا۔“

”خطرہ مول لیے بغیر چارہ نہیں۔“

”بڑے بھی ہمارے انداز میں باتیں کرنے لگے ... خوش نہ  
ہوں تو کیا کروں۔“ فاروق نے فوراً کہا۔  
”کرنے کو تو خیر اور بہت کام ہیں ... تم کرنے والے ہو۔“

مرد نے دھل دیا۔  
”ہائیں ... تو کیا میں کام کرنے والا نہیں ہوں۔“ فاروق نے

جرت ظاہر کی۔

”گلتے تو نہیں۔“ آفتاب ہنسا۔

”کیا نہیں لگتا۔“ فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

”کام کرنے والے۔“ شوکی بول پڑا۔

”لو جی ... یہاں آنے کی بجائے وہیں باتیں بکھارنے لگے۔“

”اوہ ... ہاں تو وہاں جا کر دیکھ لیں ... باتیں تو بعد میں بھی

ہوتی رہیں گی۔“ فرحت نے فوراً کہا۔

”مشکل ہے ...“ فرزانہ مسکرائی۔

”کیا مشکل ہے۔“ مکھن نے اسے گھورا۔

”جب کوئی چیز اتنا جان کو نظر آتی ہے ... تو ہم چوکڑیاں بھول

جاتے ہیں ... باتیں بعد میں کیسے ہوں گی۔“ فاروق نے کہا۔

”اور یہ چوکڑیاں بھولنا کیا ہوتا ہے۔“ مکھن نے حیران ہو کر

## گھوڑے سوار

ان کی نظریں اسپیکٹر جمشید پر جم گئیں ... پھر خان رحمان نے کہا۔  
”اگر خطرہ نہ ہو تو ہم بھی آجائیں ... اور وہ دیکھ لیں جو تم دیکھ  
رہے ہو۔“

”ہاں! سب آجائیں ... خطرہ یہاں دور دور تک نہیں ہے ...  
لیکن کسی وقت بھی خطرے صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے۔“  
”دیکھا جائے گا ... ان خطروں سے ڈرنے والے اے آسمان  
نہیں ہم ... سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا۔“ منور علی خان نے پر  
جوش انداز میں کہا۔

”لو بھئی علامہ اقبال کے شعر کی مٹی پلید کر دی ... بھائی باطل  
سے دبے والے اے آسمان نہیں ہم۔“ خان رحمان نئے۔

”واہ واہ۔“ فاروق نے پر زور انداز میں خوشی کا اظہار کیا۔

”تمہیں کیا ہوا؟“ آفتاب نے منہ بنایا۔



”پتا نہیں... اور کچھ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا... محاورہ ضرور ہوتا ہے۔“

”توبہ ہے تم سے... کھال کی بال اتار لیتے ہو۔“  
 ”بے چارے کو ایک یہی تو کام آتا ہے۔“ محمود ہنسا۔  
 ”کون سا کام۔“ فرحت نے پوچھا۔

”بھئی کھال کی بال اتارنے کا۔“ آصف نے جلدی سے کہا۔  
 ”حد ہو گئی... بلکہ توبہ ہے تم سے... وہیں کھڑے رہ کر باتیں بگھار رہے ہو... یہاں تک کہ اپنے ساتھ بڑوں کو بھی روک لیا ہے اور ادھر آنے کا نام نہیں لے رہے۔“

”چلو بھئی! ادھر چلنے کا نام لو۔“

”مجھے تو پتا نہیں، ادھر چلنے کا نام کیسے لیا جاتا ہے۔“ اشفاق نے گھبرا کر کہا۔

”لو بولے بھی تو چھپر پھاڑ کر۔“ فاروق نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

”وہ اس لیے کہ اللہ جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔“ محمود نے کہا۔

”ہے کوئی تک انکل۔“ شوکی نے انسپکٹر کامران مرزا کی طرف

دیکھا۔ ”بالکل نہیں... لیکن کس بات میں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے۔  
 ”بالکل نہیں پہلے کہہ دیا اور پوچھ بعد میں رہے ہیں کہ کس بات میں... یہ بھی خوب رہی کامران مرزا۔“ خان رحمان نے۔  
 ”اگر کھال کا بال اتر سکتا ہے... تو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔

”حد ہو گئی... بالکل حد ہو گئی...“ انسپکٹر جمشید نے جھٹکا کر کہا۔  
 ”اچھا انکل... ہم آرہے ہیں... اور۔“ آصف نے ہانک

لائی۔

”اور کیا۔“ انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

”اور یہ کہ بس آرہے ہیں۔“

اور پھر وہ سب ان کے پاس پہنچ گئے... ان کی نظریں زمین پر ایک جگہ جمی تھیں... انہوں نے دیکھا... وہاں ایک انسانی پنجر پڑا تھا... ایک انسان کی ہڈیاں... ہڈیوں پر گوشت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔  
 ”یہ... یہ تو انسانی پنجر ہے۔“ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔  
 ”تو میں نے کب کہا ہے کہ یہ کسی جانور کا پنجر ہے... سوال تو

یہ ہے کہ یہاں کسی انسانی پنجر کا کیا کام۔ انہوں نے کہا۔  
 "ہو سکتا ہے ... کوئی جنگلی اس طرف نکل آیا ہو اور یہاں کسی  
 حادثے کا شکار ہو گیا ہو ... اب ظاہر ہے ... آہستہ آہستہ گوشت کھل  
 ہی جاتا تھا ... ہڈیاں رہ گئیں۔" منور علی خان نے کہا۔  
 "جی نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔  
 "جی نہیں کیا انکل۔" شوکی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔  
 "یہ کسی جنگلی کا پنجر نہیں ہے۔"

"بھلا یہ بات آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"  
 "ایسے کہ ہم اس جنگل کے جنگلیوں کو دیکھ چکے ہیں ... وہ بہت  
 چوڑے چکے اور بہت لمبے قد کے ہیں ... اور جس شخص کا یہ پنجر ہے ...  
 وہ اتنا لمبا اور چوڑا نہیں تھا ... پنجر دیکھ کر یہ صاف نظر آ جاتا ہے۔"  
 "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"تب یہ ان گھوڑے سواروں میں سے کوئی تھا ... ہو سکتا  
 ہے ... ہو سکتا ہے ... دو گھوڑے سوار کی بات پر لڑ پڑے ہوں ... اور  
 ایک نے دوسرے کو مار دیا ہو۔"

"اس بات کا امکان ہے۔"

"اس پنجر سے کم از کم ایک بات ثابت ہو گئی ... اس طرف کچھ

دلوں کا آنا جانا ہے ... اور کیا خبر سہراں کو کوئی راستہ اسی طرف سے  
 دیا ہو۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے ... بلکہ اب تو میں یقین سے کہہ سکتا  
 ہوں کہ اس طرف سے کوئی راستہ ضرور سہراں کی طرف جاتا ہے۔"  
 "آپ یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں۔" مارے حیرت کے  
 زحمت نے کہا۔

"ہاں فرحت ... میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں اور میں  
 اپنی بات ثابت کر سکتا ہوں۔"  
 "اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے ابا جان۔" آفتاب نے  
 فٹن ہو کر کہا۔

"تب پھر اس ڈھانچے میں ایک عدد سونے کا سکہ موجود ہے ...  
 گرد و غبار کی وجہ سے وہ اپنی چمک کھو بیٹھا ہے ... اگر ہم اسے صاف کر  
 دیں تو وہ پھر سے چمکنے لگے گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک ہاتھ ڈھانچے کے اندر ڈالا اور باہر نکال  
 لیا ... انہوں نے دیکھا، ان کی ہتھیلی پر سکہ موجود تھا ...

"بہت خوب کامران مرزا ... سکتے پر تو میری بھی نظر نہیں گئی  
 تھی۔"



”تب تو ہم ضرور کامیابی کے نزدیک ہیں۔“  
 ”میرا خیال ہے ... ہمیں سمندر میں اتر کر کوئی راستہ تلاش کرنا ہوگا۔۔۔ یہاں کہیں نہ کہیں سے سمندر تک پہنچا جاسکتا ہے۔“  
 ”بالکل ٹھیک ... آؤ۔“ انسپکٹر جمشید نے پر جوش لہجے میں کہا۔  
 اب وہ جنگل کے کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ یعنی جس طرف سے آئے تھے، اس سے آگے چلنے لگے۔۔۔ یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں گھوڑے سواروں سے کئی کتر اکر پہنچے تھے۔۔۔ اس جگہ بھی وہ نہ رکے اور آگے ہی چلتے رہے۔۔۔ وہ زمین کو اور آس پاس کی جگہ کو غور سے دیکھ رہے تھے۔۔۔  
 ”زمین ریتیلی ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی کہیں کہیں قدموں کے نشانات نظر آجاتے ہیں۔۔۔ اس کا مطلب ہے اس طرف ان لوگوں کا آنا جانا ہے۔“

”یہی تو دیکھنا ہے۔“

وہ آگے بڑھنے لگے۔۔۔ جنگل کے بالکل کنارے کنارے، نیچے، بہت نیچے انہیں سمندر نظر آ رہا تھا۔۔۔ اور تا حد نگاہ سمندر کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔۔۔

”آخر ہم کب تک چلتے رہیں گے۔۔۔ یہاں تو بس یہی کچھ ہے

یعنی ایک طرف جنگل کا کنارہ اور دوسری طرف سمندر۔“ فاروق نے اتارے انداز میں کہا۔

”اگر ہم اکتا کر یہاں سے لوٹ جاتے ہیں تو پھر سبران کا راستہ ہٹا کرنے کے لیے اور زیادہ اکتانا پڑے گا۔۔۔ بہتر ہے کہ یہیں اکتا لیں۔۔۔ میرا دل اور دماغ کہہ رہے ہیں۔۔۔ سبران کے لیے یہاں سے ضرور کوئی راستہ جاتا ہے اور ان گھوڑے سواروں۔“

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔۔۔ انہیں گھوڑوں کے ہنہانے کی آواز سنائی تھی۔۔۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔۔۔ وہ لگے ادھر ادھر کی آواز سنائی تھی۔۔۔ اور پھر انہوں نے جان لیا کہ آواز جنگلیوں کے جھونپڑوں کی دیکھنے۔۔۔ اور پھر آ رہی تھی۔۔۔ اور گھوڑوں کا رخ سمندر کی طرف ہی تھا۔۔۔ گویا وہ انہی کی طرف آ رہے تھے۔۔۔

”لو بھئی۔۔۔ تیار ہو جاؤ۔۔۔ اب ان لوگوں سے جنگ کرنا ہی پڑے گی۔۔۔ پتا تو چلے کہ یہ کون لوگ ہیں۔۔۔ ان کا تعلق سبران سے ہے یا نہیں۔۔۔ یہ یہاں کہاں رہتے ہیں۔۔۔ کیوں رہتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ مقابلہ کر لیتے ہیں۔۔۔ یہ جگہ ایسی ہے کہ سامنے سے آنے والے لوگ ہمارے نشانے پر ہوں گے۔۔۔ جب کہ ہماری کر

”اور یہ جنگ ان لوگوں کے ساتھ فیصلہ کن ہوگی۔“  
 ”میرے ذہن میں ایک اور بات آتی ہے ... اور وہ بات جنگ  
 سے زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔“ ایسے میں شوکی کی آواز ابھری۔  
 ”اور وہ کیا شوکی۔“  
 ”ہم خود کو چھپالیں ... اور یہ دیکھیں کہ وہ یہاں آکر کرتے کیا

”جنا۔“  
 ”بہت خوب شوکی۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے خوش ہو کر کہا۔  
 ”واقعی! جنگ کرنے سے پہلے یہ بہتر رہے گا۔“  
 ”اچھی بات ہے ... جب تک ضرورت نہ ہو، ہم جنگ نہیں  
 لڑیں گے۔“  
 ”تب پھر اب دوسرے طریقے سے مورچے سنبھالنے ہوں گے  
 یعنی اس طرح کہ وہ ہمیں دیکھ نہ لیں ... میں یہ بھی کیے دیتا  
 ہوں۔“ خان رحمان نے کہا۔

اب وہ لگے گھوڑے سواروں کا انتظار کرنے ... ان کے دل  
 دھک دھک کر رہے تھے ... کیونکہ جلد ہی کوئی نہ کوئی بات پیش آنے  
 والی تھی ... ویسے وہ دعا کر رہے تھے کہ انہیں سہراں کا راستہ معلوم ہو  
 جائے ...

478  
 کی طرف سمندر ہے، اس طرف سے کوئی حملہ نہیں ہو سکتا ... ان  
 حالات میں ہم ان سے مقابلہ کر سکتے ہیں ... ان میں سے دو چار بھی  
 زندہ ہاتھ آگئے تو ہم ان سے معلومات حاصل کر لیں گے۔“ خان رحمان  
 نے چاروں طرف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔  
 ”بس تو پھر خان رحمان ... تم فوراً صف بندی کر لو۔“  
 ”ٹھیک ہے۔“

خان رحمان حرکت میں آگئے ... انہوں نے ان میں سے ایک  
 ایک کو ایک ایک درخت کے پیچھے اس طرح کھڑا کیا کہ سامنے سے  
 آنے والے پوری طرح ان کی زد میں ہوتے ... خان رحمان نے ان  
 سب کے پاس اسلحہ ڈھیر کر دیا، ضرورت کے وقت وہ ہر قسم کے اسلحہ کو  
 اٹھا سکتے تھے اور ان سے کام لے سکتے تھے ... تمام کام کرنے کے بعد  
 انہوں نے سب کا ایک پار پھر جائزہ لیا اور آخر انہوں نے کہا۔  
 ”پہلا فائر میں کروں گا ... اس کے ساتھ ہی سب لوگ نشانہ  
 لے کر فائر کریں گے ... نشانہ لیے بغیر کوئی فائر نہ کرے ... ہمارے  
 پاس جگہ ایسی ہے کہ جب تک اسلحہ ہمارے پاس ہے ... وہ لوگ ہمارا  
 کچھ نہیں بگاڑ سکتے ... کیونکہ وہ ہمیں گھیر نہیں سکتے۔“  
 ”ٹھیک ہے اٹکل ... آپ فکر نہ کریں۔“



انپکڑ کامران مرزا نے سر ہلا دیا اور چل دیے ... باقی لوگ ان کی رفتار کو دیکھ کر حیران رہ گئے ... ان کی رفتار گھوڑوں کی رفتار سے کسی طرح کم نہیں تھی ... یہ اور بات ہے کہ اس جگہ گھوڑے بھی کم رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے ...

اس طرح ان کے ساتھی بہت پیچھے رہ گئے ... انہوں نے کوئی پروا نہ کی اور آگے بڑھتے چلے گئے ...

”ساتھیو! اس طرح تو ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے ... کیوں نہ ہم بھی دوڑ لگا دیں ... اب تو دیکھ لیے جانے کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔  
”ٹھیک ہے۔“ سب نے ایک ساتھ کہا۔

اور پھر وہ سب دوڑ پڑے ... لیکن ان کا دوڑنا بھی اوٹ لینے کے انداز کا تھا ... دوڑ ضرور رہے تھے ... درختوں کی اوٹ بھی ساتھ ساتھ لے رہے تھے ... دونوں بڑے انہیں اب نظر نہیں آ رہے تھے ... خان رحمان اور منور علی خان بھی بہت آگے جا چکے تھے ... ان کے ساتھ بس پردیفسر داؤد رہ گئے تھے ... تاہم یہ لوگ بھی دوڑ رہے تھے ... یہ دوڑ تقریباً آدھ گھنٹے تک جاری رہی ... چھوٹی پارٹی کے ساتھ پردیفسر داؤد آخر ایک جگہ پہنچے ... انہوں نے دیکھا ... وہاں نہ صرف

پھر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز نزدیک آگئی ... گھوڑے سوار آندھی اور طوفان کی طرح آ رہے تھے ... اب انہوں نے انہیں دیکھ لیا تھا ... البتہ وہ پوری احتیاط کر رہے تھے کہ دشمن انہیں نہ دیکھے ... ان کے نزدیک آتے ہی گھوڑوں کا رخ دائیں طرف ہو گیا ... رفتار کا وہی عالم تھا ... گویا وہ اسی سمت جا رہے تھے ... جس سمت سے رک گئے تھے ... اب وہ ان کے نزدیک آنے سے پہلے ہی دائیں طرف مڑ گئے تھے ... گویا اب وہ بھی جنگل کے کنارے سڑک پر پہنچے تھے ... یہ دیکھ کر خان رحمان نے ان سب کو اشارہ کیا کہ درختوں کی اوٹ لے کر تیزی سے آگے بڑھنا شروع کریں ... انہوں نے ہدایات پر عمل کیا ...

دوسری طرف انپکڑ جمشید اور انپکڑ کامران مرزا نے محسوس کیا کہ دشمن گھوڑوں پر ہے اور ہم پیدل ... وہ تو بہت جلد کہاں کے کہاں نکل جائیں گے ... چنانچہ انپکڑ جمشید اور انپکڑ کامران مرزا نے کہا۔  
”آئیں ... ہم دونوں دوڑ لگا دیتے ہیں ... اس طرح گھوڑے ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں جاسکیں گے ... ہمارے ساتھی اپنی رفتار سے آتے رہیں گے۔“

خان رحمان اور منور علی خان موجود تھے، بلکہ انپکٹر جمشید اور انپکٹر کامران مرزا بھی موجود تھے...

”خیر تو ہے... آپ لوگ رک گئے۔“

”ہاں! کیا کیا جائے... مجبوری ہے۔“ انپکٹر جمشید مسکرائے۔

”اور وہ لوگ کہاں گئے۔“

”وہ یہاں آکر غائب ہو گئے۔“

”جی... کیا کہا... غائب ہو گئے۔“

مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆☆☆

## سبران

چند لمبے خاموشی کے عالم میں گزر گئے... آخر محمود نے کہا۔

”کیا کہا آپ نے... وہ لوگ غائب ہو گئے۔“

”ہاں! جب ہم درختوں کی اوٹ لیتے یہاں تک پہنچے تو وہ

غائب تھے۔“

”لیکن آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ غائب ہیں... ہو سکتا ہے... وہ

آگے جا رہے ہوں۔“ آصف نے فوراً کہا۔

”دائیں طرف دیکھیں... درختوں کے جھنڈ میں۔“

انہوں نے اس طرف دیکھا... وہاں پچاس کے قریب گھوڑے

موجود تھے... انہیں باندھا نہیں گیا تھا... یعنی آزاد چھوڑ دیا گیا تھا...

وہاں جھاڑیاں اور گھاس پھوس بے تحاشہ تھا اور ایک طرف ایک بہت

بڑھا گڑھا تھا... وہ پانی سے بھرا ہوا تھا... گویا وہاں گھوڑوں کے لیے

پانی اور گھاس دونوں چیزیں موجود تھیں...



”کیا آپ معلوم کر چکے ہیں کہ وہ لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔“

”نہیں... جب ہم یہاں پہنچے تو بس ہم نے گھوڑوں کو دیکھا... اور سمجھ گئے کہ ان کے سوار یہاں نہیں ہیں۔“

”گھوڑوں سے اتر کر آخر وہ پیدل ہی گئے ہیں... تو دیکھ لیتے ہیں، ان کے جوتوں کے نشانات ہماری رہنمائی کریں گے۔“

اب وہ گھوڑوں کے پاس آئے... انہیں اگرچہ درختوں سے نہیں باندھا گیا تھا، لیکن پھر بھی وہ اس طرح ایک جگہ کھڑے تھے جیسے بندھے ہوئے ہوں... اور اس جگہ واقعی جوتوں کے نشانات بالکل صاف نظر آ رہے تھے...

جوتوں کے نشانات کے ساتھ ساتھ وہ قدم بڑھانے لگے... ”کک... کک... کہیں ہم پھنس تو نہیں رہے جال میں۔“ ایسے میں شوکی کی آواز سنائی دی۔

”اب جو بھی ہے... ہمیں آگے تو بڑھنا ہو گا۔“ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”گویا آپ بھی یہ بات محسوس کر رہے ہیں۔“ فرزانہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

”نہیں... یہ گھوڑے سوار تو ہمارے بعد ہی آئے ہیں... انہیں ہمارے بارے میں معلوم نہیں تھا... کہ ہم یہاں چھپے ہوئے ہیں... یہ تو ان کا راستہ ہے... پہلے بھی یہ لوگ ان جنگلیوں کی مدد کے لیے آئے تھے...“

”جوتوں کے نشانات ایک سیدھ میں جا رہے ہیں... اور چونکہ یہاں قدم قدم پر درخت موجود ہیں، اس لیے انہیں گھوڑے وہاں چھوڑنے پڑے ہیں... اس کا مطلب ہے... ان لوگوں کو زیادہ دور نہیں جانا ہے... اور ہم اس جگہ جلد پہنچنے والے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

”خوب! اس کا مطلب ہے... ان سے مقابلے کی صورت بھی پیش آ سکتی ہے۔“

”وہ تو خیر ظاہر ہے...“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”اور میں تو یہ بھی کہہ رہی تھی کہ شوکی کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... جب وہ آگے کچھ نہ بولا... تو سب نے اس کی طرف دیکھا۔“

”خیر تو ہے... بریک کیوں لگ گئی۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”بب... بریک۔“ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہاں ہاں بریک ہی کہا ہے میں نے۔“

اس نے کانپ کر کہا۔

”آواز تو بھیک مانگ رہی ہے۔“

”آواز کا کیا ہے ... اور تو کوئی چیز بھیک نہیں مانگ رہی۔“ مکھن

نے بوکھلا کر کہا۔

”حد ہو گئی ... تم لوگوں کو تو ساتھ ہی نہیں لانا چاہیے تھا۔“

آصف چلا یا۔

”تت ... اب واپس بھیجو ادیس ہمیں۔“ اخلاق نے کہا۔

”لو اور سنو۔“ فاروق نے جھٹکا کر کہا۔

”تم ہی سنو ... تمہارے ہی چہیتے ہیں یہ۔“ آفتاب نے جھٹکا کر

کہا۔

”سنو! ادھر ادھر کی نہ ہانکو ... اپنے ہتھیار گرا دو ... ورنہ ہم

بھون کر رکھ دیں گے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”بھون کر رکھ دیں ... کہاں رکھ دو گے۔“ شوکی نے حیران ہو

کر کہا۔

”جنگلیوں کے چبوترے پر۔“

”ارے باپ رے ... بھائی ڈراؤ تو نہ۔“

”تم نے ہتھیار نہیں پھینکے۔“

”وہ ... وہ ... وہ۔“ اس نے مارے خوف کے انگلی سے اشارہ کیا۔

وہ جنگل میں اشارہ کر رہا تھا ... اور اس جگہ بہت گہرا جھنڈ تھا اور

اس جھنڈ کے درختوں سے رائفلوں کی ٹالیں جھانک رہی تھیں اور وہ سب

ان ٹالوں کے پوری طرح نشانے پر تھے ... اور اس جگہ ان کی کمر ہا

سمندر تھا ... سمندر بھی بہت نیچے گہرائی میں تھا ... دائیں بائیں ... ٹپنے

کا راستہ تو تھا ... لیکن وہ اس راستے پر ایک ایک یا زیادہ سے زیادہ دو

دو کر کے چل سکتے تھے ... گویا رائفلوں سے فٹ ٹپنے کا کوئی راستہ نہیں

تھا ... اس صورت حال نے ان سب کے اوسان خطا کر دیے ... ایسے

میں ایک آواز ابھری۔

”اب کیا خیال ہے دوستو۔“

”بب بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔“ مکھن نے لرز کر کہا۔

”ہا ہا ... ہا ہا۔“ ادھر سے کئی آدمیوں کے قہقہے گونجے۔

”مکھن۔“ محمود غزا یا۔

”کک ... کیا ہوا۔“

”بزدلی دکھانے کی ضرورت نہیں۔“

”اچھ ... چھا ... جو ... جو آپ کہتے ہیں ... وہ دکھا دیتا ہوں۔“



”نن نہیں... نہیں... یہ ظلم نہ کرو... آخر ہم۔“ آفتاب نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”آخر ہم کیا...“ ایک نے ہنس کر کہا۔

”آخر ہم کے بعد پتا نہیں کیا کہنا چاہتا تھا... خیر چھوڑیں...“

آپ کو اس سے کیا۔“

”یہ لوگ ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں... انہیں لے چلو...“

جنگلی جب انہیں پائیں گے تو کتنے خوش ہوں گے... ان کے کتنے ہی ساتھیوں کے قاتل ہیں یہ۔“

”نن... نہیں۔“ ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

اور پھر ان کا سفر جنگل میں شروع ہوا... یہاں تک کہ وہ گھوڑوں

کے پاس پہنچ گئے... گھوڑے سواروں نے اپنے گھوڑے پکڑ لیے اور ان پر بیٹھ گئے...

”تم لوگ ہمارے آگے آگے چلو۔“

”پپ... پیدل۔“ پروفیسر داؤد کے منہ سے نکلا۔

”اور نہیں تو کیا ہم اب تم لوگوں کے لیے گھوڑوں کا انتظام

کریں گے۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”پچینک دو بھی... یہ بھی کیا یاد کریں گے۔“ اسپیکر ہشید کی آواز ابھری۔

”یہ کیا یاد کریں گے... یاد تو ہم کریں گے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

انہوں نے اپنے ہتھیار گرا دیے۔

”ان کے ہتھیار سمندر میں پچینک دو...“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”ارے ارے... کیا کر رہے ہو... بہت مہنگے ہیں... ہم سمندر سے کیسے نکالیں گے...“ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

”جلدی کرو۔“

اور پھر ان کے ہتھیار ان کی آنکھوں کے سامنے سمندر میں گرا دیے گئے... اس وقت فاروق جذباتی آواز میں کہہ رہا تھا...

”یہ تم نے اچھا نہیں کیا... ہم بھی گن گن کر بدلہ لیں گے...“

چن چن کر تمہارے ہتھیار سمندر میں گرائیں گے۔“

”ہا ہا... اب تم اس قابل کہاں رہو گے... تمہیں تو اب ہم

اس چبوترے پر لٹائیں گے اور پھر جنگلی جو تمہارے ساتھ کریں گے، وہ

تم جانتے ہی ہو۔“

نے ہنس کر کہا۔

”تو تم نے ان جنگلیوں کو اپنا دوست اس لیے بنایا ہے اور ان سے تعلق اس لیے قائم کیا ہے کہ اس جنگل کا رخ کرنے والوں کو آگے نہ جانے دیں اور اس چبوترے پر بھون کر کھا جائیں۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“ اس کے منہ سے نکل گیا۔

”بہت خوب! یہی سننا چاہتے تھے ہم... اب ہم تمہاری مدد کے بغیر بھی سہراں کا راستہ تلاش کر لیں گے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے۔

”کیا مطلب... کیا کہا... ہماری مدد کے بغیر... تو ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”دوسری دنیا میں... پیچھے دیکھو۔“ انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

انہوں نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا... لیکن ادھر کوئی نہیں تھا... وہ جھٹکا کر ان کی طرف پلٹے تو وہ سب کے سب غائب تھے...

”ارے! یہ کیا... یہ کہاں گئے۔“

”ظاہر ہے... ان لوگوں نے درختوں کی اوٹ لے لی ہے... لیکن اس سے کیا ہوتا ہے... ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں... اسلحہ تو ہم ان کا سمندر میں گرا چکے ہیں... لہذا درختوں کے پیچھے چھپ کر یہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے۔“

”فکر نہ کرو... زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔“ ایک نے ہنس کر کہا۔

”ہمیں موت کے منہ میں لے جا رہے ہو اور کہہ رہے ہو، فکر نہ کرو... کیا خوب۔“

”تم صرف یہ سوچو... جنگلی تم لوگوں کو دیکھ کر کس قدر خوش ہوں گے... کتنا ناچیں گے... گائیں گے... اچھلیں گے۔“

”جی بہتر! آپ کہتے ہیں تو سوچ لیتے ہیں۔“ فاروق نے مسی صورت بنائی۔

گھوڑے سوار بننے لگے... ادھر وہ قدم تو اٹھا رہے تھے... ساتھ میں سوچ بھی رہے تھے کہ انہیں جنگلیوں کے نزدیک پہنچنے سے پہلے پہلے کرنا تھا جو کچھ کرنا تھا... کیونکہ جنگلیوں کے درمیان پہنچنے کے بعد وہ بری طرح بے بس ہو سکتے تھے... اور یہ بات تو طے تھی کہ جنگلی ان کے خون کے پیاسے تھے...

”اس کا مطلب ہے وادی سہراں کو راستہ اس جگہ سے جاتا ہے... جہاں ہماری اور تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔“ انسپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں کہا۔

”جاتا ہے یا نہیں جاتا... تم لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اس لیے کہ تم تو اب جنگلیوں کی خوراک بن جاؤ گے۔“ ایک



درخت چھان لیا ... لیکن کوئی بھی نہ ملا ... آخر وہ واپس اس جگہ آئے  
جہاں ان کا ایک ساتھی گرا تھا ...  
”ارے اس کی رائفل غائب ہے۔“ ایک چیخا۔

عین اس لمحے ان پر اندھا دھند گولیاں برسائی گئیں ... ان میں چھ  
سات اچھل کر گرے ... باقیوں نے دوڑ لگا دی ... اور کچھ دور جا  
کر درختوں کی اوٹ لے لی ... اتنی دیر میں مرنے والے دوسرے کی  
رائفل بھی غائب ہو چکی تھی ... گھوڑے سوار درختوں کے پیچھے دبکے  
رہے ... اب انہیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان کا دشمن بالکل نہبتا نہیں رہا  
تھا ... اس کے پاس بھی اب کم از کم تین رائفلیں تھیں ... دوسری طرف  
وہ ابھی حیرت زدہ اور خوف زدہ تھے کہ پیچھے سے گولی کسی نے چلائی تھی  
اور اس کے پاس رائفل کہاں سے آئی تھی ... ایک گولی نے ہی پانسہ  
پلٹ دیا تھا ... اس لیے وہ درختوں کے پیچھے ہی دبکے رہے ... انہوں  
نے وہاں سے نکلنے کی کوشش نہ کی ... اور اس طرح کافی دیر گزر گئی ...  
پھر اچانک ان کے پیچھے سے فائرنگ کی گئی ... اور ان میں سے کئی اور  
اچھل کر گرے ... باقی بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگے اور ادھر ادھر سے  
آنے والی گولیوں کا نشانہ بن گئے ... اس پر وہ اور زیادہ گھبراہٹ کا  
شکار ہو گئے ... بھیڑوں کی طرح ادھر ادھر بھاگے اور ان دیکھی سمتوں

”کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے ... پہلے ہم انہیں چھوڑے تک لے جانا  
چاہتے تھے، اب یہیں ختم کر دیں گے ... بس اتنا فرق پڑے گا ...  
خوراک تو یہ پھر بھی جنگیوں کی ہی بنیں گے ... ہم انہیں بتا دیں گے  
کہ ان کا شکار یہاں ہلاک شدہ پڑا ہے ... چلو اٹھا لو ... بس وہ  
اٹھالے جائیں گے ... اور بھون بھون کر مزے لے لے کر کھالیں گے ...  
چلو انہیں درختوں کے پیچھے گولیوں سے بھون دو۔“

عین اس لمحے ان کے پیچھے کی طرف سے ایک فائر ہوا ... ایک  
گھوڑے سوار گھوڑے کی پشت سے اچھل کر نیچے گرا ... ساتھ ہی اس  
کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی تھی ... وہ فوراً پیچھے کی طرف پلٹے ...  
لیکن اس طرف کوئی بھی نہیں تھا ...

”لگتا ہے ... ان کا کوئی ساتھی پیچھے رہ گیا تھا ... یہ فائر اس نے  
کیا ہے ... لیکن چونکہ ایک ہی فائر کیا ہے ... اس لیے وہ ہے اکیلا ہی  
... لہذا فائرنگ کرتے ہوئے درختوں کو چاروں طرف سے دیکھ ڈالو ...  
ان کا وہ ساتھی کسی نہ کسی درخت کے پیچھے چھپا مل جائے گا۔“  
”ٹھیک ہے ...“ دوسرے نے کہا۔

وہ گھوڑوں سے اتر آئے تھے ... اور ان درختوں کی طرف  
بڑھے ... جن کے پیچھے سے وہ فائر ہوا تھا ... انہوں نے ایک ایک

## صرف ایک

”کیا مطلب فرزانہ! تم نے یہ کیوں کہا... نن نہیں... یعنی تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ نہیں تم بہت اچھی نہیں رہیں۔“ آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

”تو بہ ہے تم سے... اس سے پوچھتے نہیں... اور اپنا خیال ظاہر کر رہے ہو۔“ خان رحمان نے جھٹکے انداز میں کہا۔

”ہاں واقعی... فرزانہ تم بتاؤ... کیا کہنا چاہتی ہو اور یہ تمہاری آنکھوں سے خوف کیوں جھانک رہا ہے۔“

”مم... مم... وہ... وہ۔“ فرزانہ ہکلائی۔

”حد ہو گئی... کوئی اس کے ان الفاظ کا مطلب بتا سکتا ہے۔“ آصف جل گیا۔

”اوہ انکل! آپ نے یہ کیوں کہا تھا... شاباش فرزانہ... تم بہت اچھی رہیں۔“ فاروق نے پوچھا۔

192  
سے آنے والی گولیوں کا شکار بننے چلے گئے... جوں جوں ان کے گھبراہٹ سوار ہو رہی تھی... اسی حساب سے ان پر برسے والی گولیوں میں اضافہ ہو رہا تھا... کیونکہ وہ تو اپنے دشمن کا نشانہ لینے کے قابل ہی نہیں رہے تھے... جب کہ ان کا دشمن انہیں تاک تاک کر شکار کر رہا تھا... ان کے ہاتھ پیر اب بری طرح پھول گئے تھے... موت انہیں سامنے نظر آرہی تھی... بلکہ صرف سامنے ہی نہیں، چاروں طرف نظر آرہی تھی... وہ چاروں طرف سے آنے والی اندھی گولیوں کا شکار بننے چلے گئے... ان کے ساتھ بلی چوہے کا کھیل برابر جاری رہا اور آخر اس وقت رکا جب ان میں سے صرف ایک بچ رہا تھا... انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں اس سے کہا۔

”اب صرف تم بچے ہو... تم بھی موت کی گود میں جانا چاہتے ہو تو ٹھیک... ورنہ اپنی رائفل پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو... ہم وعدہ کرتے ہیں... تم پر گولی نہیں چلائیں گے۔“

اس نے فوراً رائفل گرا دی اور ہاتھ اوپر اٹھا دیے... ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری۔

”شاباش فرزانہ... تم بہت... بلکہ بہت ہی اچھی رہیں۔“ عین اس لمحے فرزانہ کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

”ارے باپ رے... نن... نہیں۔“



”اوہو ... پہلے فرزانہ سے پوچھو ... اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے۔“ انسپکٹر جمشید چلائے۔  
 ”نن ... نہیں۔“ فرزانہ پھر چلائی۔  
 ”جلدی کہو فرزانہ۔“

”زمین دہل رہی ہے ... یوں لگتا ہے ... سارے جنگل ہماری طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں ... اور اس وقت ہم ... جنگل کے ایسے کنارے پر ہیں کہ ہماری کمر پر سمندر ہے ... ہم اتنے لوگوں کا کب تک مقابلہ کریں گے ... آخر کار ہمارا اسلحہ ختم ہو جائے گا ... اور ... اوہ۔“ فرزانہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی ... ان سب کے رنگ اڑ گئے ... ایسے میں وہ غیر ملکی بول اٹھا ... جو ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑا تھا۔  
 ”اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں ان لوگوں کو روک سکتا ہوں ... انہیں نہیں معلوم میرے تمام ساتھی مارے جا چکے ہیں ... میں ان سے جو کہوں گا ... یہ مانیں گے ... میں گھوڑے پر سوار جب ان کی طرف جاؤں گا تو وہ خیال کر لیں گے کہ میں ان کے لیے اپنے ساتھیوں کی طرف سے کوئی پیغام لا رہا ہوں۔“

”اوہ ... اوہ۔“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

”بات اس نے زبردست کہی ہے۔“ خان رحمان نے فوراً کہا۔

”جب پھر ہم کیا کریں ... کیا ہم اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
 ”بھروسہ۔“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! ہو سکتا ہے ... یہ اپنی جان بچانے کے لیے چال چل رہا ہو ... اور ان کے پاس جا کر الٹا انہیں بتا دے کہ ہم کس پوزیشن میں ہیں اور یہ کہ ہم نے اس کے تمام ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے ... اس صورت میں تو جنگلی اور زیادہ بچھ کر سامنے آئیں گے ... اور ہمارے لیے اور زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔“ انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

”بالکل جمشید ... یہ یہی کرے گا۔“ خان رحمان نے اسے گھورا۔  
 ”نن نہیں ... تم مجھ پر بھروسہ کرو ... میں تمہارا ساتھ دوں گا ... تم بس میری جان بخشی کرو ... مجھے زندہ رہنے دو۔“

”زندہ تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے ... یہ کوئی مسئلہ نہیں ... لیکن تمہاری طرف سے یہ خطرہ رہے گا کہ تم کہیں ہمیں دھوکا نہ دو ... یہود اور نصارا ہمارے دوست نہیں ہیں ... دشمن ہیں ... یہ بات ہمارے اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے ... لہذا ہم تم پر کس طرح بھروسہ کریں ... پہلے یہ بتاؤ۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چلا تو آپ ناراض ہوئے اور آپ نے ان صحابی سے فرمایا :-

تم نے اسے قتل کیوں کیا ... وہ تو کلمہ پڑھ چکا تھا۔

صحابی نے عرض کیا :

”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ... میں نے خیال کیا کہ

وہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔“

آپ نے ارشاد فرمایا :-

”کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔“

مطلب یہ تھا کہ تمہیں اسے قتل نہیں کرنا چاہیے تھا ... چاہے وہ سچا

تھا یا جھوٹا ... اب یہی صورت حال یہاں پر ہے ... یہ کلمہ پڑھنے کی

بات کر رہا ہے ... ہمیں اس پر یقین کرنا ہوگا ... چاہے یہ ہمیں دھوکا ہی

دے دے۔“

”اچھی بات ہے ... ہم اس پر بھروسہ کر لیتے ہیں ... مسٹر کیا

نام ہے آپ کا۔“

”سام کریک۔“ اس نے فوراً کہا۔

”تو مسٹر سام کریک ... تم پر بھروسہ کرتے ہوئے تمہیں جانے

کی اجازت دیتے ہیں ... تم جا کر انہیں روک دو ... پھر تم خود ادھر

”ٹھیک ہے ... میں مسلمان ہو جاتا ہوں ... اس صورت میں تو تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو نا۔“

”جمشید یہ چال چل رہا ہے ... اپنی جان بچانے کے لیے کر پڑھ لے گا۔“

”اس کا امکان ہے ... بلکہ ضرور ایسا ہی ہے ... لیکن انسپکٹر جمشید نے یہ لیکن بہت زور دار لہجے میں کہا تھا۔

”لیکن کیا ... اور آپ کا یہ لیکن اس قدر زور دار کیوں ہے۔“ شوکی نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے کے لیے تیار ہے اور کلمہ پڑھ لیتا ہے ... تو ہمیں اس کی بات پر اعتبار کی

پڑے گا ... ایک جنگ میں ایسا ہو چکا ہے۔“

”جی ... کیسا ہو چکا ہے۔“

”مسلمانوں کی کافروں سے زبردست جنگ ہو رہی تھی ... اے میں ہمارے ایک صحابی نے ایک دشمن کو گرا لیا، آپ اس کے سینے پر

چڑھ گئے اور اسے قتل کرنے لگے ... ایسے میں اس نے کلمہ پڑھ دیا۔ لیکن صحابی نے خیال کیا کہ وہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے ... لہذا انہوں نے اسے قتل کر دیا ... جب اس واقعے کا



درختوں کی اوٹ لینے کے بارے میں ہدایات دے دیں ... یعنی ہمیں اس طرح اوٹ لینی ہے کہ ہم جنگلیوں کو کسی بھی طرح نظر نہ آئیں۔  
 ”نہیں جمشید ... وہ ان گنت ہیں ... لہذا درختوں کی اوٹ لینا کافی نہیں ہو گا ... ہمیں ان درختوں کے اوپر چڑھ کر خود کو چھپانا ہو گا۔“ منور علی خان نے فوراً کہا۔

”میں بھی یہی کہتا ہوں۔“

”تو پھر یونہی سہی ... جلد از جلد زیادہ گھنے درختوں پر چڑھ جاؤ دوستو۔“

”تو کیا اتنا جان ... آپ کو یقین ہے ... سام کریک ہمیں دھوکا دے گا۔“

”اندازہ یہی ہے۔“

”اللہ مالک ہے۔“

اور پھر وہ درختوں پر چڑھتے چلے گئے ... اس وقت محمود نے بلند آواز میں کہا۔

”انکل آپ نے یہ کیوں کہا تھا ... شاباش فرزانہ شاباش؟ تم

بہت اچھی رہی ہو ... فرزانہ نے بھلا کیا کام دکھایا ہے۔“

”جب گھوڑے سوار ہم تک پہنچ گئے تھے ... تو یہ چند لمحوں پہلے

آجائے ... ہم تمہیں زندہ سلامت جانے دیں گے۔“

”شکریہ سر ... بہت بہت شکریہ۔“ اس کے چہرے پر رونق لوٹ آئی ... اور پھر وہ بلا کی رفتار سے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس نے گھوڑا سر پٹ چھوڑ دیا ... اس وقت انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔  
 ”اس بات کا زبردست امکان ہے کہ یہ ہمیں دھوکا دے گا ... لہذا اس جگہ کو چھوڑ دیتے ہیں ... جلدی کریں ... میرے پیچھے آئیں اور اتنی رفتار سے آئیں کہ کیا کبھی رفتار سے دوڑ ہوں گے ... جنگلیوں کے دوڑتے قدموں کی آواز اگر رک گئی اور پھر نہ آئے تو ہم سمجھ جائیں گے کہ سام کریک نے جھوٹ نہیں کہا تھا ... اور اگر دوڑتے قدموں کی آواز نزدیک آتی چلی گئی تو سمجھ لیں گے کہ اس نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔“

اور پھر سمندر کے مخالف سمت میں تھوڑا سا کئی کتر اگر انہوں نے دوڑ لگا دی ... وہ بے تحاشہ دوڑ رہے تھے اور لمحہ بہ لمحہ جنگل کی طرف بڑھ رہے تھے ... آخر ایک جگہ پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے ... یہ انہیں رکنے کا اشارہ تھا ... سب کے سب رک جائیں ...

”خان رحمان اور منور علی خان ... آپ دونوں ہمیں جلد از جلد

ہی وہاں سے سرک گئی تھی اور یہ فرزانہ ہی تھی جس نے ان پر پہلا غار کیا تھا۔“

”اوہ... تب تو ہم بھی کہتے ہیں... شاہباش فرزانہ شاہباش۔“ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”شکریہ آفتاب شکریہ۔“ فرزانہ کی آواز ابھری۔

”میرا خیال ہے... جنگلی رک گئے ہیں... غالباً سام کریک وہاں پہنچ گیا ہے اور اب وہ اس کی بات سن رہے ہیں۔“

چند منٹ تک بالکل سناٹا طاری رہا... فرزانہ آوازیں سننے کی کوشش میں تھی... فرحت نے بھی زمین کی آوازوں کی طرف کان لگا دیے تھے...

”کافی دیر ہو گئی... اگر جنگلیوں کو اس نے واپس جانے پر آمادہ کر لیا ہے... تو بھی واپس جانے کی آوازیں سنائی دینی چاہئیں تھیں۔“ منور علی خان نے جلدی جلدی کہا۔

”ہاں واقعی... اگر وہ واپس جا رہے ہیں تو پھر بھی واپس جاتی آوازیں آنی چاہیں تھیں۔“

”کہیں وہ انہیں آہستہ آہستہ... دبے پاؤں تو آگے نہیں لا رہا... تاکہ وہ ہم پر یک دم آپڑیں۔“ خان رحمان بڑبڑائے۔

”واقعی! اس بات کا زبردست امکان ہے۔“ فرحت نے گھبرا

کر کہا۔

”مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔“ شوکی کی کانپتی آواز سنائی دی۔

”اب اتنا بھی کیا ڈرنا...“ فاروق نے برا سامنہ بنایا۔

”تو پھر تم بتا دو... ہمیں کتنا ڈرنا چاہیے۔“ آفتاب مسکرایا۔

”ہے کوئی شک۔“ فاروق نے بھٹا کر کہا۔

”میرا خیال ہے... نہیں ہے۔“ محمود نے نہایت سنجیدہ آواز

میں کہا۔

کیا نہیں ہے۔“ آصف بول پڑا۔

”شک اور کیا۔“

”دھت تیرے کی۔“ فاروق نے محمود کی نقل کی۔

”شکریہ... دھت تیرے کی کہنے کے ساتھ تم نے ران پر ہاتھ

نہیں مارا... ہاں اور نہیں تو کیا۔“

”اوہ... آف... نن نہیں۔“

مارے خوف کے فرزانہ کے منہ سے نکلا



## آخری گھوڑے سوار

ان سب کی نظریں فرزانہ پر جم گئیں ... اس کی آنکھوں میں  
زمانے بھر کا خوف تھا ...

”کیا کہنا چاہتی ہو فرزانہ ... صرف اودہ ... اُف ... نن ...  
نہیں کہنے سے کام نہیں چلے گا۔“ آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ فاروق کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

”کیا خیال ہے تمہارا۔“ فرزانہ نے اسے گھورا۔

”یہ کہ اودہ ... اُف ... نن ... نہیں سے کام نہیں چلے گا۔“

”ابا جان ... اور انکڑو ... ہوشیار ... تمام جنگلی ہماری طرف

بڑھ رہے ہیں اور اپنے کسی خاص طریقے سے ... منور علی خان انکل  
بتائیں گے ... کہ وہ کس طرح آرہے ہیں۔“

”اودہ ... ایک منٹ۔“ منور علی خان چوٹے۔

پھر وہ زمین پر لیٹ گئے ... انہوں نے اپنا دایاں کان زمین

سے لگا دیا ... چند سیکنڈ وہ اسی طرح ساکت لیٹے رہے ... پھر سیدھے  
ہوتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”اس میں شک نہیں ... فرزانہ کے کان ہم سب سے تیز ہیں

... یہاں تک کہ اس معاملے میں یہ مجھے بھی پیچھے چھوڑ گئی ہے۔“

”نن ... نہیں تو انکل!“ اس نے گھبرا کر کہا۔

فاروق اور آفتاب برے برے منہ بنانے لگے ... یہ دیکھ کر باقی

مسکرا دیے ... ادھر منور علی خان کہہ رہے تھے ...

”ان کی کوشش یہ ہے کہ ہمیں ساحل سمندر کی طرف دھکیل دیں

... اور ہم درختوں کے درمیان رہ کر ان پر فائرنگ نہ کر سکیں ... جیسا

کہ ہم پہلے بھی کر چکے ہیں ... اور اس بار انہوں نے حکمت عملی بھی

تبدیل کر دی ہے۔“

”کیا مطلب؟“ ان سب کے منہ سے پریشانی کے عالم میں نکلا۔

”مطلب یہ کہ وہ درختوں کی اوٹ لے کر ایک سیدھ میں بڑھ

رہے ہیں ... اس طرح ان کا سفر جاری ہے اور ان کی لائن اس قدر

طویل ہے کہ ہم اپنی کم تعداد کی وجہ سے اس لائن کے خلاف کوئی قدم

نہیں اٹھا سکتے۔“ منور علی خان فکر مندانہ انداز میں کہتے چلے گئے۔

”آپ کی آواز سے پریشانی جھانک رہی ہے انکل ... اور ایسا

غلاف کھیل گیا ہے ... اب اگر ہم ناکام ہو جاتے ہیں ... تم ذرا سوچو ... یہاں تک ... ابھی تک ہمارے علاؤ کون پہنچا ہے ... اور حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ سبران کے لیے راستہ یہیں کہیں سے جاتا ہے۔

”جب بھی انکل۔“ آصف کی آواز گونجی۔

”جب بھی کیا انکل؟“ منور علی خان نے پوچھا۔

”جب بھی ... پریشان ہو کر ... حوصلہ ہار کر ہم کیا کر لیں گے ... کیا ہم اپنی مسلم دنیا کے کسی کام آسکیں گے ... نہیں انکل ... مایوس ہوئے بغیر اگر ہم نے مقابلہ کیا تو اس بات کا امکان ہے کہ ہم کچھ کر گزریں گے اور شاید کامیابی ہمارے قدم چومے ... ورنہ ہم شہادت کا درجہ تو پا ہی لیں گے ... باقی رہ گئی امت مسلمہ ... اس پوری کائنات کا نظام ہم نہیں چلا رہے ... یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے ... وہ ضرور ایسے لوگ پیدا کر دے گا ... جو اس راستے تک پہنچ کر دشمن کا منصوبہ خاک میں ملا دیں گے۔“

”تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے ... لیکن میرے بڑے ساتھی کیوں خاموش ہیں۔“ منور علی خان کی آواز ابھری۔

”ہم ... تمہاری باتیں غور سے سن رہے تھے ... ہماری چھوٹی

ہم پہلی بار محسوس کر رہے ہیں ... جب کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔“ فرزانہ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

انہوں نے نظر بھر کر فرزانہ کی طرف دیکھا۔

”تم نے ٹھیک کہا فرزانہ ... اللہ کی مہربانی سے ہم ہر قسم کے حالات میں مسکرا سکتے ہیں ... ہر قسم کے حالات کا سامنا کر سکتے ہیں ... ہر قسم کی صورت حال میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لیا کرتے ہیں ... تو پھر ... پریشانی کیسی۔“ فرحت کی آواز ابھری۔

انہوں نے ایک بار پھر نظر بھر کر فرحت کی طرف دیکھا۔

”بالکل ٹھیک ... مایوسی اور ناامیدی کا دوسرا نام شکست ہے ...

ہم نہ تو ناامید ہوں گے ... نہ مایوس ... حالات کا ڈٹ کر اور ہوش میں رہ کر مقابلہ کریں گے ... اور نہیں تو کیا۔“ محمود نے پر جوش آواز میں کہا۔

منور علی خان نے اس بار اس کی طرف چونک کر دیکھا ... آخر ان کی آواز ابھری:

”ٹھیک ہے دوستو! میں اپنے لیے پریشان نہیں ہوا تھا ... نہ تم لوگوں کے لیے ... میں نے پریشانی محسوس کی مسلمان ملکوں کے لیے ... جہاں تک میرا اندازہ ہے ... یہ سارا کھیل پوری امت مسلمہ کے



پارٹی نے واقعی بہت خوب صورت باتیں کی ہیں... انہوں نے ہمیں جان بچا دیا ہے... جان جاتی ہے تو جائے... ہم کامیابی حاصل نہیں کر پاتے تو نہ سہی... ہم اپنا کام کریں گے... اور شہادت کے جام پیا لیں گے... ہم ان کا مرتے دم تک مقابلہ کریں گے... انیسٹر

”بالکل ٹھیک جمشید۔“ پروفیسر داؤد نے کہا۔

”ہم بھی شہادت کا جام پینے کے لیے تیار ہیں۔“ شوکی بدروز کی مشترکہ آواز سنائی دی۔

”بالکل ٹھیک... ہم سب تیار ہیں... خان رحمان اور منور علی خان... تم دونوں فوری طور پر غور کرو... مشورہ کر لو... اور ہمیں ہدایات دو۔“

”اوکے۔“ ان دونوں نے کہا۔

تھوڑی دیر تک وہ آپس میں کھسر پھر کرتے رہے... آخر خان رحمان نے کہا۔

”ہم یہاں سے ناک کی سیدھ میں جنگل کی طرف کا رخ کریں گے... اور ایک لائن میں جائیں گے، یعنی سب سے آگے میں ہوں گا... میرے پیچھے منور علی خان، پھر انیسٹر جمشید... پھر انیسٹر کامران مرزا

... پھر پروفیسر داؤد اور اسی طرح تم لوگ... سمجھ گئے۔“

”جی یہاں تک تو سمجھ گئے... لیکن ہم ناک کی سیدھ میں دشمن

کی طرف جا کر کیا کریں گے... یہ آپ نے نہیں بتایا۔“

”دشمن اس خیال میں ہے کہ ہم اسی جگہ رہ کر درختوں کے پیچھے

چھپ کر مقابلہ کرنے پر مجبور ہیں... اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی

راستہ نہیں... لہذا وہ درمیانی راستہ اس خیال کے بغیر طے کریں گے کہ

ہم کہیں آگے کسی جگہ موجود ہو سکتے ہیں... اس طرح وہ آگے نکل

جائیں گے... اور ہم ان کی کمر پر ہو جائیں گے۔“

”بہت خوب! اس سے بہتر ترکیب اس وقت اور کوئی نہیں ہو

سکتی۔“ انیسٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

”لیکن... سوال تو یہ ہے کہ آگے جا کر ہمیں کیا کرنا ہے۔“

”سب سے آگے میں ہوں گا... جب میں محسوس کر لوں گا کہ

اب وہ لوگ زیادہ دور نہیں ہیں... تو میں جس درخت کے نزدیک ہوں

گا اس درخت پر چڑھ جاؤں گا... اسی طرح سب ایک ایک درخت پر

ایک سیدھ میں آنے والے درختوں پر چڑھ جائیں گے... دشمن اپنے

خیال میں مست آگے نکل جائے گا اور اگر ایسا ہو گیا تو گویا ہم ایک

بڑی کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے... ایک اور بات

سمجھنے بعد تو کچھ بھی نظر نہ آتا ... لیکن ان کے لیے بہر حال تاریکی بہتر تھی ... دشمن کے لیے انہیں تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ...

اور پھر انہوں نے دشمن کو آتے دیکھ لیا ... وہ پہلے ہی ایسی پوزیشن میں بیٹھ چکے تھے کہ ضرورت پیش آجائے تو فائرنگ کر سکیں ... جنگلی ان درختوں کے نیچے سے گزرنے لگے ... چونکہ ان کی طرف سے انہیں فائرنگ کا خطرہ تھا، اس لیے وہ درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھ رہے تھے ... پھر جنگلی ان درختوں کے نیچے سے گزرنے لگے ... ایسے میں انہوں نے دور دور تک دیکھنے کی کوشش کی ... جہاں تک نظر جاتی تھی ... انہیں جنگلی ہی جنگلی آتے نظر آرہے تھے ... ان کی تعداد دیکھ کر انہیں خوف محسوس ہونے لگا ... پھر انہیں سام کر یک بھی آگے جاتا نظر آیا ... اگر وہ سب سے پیچھے ہوتا تو وہ اسی وقت اسے شکار کرنا پسند کرتے ... لیکن وہ جنگلیوں کے درمیان میں تھا ... اس لیے اس وقت اس پر وار نہیں کیا جاسکتا تھا ... جنگلی آہستہ آہستہ اس مقام سے آگے جاتے رہے ... اور تقریباً نصف گھنٹے بعد وہ سب اس جگہ سے گزر گئے ... اب انہوں نے اطمینان کا سانس لیا ... اور یہ اطمینان بھی کر لیا کہ پیچھے اب کوئی اور تو نہیں رہ گیا ... اب منور علی خان نے اپنے ساتھیوں کو درختوں سے اترنے کا اشارہ کیا ... وہ بلا کی تیزی سے اتر آئے اور

508

جو ہمارے حق میں جاتی ہے ... گھوڑے سوار اس وقت صرف ایک باقی ہے ... اور وہ ان لوگوں کو آگے لارہا ہے ... تاکہ ہم سے لڑ سکے ... عقل سے کام لینے پر مجبور ہوں گے ... اور اگر ہم اس اکلوتے سوار کو قابو میں کر لیتے ہیں تو جنگی ویسے ہی خوف زدہ ہو جائیں گے ... لیکن خیال رہے آخری گھوڑے سوار کو ہم جان سے نہیں ماریں گے ... کیونکہ اس سے ہمیں سبران کا راستہ معلوم کرنا ہے ...

”اچھی بات ہے۔“

اب اس ترکیب پر عمل شروع ہوا ... وہ ناک کی سیدھ میں چلے گئے ... یہاں تک کہ منور علی خان نے صاف محسوس کر لیا، دشمن اب زیادہ فاصلے پر نہیں رہ گیا، چنانچہ انہوں نے ساتھیوں کو اشارہ کر دیا اور خود بھی ایک درخت پر چڑھتے چلے گئے ... یہ درخت اس قسم کے تھے کہ ان پر چڑھنا بہت آسان تھا ... پھر تھے بھی بہت زیادہ گھنے پتوں والے ... وہ ان میں آسانی سے چھپ سکتے تھے ... درختوں پر چڑھ کر وہ سانس بھی آہستہ آہستہ لے رہے تھے ... کہ کوئی ان کے سانس کی آواز نہ سن لے ... گویا انہوں نے دم سادھ لیا ... اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور جنگل میں تاریکی بڑھ رہی تھی ... ایک



لگنے پر ہماری تلاش شروع کر دیں گے ... ہمیں جنگیوں سے غرض نہیں ... ہم تو بس اس غیر ملکی گھوڑے سوار پر قابو پانا چاہتے ہیں ... کیونکہ ہمیں امید ہے ... وہ سہراں کا راستہ جانتا ہے۔“

”اور یہ کیسے ہو گا ... وہ تو ان کئی ہزار جنگیوں کے درمیان ہے۔“

”کوئی پروا نہیں ... یہ لوگ رات کو سو جائیں گے ... مشکل سے کوئی پہرہ دے گا ... بس ہم رات میں اپنا کام کر دیں گے ... لیکن اس کام کے لیے صرف میں اور انسپکٹر کامران مرزا جائیں گے ... باقی حضرات یہیں رک کر ہمارا انتظار کریں گے ... اور صبح جب جنگی اپنے پاس سے غیر ملکی کو غائب پائیں گے ... تو ضرور خوف زدہ ہو جائیں گے اور فوراً اپنے جھونپڑوں کا رخ کریں گے ... بس ہم جنگل کے کنارے پہنچ جائیں گے اور اپنے قیدی سے راستہ معلوم کر لیں گے۔“ انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے ...

”ترکیب اچھی ہے ... اگر اسی طرح اس پر عمل ہو جائے۔“

”اللہ مالک ہے ... ہم تین گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہوں گے ... کیونکہ اس وقت تک جنگی سو چکے ہوں گے۔“

”اچھی بات ہے ... ہم یہاں رہ کر آپ کے لیے دعا کریں

منور علی خان کے پیچھے اس طرف بڑھے ... جس طرف سے جنگی آئے تھے ... یعنی ان کے جھونپڑوں کی طرف ... اس وقت کم از کم جنگی یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ ان کا دشمن خود ان کے جھونپڑوں کا رخ کر سکتا ہے ... اس لیے منور علی خان انہیں بلا کی رفتار سے اس طرف لے آئے ... وہ سیدھے جھونپڑوں کی طرف نہیں آئے ... بلکہ کئی کترا کر آگے بڑھے چلے گئے ... اب ان کا رخ اس سمت تھا جس سمت سے وہ جنگل میں داخل ہوئے تھے اور جہاں انہیں آدم خور درختوں سے واسطہ پڑا تھا ... وہ ان درختوں کے نزدیک پہنچ کر رک گئے ...

”فی الحال ہمارے لیے بس یہی جگہ محفوظ ہے ... کیونکہ ہمارا دشمن اس طرف نہیں آئے گا ... ان درختوں سے یہ لوگ بھی ڈرتے ہیں ... بلکہ ان سے بہت دور دور رہتے ہیں۔“

”یہ اچھا ہے ... لیکن انکل! اب آپ کا پروگرام کیا ہے۔“

”یہ منور علی خان بتائیں گے ... یا پھر انسپکٹر جمشید انسپکٹر کامران مرزا بتائیں ... فی الحال ہماری ضرورت تھی ... ان کے گھیرے سے نکل آنا ... اور وہ اللہ کی مہربانی سے ہم نکل آئے ہیں۔“

”ہم ... سوچ لیتے ہیں ... وہ لوگ اندھیرا ہونے پر ہماری تلاش ترک کر دیں گے ... لیکن شاید رات وہیں ٹھہریں گے اور دن

”بالکل ٹھیک۔“

اور پھر پروگرام کے مطابق انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا وہاں سے رخصت ہوئے۔ اس وقت انہیں پتا چلا چاند کی ابتدائی تاریخیں تھیں۔ اس لیے جنگل تاریک تھا۔ انہوں نے اپنے موبائل کی ٹارچیں روشن کر لیں اور ان کی روشنی میں آگے بڑھنے لگے۔ اس وقت وہ پوری طرح مسلح تھے۔

وہ چلتے رہے۔ چلتے رہے۔ نصف گھنٹے تک چلنے کے بعد آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں جنگلی لینے ہوئے تھے۔ ہر طرف جنگلی جنگلی لینے نظر آئے۔

”انسپکٹر کامران مرزا۔۔۔ بھلا اتنے جنگلیوں کے درمیان ہم اس غیر ملکی سوار کو کیسے تلاش کر پائیں گے۔“

”ہاں! اس وقت تو یہ مشکل ہے۔ لیکن صبح سویرے یعنی صبح کا سپید اظہار ہونے لگے گا۔ اس وقت ہم ضرور اسے دیکھ سکتے ہیں۔ یعنی درختوں پر چڑھ چڑھ کر۔۔۔ اور ایک بار وہ ہمیں نظر آجائے۔ پھر اسے اٹھا لانا ہمارا کام ہے۔“

”یہی ٹھیک رہے گا۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اور پھر وہ رات انہوں نے ایک درخت سے ٹیک لگا کر بسر کی۔ صبح ہونے لگی تو وہ دو الگ الگ درختوں پر چڑھ گئے اور جنگلیوں کا جائزہ لینے لگے۔ یہ دیکھنے لگے کہ وہ غیر ملکی کہاں ہے۔ اس طرح انہیں کئی بار درختوں سے اترنا پڑا اور کئی بار درختوں پر چڑھنا پڑا۔ اس طرح وہ دونوں اب مکمل طور پر سوئے ہوئے جنگلیوں کے درمیان میں تھے۔ آخر کار انہیں غیر ملکی نظر آ گیا۔ وہ سب کے سب گھوڑے چھ کر سوئے ہوئے تھے اور اس بات کی کوئی امید نہیں تھی کہ ان میں کسی کی آنکھ کھل جائے گی۔ تاہم اس صورت حال کے لیے بھی وہ پوری طرح تیار تھے۔

انسپکٹر جمشید دبے پاؤں غیر ملکی کی طرف چل پڑے۔ انسپکٹر کامران مرزا اپنی جگہ پر رکے رہے۔ ان کے ہاتھ میں ایک جدید طرز کا پستول بالکل تیار تھا۔

غیر ملکی کے نزدیک پہنچ کر انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور اپنا سانس روکتے ہوئے، رومال اس کے ناک سے لگا دیا۔ اس کے بدن میں ہلکی سی حرکت ہوئی اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔ انہوں نے اسے کندھے پر اٹھا لیا اور جنگلیوں کے درمیان سے نکلتے چلے گئے۔ اس حالت میں انسپکٹر کامران مرزا پوری طرح چوکس ان کے ساتھ چل رہے



تھے اور ان کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے ... جب کہ انپکٹر ہمیشہ کے صرف ایک ہاتھ میں پستول تھا، دوسرے ہاتھ سے انہوں نے غیر ملکی کو سنبھالا ہوا تھا ...

جنگلیوں کے درمیان سے احتیاط سے ٹکنا بھی آسان کام نہیں تھا ... کسی وقت بھی کسی جنگلی کی آنکھ کھل سکتی تھی اور صرف ایک جنگلی کے جاگتے ہی کام خراب ہو سکتا تھا ... کیونکہ اس کی چیخ ان سب کو ان واحد میں جگا دیتی ...

وہ چلتے رہے ... چاروں طرف نظریں بھی دوڑاتے رہے ... اور آخر کار بغیر کس خطرے کے وہ ان کے درمیان سے نکل آئے ... اب ان کی رفتار میں تیزی آگئی ... کیونکہ اب راستہ صاف تھا ... پھر وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان پہنچ گئے ... انہیں واپس آتے دیکھ کر ان کے ساتھیوں کے چہرے کھل اٹھے ... آنکھیں چمک اٹھیں تھیں ... ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

”مبارک ہو۔“

”خیر مبارک ...“ دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

انہوں نے غیر ملکی کو پہلے رسیوں سے باندھ دیا ... پھر پروفیسر داؤد نے اسے ایک دوا سنگھائی ... اس نے فوراً ہی آنکھیں کھول دیں

... آنکھیں کھلتے ہی اس کی آنکھوں میں خوف سا گیا ... کیونکہ اس پر جو چہرے بھٹکے ہوئے تھے ... وہ ان لوگوں کے تھے ... جنہیں وہ موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے پوری کوشش کر چکا تھا ...

”یہ ... یہ ... یہ کیا ... مم ... میں تو ان جنگلیوں کے درمیان سویا ہوا تھا۔“

”اسے کایا پلٹ کہتے ہیں۔“ فاروق مسکرایا۔

”صرف کایا پلٹ ہی نہیں ... مم میں بھول گیا کہ اس جیسا اور کون سا لفظ ہے۔“ آفتاب گڑبڑا گیا۔

”ہے کوئی تک۔“ آصف کا منہ بن گیا۔

”چپ۔“ انپکٹر جمشید غزائے۔

”ہاں مسٹر! اب تمہارا کیا پروگرام ہے ... جنگلی تو اب تمہاری

مدد کے لیے آئیں سکیں گے ... کیونکہ ہم جنگل میں ایسی جگہ ہیں ...

جہاں وہ داخل ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے ... اس کی وجہ

یہ ہے کہ یہاں قدم قدم پر موت ہے ... یہاں سے ایک ایک کر کے

ہی کوئی گزر سکتا ہے ... جنگلیوں کا لشکر نہیں گزر سکتا ... وہ آدم خور

درختوں کا شکار ہو جائیں گے ... یعنی وہ پہلے خود انسانوں کو کھاتے رہے

ہیں، اب خود ان درختوں کا لقمہ بن جائیں گے ... اور تم سے زیادہ

اس بات کو کون جانتا ہو گا ... تم لوگوں ہی نے تو اس جنگل کو اپنا راستہ بنایا ہے ... اور ان جنگلیوں کے ذریعے دنیا کے لوگوں کو دور رکھا ہوا ہے ... یہی بات ہے نا۔“

”نہیں ... نہیں ... تم۔“

”ہاں ... ہاں کہو ... کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”تم مجھ سے بہران کا راستہ معلوم نہیں کر سکتے ... کیونکہ ...“ وہ کہتے کہتے رک گیا ... اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کا خوف سما گیا ... بدن میں تھر تھری دوڑ گئی ... اس کی یہ حالت دیکھ کر وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

”کیا ہو گیا بھئی ... خیر تو ہے۔“

”ادھر میں بہران کا راستہ بتانا شروع کروں گا ... ادھر میرا جسم دھماکے سے پھٹ جائے گا۔“

”ہائیں ... کیا کہا ... جسم دھماکے سے پھٹ جائے گا ... یا تم آدمی ہو یا بم۔“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”میرے جسم میں ایک آلہ آپریشن کے ذریعے فٹ کیا گیا ... جب میں ان الفاظ پر پہنچوں گا ... وہ آلہ پھٹ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی میرا جسم پھٹ جائے گا ... مطلب یہ کہ تم مجھے بتانے کی مدد

ہم مجبور کرو تو بھی بہران کا راستہ نہیں جان سکو گے اور یہ چیز صرف میرے ساتھ ہی نہیں ... بہران کے ہر شخص کے جسم میں فٹ ہے ... لہذا بہران میں رہنے والا ... یا بہران سے باہر رہنے والے بہران کا آدمی بہران کا راستہ نہیں بتا سکتا ... تم اس بات کو لکھ لو۔“

”لکھنے کے لیے تو قلم اور کاغذ کی ضرورت پیش آئے گی ... فی الحال ہم دماغ میں محفوظ کر لیتے ہیں ... لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم سچ بول رہے ہو۔“

”تم لوگ میری بات پر یقین نہیں کرتے، نہ کرو ... میری موت تمہیں یقین دلا دے گی۔“

”تم ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔“ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا ... ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہی اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا ... ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کی سرسراہٹ آواز سنائی دی۔

”تمہیں خند آرہی ہے ... تم سو رہے ہو ... ٹھیک ہے ... تم سو جاؤ ... پھر میں تمہیں جاگنے کے لیے کہوں گا ... تو تم جاگ جاؤ گے ... تم سمجھ گئے ... جواب دو ...“ وہ کہتے چلے گئے۔



جنگل سے ہی جاتا ہے نا۔“

اس کے ہونٹ ساکن رہے ... گویا وہ اس سوال کا جواب دیتا تو بھی اس کا جسم پھٹ جاتا ... اب انہوں نے کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے ... تم پانچ منٹ بعد ہوش میں آ جانا ... مجھے تم سے جو پوچھنا تھا، پوچھ لیا۔“

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑے۔

”اس نے غلط نہیں کہا تھا ... لہذا ہم اس سے راستہ معلوم نہیں

کر سکتے ... انہوں نے اس قسم کے کام پہلے ہی کر رکھے ہیں۔“

”لل ... لیکن اتنا جان!“ محمود نے پر جوش انداز میں کہا۔

”ہاں کہو!“ انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

”اگر اس شخص کا آپریشن کر کے وہ آلہ نکال دیا جائے۔“

”ہاں! اس صورت میں ہو سکتا ہے، ہم اس سے راستہ معلوم کر

سکیں ... لیکن اس کا آپریشن کیسے کریں ... ہم میں کوئی ڈاکٹر نہیں ...

مطلب یہ کہ اس کام کے لیے پھر ہمیں برٹائی جانا ہوگا ... اور یہ ایک

مشکل کام ہوگا ... تو کیوں نہ ہم خود راستہ تلاش کریں۔“ انسپٹر جمشید

کہتے چلے گئے ...

”ان جنگلیوں کے ہوتے ہوئے یہ کام بھی تو نہیں کر سکتے ... ہاں

”ہاں! میں سمجھ گیا۔“

”اور تم سو رہے ہو ... خیند کے دوران میں تمہیں حکم دوں گا ... تم اسے مانو گے۔“

”ہاں! میں سو رہا ہوں ... میں حکم مانوں گا۔“

”ٹھیک ہے ... تم سو جاؤ۔“

اس کے چند سیکنڈ بعد انہوں نے کہا۔

”میں جانتا ہوں ... تم سو چکے ہو ... لیکن تم میرے سوالات کے جوابات دو گے۔“

”ہاں! میں جواب دوں گا ... اس کے لب بے ... آنکھیں بند تھیں اور جسم بالکل ساکت تھا۔

”کیا تم بہران کا راستہ جانتے ہو۔“

”ہاں! جانتا ہوں۔“

”اگر تم بہران کا راستہ بتاؤ گے تو کیا تمہارا جسم پھٹ جائے گا۔“

”بالکل پھٹ جائے گا۔“ اس کے ہونٹ ہلے۔

”ٹھیک ہے ... تم ایسے کسی سوال کا جواب دو ... جس سے

بہران کا راستہ معلوم ہوتا ہو ... صرف یہ بتا دو ... بہران کا راستہ اس

## کوئی اور حل

ان کی نظریں پروفیسر داؤد کے چہرے پر جم گئیں... آخر انپکٹر جشیہ نے کہا۔

”خیر تو ہے پروفیسر صاحب... کیا ہوا۔“

”راستہ تلاش کرنے سے پہلے ہمیں ان جنگلیوں سے نبٹنا ہو گا...“

لیکن یہ کئی ہزار ہیں... اتنے بہت سے لوگوں کو مار ڈالنا کوئی آسان کام نہیں، پھر ہم انہیں مار بھی ڈالیں تو ان کی لاشیں جنگل میں سڑتی رہیں گی... ایک مدت تک جنگل میں شدید بدبو پھیلی رہے گی اور ہم نہیں جانتے، کتنی مدت میں راستہ تلاش کر سکیں گے... کر بھی سکیں گے یا نہیں۔“

”ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم انہیں

ہلاک کیوں کریں۔“ انپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

”یہ ہمارے راستے میں رکاوٹ بنے رہیں گے... ان کے ہوتے

اگر راستہ ان آدم خور درختوں میں سے لھٹتا ہے تو اور بات ہے... وہ اس طرف کا رخ نہیں کریں گے... لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے... راستہ سمندر کے کنارے کنارے ہی کسی جگہ پر ملے گا... کیونکہ ہم نے گھوڑے سواروں کو اسی طرف رخ کرتے دیکھا تھا... اگر راستہ وہاں نہیں تھا تو گھوڑے سواروں کو ادھر جانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”تب پھر ان حالات میں راستہ ہمیں خود ہی تلاش کرنا پڑے گا۔“

”اور شاید... یہ کام آسان نہیں... مشکل ترین ثابت ہو گا۔“

پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

اب انہوں نے ان کی طرف دیکھا... تو ان کے چہرے پر عجیب منظر نظر آیا...

☆☆☆☆☆



ہوئے ہم اپنا کام اطمینان سے نہیں کر سکیں گے۔“  
 ”تب پھر اس کا کوئی اور حل سوچا جا سکتا ہے۔“ انہی پر ہنسی  
 نے گہری سوچ کے انداز میں کہا۔  
 ”کوئی اور حل؟“ کئی آوازیں ابھریں۔  
 ”ہاں! کوئی اور حل۔“

”ٹھیک ہے... آپ کہتے ہیں تو ہم کوئی اور حل ڈھونڈ لیتے ہیں...  
 فرزانہ کی عقل کب کام آئے گی۔“ محمود مسکرایا۔  
 ”اور فرحت کی بھی۔“ آصف نے فوراً کہا۔  
 ”ضرور ضرور... کیوں نہیں۔“ فرزانہ نے سر ہلایا۔  
 ”اور میری طرف سے بھی دو مرتبہ ضرور۔“ فرحت نے ہنس کر  
 کہا۔

اور پھر وہ دونوں گہری سوچ میں ڈوب گئیں... سب ان کی  
 طرف دیکھنے لگے... فاروق، آفتاب اور مکھن تو بڑے بڑے منہ بنا  
 رہے تھے جب کہ محمود، آصف اور شوکی، اخلاق اور اشفاق مسکرا رہے  
 تھے... ان حالات میں فرزانہ نے زور انداز میں چنگی بجا لی۔  
 ”وہ مارا۔“

”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“ شوکی نے فوراً کہا۔

”پہلے سن تو لو... کیا خبر اس نے ایسے ہی کہہ دیا ہو... وہ  
 مارا۔“ فاروق نے شوکی کو گھورا۔  
 ”اچھ... چھا۔“ شوکی نے فوراً کہا۔

”چلو بتاؤ فرزانہ۔“ پروفیسر داؤد بہت بے چین ہو گئے۔  
 ”ان سب کو سمندر میں گرا دیا جائے... لیکن اس سے پہلے  
 انہیں اسلام کی دعوت دی جائے... اگر یہ آدم خوری سے توبہ کر لیں  
 اور اسلام قبول کر لیں تو یہ زیادہ اچھا ہے... اس صورت میں یہ الٹا  
 ہمارے کام آئیں گے۔“

”سوال تو یہ ہے کہ یہ اسلام کیسے قبول کر لیں۔“  
 ”اب ان لوگوں نے جسے سردار بنایا ہے... ہم اسے اغوا کر  
 لاتے ہیں... اس سے بات کرتے ہیں... وہ مان گیا تو ٹھیک...  
 ورنہ۔“

”ورنہ کیا؟“ ان سب کے منہ سے نکلا۔  
 فرزانہ نے مسکرا کر سب کی طرف دیکھا... پھر اس نے کہا۔  
 ”ورنہ کے بعد میں بعد میں بتاؤں گی۔“  
 ”ہے کوئی تک۔“ فاروق جل گیا۔

”چلو کوئی بات نہیں... میں اور کامران مرزا رات کو ان کے

نئے سردار کو اٹھا لائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے گویا فرزانہ کی ترکیب سے مکمل طور پر اتفاق کیا۔

پھر رات کے وقت دونوں وہاں سے نکل گئے... باقی سب لوگ وہیں رہے... کیونکہ اس جگہ جنگیوں کے حملے کا خطرہ نہیں تھا... اب وہ لگے انتظار کرنے... یہ انتظار کافی مشکل ثابت ہوا... کیونکہ تین گھنٹے تک ان کی واپسی نہ ہو سکی... آخر غدا کے دوپہر آتے نظر آئے... سردار انسپکٹر کامران مرزا کے کاندھے پر تھا۔ نیا سردار جلد ہی ان کے سامنے پڑا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ "منور علی خان... کیا تم ان کی زبان جانتے ہو۔"

"ہاں بالکل... بلکہ میں تو ان کے لہجے میں بات بھی کر سکتا ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"تب تو بہت ہی اچھا ہے... اب تم ہی اس سے بات کر دو..." اسے دین کی موٹی موٹی باتیں بتاؤ گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

سردار کو ہوش میں لایا گیا... اس نے آنکھیں کھولتے ہی بوکھا کر ان سب کی طرف دیکھا اور پھر وہ فوراً ہی سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے... اس کے منہ سے چند الفاظ نکلے...

منور علی خان نے فوراً اس کی بات کا جواب دیا...

پھر انہوں نے اس سے بات چیت شروع کی... وہ دیر تک اس کام میں لگے رہے... آخر انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا... "یہ کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں... کہتا ہے... اس کے ساتھی انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے... جو نہیں انہیں اس کی گم شدگی کا پتا چلے گا... وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔"

"اوہ اچھا... ہاں فرزانہ! اب تم اپنی باقی ترکیب بتاؤ۔"

فرزانہ دہی آواز میں بتانے لگی... ان کے سر ہلتے چلے گئے... یہاں تک کہ اس کی بات مکمل ہو گئی...

اب انہوں نے نئے سردار کو موت کے گھاٹ اتار دیا... منور علی خان کے چہرے پر سردار کا میک اپ کیا... اور سردار کو وہاں پہنچا دیا... جہاں وہ سویا پڑا تھا...

اب منور علی خان نے جنگیوں کے خاص انداز میں حلق سے آواز نکالی... اس سے پہلے ہی وہ گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے اور سمندر کا رخ کر چکے تھے... انہوں نے جنگیوں کی آواز میں کہا تھا...

"آؤ میرے پیچھے... دشمن اس طرف دوڑا جا رہا ہے۔"

افراقری کے عالم میں انہوں نے اپنے نیزے اور بھالے اٹھائے



تو سر نہیں سکتے تھے ... اب ایک طرف سمندر تھا اور دوسری طرف گولیاں ... جاتے کہاں ... اس قدر بدحواس ہوئے کہ بہت سے تو سوچے سمجھے بغیر سمندر میں جا گرے ... کچھ گولیوں نے اچھال اچھال دیا اور وہ سمندر میں گرتے چلے گئے

درختوں کی طرف ایک لمبی لائن سے ان پر فائرنگ ہو رہی تھی ... اور یہ لمبی لائن فرزانہ کی ترکیب کے مطابق بنی تھی ... ہر دو آدمیوں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھا گیا تھا کہ کوئی درمیان سے گزر کر فرار ہونا چاہے تو وہ اسے بھی نشانہ بنا سکیں ... اس طرح ان کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا ... بس گولیاں کھا کھا کر سمندر میں گرنا ہی ان کا مقدر تھا ... اور کیوں نہ ہوتا ... انہوں نے بھی تو نہ جانے کتنے انسانوں کو کھا ڈالا تھا ... ان پر برابر گولیاں برستی رہیں ... وہ اچھل اچھل کر گرتے رہے ... ایسے میں پروفیسر داؤد نے کچھ گیندیں ان کی طرف اچھالیں ... وہ دھماکوں کے ساتھ پھٹیں اور ان میں سے نہ جانے کتنوں کو سمندر میں لے گئیں ...

اب گولیاں بھی جاری تھیں اور وقفے وقفے سے گیندیں بھی ان کا مزاج پوچھ رہی تھیں ... یہ جنگ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی ... جنگیوں کے پاس چونکہ اسلحہ نہیں تھا اور فرار کی کوئی جگہ بھی نہیں تھی ...

چاہے ... لیکن وہ پہلے ہی ان سب نے کھائی میں ڈال دیے اور سٹے ہتھیار ابھی زیادہ تعداد میں وہ بنا نہیں پائے تھے ... جو تھوڑے بہت بنا سکے تھے ... وہ بھی اس وقت انہیں نہ مل سکے ... کیونکہ ان سب نے مل کر ان کو غائب کر دیا تھا ... اور جنگلی یہ سمجھے کہ ان سے آگے جانے والوں نے وہ تھوڑے بہت نیزے اور بھالے اٹھا لیے ہوں گے ... اگلوں نے سمجھا ... پیچھے والے اٹھا لائیں گے ... بس وہ اندھا دھند بھاگتے چلے گئے ... بے تحاشہ بھاگتے ہوئے آخر وہ سمندر کنارے پہنچ گئے ... یہاں انہیں اپنا سردار کہیں نظر نہ آیا ... تاہم سردار کی آواز ضرور سنائی دے رہی تھی ...

”ان لوگوں نے مجھے سمندر میں دھکا دے دیا ہے ... لیکن میں ایک چٹان پر آگرا ہوں ... تم لوگ فوراً میری مدد کو پہنچو۔“

اس آواز پر جنگلی سمندر کنارے کھڑے ہو ہو کر نیچے جھک کر دیکھنے لگے ... بس یہی وہ لمحہ تھا ... جب ان سب نے ایک سیدھ میں درختوں کی اوٹ لے کر ان پر فائر کھول دیا اور کچھ اس مہارت سے فائرنگ شروع کی ... جیسے ان گنت لوگ ان پر گولیاں چلا رہے ہوں ... وہ چیخیں مارتے ہوئے سمندر میں گرنے لگے ... بدحواسی کے عالم میں درختوں کی طرف پلٹے ... لیکن خالی ہاتھ تھے ... اس طرف کا رخ

بہت سے جنگلی پانی میں بہتے نظر آئے ... وہ دلچسپی سے انہیں دیکھنے لگے ... ان لوگوں کو ڈوبتے اور زندگی کے لیے ہاتھ پیر مارتے دیکھ کر انہیں بالکل ترس نہیں آ رہا تھا ... ایسے میں اخلاق کی آواز نے انہیں چونکا دیا:

”ارے! وہ کیا۔“

☆☆☆☆☆

اس لیے وہ گولیاں کھا کھا کر یا بغیر گولیاں کھائے بھی سمندر میں گرے رہے ... آخر ایک گھنٹے بعد میدان صاف ہو گیا ... اور ان کی لاشوں کے گھنے سڑنے کا بھی مسئلہ نہ رہا ... کیونکہ اب تو ان کے مردہ جسموں کو سمندری مخلوق کی خوراک بننا تھا ...

”اللہ کا شکر ہے ... یہ مرحلہ تو طے ہوا۔“

”لیکن۔“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ حیران حیران سا لیکن کہاں سے لائے شوکی۔“ انسپکٹر کا مران مرزا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہاں ہمیں نہ تو عورتیں نظر آئیں ... نہ بچے۔“

”لگتا ہے ... یہ اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی کھا گئے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”نہیں۔“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

”آدم خور ایسا ہی کرتے ہیں۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے ... تب تو یہ اچھا ہی ہو گیا ... جنگل ان سے پاک ہو گیا۔“

”ہاں ... اللہ کی مہربانی سے۔“

اور پھر وہ سمندر کے کنارے پر آگے پیچھے دیکھنے لگے ... نیچے



اس طرح ایک بار پھر تھوڑی دیر کے لیے فائرنگ کی آوازیں  
سُنیں... آخر خاموشی چھا گئی۔

”لگتا ہے... ان سے مکمل نجات مل گئی... اب سمندر میں دور  
دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”چلیے! ایک مسئلہ تو حل ہوا... اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں سہرا  
کو راستہ کہاں جاتا ہے۔“

میں اس لمحے فضا کے دوش پر آتے چند الفاظ ان کے کانوں  
سے ٹکرائے۔

”ہائیں! یہ کون بولا تھا...“ انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر  
کہا۔

”ہم میں سے کوئی نہیں بولا انگل... کیونکہ ہم سب کی آوازیں  
پہچانتے ہیں۔“

”لیکن میں نے خود آواز سنی ہے۔“ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”ارے باپ رے... مم... میں نے بھی آواز سنی ہے۔“

آفتاب چلا اٹھا۔

”بس تو پھر... ہم ابھی جائزہ لے لیتے ہیں کہ وہ کون ہے جس

## ہنسنے کی آواز

سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا...

”کیا بات ہے شوکی۔“ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

”وہ... وہ... دیکھیے... ایک مقام ایسا ہے... جس سے یہ  
لوگ پھر اوپر آ رہے ہیں... یعنی پانی میں ڈوبی ایک چٹان کو پکڑ کر اس  
کے اوپر آ کر بیٹھ رہے ہیں اور وہاں سے ایک ڈھلوان سی چٹان اوپر کی  
طرف آ رہی ہے... اس پر اوپر چڑھتے ہوئے اوپر آنے کی کوشش کر  
رہے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں... اس جگہ انہیں نشانہ بنانا بھلا کیا مشکل  
ہے۔“

”ہوں... واقعی۔“

اور پھر وہ اس چٹان تک آ جانے والوں کو بھی نشانہ بنانے لگے...  
چٹان پر موجود جنگلی اچھل اچھل کر سمندر میں گرنے لگے...

نے بات کی تھی۔“

”اس ... اس کا مطلب ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے کان بجے ہوں۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”سب کے کان نہیں بج سکتے۔“

”انکل! آپ اپنی گھڑی چیک کریں ... اس نے آواز ریکارڈ کی ہوں گی۔“

”اوہ ہاں ... واقعی۔“ وہ چونک اٹھے۔

اب انہوں نے گھڑی کا ایک بٹن دبایا ... چند سیکنڈ بعد ہی آواز ابھری ... انہیں یوں لگا جیسے کسی نے کچھ کہا ہے ... لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تھے ... کیونکہ نہ تو وہ جنگلیوں کی زبان میں تھے ... نہ اردو میں اور نہ انگریزی میں ... بلکہ انسپکٹر کامران مرزا، انسپکٹر جمشید اور خان رحمان تو کئی اور زبانیں بھی جانتے تھے ... اور پروفیسر داؤد سائنس میں کی گئی باتیں سمجھ سکتے تھے ... لیکن یہ الفاظ کسی کی بھی سمجھ میں نہ آئے۔

”بات تو کسی نے کی ہے ... اور کی بھی ہے آس پاس ہی کہیں سے۔“ انسپکٹر جمشید نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

”اب جب کہ ہم سب جنگلیوں سے نجات حاصل کر چکے اور اس جنگل کو ان کی آدم خوری سے بھی پاک کر چکے ... یہ آواز ہمارے راستے

کی زنجیر بن رہی ہے ... جب تک ہم یہ معلوم نہیں کر لیتے ... کہ یہاں بولنے والا کون ہے اور کہاں ہے ... کیسے قدم آگے بڑھا سکتے ہیں ... اور فی الحال ہمارے لیے مسئلہ ہے ... سبران کا راستہ تلاش کرنے کا۔“

”سبران ... سبران۔“

ایک بار پھر جنگل میں ہلکی ہلکی سی آواز گونجی ... وہ اچھل پڑے ... اور لگے چاروں طرف دیکھنے ... اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ ابھی تک یہ نہیں جان سکے تھے کہ آواز کس سمت سے آرہی ہے ... انہیں یوں محسوس ہوا تھا جیسے ہر طرف سے آرہی ہو اور یہ ایک عجیب بات تھی ...

”انکل! گھڑی چیک کریں ... اس پر سبران ریکارڈ ہوا ہے یا نہیں ... اور کیا آپ کی گھڑی آواز کی سمت نہیں بتاتی۔“ شوکی نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

”بتاتی ہے۔ بالکل بتاتی ہے۔“

”ارے باپ رے۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا ... اس کے چہرے

کا رنگ اڑ گیا تھا۔

”اب تمہیں کیا ہوا ... بلاوجہ سب کو خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ



کرنا۔“ آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

”ان حالات میں میں ایسی کوئی کوشش بلاوجہ کیسے کر سکتا ہوں...  
کیا میں اتنا ہی پاگل ہوں۔“

”یہ تمہیں معلوم ہو گا کہ تم کتنے پاگل ہو؟“ آصف مسکرایا۔  
”یار چپ رہو۔“ آفتاب جھٹکا اٹھا۔

ادھر انسپکٹر جمشید نے گھڑی کا ہٹن ایک بار پھر دبایا... اس میں  
دو مرتبہ بہران بہران ریکارڈ تھا...

”گھڑی آواز کی سمت نہیں بتا رہی۔“

”یہ تو عجیب بات ہو گئی... اور اس کا مطلب ہے... جنگل میں  
کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہے۔“

”ہاں! موجود ہے...“ اس بار الفاظ اردو میں کہے گئے تھے۔  
وہ سب بری طرح اچھلے۔

”ارے باپ رے۔“ فاروق کے منہ سے ایک بار پھر نکلا۔

”کیا ہے تمہیں... ارے باپ رے... ارے باپ رے لگا  
رکھی ہے۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”ارے باپ رے۔“ اس بار محمود اچھلا تھا۔

”لو... یک نہ شد دو شد... فاروق کو تو ارے باپ رے کی

لگ ہی گئی تھی... اب محمود بھی شروع ہو گیا۔“

”نن... نہیں۔“ مارے خوف کے فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

”اوہو کیا مصیبت ہے۔“ خان رحمان نے منہ بنایا۔

”اب... با جان... ذرا یہ اردو والا جملہ سنا لیں۔“ فرزانہ نے

کاہنتی آواز میں کہا۔

”حد ہو گئی... ڈر تو اس طرح رہے ہیں... جیسے اپنے سامنے

شیر کو دیکھ لیا ہو۔“ فرحت نے تلملے ہوئے انداز میں کہا۔

”لیکن اپنے سامنے شیر کو دیکھ کر ہم کب ڈرتے ہیں۔“ منور علی

خان مسکرائے۔

”انکل! آپ کی بات نہیں ہو رہی۔“

”چلو انہی کی ہو رہی ہے... یہ بھی تو شیر کو دیکھ کر اس طرح

نہیں ڈرتے۔“

انسپکٹر جمشید نے پھر گھڑی کا ہٹن دبایا... اس پر جملہ سنائی دیا...

”ہاں! موجود ہے۔“

”ارے باپ رے۔“ ایک بار پھر محمود فاروق اور فرزانہ کے منہ

سے نکلا۔

”لگتا ہے... تم تینوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ آصف نے

ان کا مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

”ہاں! یہی بات ہے۔“ محمود نے سر ہلایا۔

”ہائیں... کیا کہا... ہاں یہی بات ہے...“ پروفیسر داؤد نے

بوکھلا کر کہا۔

”جی ہاں انکل... یہی کہا ہے... ہاں یہی بات ہے۔“

”یعنی تم تینوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ مکھن نے حیران ہو

کر آنکھیں نکالیں۔

”ہاں! یہی بات ہے... تو پھر... ہم کیا کریں... ہم کیا کر

سکتے ہیں... اگر ہمارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ محمود نے آنکھیں

نکالیں۔

”اچھا اچھا بھائی... کر لو دماغ خراب... ہمیں کوئی اعتراض

نہیں... اور ہم ہوتے کون ہیں اعتراض کرنے والے۔“ مکھن نے گہرا

کر کہا۔

”لگتا ہے... یہ ہمارا دماغ بھی خراب کر کے رہیں گے۔“ انپلر

کا مران مرزا نے کہا۔

”کا مران مرزا... لگتا ہو گا تمہیں... مجھے بالکل نہیں لگ رہا۔“

منور علی خان مسکرائے۔

”حد ہو گئی... اور تم مسکرا رہے ہو...“ انپلر کا مران مرزا تھا

اٹھے۔

”میرا خیال ہے... ہم مشورہ کر لیتے ہیں...“ شوکی نے مشورہ

دیا۔

”واہ... مشورے کا مشورہ دے رہا ہے بے چارہ۔“ آصف

خوش ہو گیا۔

”بے چارے ہو گے تم خود۔“ شوکی نے جل کر کہا۔

”اچھا اچھا بھائی... ناراض نہ ہو... ہم بے چارے بھلے۔“

”یہ ہوئی نا بات۔“

”تم لوگ واقعی بے وقوف ہو۔“ جنگل میں آواز ابھری۔

”ارے باپ رے... بھائی میاں... اپنا تعارف تو کرادیں...

آپ ہیں کون... اور اس جنگل میں پتے ہوئے آم کی طرح کہاں سے

فک پڑے...“ فاروق نے کہا۔

”کیا کہا... پتے ہوئے آم کی طرح۔“ چیخ کر کہا گیا۔

”نن... نہیں... میں اپنے الفاظ کو واپس لیتا ہوں۔“ فاروق

گھبرا گیا۔

”بزدل کہیں کے...“ آفتاب نے اسے کانپتے دیکھ کر کہا۔



”فاروق ... آفتاب نے تمہیں بزدل کہا ہے۔“ محمود نے مزہ

بٹایا۔

”اچھا تو پھر ... اب کیا کروں۔“

”پکڑ لو اسے ... میں تمہاری مدد کروں گا ... چٹنی بنا دو اس کی۔“ محمود نے تیز لہجے میں کہا۔

”بالکل ٹھیک ... اس کی چٹنی بنانی ہی ہوگی۔“

”آؤ آؤ ... دیکھ لوں گا میں تم دونوں کو۔“ آفتاب نے دونوں ہاتھ پھیلا کر گویا انہیں لڑائی کی دعوت دی۔

”اچھا یہ بات ہے ... لو پھر ہم آرہے ہیں۔“

یہ کہتے ہی محمود اور فاروق نے آفتاب کی طرف دوڑ لگا دی ...

”ارے باپ رے ... رکو ... رک جاؤ۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے چلا کر کہا۔

لیکن اس وقت دونوں دوڑ چکے تھے۔

”نہیں نہیں ... اگر تم دونوں آفتاب پر حملہ کرو گے تو میں اور فرحت بھی نہیں رہ سکیں گے ... ہم تم دونوں کی خبر لیں گے۔“ آصف نے چلا کر کہا۔

”آؤ ... آؤ ... تم بھی آؤ ...“ محمود پکارا۔

اب تو وہ دونوں بھی دوڑ پڑے ... اب وہ لگے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے ... پل بھر میں ایک طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا۔

”فرحت ... کم از کم مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی ... کہ تم بھی اس فضول کی لڑائی میں کود پڑو گی۔“

”تب پھر ... تمہیں کیا امید تھی۔“ فرحت نے دوڑتے ہوئے

کہا۔

”نٹھرو ... بتاتی ہوں تمہیں ... اب میرا اور تمہارا مقابلہ ہو گا۔“

یہ کہتے ہی فرزانہ بھی دوڑ پڑی۔

”اب ... اب ہم کیا کریں۔“ شوکی نے بے بسی کے عالم میں

کہا۔

”ہم ... ہم ان میں بیچ بچاؤ کراتے ہیں ...“ آفتاب نے فوراً

کہا۔

”اوہ ہاں! بیچ بچاؤ کرانا بہت ثواب کا کام ہے۔“

”تو پھر آؤ۔“

ان چاروں نے بھی دوڑ لگا دی۔

”لگتا ہے ... سب کا دماغ چل گیا ہے ...“ انسپکٹر جمشید

بڑبڑائے۔

”آؤ جمشید ... انہیں چھڑائیں ... کہیں کوئی چوٹ نہ لگا  
ہو۔“

انہوں نے بھی دوڑ لگا دی۔

”دھت تیرے کی ... چھوٹوں کے ساتھ بڑوں کا بھی دماغ پل  
گیا۔ سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔“ خان رحمان نے کہا۔  
”ہم بھی کود پڑتے ہیں ... اس بے کار کی لڑائی میں ... اور کچھ  
نہیں تو انہیں چھڑا ہی لیں گے۔“

انہوں نے بھی دوڑ لگا دی۔

”اب میں ہی یہاں رہ کر کیا کروں گا۔“ پروفیسر داؤد نے بے  
چارگی کے عالم میں کہا اور اس سمت میں دوڑ گئے ... جدھر سب گئے تھے  
اور جس طرف ان سب کی بے ہنگم آوازیں آرہی تھیں ... یا وہ اچھل کود  
مچاتے نظر آرہے تھے ... جلد ہی وہ اس جگہ پہنچ گئے ... لیکن یہاں تو  
اب کوئی بھی نہیں تھا ... تھوڑی دیر پہلے جو جگہ ان کی اچھل کود کی وجہ  
سے اکھاڑے کا منظر پیش کر رہی تھی ... وہاں اب ہو کا عالم تھا ... کوئی  
بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

”کمال ہے ... سب کے سب کہاں چلے گئے۔“

یہ کہتے ہوئے وہ آگے کی طرف چلنے لگے ... اور ادھر ادھر دیکھنے

بھی لگے ... ساتھ میں وہ بڑا بڑا بھی رہے تھے ...

”حیرت ہے ... کمال ہے ... افسوس ہے ... ان لوگوں نے

مجھے تنہا چھوڑ دیا اور خود غائب ہو گئے۔“

ایسے میں کسی نے اچانک انہیں کلائی سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا

... ساتھ ہی ایک ہاتھ ان کے منہ پر آجما تھا ... ورنہ ان کے منہ سے

چیخ نکل گئی ہوتی ...

پھر انہوں نے دیکھا ... انہیں کھینچنے والے اور کوئی نہیں، انپکڑ

جمشید تھے ... ان کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی ... آنکھوں ہی

آنکھوں میں وہ ان سے کہہ رہے تھے ...

”خاموش رہیے گا۔“

یہ کہتے ہی انہوں نے ان کے منہ پر سے ہاتھ اٹھا لیا ... انہوں

نے دیکھا ... اس جگہ صرف وہی تھے ... ان کا اور کوئی ساتھی نظر نہیں

آ رہا تھا ... اس سے پہلے کہ وہ ان سے اشاروں میں یا دلی آواز میں

کچھ پوچھتے ... جنگل میں کسی کے ہنسنے کی آواز گونج اٹھی۔

☆☆☆☆☆



## آگ

ہنسی کی آواز لمبی ہو گئی ... وہ سنتے رہے اور برے برے منہ بناتے رہے ... ہنسنے والا انہیں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا ... نظر تو خیر وہ بھی اب نہیں آ رہے تھے ... سب لوگ کسی نہ کسی درخت کی اوٹ میں تھے ...

”آخر آپ کب تک نہیں گے ... وقت بتا دیں ... تاکہ ہم ہنسی کے رکنے کا انتظار کرنے کی زحمت سے بچ جائیں۔“ فاروق کی آواز سنائی دی۔

”دھت تیرے کی ... کر ڈالی تا بے وقوفی ... میاں اگر منہ سے آواز نکال کر دشمن کو اپنی پوزیشن ہی بتانی تھی تو پھر یہ سب ہڑبونگ مچانے کی کیا ضرورت تھی۔“ محمود نے جھڑپتے ہوئے کہا۔

”اب کیا کرتا ... ہنسی تھی کہ رک ہی نہیں رہی تھی۔“

”اوہو ... تھی تو ہنسی ہی ... کبھی نہ کبھی تو اسے رکنا ہی تھا۔“

”اچھا اب تو ہو گئی غلطی ... اب کیا کیا جا سکتا ہے۔“ فاروق نے برا سامنہ بنایا۔

”چلو پھر پانی میں ڈوب مرو۔“ آفتاب نے چپک کر کہا۔

”اب سب یہ بے وقوفی کر کے رہیں گے ... اس طرح دشمن

سب کی پوزیشن سے باخبر ہو جائے گا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ ہنسنے والے کی آواز سنائی دی۔

”کیسی کوئی بات نہیں ... بھوت انکل۔“ مکھن نے ڈرے

ڈرے انداز میں کہا۔

”ارے واہ ... تم نے میرا نام بھی رکھ دیا ... خیر میں نے برا

نہیں مانا ... پیارے بچوں کی پیاری پیاری باتوں کا برا ماننا بھی نہیں

چاہیے۔“

”لیکن یہ آپ نے کیا کہا ... ایسی کوئی بات نہیں، اس جملے کا

مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔“

”تو ابھی سمجھا دیتا ہوں ... اس میں کیا مشکل ہے ... تم میں

سے ایک نے یہ کہا ہے کہ اب یہ سب بے وقوفی کر کے رہیں گے، اس

طرح دشمن سب کی پوزیشن سے واقف ہو جائے گا ... اس بات کے

جواب میں میں نے یہ کہا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ... مطلب یہ کہ

میں تو پہلے ہی تم لوگوں کی پوزیشن سے باخبر ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے بھی وہ ہنسا۔

”خیر... یہ تو آپ یونہی... ہوائی چھوڑ رہے ہیں... ہوائی چھوڑنے کا مطلب جانتے ہیں نا۔“

”کیوں نہیں... با محاورہ اردو بولنے کا ماہر سمجھا جاتا ہوں میں اور جو بول سکتا ہے، وہ سمجھ کیوں نہیں سکتا۔“

”خوب! آپ ہوائی نہیں چھوڑ رہے تو کیا کر رہے ہیں... آپ اکیلے ہیں... اور ہم کئی... اور ہم الگ الگ درخت کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں... یہ کام ہم نے آپ کی ہنسی کی آواز سنتے ہی کر ڈالا تھا... تب پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ہم سب کی پوزیشن سے باخبر ہیں... ہاں ایک دو کی پوزیشن سے باخبر ہو سکتے ہیں۔“

”ایسی کوئی بات نہیں... میں سب کی پوزیشن سے باخبر ہوں... بے شک تم میرا امتحان لے لو... پوچھ لو... تم میں کون، کون سے درخت کے پیچھے چھپا ہے۔“

”اچھا بتائیں... آفتاب کہاں چھپا ہے؟“

”کون سا آفتاب... تم میں دو عدد آفتاب موجود ہیں۔“ وہ

ہنسا۔

”اوہ... تو آپ یہ بھی جانتے ہیں۔“ محمود کے لہجے میں حیرت

تھی۔

”ارے! یہ پوچھو... میں کیا نہیں جانتا۔“

”چلیے پھر... پہلے یہ بتائیں آپ کیا نہیں جانتے۔“

”میں یہ نہیں جانتا کہ تم کب کیا کر بیٹھو۔“

”اوہ۔“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا... پھر آصف

نے کہا۔

”ہم میں دو آفتاب ضرور ہیں... لیکن ایک کو ہم مکھن کہتے ہیں، آفتاب نہیں کہتے... ورنہ ہمیں کہنا پڑے گا... آفتاب نمبر ایک... آفتاب نمبر 2۔“

”اوہ... اچھا... تو پھر بتاؤ... تم مکھن کے بارے میں جانتا

چاہتے ہو یا آفتاب کے بارے میں۔“

”مکھن کے بارے میں ہی بتا دیں۔“

”اس وقت مجھ سے محمود بات کر رہا ہے... ٹھیک ہے نا۔“

”ہاں! یہ ٹھیک ہے...“ محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”تب پھر سن لو... ارے... اے خبردار... چالاکی دکھانے کی

کوشش نہ کرو... میں نے کہا نا... تم سب میری نظروں میں ہو۔“



”کیا ... مطلب ... کون چالا کی دکھانے کی کوشش کر رہا ہے آپ کو۔“ محمود نے حیران ہو کر کہا۔

”وہی ... ضرورت سے زیادہ چالاک تمہاری بہن فرزادہ ... زمین پر ریگ کر کھسک رہی تھی ... اس جگہ سے تاکہ بعد میں اچانک ظاہر ہو کر مجھے چکر دے سکے ... لیکن میں تم لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔“

”آہا ... تو آپ شک انکل ہیں۔“

”خیر ... میں انکار نہیں کروں گا۔“

وہ دھک سے رہ گئے ... اس جگہ شک سے ملاقات ہونے کی انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی ... انہیں تو یہ بات ابھی معلوم ہوئی تھی کہ اس کیس کے پیچھے مسٹر شک ہیں۔

”انکل شک آپ یہاں کہاں۔“

”میں تو یہاں اس وقت سے ہوں ... جب تم پہلی بار جنگیوں سے کمرائے تھے ... بس دور دور رہ کر تم لوگوں کی حرکات دیکھ رہا ہوں ... ویسے اس میں شک نہیں ... تم لوگ ہو دلچسپ۔“

”کیا کہہ رہے ہیں انکل ... دلچسپ تو کتابیں ہوتی ہیں ... وہ بھی جاسوسی کتابیں۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”آپ کیا کہہ رہے تھے ... آپ اس وقت سے جنگل میں ہیں جب ہمارا پہلا مقابلہ جنگیوں سے ہوا تھا۔“

”ہاں! میں تیل دیکھ رہا تھا اور تیل کی دھار دیکھ رہا تھا ... ظاہر ہے میں اور کیا کر سکتا تھا۔“

”تو آپ نے تیل دیکھ لیا ... تیل کی دھار بھی دیکھ لی ... خوب خوب ... اب آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔“

”کچھ بھی نہیں ... تم لوگوں سے کیا چاہوں گا ... تم لوگوں کے

پاس ہے ہی کیا ... ہمیں دیکھو ... تمہارے ملک میں اس وقت سونے

کے سکتے برس رہے ہیں ... لوگ دیوانہ وار ان سٹوں کو لوٹ رہے ہیں

... حکومت کی ہدایات کے باوجود ... لوگ لوٹ مار میں مشغول ہیں اور

حکومت سر پکڑے بیٹھی ہے ... کیونکہ ان کی ایک نہیں چل رہی ... سکتے

برسانے والی آواز ان سے جو کہتی ہے ... وہ کر گزرتے ہیں ... اس

وقت تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ لوگ ان سٹوں کے چکر میں

پاگل ہو رہے ہیں ... کھانا پینا ... سونا جاگنا ... سب ختم ہو گیا ہے ...

انہیں انتظار ہے سٹوں کی بارش کا ... بارش کب شروع ہوگی ... کہاں

ہوگی ... یہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا ... ان حالات میں سمجھ سکتے ہو کہ

لوگوں کے ذہن ہمارے غلام بن رہے ہیں نا۔“

”آخر منصوبہ ہے کیا۔“

”تمام باتیں تو بتانے والی نہیں ہوتیں۔“

”خیر نہ بتائیں... ہم معلوم کر ہی لیں گے... اتنا بتا دیں۔“

سہران کا راستہ یہاں کہاں سے جاتا ہے۔“ محمود نے تیزی سے کہا۔

”واہ! کیا بات ہے... یہی بتانا ہوتا تو اتنی تک و دو کی کیا ضرورت تھی۔“

”کوئی بات نہیں اٹکل... آپ کی مرضی... ہم بھی آپ کی وادی سہران کا پتا چلا لیں گے... اب آجو گئے ہیں۔“

”ضرور... چالو۔“ شک ہٹا۔

”اور سہران پر کن لوگوں کی حکومت ہے؟“

”سہ ہو گئی... میں نے کہا نا... ہر بات نہیں بتا سکتے۔“

”آپ لوگوں نے کیسے تلاش کر لی یہ وادی۔“ آصف نے منہ

ٲٲا۔

”کام کی تم نے ایک بات نہیں پوچھی۔“ شک کی آواز میں  
بھٹکتا ہوا تھا۔

”بچے وہ آپ خود بتادیں۔“

”کام کی بات یہ ہے کہ یہ جنگل تمہاری آخری آرام گاہ بنے

”ہاں واقعی... یہ تو ہے۔“ اس مرتبہ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”لیکن آپ کی یہ بات اب تک ذہن میں نہیں آئی کہ آپ ہم  
سب کی پوزیشن سے کیسے ہانپ رہے ہیں۔“

”میرے پاس ایک آلہ ہے... میں آلے کے ذریعے یہ دیکھ  
سکتا ہوں کہ کون کہاں ہے۔“

”خیر... آپ پتا چاہتے کیا ہیں۔“

”تم لوگوں کو سہران سے دور رکھنا... کیونکہ ہمارا منصوبہ بہت  
کامیابی سے جاری ہے... اس میں ابھی تک کوئی غلط نہیں ہوا... کوئی  
مسئلہ پیش نہیں آیا۔“

”تو کیا واقعی سہران میں سونے کے پہاڑ ہیں۔“ عکس نے بے  
گنتی کے عالم میں پوچھا۔

”ہاں! وہاں سونے کے پہاڑ ہیں۔“

”بھئی واہ... پھر تو اٹکل شک ہمیں آپ وہاں جانے دیں... یا  
پھر اپنے ساتھ لے جائیں۔“ فاروق کی شوق آواز گونجی۔

”ہم لوگوں کا فیصلہ یہی ہے کہ تم لوگوں کو اس وادی سے دور رکھا  
جائے... اس طرح ہم وہاں بے غری سے اپنے منصوبے پر کام کرتے  
رہیں گے۔“



”اے... آخری وقت میں اپنے اللہ کو یاد کر لو۔“

”یہ تو خیر شک چچا آپ نے واقعی بہت کام کی بات کہی... لگتا ہے... آپ کچھ کچھ مسلمان ہیں۔“

”میں...“ شک ہنسا۔

”ہاں آپ! یہاں ہم نے کسی اور کی آواز تو سنی ہی نہیں۔“

”ٹھیک ہے... میں یہاں اکیلا ہوں... لیکن تم سب لوگوں کے لیے بہت ہوں... باقی رہی یہ بات کہ میں تھوڑا تھوڑا مسلمان لگتا ہوں... تو کہے دیتا ہوں... میں مسلمان بھی ہوں... ہندو بھی ہوں... عیسائی بھی ہوں، یہودی بھی ہوں... پارسی بھی ہوں... اور جتنے بھی دنیا میں مذاہب ہیں... میں وہ سب ہوں... یا پھر میں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوں... دراصل میں ان لوگوں میں سے ہوں جو مذاہب وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑتے۔“

”مطلب یہ کہ آپ دہریے ہیں۔“

”تم مجھے دہریہ کہہ لو... کافر کہہ لو... بے دین کہہ لو... مجھے

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”خیر چھوڑیں... ہمیں اس سے کیا... آپ ذرا اس بات کی

وضاحت کر دیں کہ یہ جنگل ہماری آخری آرام گاہ بننے جا رہا ہے۔“

”ہاں! میں جا رہا ہوں... تم جانو... یہ جنگل جائے... میرا

دعویٰ ہے کہ یہ جنگل تم لوگوں کو نہیں چھوڑے گا... اس طرح گل جائے گا کہ بس اب کیا کہوں... کوئی بات نہیں سوچو رہی کہ کیسے گل جائے گا... خیر یوں کہہ لیں... جس طرح ایک ڈھیل مچھلی کسی انسان کو گل جاتی ہے... اس طرح یہ جنگل تمہیں گل جائے گا اور مجھے یہاں بٹھرنے کی ضرورت نہیں... میں چلا... تم مجھے روک سکتے ہو تو روک لو۔“

”آپ ہمارے سامنے آجائیں... روک کر ہم آپ کو دکھا دیں

گے۔“

”میں بہادری دکھانے کے موڑ میں نہیں... تم لوگوں کے لیے

وقت کیوں ضائع کیا جائے۔“

”اور اب تک آپ کیا کرتے رہے ہیں۔“ فاروق نے طعنیہ کہا۔

”تم لوگوں پر ہم نے خاص طور پر وقت برباد نہیں کیا... ہم تو

اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہیں... تم لوگ تو ہمارے لیے گھاس کے ٹکڑوں

جتنی اہمیت نہیں رکھتے۔“

”آپ کا شکریہ اٹکل شک۔“ شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

”حد ہو گئی... ارے بھائی... سنا بھی ہے... انہوں نے کیا کہا

کے لیے آرہے تھے ... لیکن ظاہر میں ... وہ انہی کی طرف آرہے تھے ... لہذا وہ سب ان کی لپیٹ میں ضرور آتے ...

”فورا درختوں پر چڑھ جاؤ۔“ انسپکٹر جمشید نے چیخ کر کہا۔

”لیکن درختوں پر چڑھ کر بھی ہم کیا کر لیں گے ... کیا آگ درختوں کو معاف کر دے گی۔“ شوکی نے منہ بنایا۔

”اوہو ... فی الحال ان درندوں سے تو خود کو بچاؤ ... یہ آگ سے گھبرا کر سمندر کا رخ کر رہے ہیں ... انہیں معلوم ہے ... اس طرف سمندر ہے، تبھی تو اس طرف آرہے ہیں ... اب ظاہر ہے ... وہ سمندر میں چھلانگیں لگائیں گے ... اور ہم ان کی لپیٹ میں آجائیں گے ... اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم درختوں پر چڑھ جائیں۔“

”ٹھیک ہے ... جلدی کریں۔“

ادھر وہ درختوں پر چڑھے ... ادھر درندے ان درختوں تک پہنچ گئے ... لیکن انہیں اپنی پڑی تھی ... ان کی طرف کیا دھیان دیتے ... اندھا دھند آگے بڑھتے چلے گئے اور پھر انہوں نے زندگی کا حیرت انگیز ترین منظر دیکھا ... درندے اور تمام جانور اور حشرات وغیرہ سب کے سب اندھا دھند سمندر میں گر رہے تھے ... جنگل میں ان سب کا ایک سمندر نظر آرہا تھا اور اس سمندر کی تہ دوسرے سمندر میں گرتی جا

ہے ... خوش ایسے ہو رہے ہیں جیسے وہ ہماری تعریف کر رہے ہیں۔“ آفتاب نے جل کر کہا۔

”نہ کریں ... کوئی بات نہیں ... نہ سمجھیں ہمیں کچھ ... ہمارا تو فرض ہے ان کا شکریہ ادا کریں۔“

”تم کرتے رہو شکریہ ادا میں چلا ... تم لوگوں کی فضول ترین باتیں سن کر کون دماغ خراب کرے۔“

اس کے بعد جنگل میں شنگ کی آواز سنائی نہ دی ... انہوں نے ادھر دیکھا ... ادھر دیکھا ... کسی سمت اس کی موجودگی کا کوئی احساس نہ ہو سکا ... اچانک انہیں تیز آنچ کا احساس ہوا ... یوں لگا جیسے جنگل میں کہیں کہیں آگ لگ گئی ہو ...

”ارے باپ رے ... آگ۔“ فرزانہ چلائی۔

”ہاں یقیناً یہ آگ ہی ہے ... جنگل کی آگ ... اسی طرف شنگ نے اشارہ کیا تھا ...

یعنی اس لمحے ان سب نے ایک ہولناک منظر دیکھا ... جنگل ہزار ہا طرح کے جانور درندے وغیرہ اور حشرات وغیرہ سب بری طرح اس طرف دوڑے چلے آرہے تھے جس طرف وہ تھے ... لیکن ظاہر ہے ... وہ کوئی ان کے چکر میں نہیں آرہے تھے ... وہ تو آگ سے بچنے



جاتے ہوئے کہا۔

”اور ہاں! یہ تو ہے۔“

اور پھر وہ سب اللہ کو یاد کرنے لگے... درندوں کے ریلے کی آمد اور سمندر میں گرنے کی رفتار ابھی تک جاری و ساری تھی... اور پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر تمام درندے سمندر میں کود گئے... اس کے ساتھ ہی انہوں نے آگ کا سمندر اپنی طرف آتے دیکھا...

☆☆☆☆☆

ہی تھی... ایسے میں شدید گرم ہوا کے چھیڑے ان کا حراج پچھ گئے...

”ارے ہاں! یہ تو ہمیں جھلسا دے گی... یہ درندے اور جانور تو سمندر میں کود کود کر اپنی جانیں بچا رہے ہیں... لیکن ہم کیا کریں گے... بہت جلد آگ ہم تک پہنچنے والی ہے۔“ خان رحمان پریشانی کے عالم میں کہتے چلے گئے...

”پہلے یہ درندے تو گزر لیں... پھر ہی ہم کچھ کرنے کی پوزیشن میں آئیں گے۔“

”لگ تو نہیں رہا۔“ فاروق نے مدد مانگا۔

”کیا نہیں لگ رہا۔“

”یہ کہ ہم کچھ کرنے کی پوزیشن میں آجائیں گے۔“ اس نے کہا۔

”اب پھر تمہیں کیا لگ رہا ہے۔“ احمد نے بھرا کر کہا۔

”یہ لگ رہا ہے کہ ہم کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہے۔“

”آگ آگ آگ آگ آگ۔“

”اللہ مالک ہے... اگر ہماری زندگی اسی جنگل میں جل بھی کر

مٹ جاتی ہے تو ہم کبھی کیا سکتے ہیں۔“

”اللہ کو یاد تو کری سکتے ہیں۔“ پروفیسر داؤد نے برا سادہ

اب تو ہمارے ایک طرف آگ ہے اور دوسری طرف سمندر ہے۔“ پروفیسر داؤد نے بلند آواز میں کہا۔  
”ٹھیک ہے ... اتر چلیں۔“

جلد ہی وہ سب نیچے آگئے ... ہوا میں تپش بڑھتی چلی جا رہی تھی ... بلکہ اس کی تپش اب ناقابل برداشت ہو چلی تھی ... یہی وہ لمحات تھے ... جب انہوں نے مل کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے ... ان لمحات میں ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے ... وہ دل ہی دل میں کہنے لگے۔

”اے ہمارے مالک ... اے ہمارے خالق، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ... آپ کے سوا کوئی خالق نہیں ... آپ کے سوا کوئی مالک نہیں ... آپ کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں، آپ کے سوا کوئی بگڑی بنانے والا نہیں، آپ کے سوا کوئی مصیبتوں کے اندھیروں سے نکالنے والا نہیں ... ہمیں اس آگ سے بچالے ... اے رب العالمین ہمیں اس آگ سے بچالے۔“

وہ بار بار یہ کہتے چلے گئے کہ ہمیں اس آگ سے بچالے ... ہمیں اس آگ سے بچالے اور ساتھ میں آمین آمین کہتے چلے گئے ... ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے ...

## سرخ

اللہ اپنا رحم فرمائے۔“ پروفیسر داؤد فکر مندانہ انداز میں پکارے۔  
”یعنی ... ہمیں اس آگ سے اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتے ہیں۔“ خان رحمان نے کہا۔

”بہت جلد آگ ہم تک پہنچ جائے گی ... تھ ... تو کیا ہمیں بھی سمندر میں چھلانگیں لگانا ہوں گی۔“ منور علی خان بڑبڑائے۔  
”پپ ... پتا نہیں ... ہمیں کیا کرنا ہو گا، یا ہم کیا کر سکیں گے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”سب سے پہلے ہم اپنے خالق اور مالک سے دعا کریں گے ... اس آگ ہی سے نہیں اور بھی تمام آفات سے ہمیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات ہی بچا سکتی ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے پرسکون آواز میں کہا۔

”تو پھر سب نیچے اتر آئیں ... درندے تو اب رہے نہیں ...



اچانک سمندر کی طرف سے تیز ہوائیں چلنے لگیں ... ان کا رخ جنگل کی طرف تھا ... وہ ہوائیں بہت ٹھنڈی تھیں ... انہیں یوں لگا جیسے وہ ہوائیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت سے بھیج دی ہوں اور ان کے لیے وہ ہوائیں واقعی جنت کی ہوائیں ثابت ہوئیں ... کیونکہ ان کی وجہ سے جنگل کی آگ کا رخ بدل گیا ... آگ واپس جنگل کی طرف ہی جانے لگی ... اور جو درخت سمندر کے کنارے کی طرف تھے ... وہ آگ سے بچ گئے ... ٹھنڈی ہوائیں جو نہی ان کے جسموں سے ٹکرائیں ... وہ فوراً سجدے میں گر گئے اور بے اختیار ہو کر کہنے لگے ...

”یا اللہ تیرا شکر ہے ... یا اللہ تیرا شکر ہے ... یا اللہ تیرا شکر ہے۔“

وہ یہی کہتے چلے گئے ... ان کی آنکھیں بے تحاشہ آنسو بہا رہی تھیں ... پھر تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے ... ان کا رخ بھی درختوں کی طرف تھا اور وہ سمندر کی طرف سے آرہے تھے ... جھکڑ اس قدر تیز تھے کہ ان کے قدم اکھڑنے لگے ... انہوں نے فوراً درختوں کو پکڑ لیا ... ان جھکڑوں سے انہوں نے کئی درختوں کو اکھڑتے بھی دیکھا ... ان پر خوف سوار ہو گیا کہ کہیں یہ جھکڑ ان کے لیے زحمت نہ بن جائیں ... لہذا وہ پھر دعا میں مشغول ہو گئے ...

آخر آہستہ آہستہ جھکڑوں کی تیزی میں کمی ہونے لگی ... اور پھر سکون ہوائیں چلنے لگیں ... ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی ... لیکن یہ بارش طوفانی نہیں تھی ... یوں لگتا تھا جیسے بارش کو برسنے کی کوئی جلدی نہ ہو ... انہوں نے گھنے درختوں کی پناہ لے لی ... اللہ تعالیٰ نے انہیں آگ سے بھی بچا لیا تھا اور تیز ہواؤں سے بھی ...

وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی ... رات کے نہ جانے کس پہر بارش رک گئی ... صبح مطلع بالکل صاف تھا ... انہوں نے وضو کیا ... نماز ادا کی اور پھر ناشتا کرنے لگے ... ناشتے سے فارغ ہو کر آفتاب نے کہا:

”یہ بتاؤ جب شنگ کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی تو تم لوگوں نے ارے باپ رے کی گردان کیوں شروع کر دی تھی۔“

”بے وقوف اتنی سی بات بھی نہیں سمجھے، شنگ ہم سے دو بار پہلے بھی ٹکرا چکا ہے ... اس لیے ہم اس کی آواز پہچان رہے تھے۔“ فاروق بولا۔

”شنگ اس جنگل میں موجود تھا ... ہم اس کی صرف آوازیں سنتے رہے تھے ... پھر اچانک وہ جنگل سے چلا گیا ... اب ظاہر ہے ... بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ یہاں سے وہ سمندر کے راستے ہی گیا ہے ...

”مہربانی فرما کر ہمیں بھی دکھا دیں ... جو آپ کو نھر آیا ہے۔“

مارے بے چینی کے فرزانہ نے کہا۔

”سطح پر کوئی درندہ نظر نہیں آ رہا ... حالانکہ ہوا کا رخ رات ہی

جنگل کی طرف ہو گیا تھا ... لہذا تمام درندے اس وقت یہیں ہالکل نیچے

ہونے چاہیے تھے ... لیکن ان میں سے تو ایک بھی نظر نہیں آ رہا اور یہ

حد درجے عجیب بات ہے ... آخر وہ کہاں چلے گئے ... سطح پر کیوں نھر

نہیں آ رہے ... مرنے کی صورت میں ان کی لاشیں پانی کی سطح پر نھر

آنی چاہئیں ... لیکن ہمیں زندہ یا مردہ کوئی ایک درندہ نظر نہیں آ رہا۔“

منور علی خان حیرت کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

”تب پھر ... کیا کریں۔“ انسپکٹر جمشید نے الجھن کے عالم میں

کہا۔

”ایک منٹ۔“

فرحت نے کہا اور ایک درخت کی شاخ توڑنے لگی۔

”کیا کرنے لگی ہو۔“ آصف نے اسے گھورا۔

”دیکھ تو رہے ہو ... شاخ توڑ رہی ہوں۔“

”ارے تو میرا چاقو لے لو نا۔ فوراً کاٹ لو گی۔“ محمود چپکا۔

”اوہ ہاں۔“

کیونکہ جنگل کو تو اس نے آگ لگا دی تھی ... اور اس کے لیے اس نے کوئی جدید کیمیکل استعمال کیا تھا ... جس نے آن کی آن میں درختوں کو آگ لگا دی ... مطلب یہ کہ وہ آگ لگا کر درختوں کا رخ تو کر ہی نہیں سکتا تھا ... اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ سمندر سے ہی کوئی خفیہ راستہ بہران کی طرف جاتا تھا ... یا یہاں سے بہران کے لیے کوئی راستہ نکلتا تھا ... ”انسپکٹر جمشید ایک سانس میں کہتے چلے گئے۔

دن شروع ہو چکا تھا ... سورج نکل رہا تھا ... اور وہ بہران کے راستے کی تلاش شروع کر چکے تھے ...

”سب سے پہلے ہم سمندر کا جائزہ لیں گے ... اتنے درندے وغیرہ جو کودے تھے ... ان کا کیا بنا ... کیا وہ ڈوب گئے ... مارے گئے ... یا سمندر کی سطح پر تیر رہے ہیں ... درندے تیرنا جانتے ہیں ... لہذا ان کے بارے میں یہ تو سوچا نہیں جا سکتا تھا کہ وہ ڈوب گئے ہوں گے ... لہذا سب سے پہلے انہوں نے درندوں کے بارے میں جاننے کی کوشش کی ... انہوں نے سمندر کی سطح پر نظریں جما دیں ... درختوں کی شاخوں کو پکڑ کر جھک گئے اور سطح کو دور دور تک دیکھنے لگے ...

”ارے! یہ کیا۔“ مارے حیرت کے منور علی خان کے منہ سے

نکلا۔



”ایک بار اور یہ تجربہ کرنا چاہیے ...“ پروفیسر داؤد نے الجھن کے عالم میں کہا۔

اب پھر ایک بڑی شاخ کاٹی گئی اور اسے سمندر میں گرا دیا گیا۔ وہ بھی گرنے کے بعد دیوار کی طرف آئی اور غائب ہو گئی۔

”لگتا ہے ... اس جگہ پانی کے نیچے ہی نیچے کوئی آبنائے ہے ... درندے اور شاخیں اس میں جا رہی ہیں۔“

”اور ... اور کیا خبر؟“ شوکی پر جوش انداز میں پکاراٹھا۔

”اور کیا خبر کیا؟“ فرحت نے اسے گھورا۔

”کیا خبر ... سبران کے لیے راستہ اسی طرف سے جاتا ہو۔“

”یہ ناممکن نہیں۔“ منور علی خان نے فوراً کہا۔

”لیکن ہم یہ بات کیسے معلوم کر سکتے ہیں ... نیچے کوئی کشتی نہیں ہے ... کچھ نہیں ہے ... اگر ہم میں سے کوئی ایک پانی پر چھلانگ بھی لگا دے تو وہ سیدھا اس آبنائے میں چلا جائے گا اور اس کا نشان تک نہیں ملے گا۔“

”اس کے باوجود ہمیں نیچے جا کر دیکھنا تو ہو گا ... اس بات میں تو اب کوئی شک نہیں رہ گیا کہ کوئی راستہ یہاں سے سبران کے لیے جاتا ضرور ہے۔“

اب محمود نے چاقو کے ذریعے سے شاخ کاٹ دی ...

”لو ... کر لو ... کیا کرنا ہے شاخ کا۔“

”لگتا ہے ... کوئی تجربہ کرے گی۔“ فرزانه ہنسی۔

”ہاں کروں گی ... تو پھر۔“ فرحت نے بھٹا کر کہا۔

”کک ... کچھ نہیں ... جو کرنا ہے ... شوق سے کرو ... تمہیں کوئی نہیں روک رہا۔“

اور پھر فرحت نے وہ شاخ سمندر میں گرا دی۔

”شاخ پر نظریں جمائے رہیں۔“ فرحت نے کہا۔

”اچھی بات ہے ... جما لیتے ہیں ... ہمارا کیا جاتا ہے۔“ فرزانه نے منہ بنایا۔

شاخ پانی پر گری اور اس پر تیرتی نظر آئی ... اس کا رخ اسی طرف تھا ... یعنی جنگلوں کی طرف ... جب کہ اس طرف ایک قدرتی دیوار تھی ... اس دیوار کی سیدھ میں وہ نیچے دیکھ سکتے تھے ... شاخ سیدھی دیوار تک آئی اور پھر ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

”ارے! یہ کیا ... ان سب کے منہ سے نکلا۔“

”شش ... شاخ غائب ہو گئی ... جس طرح درندے غائب ہیں۔“ اسپیکٹر جمشید بڑبڑائے۔

”ہائیں ... کیا ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ اور میں کہاں چلوں۔“  
منور علی خان نے بھی گھبرا کر کہا۔  
سب مسکرانے لگے ... پھر انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔  
”تم اپنی رسی نیچے لٹکاؤ ... فاروق اس رسی کے ذریعے نیچے تک  
جائے گا اور اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہم مل کر اسے اوپر کھینچ لیں گے۔“  
”ارے باپ رے۔“ فاروق کانپ گیا اور وہ ہنسنے لگے۔  
”اور آپ ہنس رہے ہیں۔“ فاروق نے جل کر کہا۔  
”اب ہم اور کیا کریں۔“ آفتاب ہنسا۔

”کم از کم ہمدردی کے دو بول تو بول ہی سکتے ہیں ... مجھے رسی  
کے ذریعے سیدھا نیچے جانا ہوگا ... خدا نخواستہ ہاتھ پاؤں پھسل گئے تو  
سیدھا پانی میں جاؤں گا۔“  
”کوئی فکر کی بات نہیں ... اول تو رسی آس پاس ہی ہوگی ... تم  
اسے پکڑ سکو گے ... یہ نہ ہو سکا تو ایسے موقع پر ہم تمہیں بے یارو مدد  
گار تو چھوڑ نہیں دیں گے۔“ آصف نے جلدی جلدی کہا۔  
”شکر ہے ... کسی نے تو حوصلہ افزا بات کہی۔“ فاروق نے  
خوش ہو کر کہا۔

”حوصلہ افزا باتیں تو ہم بے شمار کر سکتے ہیں ... تم فکر نہ کرو۔“

”لیکن کیسے ... بھلا ہم میں سے کوئی ایک نیچے کیسے جا سکتا  
ہے۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”پتا ہے ... یہ حضرت بوکھلا کیوں رہے ہیں۔“ آصف ہنسا۔  
”اس لیے کہ یہ کام ان کے ذمے لگے گا۔“ فرحت ہنسی۔  
”ہے کوئی تک ... میرے ذمے کیوں لگے گا ... اور تم میں سے  
کسی کے ذمے کیوں نہیں لگے گا۔“

”اس لیے کہ تم نہ صرف درختوں پر چڑھنے کے ماہر ہو ... بلکہ  
رسی کے ذریعے نیچے اترنے کے بھی ماہر ہو۔“  
”لیکن رسی کا ذکر کہاں سے نکل آیا۔“

”بھئی رسی کا ہی کیا ذکر ... ذکر تو کسی بھی چیز کا نکل سکتا ہے۔“  
مکھن مسکرایا۔

”تو یہ ہے تم سب سے ... بلاوجہ میرے سر مہم منڈھ رہے  
ہو۔“

”یہ تیل اسی طرح تو منڈھے چڑھے گی۔“ محمود ہنسا۔

”حد ہوگئی ... حد ہوگئی۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”یہ لوگ ٹھیک کہہ رہے ہیں ... منور علی خان ... چلو۔“ انسپکٹر  
جمشید نے ہنس کر کہا۔



”تب پھر منور علی خان ... رسی واپس کھینچ لو۔“ اہلکار ہمیشہ نے کہا۔  
”کیا کرنا چاہتے ہو۔“

”فرزانہ سے پوچھتے ہیں ... یا فرحت سے ... اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔“

”رسی کے نچلے سرے پر کوئی کپڑا باندھ دیا جائے ... آنکڑا تو اس میں پہلے ہی بندھا ہوا ہے ... جب آپ محسوس کریں کہ آنکڑا پانی تک پہنچ گیا ہے تو اسے واپس کھینچ لیں گے ... اگر کپڑا گیلیا ہوا تو ہمیں لمبائی معلوم ہو جائے گی ... بس وہاں تک رسی لٹکا دیں گے ... اور اس کے بعد فاروق رسی کے ذریعے نیچے جائے گا۔“ فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

”بس ٹھیک ہے۔“

اب رسی واپس کھینچی گئی ... آنکڑے پر کپڑا باندھا گیا اور اس کے بعد پھر رسی لٹکائی گئی ... منور علی خان رسی چھوڑتے چلے گئے ... سب لوگ درختوں کی شاخوں کو پکڑے سمندر پر جھکے نیچے دیکھ رہے تھے ... آخر انہوں نے محسوس کر لیا کہ آنکڑا پانی میں ڈوب گیا ہے۔  
”انکل! آپ اس جگہ رسی پر نشان لگا دیں ... یا اس جگہ گرو

محمود نے مسکرا کر کہا۔

”اچھا بڑے بھائی ... تم کہتے ہو تو اب نہیں کروں گا فکر ... ورنہ ایسے ستر پر جانے والا ... اگر فکر نہیں کرے گا تو آخر وہ اور کرے گا کیا۔“ فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔  
اور وہ ہنس پڑے ...

”میں رسی نکال رہا ہوں ... پہلے تو دیکھنا یہ ہے کہ وہ پانی تک جاتی بھی ہے یا نہیں ... کیونکہ پانی یہاں سے بہت زیادہ گہرائی میں ہے۔“

”چلیے بسم اللہ کریں۔“ فرحت نے جلدی سے کہا۔

اور منور علی خان اسے لٹکانے لگے ... ان کی یہ رسی ان کی مہمات میں اکثر کام آتی تھی ... اس وقت تو اس سے بہت ہی خاص کام لیا جا رہا تھا ... وہ رسی لٹکاتے چلے گئے ... ساتھ میں نیچے بھی دیکھ رہے تھے ...

”ہمیں کیسے پتا چلے گا ابا جان کہ رسی پانی تک پہنچ گئی ہے یا نہیں۔“ فرحت نے پوچھا۔

”ہاں واقعی ... اس کا بھی کچھ انتظام کرنا پڑے گا۔“ منور علی خان مسکرائے۔

گھبرا کر کہا۔

”ہائیں... اس میں مذاق کہاں سے آگیا۔“ انسپکٹر کامران مرزا

نے بھی گھبرا کر کہا۔

”اب آپ بھی مذاق کرنے لگے اگلے... حیرت ہے...“ شوکی

نے فوراً کہا۔

”بھئی... تم نے سنا ہی ہوگا... خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر

رنگ پکڑتا ہے۔“

”جی ہاں! سنا تو ہے... خربوزوں کو رنگ پکڑتے کبھی دیکھا

نہیں۔“ شوکی نے کہا۔

”حد ہوگئی... جا کر کھیتوں میں کام کرو... ایک دن دیکھ ہی لو

مے۔“ آصف نے بھٹا کر کہا۔

”جی... جی اچھا۔“ شوکی نے گھبرا کر کہا۔

”فاروق! تم کھڑے کیا منہ دیکھ رہے ہو... بسم اللہ کرو۔“

”ابھی... تھوڑی دیر پہلے کر تو چکا ہوں بسم اللہ۔“ اس نے

کہا۔

”حد ہوگئی... ارے بھئی رسی...“ انسپکٹر کامران مرزا کہہ رہے

تھے کہ منور علی خان کی خوف میں ڈوبی آواز ان کے کانوں سے نکرائی۔

”اوہ... یہ... یہ کیا... یہ کیا۔“

لگائیں۔“

”گرہ لگانے کے لیے تو رسی کا اس طرف کا آخری سرا پکڑنا ہوگا

... اس جگہ دیے ہی کوئی نشان لگا دیتے ہیں...“ منور علی خان نے کہا۔

”چلیے... یونہی سہی۔“

”فاروق... تمہاری جیب میں رومال ہوتا ہے۔“

”جی ہاں! ہونے کو میری جیب میں کیا نہیں ہوتا۔“ فاروق

مسکرایا۔

باقی چھوٹی پارٹی لگی منہ بنانے... فاروق نے رومال نکال کر

انہیں دے دیا... انہوں نے اس جگہ رومال کو کس کر باندھ دیا... پھر

انہوں نے رسی کے آخری حصے کو ایک درخت کے تنے کے گرد کئی بل

دے کر کس دیا...

”اب اگر رسی ہمارے ہاتھ سے چھوٹ بھی جائے... تو بھی

درخت سے کسی ہوئی تو ہے؟ چلو فاروق بسم اللہ کرو۔“

”بسم اللہ۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”اوہو... بھائی مطلب یہ کہ اس رسی کو پکڑ کر نیچے اترنا شروع

کرو۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”جانے دیں اگلے... کیوں مذاق کر رہے ہیں۔“ فاروق نے



”خیر کوئی بات نہیں... ہم نے اس کو درخت سے تو ہاندا ہوا ہی ہے۔“ انسپکٹر کا مران مرزا نے کہا۔

”ہاں! یہ ٹھیک ہے... لیکن سوال تو یہ ہے کہ ری اس قدر تیزی سے نیچے کیوں جا رہی ہے... ابھی تھوڑی دیر پہلے جب آنکڑا ہمارے خیال کے مطابق پانی سے جا لگا تھا تو اس وقت تو ایسی کوئی بات نہیں تھی... یہ بات تو اس کے ایک منٹ بعد ہوئی ہے... اور ایسا لگتا ہے... جیسے کوئی زبردست قوت اس ری کو نیچے کھینچ رہی ہے۔“

”اللہ اپنا رحم کر... اللہ کا شکر ہے... ابھی فاروق نے ری کو پکڑ کر اترنا شروع نہیں کیا تھا... ورنہ بے چارہ فاروق تو گیا تھا۔“

مکھن نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

”گیا... تھا... کہاں گیا تھا۔“ فاروق نے اسے گھورا۔

”مم... مم... مو۔“ مکھن ہکلا یا۔

”مم مم... مو... کیا۔“

”موت کہنا چاہتا ہے چارہ۔“ آصف ہنسا۔

”حد ہو گئی... میں کیوں جاتا موت کے منہ میں... تم جاؤ۔“

فاروق نے بھٹا کر کہا۔

”چھوڑو بھئی... ایک دن تو سبھی کو جانا ہو گا۔“

## راستہ مل گیا

”سب کی نظریں منور علی خان پر اٹھ گئیں... ان کے چہرے پر زبردست پوکھلاہٹ کے آثار تھے...“

”یہ... یہ ری۔“

”ری... کیا ہوا ری کو... اچھی بھلی تو... ارے باپ رے۔“

فاروق نے چیخ کر کہا۔

اب ان سب نے دیکھا... منور علی خان کے ہاتھوں سے ری با کی رفتار سے نیچے جا رہی تھی...

”یہ... یہ... کیا اکل... آپ ری کو پکڑ کیوں نہیں لیتے۔“

”یہ میرے ہاتھوں سے بھلی کی سی تیزی سے نکلی جا رہی ہے...“

اس رفتار پر اگر میں نے اسے روکا تو میرے ہاتھ جل جائیں گے...“

ان سے خون ٹپکنے لگے گا۔“

”اوہ۔“ مارے خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔

تھیں... ان سب میں بھی قریب قریب رسی کی ضرورت پیش آئی تھی اور بعض جگہوں پر تو رسی کے بغیر ان کا کام ہی نہیں لگتا تھا... جیسے پہاڑ کا سمندر والا کیس... اور آج وہ رسی ان سے جدا ہو رہی تھی... اور آخر رسی اس جگہ سے ٹوٹ گئی اور بلا کی رفتار سے سمندر کی طرف چلی... ان کے دیکھتے ہی دیکھتے... رسی نظروں سے غائب ہو گئی... اب وہ سمندر کی طرف جا رہی تھی... صرف چند سیکنڈ میں رسی انہیں پانی میں گرتے اور پھر غائب ہوتے دکھائی دی۔

”بے چاری رسی۔“

بلکہ بے چارہ فاروق۔“

”اللہ کا شکر کرو... فاروق نے ابھی رسی کے ذریعے اترنا شروع

نہیں کیا تھا۔“

”اب... اب کیا ہو گا۔“ اخلاق احمد کے منہ سے کھوئے کھوئے

انداز میں نکلا۔

”وہی ہو گا جو اللہ کو منظور ہو گا۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”اوہ ہاں! یہ تو ہے۔“

”اب ہم سمندر کی سطح تک کیسے جائیں گے۔“ آصف بڑبڑایا۔

”سمندر کی سطح پر تو خیر ہمیں جانا بھی نہیں چاہیے... ورنہ ہم

اور پھر رسی کے نیچے جانے کا سلسلہ درخت تک پہنچ گیا...“

”درخت سے لے کر کنارے تک کی رسی بالکل تن گئی... جیسے

رستہ کشی کے مقابلے کے دوران رسی پوری طرح تنی ہوتی ہے... اس

وقت بھی صورت حال یہی تھی... ان سب کی نظریں خوف کے عالم میں

رسی پر جمی تھیں... یوں لگتا تھا جیسے کوئی بہت طاقت ور چیز رسی کو نیچے کی

طرف کھینچ رہی ہے... اور اپنا پورا زور لگا رہی ہے۔

”یہ ریشم کی بنی ہوئی ہے... اور تم جانتے ہی ہو... ریشم کس

قدر مضبوط ہوتا ہے۔“

”لیکن انکل... نیچے کی طرف سے کھینچا بھی تو بہت زیادہ طاقت

سے جا رہا ہے۔“ آصف نے کہا۔

”اس میں شک نہیں۔“ منور علی خان نے کہا۔

اور پھر انہوں نے رسی میں ٹوٹنے کے آثار دیکھے... ایک جگہ

سے رسی ترخ رہی تھی۔

”لیجیے انکل... آپ کی رسی تو گئی۔“

”اللہ مالک ہے...“ منور علی خان نے اداس انداز میں کہا۔

ان کی رسی ان کی زندگی کا ایک حصہ تھی... جنگلوں میں شکار

کے دوران تو وہ ان سے کام لیتے تھے، ان کے ساتھ جتنی مہمات سر کی



سب بھی درندوں کی طرح غائب ہو جائیں گے۔“

”غائب تو خیر شنگ بھی ہوا تھا۔“

”لیکن اس نے اوپر سے پانی پر چھلانگ نہیں لگائی تھی۔“

”ارے ہاں... وہ واقعی کسی اور راستے سے گیا ہے... اور ہمیں

وہی راستہ تلاش کرنا ہو گا... اب جیسا کہ آگ کا خطرہ ختم ہو گیا ہے

... ہم اطمینان سے اس سارے ایریے کا جائزہ لے سکتے ہیں... اگر

ہم شنگ کے جوتوں کے نشانات تلاش کر لیتے ہیں... تو سمجھ لو... ہا

رلیا میدان۔“

”اوہ ہاں... شنگ کے جوتوں کے نشانات بہت اہم ہیں...“

بس ٹھیک ہے... سب سے پہلے جوتوں کے نشانات دیکھے جائیں گے

... فرزانہ فرحت... کیا تم اندازہ لگا سکتی ہو... شنگ جنگل میں کس

جگہ تھا۔“

”صرف اندازہ لگا سکتے ہیں... یہ معلوم نہیں کہ اندازہ درست

بھی ہو گا یا نہیں... کیونکہ بظاہر اس کی آواز چاروں طرف سے آتی

محسوس ہو رہی تھی۔“

”لیکن بہر حال... وہ جنگل میں کسی ایک جگہ موجود تھا...“

چاروں طرف موجود نہیں تھا... وہ منہ سے ایسی آواز نکال سکتا ہے...

جس سے سست کا اندازہ نہ لگایا جاسکے... بلکہ یوں محسوس ہو کہ آواز

چاروں طرف سے آرہی ہے۔“

”ہوں ٹھیک... ہم جوتوں کے نشانات کی تلاش شروع کرتے

ہیں۔“

اور پھر وہ چاروں طرف پھیل گئے... زمین کو غور سے دیکھتے

گئے... آہستہ آہستہ وہ اپنا دائرہ بڑا کرتے چلے گئے۔

”ویسے ایک بات ہے...“ فرزانہ کی سوچ میں ڈوبی آواز سنائی

دی۔

”اور وہ کیا...“ سب کے منہ سے نکلا۔

”کیا مسٹر شنگ انتہائی بے وقوف ہے کہ اپنے جوتوں کے

نشانات چھوڑ جائے گا... تاکہ ہم آسانی سے اس تک پہنچ جائیں... یہ

بات حلق سے نہیں اتر رہی۔“

”بالکل ٹھیک... شنگ اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا۔“

”اس کا مطلب ہے... وہ نشانات مٹاتا چلا گیا ہو گا... یا پھر

یہ کام اس نے کسی اور کے ذریعے سے کیا ہو گا۔“

”نہیں خیر... یہ بات تو طے ہے کہ وہ جنگل میں اکیلا تھا...“

اس کے ساتھ کوئی نہیں تھا... رہ گئے گھوڑے سوار وہ پہلے ہی ختم ہو گئے

تھے۔“

”بہر حال ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے ... اگر اس نے جائے ہوئے کوئی نشانات چھوڑے تو ہم ان کو تلاش کر سکتے ہیں ... اور اگر اس نے نشانات کو مٹانے کا کوئی طریقہ اختیار کیا ہے تو شاید اس طریقہ کے نشانات مل جائیں۔“ فراز نے جلدی جلدی کہا۔

”کیا کہا ... طریقے کے نشانات۔“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں ہاں! کہہ دو یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”یہی تو مشکل ہے ... یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔“

”آؤ ابھی ... وقت ضائع نہ کرو۔“

محمود نے منہ بنایا اور یہ سب کے سب ادھر ادھر پھیل گئے ... سمندر کے ساتھ ساتھ درختوں کی جو لائن چلی گئی تھی ... وہ اس کے دونوں طرف چلتے چلے گئے ... یعنی ان میں سے نصف دائیں طرف بڑھتے چلے گئے ... باقی نصف بائیں طرف ... وہ بہت دور تک چلے گئے ... پھر دونوں طرف سے واپس وہیں آگئے جہاں سے چلے تھے ... گویا انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا ...

”ہم اس طرف اتنی دور ہو آئے ہیں کہ اتنے فاصلے سے شگ کی آواز سنی ہی نہیں جا سکتی تھی ... جب کہ وہ ہم سے آخری لمحے تک

بات کرتا رہا تھا اور اس کا مطلب ہے ... وہ ہمیں سے غائب ہوا تھا ... غائب ہونے کی جگہ بالکل اسی جگہ ہے ... اس خیال کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ وہ گھوڑے سوار بھاگ کر یہیں آئے تھے ... گویا وہ اسی جگہ سے غائب ہونے والے تھے۔“ انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

”میرا بھی یہی خیال ہے ... ہمیں اس جگہ سے دور نہیں جانا

چاہیے اور یہاں کے چپے چپے کا جائزہ لینا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے ... یہ بھی کر لیتے ہیں ... ہمارا کیا جاتا ہے ...

دیے بار بار خیال آتا ہے کہ نہ جانے اسلامی دنیا کا کیا حال ہوگا ...

سونے کے ان گنت سکوں نے لوگوں کو پاگل تو نہیں کر دیا ہوگا۔“

”ایسا تو خیر ہو رہا ہوگا ... اللہ اپنا رحم فرمائے ... ہمارے پاس

کوئی ذریعہ نہیں کہ حالات معلوم کر سکیں۔“

اب انہوں نے زمین کا غور سے جائزہ شروع کیا ...

”ساتھ میں درختوں کا بھی جائزہ لیتے رہنا ... کیونکہ۔“ منور علی

خان کی آواز ابھری۔

”آپ نے کیونکہ کہنے کے بعد خاموشی اختیار کر لی ... حالانکہ یہ

آپ کی عادت نہیں۔“ فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

”پتا نہیں کیا چکر ہے ... اس جنگل میں میری عادات بدلتی



جاری ہیں... خیر میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ بعض درختوں میں سے بھی راستہ نکالا جا سکتا ہے... درختوں کی کھوکھو بھی ہوتی ہے اور بعض درخت تو اس قدر تندرست ہوتے ہیں کہ انہیں اندر سے کھوکھلا کر کے کئی انسان چھپ سکتے ہیں...

”ٹھیک ہے انکل! ہم درختوں پر بھی نظر رکھیں گے... اور کوئی غیر معمولی تنے والا درخت نظر آیا تو اسے ٹھوک بجا کر دیکھیں گے۔“ آصف نے پر جوش انداز میں کہا۔

”بالکل ٹھیک۔“

وہ چاروں طرف پھیل کے اپنا کام کر رہے تھے... اس وقت اس کام میں انہیں ذرا بھی اکتاہٹ نہیں ہو رہی تھی... یوں لگتا تھا جیسے جوش ان پر بری طرح سوار ہو گیا ہو... پھر اچانک انہوں نے شوکی کی چیخ کی آواز سنی۔

”اُف مالک! میں نے راستہ تلاش کر لیا ہے۔“

”کیا... کیا کہا... تم نے... تم نے سبران کا راستہ تلاش کر لیا ہے۔“

وہ ایک ساتھ چلائے۔

☆☆☆☆☆

## سمندر میں سمندر

پھر وہ جہاں جہاں بھی تھے... وہاں سے شوکی کی آواز کی طرف دوڑ پڑے... جلد ہی وہ شوکی کے گرد کھڑے تھے اور اسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو... کیونکہ انہیں چاروں طرف نظریں گھمانے پر بھی کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا... ”شوکی! تم نے مذاق کیا تھا۔“ خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

”نن... نہیں انکل۔“

”تب پھر کہاں ہے راستہ۔“ انہوں نے منہ بتایا۔

”اس میں شک نہیں... اس نے کھوئے کھوئے انداز میں

کہا۔

”کس میں شک نہیں۔“

”اس میں کہ مجھے راستہ نظر آ گیا تھا... لیکن جونہی میں پہنچا...

راستہ غائب ہو گیا۔“

”کیا کہا... غائب ہو گیا... راستہ۔“ انسپکٹر جمشید چلائے۔  
”جی ہاں!“

”شوکی... مذاق نہ کرو یار۔“ پروفیسر داؤد نے بھٹا کر کہا۔  
”انگل میں مذاق نہیں کر رہا... میں یہاں کھڑا تھا... اور چاروں طرف دیکھ رہا تھا... اچانک مجھے محسوس ہوا... میرے ساتھ ایک درخت میں ایک بڑا سا دروازہ آپ ہی آپ کھل گیا ہے۔“  
”ایک درخت میں ایک دروازہ... آپ ہی آپ کھل گیا ہے... مارے حیرت کے انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”جی ہاں انگل... آپ ہی آپ۔“

”خیر... ہم یہاں کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھنا شروع کرتے ہیں... تم بھی دیکھو... ہو سکتا ہے، وہ دروازہ پھر نظر آجائے۔“

”درخت میں دروازہ۔“ آفتاب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہاں بھئی... درخت میں دروازہ ہو سکتا ہے۔“  
”خیر خیر۔“

پھر انہوں نے چاروں طرف نظریں گھمانا شروع کیں... اچانک

آصف کے منہ نکلا۔

”وہ رہا دروازہ۔“

اس نے انگلی اٹھا دی... ساتھ ہی اس کے منہ سے نکلا۔

”ارے دروازہ کہاں گیا؟“

”آؤ... اس طرف... جس طرف اچانک آصف نے انگلی

اٹھائی تھی۔“

وہ اس طرف دوڑ پڑے... پھر رک کر آس پاس کے درختوں کو

غور سے دیکھنے لگے... ان میں ایک درخت بہت بڑے تنے والا تھا...

آصف نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہو نہ ہو... وہ دروازہ اس درخت میں کھلتا ہے۔“

”ہاں! اس جگہ سب سے بڑے تنے والا یہی درخت ہے۔“

منور علی خان نے کہا۔

سب اس کے اور قریب چلے آئے... انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر

کامران مرزا نے تھپ تھپا کر دیکھا۔

”اوہ... اوہ... یہ اندر سے کھوکھلا ہے۔“

”بس تو پھر مار لیا میدان۔“

انسپکٹر جمشید نے درخت کو غور سے دیکھا... پھر انہوں نے ایک



”ارے باپ رے ... یہ ... یہ کیا ہو رہا ہے ... جو اندر قدم رکھ رہا ہے غائب ہوتا جا رہا ہے ... ارے باپ رے ...“ فاروق کانپ گیا۔

”اب ارے باپ رے کہو یا کچھ بھی کہو ... ان کے پیچھے تو جانا ہو گا ... اب ہم ان کے جانے کے بعد یہاں تو کھڑے رہ نہیں سکتے ...“  
لو میں چلا۔“

محمود نے کہا اور اندر قدم رکھ دیا ... دوسرے ہی لمحے وہ بھی غائب ہو گیا ... عجیب بات یہ تھی کہ ایک پاؤں اندر رکھتے ہی بندہ غائب ہو جاتا تھا ... وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ ہو کیا رہا ہے ... ایک پاؤں اندر اگر خلا میں جا رہا تھا تو باقی دھڑ کو تو زبردست جھٹکا لگنا چاہیے تھا ... لیکن ایسا نہیں ہو رہا تھا ... اور ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ پہلے یہ دیکھتے کہ وہ غائب کیسے ہو رہے ہیں ... انہیں تو اس بات کی لگی تھی کہ ان کے ساتھی جا کہاں رہے تھے ...

”میں بھی چلا ساتھیو! اب مجھ سے رہا نہیں جا رہا۔“ آصف نے کہا اور پاؤں خلا میں رکھ دیا ... وہ بھی غائب ہو گیا۔  
”یا اللہ رحم ... اب ... اب ہم کیا کریں ... کون

جگہ انگوٹھا رکھ دیا ... اچانک درخت میں خلا نمودار ہوا ...  
”وہ مارا۔“ وہ ایک ساتھ چلائے۔

”لیکن!“ انسپکٹر جمشید نے بھی بلند آواز میں کہا۔  
”لیکن کیا انکل ... آپ ان حالات میں تو کوئی لیکن نہ لائیں۔“ مکھن نے گجرا کر کہا۔  
وہ مسکرا دیے ... پھر انہوں نے کہا۔

”اس درخت کی کھوہ میں اترنے کے لیے سیڑھیاں نہیں ہیں۔“  
”تو کیا ہوا! انکل ... کوئی اور ذریعہ ہو گا۔“  
”ٹھیک ہے ... میں اس میں داخل ہوتا ہوں۔“  
یہ کہہ کر انہوں نے بسم اللہ کہا اور اندر پاؤں رکھ دیا۔  
”دوسرے ہی لمحے وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گئے۔“  
”ابا جان!“ محمود چلا یا۔

”یار چپ رہو ... اسی راستے سے شنگ گیا ہے ... اسی راستے سے ان گھوڑے سواروں کو جانا تھا ... ظاہر ہے وہ گھوڑوں کو اوپر ہی چھوڑ جاتے ... آؤ ... اللہ مالک ہے۔“

یہ کہتے ہی انسپکٹر کامران مرزا نے بھی پاؤں اندر رکھ دیے ...  
فورا ہی وہ بھی غائب ہو گئے۔

جائے گا اب۔" مکھن نے کانپتی آواز میں کہا۔

"جانتا ہی ہو گا۔" آفتاب نے گانے کے انداز میں کہا اور غائب ہو گیا۔

"ٹھیک کہا اس نے... "شوکی نے کہا اور اس نے بھی اندر قدم رکھ دیا... اس طرح باری باری سب غائب ہو گئے... سب سے آخر میں پروفیسر داؤد نے قدم رکھا تھا... آخر میں خلا خود بخود بند ہو گیا... سب سے پہلے انسپکٹر جمشید نے قدم رکھا تھا... ان کا خیال تو یہ تھا کہ اندر کوئی سیڑھی وغیرہ ہو گی... لیکن ان کا پاؤں جب سیدھا نیچے چلا گیا تو پچھلے پاؤں کی جگہ پر بھی خود بخود ایک خلا ہو گیا تھا، لہذا انہیں کوئی جھٹکا نہیں لگا تھا... ادھر ان کے گرتے ہی وہ جگہ اپنی اصل حالت پر آگئی تھی... یعنی جب دوسرا ساتھی آگے آیا تو اسے یہ محسوس نہ ہو سکا کہ یہ جگہ نیچے چلی جاتی ہے... بہر حال یہ کچھ عجیب قسم کا میکنزم تھا... سمجھ میں نہ آنے والا... کوئی فرصت کا وقت ہوتا تو وہ اس پر غور کرتے... لیکن اس وقت تو ان کے سر پر آگے بڑھنے کا بھوت سوار تھا... اور وہ جلد از جلد سہراں میں پہنچ جانا چاہتے تھے...

انسپکٹر جمشید جب خلا میں گرے تو ان کا بدن نیچے کسی بہت ہی نرم ملائم چیز پر گرا... انہیں ذرا بھی چوٹ کا احساس نہ ہوا... یوں لگا تھا

جیسے روٹی کے بہت بڑے ڈھیر پر گرے ہوں... البتہ بے تھارہ ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا... انہوں نے چھوکر دیکھا... تو وہ اسٹینج تھا... بہت بڑا اور موٹا اسٹینج اور بہت لمبا اور چوڑا بھی... لیکن وہ اس وقت مکمل تاریکی میں تھا... انہیں خود اپنا آپ بھی نظر نہیں آ رہا تھا... اچانک انہیں خیال آیا... ان کے بعد دوسرے بھی تو آئیں گے... کہیں وہ ان کے اوپر نہ آگریں... اس خیال کے آتے ہی وہ لوٹ لگا گئے... اور کافی دور تک لڑھک گئے... ساتھ ہی انہوں نے آواز لگائی،

"اب جو بھی اوپر سے نیچے آئے... وہ ساتھ ہی لڑھک بھی جائے... کہیں بعد میں آنے والا اس کے اوپر نہ آگرے۔"

وہ بار بار یہ جملہ دہراتے رہے... ساتھ میں وہ محسوس بھی کر رہے تھے کہ ان کے ساتھی گرتے چلے آ رہے ہیں... ان کی آواز سن کر وہ لڑھکتے رہے... آخر ان کے حساب کے مطابق سب ساتھی آگئے... تب انہوں نے کہا۔

"میرا خیال ہے... سب لوگ آگئے ہیں۔"

"سب سے آخر میں پروفیسر انکل اوپر رہ گئے ہیں... اگر وہ آگئے ہیں تو یہ بات کہی جاسکتی ہے... "انہوں نے اشتقاق کی آواز سنی۔



”میں بھی آپکا ہوں۔“ پروفیسر داؤد نے کہا۔

”اللہ کا شکر ہے۔“

”لیکن یہاں تو کچھ نظر ہی نہیں آ رہا۔“

”ہاں! یہ مسئلہ خوفناک ہے... لیکن... چونکہ یہ راستہ بہران کا

راستہ ہے... اور بہران کے لوگ اس راستے سے آتے جاتے رہتے ہیں

... اس لیے کوئی نہ کوئی بات تو سامنے آئے گی... اب یا تو رات کا وقت ہونے کی وجہ سے یہاں اندھیرا ہے... یا پھر کوئی اور بات ہے۔“ انسپٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

”میرا تو دل بری طرح گھبرا رہا ہے... یہ تو ایسا اندھیرا ہے جیسے قبر کا اندھیرا۔“ اشفاق نے کانپتی اور لرزتی آواز میں کہا۔

”کہہ تو ایسے رہے ہو جیسے قبر کا اندھیرا دیکھا ہوا ہے۔“

”بھئی گھپ اندھیرا ہی ہوتا ہو گا نا... اور وہاں روشنی اگر ہوتی

ہے تو اعمال کی ہوتی ہے نا...“ شوکی نے جلدی سے کہا۔

”ہاں... شوکی... بالکل یہی بات ہے... دیکھو... گھبراؤ

نہیں... جن لوگوں نے یہاں اتنا موٹا اسفنج رکھا ہوا ہے... بلکہ یوں

کہنا چاہیے... موٹا اور نرم... ان لوگوں نے یہاں اندھیرے کا بھی

کوئی انتظام کر رکھا ہو گا... ہمیں وہ انتظام تلاش کرنا ہے... پھر یہ جگہ

ضرور روشن ہو جائے گی۔“ انسپٹر کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

”بالکل ٹھیک... روشنی کا انتظام تو ضرور کیا ہو گا... وہاں بہران

کے لوگ کیا اندھیرے میں زندگی بسر کرتے ہوں گے۔“ خان رحمان نے کہا۔

”تو آپ کے خیال میں یہ بہران ہے۔“ آصف نے حیدران ہو

کر کہا۔

”یہ تو میں نہیں کہہ سکتا... لیکن یہ بہران کا راستہ ضرور ہے۔“

”آپ کا مطلب ہے... اب ہمیں روشنی کرنے کے لیے ہاتھ

پاؤں مارنے ہوں گے۔“ فاروق کی آواز ابھری۔

”ہاں! مجبوری ہے... اس کیس میں ہاتھ پاؤں تو مار رہے ہیں

... جب سے یہ شروع ہوا ہے۔“ آفتاب نے جملے کٹے انداز میں کہا۔

”اسفنج پر ہر طرف لوٹ لگانا شروع کر دو... شاید کہیں پیش سوچ

لگا ہوا ہو۔“ انسپٹر کامران مرزا نے کہا۔

وہ اندھیرے میں لوٹ لگانے لگے... ایسے میں آپس میں ایک

دوسرے سے فکر ابھی گئے... جب وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے تو انہیں

ہنسی بھی آ جاتی اور جملے بھی منہ سے نکلتے... لیکن اس وقت دھن سوار

تھی اس جگہ کو تلاش کرنے کی... بہت دیر تک یہ دھینگا مشق ہوتی رہی

... لیکن انہیں کوئی سوچ نہ ملا...

”اب کیا کیا جائے۔“ فاروق کی آواز ابھری۔

”کرنا کیا ہے، کوشش جاری رکھی جائے... اور ہمیں یہاں کرنا کیا ہے... اندھیرے میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔“

”اچھی بات ہے۔“

وہ پھر کوشش کرنے لگ گئے... اس طرح بہت دیر گزر گئی... اور وہ تھک گئے... انہیں خیند آنے لگی... آخر تھکن نے ان پر خوب خیند طاری کر دی... وہ بے سدھ ہو کر سو گئے... روشنی کو بھی بھول گئے اور اس بات کو بھی کہ وہ کہاں ہیں... آخر چھ سات گھنٹے مسلسل سوتے رہنے کے بعد جب وہ جاگے تو وہاں ہر طرف روشنی تھی، روشنی دیکھتے ہی وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے... انہوں نے چلا کر کہا۔

”مبارک ہو... روشنی مبارک ہو۔“

اب انہوں نے اس جگہ کو دیکھا... مارے حیرت کے ان کی آنکھیں پھیل گئیں... وہ چاروں طرف پہاڑیوں سے گہری ایک وادی تھی... اور اس پوری وادی میں آسپنج موجود تھا... ساتھ ہی انہیں پانی کا شور محسوس ہوا... اس شور نے انہیں اور زیادہ حیرت زدہ کر دیا... گویا اوپر جنگل سے وہ جس سمندر کو دیکھ رہے تھے... وہ اس وقت اس

سمندر کے آس پاس اس پہاڑی وادی میں تھے... اور پانی کوان تک آنے سے یہ چٹانیں روک رہی تھیں...

”یہ جگہ تو ایک پیالے کی مانند ہے... بالکل گولا کی میں ہے۔“

”میں ذرا چٹان کی چوٹی تک ہو آؤں... پتا تو چلے... ہم کہاں

ہیں اور وہ جگہ کہاں ہے... جہاں ہم نے ری گرائی تھی۔“ انسپکٹر کامران

مرزا نے کہا اور پھر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا... انہوں نے سر ہلا دیا

... پھر کہا۔

”میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ باقی ساتھی یہیں رہیں

گئے۔“

اب دونوں آگے بڑھے اور پھر اوپر چڑھتے نظر آئے... اس

وقت انہوں نے محسوس کیا... وہ چڑھائی اتنی آسان نہیں تھی... کافی

مشکل تھی... ان سب کی نظریں ان دونوں پر جمی تھیں...

”ہم نے غلطی کی... انہیں جانے دیا... یہ کام فاروق سے لینا

چاہیے تھا۔“ آصف کی آواز گونجی۔

”بھائی میں پائپوں پر چڑھنے کا ماہر ہوں... چٹانوں پر چڑھنے کا

نہیں۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”لیکن تم درختوں پر چڑھنے کے بھی تو ماہر ہو... لہذا چٹانوں پر



بھی آسانی سے چڑھ سکتے ہو۔“ آفتاب مسکرایا۔

”چٹان میں اور درخت میں کچھ فرق ہے ... سمجھے؟“ فاروق نے ہنسنے لگا۔

”اچھا بڑے بھائی کاٹ کھانے کو ... ارے ... وہ لو ... دونوں چوٹی پر پہنچ گئے اور اب جھک کر سمندر کا جائزہ لے رہے ہیں۔“  
”اللہ کا شکر ہے۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”اوہو ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔“

انہوں نے انپکڑ جمشید کی آواز سنی۔

”لو بھئی ... انہیں تو کچھ نظر بھی آگیا ... آؤ۔“

وہ سب دوڑ پڑے اور چٹانوں کے دامن میں پہنچ گئے۔

”کیا ہم بھی اوپر آئیں ابا جان۔“

”چڑھائی کافی مشکل ہے ... پھر بھی تم آنا چاہو تو آجاؤ ... بس

پروفیسر صاحب کو نہ لانا۔“

”شکریہ جمشید۔“ پروفیسر داؤد مسکرائے۔

”ایک عدد شکریہ میری طرف سے بھی اٹکل۔“ ایسے میں اشفاق

کی آواز سنائی دی۔

”کیا مطلب؟“ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

”میں بھی چٹانوں پر چڑھنے سے ڈرتا ہوں۔“

”اوہ اچھا ... خیر ... تم بھی نیچے ٹھہرے رہو ... پروفیسر صاحب

کے پاس بھی تو آخر کسی نہ کسی کو ہونا چاہیے۔“

”ویسے ... جمشید ... تم کہو تو میں آجاتا ہوں۔“

”ایسے تو پھر میں بھی چڑھ سکتا ہوں۔“ اشفاق کی آواز ابھری۔

”نہیں ... ضرورت ہوتی تو پھر ایسا کیا جاتا۔“ آپ دونوں

وہیں ٹھہریں۔

”اچھی بات ہے۔“

اب باقی لوگ بھی اوپر جانے لگے ... آخر سب اوپر پہنچ گئے۔

اب ان سب نے نیچے کی طرف دیکھا ...

”ارے باپ رے ... یہ ... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”اللہ کی قدرت ... یہ پانی کا بہت ہی عجیب و غریب بہاؤ ہے

... سمندر کا پانی ... ان چٹانوں سے بہت زور سے ٹکرا رہا ہے ... اور

نیچے کہیں جا رہا ہے ... یوں لگتا ہے ... جیسے یہاں کوئی بہت بڑا ... بہت

ہی زیادہ بڑا کنواں موجود ہے ... پانی خوفناک انداز میں اس کنویں کی

طرف جا رہا ہے ... اور اس جگہ پانی کی سطح پر جو چیز بھی گرے گی ...

وہ پوری قوت سے اس کنویں کا رخ کرے گی ... کنواں تو بوجھ کر

رہا ہوں ... یہ معلوم نہیں کہ یہاں کیا ہے ... بس میں تو صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کوئی بہت گہری ڈھلوان ہے ... اب ظاہر ہے ... سمندر کے پانی کو ایسی ڈھلوان مل جائے تو وہ کس قدر تیزی سے اس میں گرے گا ... مزے کی بات یہ ہے کہ گرنے کا یہ سلسلہ جاری ہے ... رکے بغیر پانی گر رہا ہے ... اور نہ جانے کہاں جا رہا ہے۔“

”تت ... تو کیا انکل منور علی خان کا آنکڑا اور رسی بھی اسی کنویں میں چلے گئے ہیں۔“

”ہاں اور وہ تمام درندے اور حشرات بھی جنھوں نے آگ سے بچنے کے لیے پانی میں چھلانگیں لگائی تھیں۔“

”اوہ ... اوہ۔“ مارے حیرت کے فاروق کی آواز سنائی دی۔

”تمہیں کیا ہوا ... جو دو بار اوہ کہہ ڈالا۔“ آفتاب نے اسے گھورا۔

”میں تو کہنے کو تین بار بھی کہہ سکتا ہوں ... تم کون ہوتے ہو ... اعتراض کرنے والے۔“

”ہے کوئی تک ... میں نے اعتراض نہیں کیا ... حیرت ظاہر کی ہے ... کہ تمہیں کیا ہوا۔“

”مجھے ایک بات سوچھی ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”اور وہ کیا۔“

”یہ کہ یہ کوئی کنواں نہیں ... بلکہ ایک چھوٹا سمندر ہے ... یعنی کہ سمندر کا سمندر۔“

”کیا کہا ... سمندر کا سمندر۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

”ارے باپ رے ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

فاروق بوکھلا اٹھا۔

”اب کیا ہو سکتا ہے ... اب تو ہو گیا یہ نام۔“

”حیرت ہے ... یہ پانی آخر جا کہاں رہا ہے۔“

”میں اس لمحے انہوں ایک خوفناک آواز سنی ... وہ بری طرح اچھلے

... پھر ان کے منہ سے نکلا۔

”یہ ... یہ تو راکڈوم کی آواز ہے۔“

ان کی نظریں اوپر اٹھ گئیں ... ایک عدد راکڈوم اس وادی

میں اترنے کی تیاری کر رہا تھا ...

”مطلب یہ کہ یہ لوگ آخر ہمیں سبران لے جانے کے لیے

آگئے۔“

”یہ ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”بھئی پتا نہیں ... یہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیسے نہیں ... لیکن گنا



ہے... یعنی پہلے جنگل والے درخت کے ذریعے وادی میں لایا جاتا ہے  
... یہاں سے راکڈوم سہران تک لے جاتا ہے۔"

"اوہ... اس کا مطلب ہے... ہم سہران جا رہے ہیں۔"  
"امید تو یہی ہے۔"

"حیرت ہے... ہم اس قدر آسانی سے سہران پہنچ جائیں گے  
... ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"  
"تم لوگ خاموش کیوں ہو... خیر تو ہے۔"

انہوں نے پائلٹ کی آواز سنی تو وہ چونک اٹھے... پائلٹ نے یہ  
بات انگریزی میں پوچھی تھی... وہ ان کے قریب ہی تھا... راکڈوم  
چلغوزے کی شکل کا تھا اور اس میں صرف چودہ پندرہ آدمی سوار ہو سکتے  
تھے...

"آپ کے خیال میں ہمیں آپس میں باتیں کرتے رہنا  
چاہیے۔"

"ہاں! اس طرح بوریت نہیں ہوتی... کچھ میں تم لوگوں کی  
باتیں سنوں گا... کچھ تمہیں اپنی بات سنا دوں گا۔"

"بات تو آپ کی معقول ہے... ٹھیک ہے... پہلے تو آپ کچھ  
اپنی سنائیں۔"

یہی ہے... آؤ... وادی میں چلیں... ورنہ پھر تیزی سے اترنا پڑے گا  
اور کوئی ہم میں سے لڑھک بھی سکتا ہے۔"

وہ جلدی جلدی نیچے اترنے لگے... راکڈوم ابھی کافی فاصلے پر  
تھا... آہستہ آہستہ وہ نیچے آتا گیا... ان کے دل دھک دھک کر رہے  
تھے کہ نہ جانے اب کیا صورت حال سامنے آتی ہے۔

آخر راکڈوم وادی میں اتر گیا... پھر اس کا دروازہ کھلا...  
پائلٹ کا سر نظر آیا... اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔  
"جلدی سوار ہو جاؤ۔"

انہوں نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر کچھ کہے بغیر  
راکڈوم میں داخل ہونے لگے... ان سب کے اندر آتے ہی دروازہ  
بند ہو گیا... اور وہ لگا اوپر اٹھنے۔

اب تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی... ان سے نہ تو کچھ  
پوچھا گیا تھا... نہ کچھ کہا گیا تھا... اور یہ بات عجیب تھی... لیکن جلد  
ہی یہ بات انسپٹر جمشید کی سمجھ میں آگئی... انہوں نے آنکھوں  
میں آنکھوں میں کہا۔

"لگتا ہے... یہ ان لوگوں کا راکڈوم اسٹینڈ ہے... جن لوگوں کو  
سہران لے جایا جاتا ہوتا ہے... انہیں اس راستے سے لے جایا جاتا

”میں ... میں اپنی کیا سناؤں ... گھر والے بہت یاد آتے ہیں ... بیوی بچوں کو بہران میں رکھنے کی اجازت نہیں۔“

”آپ کب سے یہ ملازمت کر رہے ہیں۔“

”مدت گزر گئی ... ملازمت کی تلاش میں دھکے کھا رہا تھا، کسی نے بتایا ... انکورم چلے جاؤ ... وہاں آج کل بہت ملازمتیں مل رہی ہیں ... بس قسمت آزمانے کے لیے وہاں چلا گیا ... شہر میں شائع ہونے والے اخبارات کے ذریعے اس ادارے کا پتا چلا جو لوگوں کو ملازمتیں دے رہا تھا ... وہاں گیا تو کئی امتحانات سے گزرنا پڑا ... آخر مجھے ملازم رکھ لیا گیا ... پھر مجھے جہاز اڑانا سکھایا گیا ... تنخواہ اس قدر معقول تھی کہ ہر حال میں ملازمت کرنے کو جی چاہنے لگا تھا ... آخر ادارے نے مجھے بتایا کہ پائلٹ کی ملازمت پٹی ہو سکتی ہے ... لیکن ایک اور ملک میں رہنا ہو گا ... سال کے آخر میں بیوی بچوں سے ملنے کے لیے ایک ماہ کی چھٹی ملا کرے گے ... میں نے بیوی سے بات کی ... وہ تیار ہو گئی ... کیونکہ تنخواہ ہماری سوچ سے بھی کئی گنا زیادہ تھی ... ہم نے سوچا تھا ... دو تین سال کام کر کے ملازمت چھوڑ دیں گے اور اس رقم سے اپنا کاروبار شروع کر لیں گے۔“ یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا ... پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”ارے ارے ... آپ تو رونے لگے۔“

”ہاں! میں اکثر روتا رہتا ہوں ... اس لیے کہ پندرہ سال ہو

گئے ... میں اپنی بیوی بچوں کو نہیں دیکھ سکا۔“

”کیا مطلب۔“ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”ملازمت تو یہ کہہ کر دی گئی تھی کہ ہر سال گھر جانے کے لیے

ایک ماہ کی چھٹی دی جایا کرے گی ... لیکن پندرہ سال ہو گئے ... میں

اس ملک کا قیدی ہوں۔“

”کس ملک کا۔“

”یہ لوگ اسے بہران کہتے ہیں۔“

”لیکن آپ تو راکڈوم چلا لیتے ہیں ... فرار ہو جائیں اس

میں۔“

”کیسے فرار ہو جاؤں ... راکڈوم کی منزل مقرر ہے ... یہ اپنی

منزل تک آئے گا اور منزل تک جائے گا ... یعنی اس وادی تک آئے گا

اور بہران تک جائے گا ...“

”اوہ۔“

”اور اب تم لوگ بھی پھنس گئے ہو۔“

”انہیں پتا کیسے چلا ہے کہ اس وادی تک کچھ لوگ پہنچ گئے۔“



محمود نے پوچھا۔

”یہ کیا بات پوچھی آپ نے ... بھی ... ایکورم میں لوگ بھرتی کیے جاتے ہیں ... اور اس وادی میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔“

”لیکن کیسے ...“ فاروق نے پوچھا۔

”جس طرح آپ لوگ آئے ہیں ... اس طرح۔“

”ہم تو ایک درخت کے ذریعے آئے ہیں۔“

”میں بھی درخت کے ذریعے آیا تھا ... یہ لوگ اس جنگل تک پہنچاتے ہیں ... اور درخت میں داخل کر دیتے ہیں ... درخت سے ہم سیدھے اس وادی میں آگرتے ہیں ... یہاں سے راکڈوم ہمیں بہران لے جاتا ہے۔“

”یہ لوگ بہران میں کر کیا رہے ہیں۔“

”بہران ... دنیا کی جدید ترین وادی ہے ... انہوں نے اس وادی میں دنیا کے ماہر ترین لوگوں کو جمع کیا ہے ... جمع کرنے کا طریقہ وہی ہے ... بے تحاشہ تنخواہ کا لالچ ... بس لوگ پھنس جاتے ہیں۔“

”تب پھر یہ لوگ لوگوں کے بیوی بچوں کو کیوں یہاں نہیں لے آتے ... تاکہ بہران کے قیدی بے چارے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ تو رہ لیا کریں۔“

”لوگ یہ مطالبہ کرتے رہتے ہیں ... بہت سے لوگ تو جگہ آکر خودکشی بھی کر چکے ہیں ... آئے دن خودکشی کے کیسوں نے انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا ... اور اب یہ کہتے دکھائی دینے لگے ہیں کہ سب لوگوں کے بیوی بچوں کو یہاں لے آیا جائے گا ... بلکہ انہوں نے یہ کام شروع کر دیا ہے ... کیونکہ ان کا کہنا ہے ... رہتا تو سب لوگوں کو یہیں پڑے گا ... ویسے یہاں ہر طرح کا عیش و آرام ہے ... ہم جو چاہیں کھا سکتے ہیں، پہن سکتے ہیں ... جہاز کی سیر کر سکتے ہیں ... میرا مطلب ہے ... راکڈوم کی سیر ... راکڈوم ان کے پاس بہت ہیں ... بہت سے راکڈوم تو انہوں نے صرف سیر سپاٹے کے لیے رکھے ہیں ... لیکن لوگ پھر بھی خوش نہیں رہتے ... بیوی بچوں کی یاد انہیں ستاتی رہتی ہے ... لوگوں کو اب بتا دیا گیا ہے کہ ان سب کے بیوی بچوں کو یہاں لایا جا رہا ہے ... یہ سن کر لوگ خوش تو ہو گئے ہیں لیکن اصل خوشی انہیں اس وقت ہو گی جب واقعی بیویاں اور بچے آجائیں گے ... ویسے ان لوگوں نے جھوٹا وعدہ نہیں کیا ... ابھی چند دن پہلے ہی کچھ خواتین اور بچوں کا لایا گیا ہے ... اب دیکھیں ... میری باری کب آتی ہے۔“

”ہوں ... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی ... راکڈوم ریوٹ

کنٹرول ہیں ... پھر ان میں پائلٹ بھیجنے کی کیا ضرورت ہے۔“

سلسلہ پیش آگیا تھا۔

”کیا ہمارے ہمارے میں حجابات ملی تھیں کہ ہم لوگوں کا

لانا ہے۔“

”ہاں! بتایا گیا تھا کہ کچھ لوگ وادی میں پھنچنے والے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں۔“

”کیا یہ بھی بتایا گیا تھا کہ کتنے افراد پھنچنے والے ہیں۔“

”نہیں یہ بات نہیں بتائی جاتی ... کیونکہ یہاں کون سا کوئی لفظ

آدمی آسکتا ہے ... راستے ہی ایسے خفیہ ہیں ... انسان کی عقل دنگ رہ

جاتی ہے۔“

”اور یہ سلسلہ پندرہ سال سے جاری ہے۔“

”پندرہ سال تو مجھے ہو گئے ہیں ... اس شہر کو آباد کرنے کا سلسلہ

تو اس نے بھی بہت پہلے سے شروع ہے ... نہ جانے کب سے ... یہ

بہت لمبا چوڑا منصوبہ ہے ... میں نے بتایا تو ہے ... وہاں دنیا کے

ماہرین جمع کیے گئے ہیں ... ان ماہرین پر باہر آنے جانے پر پابندی

نہیں ہے ... وہ دنیا کے بہترین ملکوں میں پیش کی زندگی بسر کرتے ہیں

... جب چاہتے ہیں سہراں آجاتے ہیں ... جب چاہتے ہیں سہراں سے

”ان کی صرف منزل ریٹھ کنٹرول ہے ... یعنی یہ اپنی منزل سے آگے نہیں جائے گا ... منزل سے باہر نہیں جائے گا ... ورنہ اسے اسیارٹ کرنا ... نیچے اتارنا ... اتارتے وقت کسی ضرورت کے تحت واپس لے جانا، یہ سب تو پائلٹ کا کام ہے۔“

”ان لوگوں کا منصوبہ کیا ہے۔“

”پوری دنیا پر حکومت کرنا چاہتے ہیں ... جس ملک میں چاہتے

ہیں سبوں کی بارش کر دیتے ہیں ... ایسے مناظر سہراں میں سب دیکھتے

ہیں ... اس قسم کی ایجادات جگہ جگہ نصب ہیں ... ان کی مرضی کے بغیر

پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔“

”ہمارا سفر کتنی دیر کا ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

”آٹھ گھنٹے کا۔“

”اوہ ... اتنا لمبا سفر۔“

”ہاں! سفر واقعی لمبا ہے۔“

”اگر آپ چاہیں تو راکڈوم کو واپس اس وادی میں لے جا سکتے

ہیں۔“

”ہاں کیوں نہیں ... لیکن اس طرح ہم سہراں میں بہت دیر سے

پہنچیں گے ... اور جواب طلبی ہو گی ... انہیں مطمئن کیا جائے گا کہ یہ



## پھر واپسی

پائلٹ کا رنگ اڑ گیا ... اسی وقت راکڈوم پر اسکرین روشن ہو  
 گئی ... راکڈوم میں لگے کیسروں کا رخ ان کی طرف ہو گیا۔  
 ”مسٹر راکی ... یہ تم کن لوگوں سے بات کر رہے ہو؟“  
 ”کیوں سر ... اپنے مہمان کے ساتھ بات چیت پر پابندی تو  
 نہیں ہے۔“

”یہ بات نہیں راکی ... مہمانوں سے ضرور بات چیت کرو ...  
 لیکن تم جن مہمانوں سے باتیں کر رہے ہو ... وہ ہمارے مہمان نہیں  
 ہیں ... تم غلط لوگوں کو لے آئے ہو۔“  
 ”کیا!!!“ مارے خوف کے پائلٹ کے منہ سے نکلا۔

”ہاں!“

”ارے باپ رے ... لیکن سر ... وہاں تو یہی لوگ تھے۔“  
 ”راکی ... ان لوگوں کو واپس لے جاؤ ... یہ وہ لوگ نہیں ہیں

چلے جاتے ہیں۔“

”ان سب کا سربراہ کون ہے ... یعنی ان پر کون حکومت کرتا  
 ہے۔“

”اس کا نام کوئی نہیں جانتا ... تاہم سہران میں اسے جب ہی  
 چاہے دیکھا جاسکتا ہے ... ٹی وی سکرین پر ... جب چاہے آجاتا ہے  
 احکامات دیتا ہے۔“

”اور کیا یہ بات بھی درست ہے کہ وہاں سونے کے پہاڑ ہیں۔“  
 یہ سنتے ہی پائلٹ نے ایک لمبی آہ بھری۔

”کیا ہوا بھئی ... خیر تو ہے ... کیا یہ سب افسانہ ہے۔“ خان  
 رحمان نے بے چینی کے عالم میں کہا۔  
 عین اس لمحے راکڈوم کو زبردست جھٹکا لگا۔

☆☆☆☆☆

”ارے! تو ہمیں بھی سہراں میں بلا لیں نا... ہم سے اتنا بھی

کیا ڈرنا۔“ محو دے چپک کر کہا۔

”نہیں... یہ ہم سب کا فیصلہ ہے... تم سب کو سہراں میں

نہیں لایا جائے گا... اب تو وہ چھوٹی سی وادی ہی تمہاری آخری آرام

گاہ ہو گی... کیونکہ وہاں سے واپس تو تم جانیں سکو گے... اس جگہ

سے نیچے تو آیا جاسکتا ہے... نیچے سے اوپر درخت کی کھوکھلی نہیں جالیا

جاسکتا... کیا خیال ہے۔“

”ہاں! اس وادی میں یہ مسئلہ تو ہے... لیکن خیر کوئی پروا نہیں

... ہم بھی کوئی نہ کوئی راستہ سہراں تک پہنچنے کا نکال ہی لیں گے...

اب بھی ہم سہراں کی طرف چل ہی پڑے تھے۔“

”اس کی وجہ ہے... ہمارا ایک ساتھی ایک حادثے میں زخمی ہو

گیا تھا... اس کی ڈیوٹی ان کیمروں پر ہے... جو وادی میں لگے ہوئے

ہیں... بس وہ دیکھ نہیں سکا... کہ راکڈوم میں کون لوگ سوار ہو رہے

ہیں... وہ اپنے زخمی ہونے کی اطلاع بھی نہ دے سکا... بس اچانک

ہی اسے چوٹ لگ گئی تھی... دوسری طرف یہ بات تو ہم سوچ بھی نہیں

سکتے تھے کہ تم وگ اس وادی میں آگرو گے... حیرت ہے... درخت

کی کھوکھلی والا راستہ تم نے کس طرح تلاش کر لیا۔“

... اصل لوگ تو وہاں اس وقت پہنچے تھے جب تم وہاں سے اڑاؤ

چکے تھے... اس بات کا ہمیں بعد میں پتا چلا۔“

”لیکن سر... بعد میں کیوں پتا چلا۔“ اچانک انسپکٹر جمشید کے

سے پائلٹ کی آواز نکلی۔

”میں دیکھ رہا ہوں... یہ تم نہیں بولے راکی... تمہارے

مہمانوں میں سے ایک نے یہ جملہ کہا ہے... لیکن ہمیں ان لوگوں کی

ضرورت نہیں... سمجھے... انہیں وہیں اس وادی میں چھوڑ آؤ... اور

وہاں جو لوگ موجود ہیں... انہیں لے آؤ... اگر یہ لوگ کوئی گڑب

کرنے کی کوشش کریں گے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا... اور ہم ان کا

بندوبست کر لیں گے... اول تو وہاں ان کے استقبال کے لیے لوگ پہنچ

چکے ہیں۔“

اس بار باس کی آواز میں شوخی آگئی... اور وہ چونک اٹھے...

انہوں نے صاف محسوس کر لیا... وہ شگ تھا...

”مسٹر شگ! یہ آپ ہیں۔“

”اوہ... تو تم نے پہچان لیا ہے۔“

”کیا کریں انکل شگ مجبوری ہے۔“

”تم لوگ حیرت انگیز ہو... اس میں شک نہیں۔“



جائے گا اور ہمیں ان لوگوں سے دو دو ہاتھ کرنے ہوں گے ... لیکن کیا ہم وادی میں کچھ کرنے کے قابل ہوں گے ... کیونکہ ہم اس درخت تک نہیں پہنچ سکیں گے ... اب سوال یہ ہے کہ ہمارا پھر کیا بنے گا ... اگر ہم نے وہاں موجود دشمنوں کو شکست دے بھی دی تو وہاں جو لوگ سہران میں لے جانے کے لیے لائے گئے ہیں ... ان کا کیا بنے گا ... وہ بے چارے کہاں جائیں گے ... راکڈوم میں اتنے آدمی تو آئیں سکیں گے کہ ہم انہیں بھی بٹھالیں اور سہران پہنچ جائیں۔“

”ہوں ... معاملہ واقعی بہت الجھ گیا ہے ... اس پر غور کرنا ہو گا۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے اشارے میں جواب دیا۔

اب وہ سب سوچ میں ڈوب گئے ... پائلٹ راکی انہیں حیرت زدہ انداز میں دیکھ رہا تھا ... وہ انہیں اشاروں میں باتیں کرتے دیکھ کر بھی حیران ہوتا رہا تھا ... اور اب جب وہ سب سوچ میں گم ہو گئے تو بھی حیران تھا ... یہ لوگ اس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے ... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے جیب سے کاغذ اور قلم نکالا ... اور اس پر کچھ لکھ کر راکی کے سامنے گرایا ... اور سامنے بھی اس طرح گرایا کہ اگر راکڈوم کے اندرونی حصے کا منظر شک یا کوئی اور دیکھ رہا ہو، تب بھی ... کم از کم کاغذ کو نہ دیکھے ... یہ کام انہوں نے ہاتھ کی اوٹ سے لیا تھا ... راکی

بس دیکھ لیں مسٹر شک ... اسی طرح ہم سہران پہنچیں گے  
ان شاء اللہ۔“

”راکی ... تم راکڈوم کو واپس موڑ چکے ہو۔“  
”لیں سر۔“

”ہم اس کا انتظام براہ راست اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں۔ اب تم کچھ نہیں کرو گے ... راکڈوم خود بخود اس وادی تک جائے گا۔“

”جی بہت بہتر۔“ راکی نے پریشانی کے عالم میں کہا اور ان کی طرف دیکھنے لگا ... جیسے کہہ رہا ہو ... یہ سب کیا ہے ... اب کیا ہوگا۔ انہوں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا ... پھر آپس میں اشاروں میں بات شروع کی۔

”صورت حال عجیب ہے ... ہمیں فوری طور پر فیصلہ کرنا ہوگا۔“

”لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں ... راکڈوم کی باگ دوڑ ہمارے ہاتھ میں نہیں ... بلکہ اب تو راکی کے ہاتھ میں بھی نہیں رہ گئی۔“

”ہمارے دشمن کا پروگرام اب یہ ہے کہ راکڈوم واپس وادی میں جائے گا ... وہاں ہمیں اتار دیا جائے گا اور ان کے مہمانوں کو سوار کر دیا جائے گا ... وہاں ان مہمانوں کے علاوہ اب ہمارے استقبال کے لیے کچھ اور لوگ بھی موجود ہوں گے ... راکڈوم مہمانوں کو لے کر چلا

نے حیران ہو کر اس تحریر کو پڑھا ... لکھا تھا ...

”مسٹر راکی ... کیا تم اپنے گھر جانا چاہتے ہو۔“

اس نے فوراً سر ہلا دیا ... بھلا اس سے بڑھ کر اس کی خواہش اور کیا ہو سکتی تھی ...

اب انہوں نے پھر لکھا:

”کیا راکڈوم میں اتنا ایندھن ہے کہ یہ تمہارے ملک جاسکے۔“

اس نے اس سوال کے جواب میں بہت پر جوش انداز میں سر ہلا دیا ... اس نے ہاں میں جواب دیا تھا۔

انہوں نے پھر لکھا:

”بہت خوب! اگر ہم راکڈوم سے بہران والوں کا کنٹرول ختم کر دیں تو کیا آپ راکڈوم کو اپنے ملک تک لے جاسکیں گے ... آپ کو راستہ معلوم ہے۔“

اس سوال کے جواب میں اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی ... چند منٹ تک وہ سوچتا رہا ... پھر اس نے ان سے کاغذ قلم لے لیا اور لکھنے لگا:

”میں اس جگہ سے ایکورم جاسکتا ہوں ... اور آپ جانتے ہیں ... ایکورم مکمل طور پر بہران کے لوگوں کا ملک ہے ... یہ لوگ جو کچھ کر

رہے ہیں ... ایکورم کے تحت کر رہے ہیں ... اب یہ معلوم نہیں کہ ایکورم کی حکومت ان لوگوں کے لیے کام کر رہی ہے یا یہ لوگ ایکورم کے لیے کام کر رہے ہیں ... لہذا ہم وہاں جا کر پھنس جائیں گے۔“

”اچھا! کیا ہم کسی ایسی جگہ اتر سکتے ہیں ... جہاں پھنس نہ جائیں۔“

”ایکورم کے ساتھ ایک آزاد ریاست ہے ... اگر وہ ہمیں اترنے کی اجازت دے دیں تو شاید ہم نچ جائیں ... لیکن اس ریاست کی انتظامیہ سے بات آپ لوگ کریں گے ... مجھے یہ کام نہیں آتے۔“

”آپ فکر نہ کریں ... ہم کر لیں گے۔“

”لیکن سوال تو یہ ہے کہ آپ لوگ راکڈوم کا کنٹرول کس طرح ختم کر سکتے ہیں۔“

”یہ ہمارا کام ہے اور ہم اپنا کام شروع کر رہے ہیں ... آپ بس دیکھتے جائیں ... ان شاء اللہ اب آپ اپنے بیوی بچوں کے پاس ہوں گے۔“

”کک ... کیا واقعی۔“ اس کے منہ سے نکل گیا۔

وہ چونک اٹھے ... کیونکہ راکڈوم سے تو اشاروں میں باتیں ہو رہی تھیں ... فوراً کہا گیا۔



”وادی اب زیادہ دور نہیں رہ گئی۔“ راکی نے قدرے گھبرا کر

پیغام لکھا۔

”پروفیسر صاحب ... راکی کا کہنا ہے کہ وادی زیادہ دور نہیں رہ

گئی۔“

انہوں نے سر ہلا دیا ... آخر مزید پندرہ منٹ بعد انہوں نے

راکی کو اشارہ کیا ...

”اپنے باس کو آواز دو ... دیکھتے ہیں ... وہ آواز سن رہے ہیں یا

نہیں ... اگر میں اپنے کام میں کامیاب ہو گیا تو جواب نہیں آئے گا۔“

راکی نے سمجھ جانے کے انداز میں پہلے تو سر ہلایا پھر پکار کر کہا۔

”باس ... آپ سن رہے ہیں۔“

کوئی جواب نہ ملا ... اب پروفیسر نے اشارہ کیا۔

”ایک بار اور زور سے آواز دو۔“

”باس! آپ سن رہے ہیں۔“

اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔

”لو میاں راکی ... آپ کا راکڈوم آزاد ہو گیا ... اب تم اسے

جس طرف چاہو لے جا سکتے ہو۔“

”نن نہیں ... کک ... کیا بالکل ... کیا میں ... کیا میں اپنے

”راکی ... یہ تم نے کیا کہا ... کیا واقعی۔“

”مم ... میں باس ... شاید میں اونگٹنے لگا تھا ... یا نیند کی حالت میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا ... بس خواب میں منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔“ اس نے جلدی جلدی کہا۔

”اور یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔“

”یہ بھی اونگھ رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے ... جلد ہی تم لوگ وادی میں پہنچنے والے ہو ...

وہاں جو لوگ موجود ہیں ... وہ لوگ انہیں تو نیچے اتار لیں گے اور اصل مہمانوں کو سوار کرا دیں گے۔“

”جی بہتر۔“

اور پھر راکڈوم میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی ... ادھر پروفیسر

داؤد اپنا کام شروع کر چکے تھے ... انہوں نے پروفیسر صاحب کو اس

طرح اوٹ میں لے لیا تھا کہ وہ کسی کو بھی کسی سمت سے بھی نظر نہیں

آسکتے تھے ... اگرچہ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ بہران سے راکڈوم

کا منظر نظر نہیں آ رہا ... بس وہ لوگ آوازیں سننے کے قابل ضرور تھے

... پھر بھی انہوں نے ایسا احتیاط کے طور پر کیا تھا، پروفیسر داؤد اپنا

کام شروع کر چکے تھے ...

گھر جا سکوں گا۔“

”ہاں ... اللہ نے چاہا تو ... اب راکڈوم کا رخ بدل لو ... اس ریاست کا کیا نام ہے ... جو ایکورم کے ساتھ واقع ہے۔“

”ریاست ٹیری زونا۔“

”اوہ ... ہاں ... ہم نے اس ریاست کا نام سن رکھا ہے ... یہ واقعی ایک آزاد ریاست ہے ... لیکن ظاہر ہے غیر مسلموں کی ہے ... اب اگر ایکورم وغیرہ اس پر دباؤ ڈالیں تو وہ اسی کی مانیں گے۔“

”نیچے اترنے سے پہلے انہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ... بعد میں ہم صورت حال دیکھ کر قدم اٹھائیں گے ... تم فکر نہ کرو ... ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو تم ضرور اپنے گھر جاؤ گے۔“

”مم ... مجھے یقین نہیں آرہا۔“

”راکڈوم کا رخ بدل لو ... اور ٹیری زونا چلو ... وہاں چل کر دیکھیں گے۔“

”اچھی بات ہے ... ویسے آپ لوگ حیرت انگیز ہیں ... آخر یہ سب کیسے ہو گیا۔“

”بس اس قسم کے کام کرتے ایک عمر گزر گئی ... عادی ہیں ہم ایسے کاموں کے۔“ خان رحمان مسکرائے۔

اب وہ آپس میں بات چیت کرنے لگے تھے ... خاموشی اور اشاروں کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی ...

”اب ہمارا سفر کتنی دیر کا ہے بھلا۔“

”تین گھنٹے تو ضرور لگ جائیں گے ... کیونکہ وہ وادی کا لا جنگل کے پیچھے کہیں ہے ... اور کالا جنگل سے میں راستا جانتا ہوں۔“

”اوہ ارے! ہائیں ... ہم تو بھول ہی گئے ... ہم تو ہر قسم کی الجھنوں سے بچ سکتے ہیں۔“

”اور مسٹر راک کی کو بھی نہایت عزت اور احترام کے ساتھ ان کے گھر بھیجوا یا جا سکتا ہے۔“ فرزانہ نے اچھل پڑی۔

”اوہ واقعی ... یہ تو ہم بھول ہی گئے ... لیکن مسٹر راک کی کو راستہ معلوم نہیں ہے نا۔“

”انہیں راستہ معلوم نہیں تو کیا ہوا ... ہمیں تو اس جگہ سمندر سے برنائی کا راستہ معلوم ہے ... آخر ہم بحری کشتی میں کئی بار وہاں سے برنائی اور برنائی سے کالا جنگل آچکے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک ... مسٹر راک کی ... کام بن گیا ... ٹیری زونا میں ہمیں وہاں کے حکام سے مذاکرات کرنا پڑیں گے ... وہ ہمیں اترنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں ... کچھ نہیں کہا جا سکتا ... ہو سکتا ہے وہ



راکڈوم کو اپنے لیے کوئی خطرناک چیز خیال کریں ... لیکن کالا جنگل سے چھ سات گھنٹے کے فاصلے پر ہماری ایک دوست ریاست ہے ... ہم وہاں چلے چلتے ہیں ... آپ کو عزت اور احترام سے آپ کے گھر تک بھیجوا یا جاسکے گا۔“

”لیکن اس میں مسئلہ اور ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔

”وہ کیا۔“ انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑے۔

”راکڈوم کے غائب ہونے کے بعد سہران والے آرام سے نہیں بیٹھے رہیں گے ... وہ فوراً اپنے جاسوس مسٹر راکی کے گھر کے آس پاس بھیج دیں گے ... لہذا مسٹر راکی برنائی سے اپنے گھر نہیں جائیں گے ... اس طرح یہ پھر ان کے جال میں پھنس جائیں گے ... کیونکہ انہوں نے سہران میں پندرہ سال کاٹے ہیں ... یہ ان کے لیے خطرناک ہوں گے ... لہذا وہ انہیں ختم کرنے کی کوشش کریں گے ... اس کا بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ ان کے بیوی بچے وہاں سے فوراً غائب ہو جائیں ... لہذا برنائی پہنچ کر سب سے پہلے ہم ان کے گھر والوں کو ہدایات دیں گے۔“

”یہ ٹھیک ہے۔“

”مم ... میں سمجھا نہیں ... آپ نے کیا باتیں کی ہیں ...“ راکی نے بوکھلا کر کہا۔

”میں آپ کو بتاتا ہوں مسٹر راکی۔“

فاروق نے کہا اور اسے ساری بات سمجھانے لگا ... وہ ساتھ ساتھ سر ہلا رہا تھا ... اور پھر وہ کالا جنگل پہنچ گئے ... جنگل سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا تھا ... وہاں سے راکڈوم انسپکٹر جمشید نے سنبھال لیا ... راکی نے حیران ہو کر کہا۔

”آپ اسے چلا لیں گے۔“

”بس دیکھتے جائیں۔“ وہ مسکرائے۔

اور جب اس نے انہیں نہایت مہارت سے راکڈوم کو اڑاتے دیکھا تو اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

”آپ لوگ آخر ہیں کیا۔“

”انسان!“ ان میں سے کئی ایک نے کہا۔

”انسان تو خیر آپ ہیں ... لیکن میں نے آپ جیسے انسان پہلے

کبھی نہیں دیکھے۔“ راکی نے جلدی سے کہا۔

”اکھل راکی ... اس میں ہمارا کیا قصور۔“ آفتاب نے مسی

صورت بنا کر کہا۔

گیا...

"کون ہیں آپ لوگ اور برتائی کی فضائی حدود میں کیوں داخل ہوئے ہیں... جلد بتائیں... ورنہ ہم اس جہاز کو نشانہ بنا دیں گے... ہمارا دستہ آپ کو نشانہ بنانے کے لیے بالکل چوکھڑا ہے۔"

"میں بتاتا ہوں... میرا نام انسپکٹر جمشید ہے... صدر میرے بہت بہترین دوست ہیں... آپ صرف ان سے اتنا پوچھ لیں... انسپکٹر جمشید وغیرہ اس راکٹڈوم میں سوار ہیں... انہیں اترنے کی اجازت دی جائے یا نہیں۔"

ہم آپ کا نام جانتے ہیں... اگر آپ واقعی اس جہاز نما چیز پر موجود ہیں۔"

"یہ راکٹڈوم ہے... آپ فوجی دستے کے ذریعے راکٹڈوم کو گھیرے میں لے لیں... جب تک ہم آپ کا اطمینان نہ کرا دیں ہمیں ملٹری کے گھیرے میں رکھیں... ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اچھی بات ہے... ہم ان سے بات کرتے ہیں۔"

اور پھر انہیں اترنے کی اجازت دے دی گئی... اس وقت تک وہاں صدر کا خاص دستہ آپکا تھا... یہ لوگ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو اچھی طرح پہچانتے تھے... انہوں نے زبردست انداز میں

اور راکی ہنس پڑا... شاید وہ کئی سال بعد اس طرح کھل کر ہنسا تھا۔

"مسٹر راکی... آپ کے کتنے بچے ہیں۔"

"تین... دو لڑکے ایک لڑکی۔"

"کیا آپ عیسائی ہیں۔"

"جی ہاں... اور آپ لوگ مسلمان ہیں... ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں! بالکل۔"

"آپ... آپ لوگ بہت اچھے ہیں... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان ایسے بھی ہو سکتے ہیں... ہمارے ذہنوں میں تو بس یہی بٹھایا گیا ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔" راکی نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"بس تو آپ دیکھ لیں... ہم آپ کے ساتھ دہشت گردوں والا سلوک کر رہے ہیں... یا اچھے انسانوں والا۔"

"بلکہ بہت زیادہ اچھے انسانوں والا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

اور آخر وہ برتائی کی فضا پر چکر کاٹنے لگے... پروفیسر داؤد نے پیغام رسانی کے آلات آن کر دیے... آخر نیچے سے رابطہ قائم کر لیا



جاتے ہیں۔“

”یہ زیادہ اچھا رہے گا۔“

اب راکی کو موبائل دے دیا گیا ... اسے نمبر زبانی یاد تھے ...  
دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اس نے نمبر ملایا ... ظاہر ہے ... وہ  
ایوان صدر کا نمبر تھا ... اس کے گھر والوں کو تو ہدایات معلوم نہیں ہو  
سکتی تھی کہ فون کون کر رہا ہے ... لہذا دوسری طرف سے فون کا نمبر  
دہاتے ہی کہا گیا :

”جی کون بات کر رہے ہیں۔“

راکی کا دل زور سے دھڑکا ... یہ اس کی بیوی کی آواز تھی ...

”روزی ... یہ میں ہوں ... راکی۔“

”کیا ... راکی ... کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں ... کہیں

میرے کان تو نہیں بجے۔“

”میں ان لوگوں کی قید سے چھوٹ کر آ گیا ہوں روزی ... یہ

خواب نہیں ہے ... میں ایک دو روز تک تم تک پہنچ جاؤں گا ... لیکن

پہلے میری بات غور سے سن لو ... تم سن رہی ہو روزی۔“

”ہاں لیکن مجھے اب بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔“

”تم میری بات سن لو ... پھر تمہیں یقین بھی آ جائے گا ... تم

انہیں سلیوٹ کیا اور پھر ایوان صدر کی گاڑیوں میں بٹھایا گیا ... راکی کی  
حیرت اب اور بڑھ گئی ... آخر انہیں محل لایا گیا ... صدر برنائی ان کے  
استقبال کے لیے تیار تھے ...

”آپ لوگ پھر آگئے۔“ انہوں نے ہنس کر کہا۔

”جی انکل ... پتا نہیں ... اس کیس کو کیا ہے ... ہمیں بار بار  
آپ کی ریاست میں آنا پڑ رہا ہے اور یہاں سے جانا پڑ رہا ہے۔“  
”کوئی بات نہیں ... آئیے پہلے آرام سے بیٹھ جاتے ہیں ...  
پھر باتیں کریں گے۔“

وہ انہیں اپنے محل لے آئے ... سب بیٹھ گئے ... اس وقت تک  
جو ہوا تھا ... سب صدر برنائی کو سنا دیا گیا ... پھر انہوں نے کہا۔

”سب سے پہلے مسٹر راکی کو ان کے گھر پہنچانے کا انتظام ...  
پہلے ان کے گھر والوں کو وہاں سے کہیں اور منتقل کیا جائے گا ... مسٹر  
راکی پہلے آپ اپنے گھر والوں سے بات کر لیں ... انہیں صورت حال  
سمجھا دیں ... پھر آپ آپس میں طے کر لیں کہ آپ لوگ کہاں جاسکتے  
ہیں ... بعد میں جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو آپ اپنے گھر  
آجائیے گا۔“

”ٹھیک ہے ... ہم اپنے ماں باپ کے پاس گاؤں میں چلے

فورا بچوں کو لے کر اپنے پا پا کے گھر چلی جاؤ... اس گھر تک آسکتے ہیں... لہذا کچھ مدت تک ہمیں پا پا کے ہاں رہنا ہو گا۔

”اچھی بات ہے... تو کیا تم سیدھے وہیں آؤ گے۔“

”اور نہیں تو کیا... ادھر آنا خطرناک نہ ہوتا تو میں تم سے کیوں کہتا کہ یہاں سے نکل جاؤ... اور سنو روزی یہ کام ابھی اور اسی وقت کرنا ہو گا... ایسا نہ ہو دشمن یہاں پہلے آجائیں اور تم بعد میں نکلو...“

اس طرح وہ تمہارا تعاقب کریں گے اور پا پا کا گھر دیکھ لیں گے... پھر ہمارے وہاں جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔“

”اچھی بات ہے... تم فکر نہ کرو... اللہ کرے یہ خواب نہ ہو۔“

”روزی میں بھی یہاں سے جلد روانہ ہو رہا ہوں... مجھے بھجوانے کے انتظامات ہو رہے ہیں... بہت ہی اچھے دوست مل گئے ہیں مجھے... اور سچ تو یہ ہے کہ انہی کی وجہ سے میں اس قید سے نکل سکا ہوں۔“

”بس ٹھیک ہے۔“

اور اس نے فون بند کر دیا... صدر برٹائی نے اپنے ایک نائب کو راکی کے سلسلے میں ہدایات دیں... اور راکی کو آرام کرنے کے لیے ایک مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا۔

”جی... ہم ایک بار پھر وہیں آگئے ہیں جہاں سے چلے تھے... یہ کیس تو ہمیں بس چکر پر چکر دے رہا ہے۔“ فاروق نے برا سامت بنایا۔

”سب سے پہلے ہم دنیا کے حالات جاننا چاہیں گے... میرے دوست سونے کے سٹوں کی خرابیاں کہاں تک پہنچ چکی ہیں۔“

”سٹوں نے لوگوں کے دماغ خراب کر دیے ہیں... مسلمان

ملکوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہے... لوگ سونے کے سٹوں کی بارش کا انتظار کرتے رہتے ہیں... کام کاج کو چھوڑتے چلے جا رہے ہیں... کام سے ان کی دلچسپی ختم ہوتی جا رہی ہے... کئی چھوٹے

چھوٹے ملک تو انحصار ہی سونے کے سٹوں پر کرنے لگے ہیں... جب کسی شہر کی کسی سڑک پر سونے کے سٹوں کی بارش ہوتی ہے تو پڑھے لکھے لوگ تک ان سٹوں کو لوٹنے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں... اور پھر انتظار کرنے لگتے ہیں کہ کب بارش ہو اور کب وہ سٹے لوٹیں... اس

طرح مسلمان قوم ایک طرح سے بالکل بیکار ہوتی جا رہی ہے۔“

”کیا آپ کے ہاں بارش ہوئی ہے۔“

”اب تک پچیس مرتبہ ہو چکی ہے... لوگ کاموں میں دلچسپی چھوڑ رہے ہیں... اکثر نے تو ملازمتیں چھوڑ دی ہیں... سٹے فروخت



کرتے ہیں اور کھا پی لیتے ہیں ... خریداری کر لیتے ہیں ... جھگڑے  
روی کا شکار ہو رہے ہیں ... سمجھ دار قسم کے لوگ اور ذمہ دار قسم کے  
لوگ بہت زیادہ پریشان ہیں ... کیونکہ وہ ہوا کے رخ کو سمجھ رہے ہیں  
... اب تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آنے لگی ہے کہ جب قوم کام  
کاج چھوڑ بیٹھے گی ... آرام پسند ہو جائے گی تو دشمن ملک اس قوم  
کو کس قدر آسانی سے غلام بنا لے گا ... یہ تجربہ بھی کیا جا چکا ہے۔  
”کیا مطلب ... کون سا تجربہ۔“ وہ زور سے چونکے۔

”ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کو اس پڑوسی غیر مسلم ملک نے  
دھمکی دی ... کہ پوری ریاست اس کی نگرانی میں آجائے ... ورنہ وہ ان  
سب کو ویسے ہی تہس نہس کر کے رکھ دے گا ... اس ریاست نے فوراً  
یہ اس ملک کی غلامی قبول کر لی ہے ... ورنہ پہلے کبھی اس غیر مسلم ملک  
کو اتنی جرات نہیں ہوئی تھی ... پہلے اس ریاست کی حمایت میں دس بارہ  
اسلامی ملک اٹھ کھڑے ہوتے تھے ... اب ایک نے بھی اس کی حمایت  
میں آواز نہیں اٹھائی۔“

”اوہ۔“ اوہ۔“ مارے حیرت کے ان سب کے منہ سے نکلا۔

”اگر یہی حال رہا تو نہ جانے کتنے چھوٹے ملک غیر مسلم ممالک  
کے غلام ملک بن جائیں گے ... پہلے کوئی کچھ کہنے کے قابل تھا ... اب

کہنے کے قابل بھی نہیں رہے ... حالات بہت ہولناک ہیں ... جب  
تک سونے کے ستلوں کی بارش نہیں رکے گی، اس وقت تک مسلمان  
ملک تباہی کے گڑھے کی طرف ہی بڑھتے جائیں گے ... اور اب آپ  
لوگ بھی واپس آگئے ہیں ... میرا تو خیال تھا آپ لوگ اب کامیاب ہو  
کر ہی لوٹیں گے۔“

”آپ پہلے ہماری کہانی سن لیں ... پھر بتائیں ... کہ ہم اور کیا  
کر سکتے ہیں۔“

”میں سننے کے لیے بے چین ہوں۔“

انہوں نے ساری تفصیل سنادی ... صدر برٹائی غور سے سنتے  
رہے ... آخر ان کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا۔

”پھر اب آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔“

”اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس سازش کا اصل مرکز  
ایکورم ہے ... یہ سارا کام ایکورم میں ہو رہا ہے ... بہران کے کرتا  
دھرتا لوگ جب چاہتے ہیں بہران چلے جاتے ہیں اور جب چاہتے ہیں  
بہران سے ایکورم آجاتے ہیں ... اس کا مطلب ہے ... ہمیں ایکورم  
جانا ہوگا۔“

”وہاں جاتے ہی آپ لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے گا ...“ صدر

برائی نہ۔

”وہ کیوں۔“

”آئیے آپ کو عالمی خبریں دکھاتا ہوں ... ان عالمی خبروں میں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ جہاں بھی جائیں گے ... آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا ... ہاں اسلامی ملک ایسا نہیں کریں گے۔“

وہ انہیں ایک بڑی اسکرین کے سامنے لے آئے ... وہ صوفوں پر بیٹھ گئے ... صدر کے خادم نے اسکرین آن کر دی۔

”عالمی خبروں والا چینل لگا دیں۔“ صدر نے کہا۔

”جی بہتر!“

اور پھر اسکرین پر خبریں چلنے لگیں ... ان خبروں میں یہ خبر بھی تھی ...

”انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز یہ تینوں پارٹیاں کسی بھی ائرپورٹ سے جہاز پر سوار نہ ہونے پائیں ... جس ملک کے ائرپورٹ سے جہاز پر سوار ہو کر یہ لوگ کسی دوسرے ملک گئے ... اس ملک کی خیر نہیں ... اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی ... کوئی ملک اس ملک کا ساتھ نہیں دے گا ... کسی نے ساتھ دیا تو اسے بھی نشانہ بنا دیا جائے گا۔“

یہ اعلان کئی بار دہرایا گیا۔

”یہ اعلان تو ہے صرف آپ لوگوں کے لیے ... اب دکھاتا ہوں ... سونے کے سٹوں کا منظر ... یہاں اسکرین پر ایک سفید پٹی پائیں طرف چمک رہی ہے ... یہ پٹی صرف سونے کے سٹوں کا اعلان کرنے کے لیے ہے تاکہ لوگ فوری طور پر سٹوں کی بارش کا منظر دیکھ سکیں ... سٹوں کی بارش سے چند منٹ پہلے اس سفید پٹی پر اس ملک کا نام آ جاتا ہے ... جس پر سٹوں کی بارش ہونے والی ہوتی ہے ... بس لوگ چھینچھول کر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں ... اسکرین پر وہ ملک نظر آنے لگتا ہے ... اور پھر اس ملک میں وہ سڑک نظر آنے لگتی ہے ... جہاں بارش ہونے والی ہوتی ہے ... لوگ فوراً فی وی آن کر دیتے ہیں اور اس شہر کے لوگ اس سڑک کی طرف دوڑ پڑتے ہیں ... لیجیے ... سفید پٹی پر آپ کے ایک اسلامی ملک کا نام آ رہا ہے ... اسکرین پر اب اسی ملک کو آپ دیکھ سکیں گے۔“

خادم نے فی وی سیٹ آن کر دیا ... بے تحاشہ لوگ ... پاگلوں کی طرح ایک سمت میں دوڑتے نظر آئے ... یوں لگتا تھا جیسے ان پر جنون سوار ہو گیا ہے ... ہزار ہا لوگ دوڑ رہے تھے ... انہیں کوئی ہوش نہیں تھا ... ہوش تھا تو صرف اس سڑک پر پہنچنے کا ... اور آخر لوگ اس سڑک پر



صدر برٹائی کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ... اسکرین پر ایک آواز ابھری تھی ... آواز میں بہت زبردست گھن گرج تھی ... دھمک تھی ... یوں لگتا تھا جیسے بولنے والے کی آواز خاص قسم کے پردوں میں سے ہو کر آرہی ہے ... آوازاں سے ... بلکہ پوری دنیا سے مخاطب تھی:

”سنو؟ لوگوں سنو ... سونے کے سٹوں کے شوقین لوگوں سنو ...

ایک نیا منظر ابھی دکھایا جانے والا ہے ... یہ واقعہ پہلی بار ہو گا اور

اچانک ہو گا ... اب سے پہلے ابھی تک کسی نے یہ نہیں سوچا ہو گا ...

لیکن ہم اپنا کام شروع کر رہے ہیں ... ہم چاہتے ہیں ... لوگوں کو

سونے کے سٹوں میں لا دیں ... وہ اتنے سٹوں کے مالک ہو جائیں

جو ان سے اٹھائے بھی نہ جائیں ... آج ایک چھوٹی سی ریاست پر عام

بارش ہونے والی ہے ... یہ بارش کسی ایک سڑک پر نہیں ہوگی ... کسی

ایک علاقے میں نہیں ہوگی ... بلکہ پوری ریاست میں ہوگی ... پوری

ریاست کے لوگ سونے کے سٹے لوٹیں گے ... اتنے سٹے برسائے

جائیں گے کہ آج تک ہم نے کسی جگہ نہیں برسائے ہوں گے ... اور

اس کے بعد ہماری فوج ریاست میں داخل ہوگی ... ہماری فوج کا

راستہ روکنے والوں کا انجام بہت بھیاںک ہو گا ... جو بھی سامنے آیا،

اسے اڑا دیا جائے گا ... یہ بات اچھی طرح نوٹ کر لیں ... پھر نہ کہے

اچھلتے کودتے نظر آئے، پھر اوپر گھن گرج سنا دی ... گویا کوئی لڑاکا طیارہ آرہا تھا ... اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سروں پر آگیا ... اور ان گت سکتے گرتے نظر آئے ... انہوں نے اپنی آنکھوں سے سونے کے سٹوں کی بارش ہوتے دیکھی ... لاکھوں سٹے اوپر سے نیچے آرہے تھے اور گویا پورا شہر اس سڑک پر امنڈ پڑا تھا۔

”اُف مالک!“ ان کے منہ سے نکلا۔

”ان حالات میں یہ لوگ کیسے ہوش قائم رکھ سکتے ہیں ... پتا نہیں کتنے زخمی ہوتے ہوں گے ... کتنے کچلے جاتے ہوں گے ... کتنے کوئی چوٹ کھا بیٹھے ہوں گے۔“

”اسلامی ملکوں میں یہ مناظر اب روز کا معمول بن چکے ہیں۔“ صدر برٹائی نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

”آپ کی اپنی ریاست کا کیا حال ہے۔“

”میری ریاست بھی میرے ہاتھوں سے سرکتی جا رہی ہے ... دوسرے حکمرانوں کی طرح میں بھی یہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ میری حکومت اب کچھ ہی دنوں کی بات ہے ... پولیس اور فوج کے جوان بھی ان سٹوں کے لالچی بنتے جا رہے ہیں ... ہر کوئی چاہتا ہے، اس کے پاس سٹوں کا ڈھیر لگ جائے ... اب اگر یہ لوگ۔“

گا ... ہمیں خبر نہیں ہوئی ... اس ریاست کے حکمران کے دن اب گئے  
جا چکے ... سونے کے سٹوں کی بارش کے ساتھ ہی انہیں معزول کر دیا  
جائے گا ... وہ خود اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کریں گے اور جو  
ایسا نہیں کرے گا ... اس کا انجام بھیانک ہوگا ... جلد ہی اسکرین پر  
اس ریاست کا نام آپ لوگ دیکھیں گے ... اور صرف اس ریاست میں  
حکومت کا تختہ الٹتے دیکھیں گے ... اب انتظار کریں ... اسکرین پر اس  
ریاست کے نام کے آنے کا ... بس تھوڑا انتظار اور ...

ان الفاظ کے ساتھ اسکرین تاریک ہو گئی ...  
ایسے میں فرزانہ کی سرسراہٹ آواز سنائی دی ۔  
”میں خوف محسوس کر رہی ہوں ۔“

☆☆☆☆☆

شش

ان سب کی نظریں فرزانہ کی طرف گھوم گئیں ...  
”کیسا خوف ۔“

”یہ اعلان ہماری اس ریاست کے بارے میں نہ ہو ... اور اس  
کے بعد ہم یہاں سے نکلنے کے قابل بھی نہیں رہیں گے ... انکل کے  
موبائل پر ہم وہ مناظر دیکھ سکیں گے لہذا ہمیں یہاں سے نکلنے کی کرنی  
چاہیے ۔“

”تمہارا مطلب ہے ... فرزانہ ... مم میں بھی آپ لوگوں کے  
ساتھ چلوں ۔“

”ہاں ! آپ بھی اپنے بال بچوں کے ساتھ چلیں ... اور قریبی  
رشتہ داروں یا عزیزوں کو بھی خبردار کر دیں کہ جس کے جدھر سینک  
سائیں ... وہ نکل جائیں ... اور اب دیر نہ کریں ...“  
”ایک منٹ فرزانہ ... کیا یہ مسئلے کا حل ہو سکتا ہے ۔“



”اگر ہم لوگ نکل نہ گئے تو مارے جائیں گے ... یہ بھی تو مسئلے کا حل نہیں ہو گا۔“ فرزانہ نے کہا۔

”میری تجویز اور ہے ... مجھے ایک اسلامی جنگ کا نقشہ یاد آ رہا ہے ... جنگ شروع ہونے سے پہلے کفار نے ایک اعلان کیا تھا ... اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے جوابی اعلان کر دیا ... یہ تفصیل پھر سہی ... ہمارے پاس وقت کم ہے ... سکتے گرانے کے لیے طیارے آئیں گے۔“ انسپکٹر جمشید بہت جلدی جلدی کہہ گئے۔

”جی ہاں۔“ فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہم ان طیاروں کو اس قابل کیوں رہنے دیں ... ہم انہیں فضا ہی میں کیوں نہ تباہ کر دیں ... اس وقت ہمارے ساتھ خان رحمان موجود ہیں ... صدر کی فوج میں بھی فضائی جنگ کے دوچار ماہر تو نکل ہی آئیں گے ... وقت ہوتا تو ہم اپنے ملک سے منگوا لیتے ... لیکن خیر ... اگر اعلان ہماری ریاست کے بارے میں ہونے والا ہے تو ہماری ریاست کے لڑاکا طیارے پہلے ہی فضا میں آجائیں گے اور جو نی سکتے ہر سامنے والے طیارے آتے دکھائی دیں گے ... ہم انہیں اڑا دیں گے۔“

”لیکن اس سے کیا ہو گا جمشید۔“ پروفیسر داؤد نے پریشان ہو کر

کہا۔

”سکتے نہیں برسیں گے۔“

”اس طرح بھی تو صدر کے خلاف ملک میں نفرت پھیل جائے گی

کہ انہوں نے ہمیں سکتے نہیں لوٹنے دیے۔“

”پروفیسر صاحب کی رائے درست ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے

کہا۔

”آپ لوگوں کا مطلب ہے کہ ہم نکل جائیں۔“

”ہاں جمشید ... اس سارے منصوبے کا حل سہراں جا کر ہی ہو گا

... وہاں جائے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا ... ہم اس ریاست میں

طیاروں کو اڑا بھی دیں تو وہ اور طیارے لے آئیں گے ... اس وقت

طاقت میں وہ ہیں ... ہم نہیں۔“ پروفیسر کہتے چلے گئے۔

”اچھی بات ہے ... نکل چلیں پھر ... سٹوں کی بارش کا اعلان

ہم صدر کے موبائل پر دیکھ لیں گے اور اگر اعلان ہماری ریاست کے

بارے میں ہوا تو واپس نہیں آئیں گے ... ورنہ واپس آجائیں گے۔“

”ایک منٹ ... کیا اس طرح ہماری اس ریاست کے لوگ

بدول نہیں ہو جائیں گے ... کہ انہیں چھوڑ کر حکومت کے اہم ترین

لوگ فرار ہو گئے۔“

سربراہ کو، صدر برٹائی نے پہلے ہی فون کر دیا تھا کہ ایک ضروری مشورے کے لیے وہ اس کے پاس آرہے ہیں۔ انہوں نے فوراً خوش دلی سے کہا تھا۔

”ضرور آئیں۔“

اور پھر آدھ گھنٹے بعد وہ اس ملک کے ائر پورٹ پر اتر رہے تھے... وہاں کے صدر ان کے استقبال کے لیے موجود تھے... ملکہ سلیم ہوتے ہی انہوں نے کہا۔

”آپ نے بہت اچھا کیا۔“

”کیا مطلب۔“ وہ سب چونک اٹھے۔

”آپ کی ریاست میں... پوری ریاست میں سڑکوں کی بارش کا اعلان ہو گیا ہے... یہ بارش کسی وقت بھی شروع ہو سکتی ہے۔“

”اوہ!“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

صدر برٹائی نے موبائل آن کر لیا اور سیٹ کے ذریعے عالمی خبریں لگا لیں... انہوں نے دیکھا... ریاست برٹائی ہی اس وقت اسکرین پر تھی... اور پوری دنیا کی توجہ اس وقت اس پر جمی تھی... ہر ملک یہ جاننے کی فکر میں تھا کہ کیا ہونے والا ہے... اور کیا ہوگا... ایسے میں انہوں نے تقریباً بیس طیارے... لڑاکا طیارے ریاست کی فضا

”وہ تو ویسے بھی بددل ہو رہے ہیں... مزید ہوں گے... سڑکوں کا طوفان ختم ہو گا تو یہ نشہ اترے گا اور لوگ حقیقت کی دنیا میں نظر آئیں گے... اس وقت تو نہ پولیس آپ کا ساتھ دے گی نہ فوج... لٹا وہ اس بات پر عمل کر لیں گے جس کا انہیں سکے گرانے والے عم دیں گے... اور دیکھا جائے تو وہ اپنے تجربے کی ابتدا کر رہے ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے۔

”تجربہ کی ابتدا... یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“ فاروق نے فوراً کہا۔

”حد ہو گئی... اسے ایسے میں بھی ناولوں کا نام سوچ رہا ہے۔“ آصف نے بھٹا کر کہا۔

”نہیں بھئی... اسے کچھ نہ کہو... دیکھو نہ... ہم کس قدر پریشان کن لمحات سے گزر رہے ہیں... ان حالات میں کوئی شگفتہ بات حوصلے پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”شکریہ اٹکل۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے سرکاری کاروں میں ائر پورٹ آئے... وہاں صدر کا خصوصی طیارہ ہر وقت تیار رہتا تھا... وہ اس میں بیٹھ گئے... اور ایک پڑوسی اسلامی ملک کی طرف پرواز کر گئے... اس ملک کے



میں آجائے ... کوئی اس کا راستہ روکنے والا نہیں ... صدر برنائی اور اس کے بال بچوں کو گرفتار کر کے برنائی چوک لے آیا جائے ... سب کے سامنے ان لوگوں کو پھانسی دے دی جائے۔“

”ارے باپ رے۔“ صدر برنائی نے خوف کے عالم میں کہا۔ اور وہ مسکرا دیے۔

”اگر انہیں پتا چل گیا کہ صدر برنائی اب یہاں ہیں تو دوسرا نمبر اس ملک کا ہوگا ... لہذا ہمیں یہاں سے بھی نکل جانا چاہیے۔“

”لیکن اس طرح کب تک بچ سکیں گے۔“ میزبان صدر نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”یہی ہماری مہم ہے۔“

”کیا مطلب۔“ انہوں نے پوچھا۔

”اس خوفناک عذاب سے پوری اسلامی دنیا کو نجات دلانا ...

اور اس کے لیے ہمیں ہر حال میں سہراں جانا ہوگا۔“

”سہراں ... یہ کون سی جگہ ہے۔“

”ان لوگوں کا مرکز ... ایک نامعلوم جگہ ... ہم بس سہراں پہنچے

پہنچے رہ گئے ... ورنہ اس وقت ہم وہیں ہوتے۔“

”یہ تفصیلات بہت دلچسپ ہیں ... لیکن معلوم نہیں ... ہمارے

میں آتے دیکھے ... سب دم بخود ان کو دیکھ رہے تھے ... دیکھتے ہی دیکھتے وہ برنائی کی فضا پر چھا گئے ... ریاست برنائی تھی ہی کتنی ... ایک بڑے شہر جتنی بھی نہیں تھی ...

پھر ان طیاروں سے انہوں نے ان گنت سونے کے سیکے گرتے دیکھے ... وہ سیکے میں آگئے ... اتنے سیکوں کے گرنے کے بارے میں تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا ... پانی کے قطروں کی جگہ سونے کے سیکے برس رہے تھے اور اس بارش میں برنائی کے لوگ پاگلوں کی طرح نہا رہے تھے ... وہ اپنی جھولیاں اس سیکوں سے بھر رہے تھے ... یہ بارش ایک گھنٹے تک جاری رہی ... پھر برنائی کی فضا میں یہ اعلان گونجا...

”برنائی کے لوگوں اس ریاست کے مالک اب تم خود ہو ... اپنے حکمران کو گرفتار کر لو ... اس کی ساری کابینہ کو گرفتار کر لو ... اس کے بعد فوجی حکمرانوں کو چاہیے ... ریاست کا انتظام وہ سنبھال لیں ... ہم ہر طرح ریاست کی مدد کریں گے ... ریاست اس قدر مال دار ہو جائے گی کہ ہر شخص کی اپنی گاڑیاں ہوں گی ... اپنے محل ہوں گے ... ہر چیز اس کی اپنی ہوگی ... جہازوں میں گھومیں گے ... پھریں گے ... عیش کریں گے ... ہر طرح کی عیش ... ہاں تو شاہباش ... فوج حرکت

پاس وقت ہے یا نہیں ... میرا خیال ہے ... آپ لوگوں کو یہاں سے بھی نکل جانا چاہیے۔“

”اوہ ... ارے ہاں ... واہ۔“ ایسے میں فرزانہ نے اچھل کر کہا۔

”کہا ہوا فرزانہ۔“

”ہمارے لیے اب ایک ہی جگہ بچی ہے ... فی الحال ہمیں وہاں جانا ہوگا ... لیکن وہاں ہوائی جہاز لینڈ نہیں کر سکے گا ... راکٹروم میں اتنے آدمی آئیں گے نہیں ... لہذا ایک یا دو بڑی لائنوں کی ضرورت ہو گی ... جو برنائی تک جا سکے ... کیونکہ ہم برنائی سے اس جگہ تک جا سکتے ہیں۔“ فرزانہ نے جوش کے عالم میں کہا۔

”بہت خوب فرزانہ ... ان سنگین حالات میں تمہارا دماغ خوب کام کر رہا ہے ... کیونکہ نزدیک ہی سہراں کا راستہ موجود ہے۔“

”اگرچہ ہم۔“ خان رحمان کہتے کہتے رک گئے۔

”اگرچہ ہم کو بعد میں دیکھ لیں گے ... فی الحال تو یہاں سے نکلیں۔“

وہ اسی وقت ایک بڑی لائن میں برنائی کی طرف روانہ ہوئے اور برنائی میں بھی وہ صرف سمندر میں اس جگہ تک پہنچے جہاں سے اس

جزیرے کی طرف راستہ جاتا تھا ... بس وہیں سے جزیرے کی طرف آگئے۔

اس راستے پر آنے کے بعد ان سب نے اطمینان کا سانس لیا۔  
”میرا خیال ہے ... ہمیں ایکورم جانے کی ضرورت نہیں۔“  
فرزانہ بڑبڑائی۔

”کیا ہو گیا ہے فرزانہ ... ترکیبوں پر ترکیبیں بتا رہی ہو۔“  
فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

”اس وقت ضرورت بھی تو اسی کی ہے۔“ فاروق نے فوراً کہا۔  
”اس میں شک نہیں۔“ آفتاب کی آواز گونجی۔

”کس کی۔“ آصف نے پوچھا۔

”ترکیبوں پر ترکیبوں کی۔“

”ہاں واقعی ... اس میں بھی شک نہیں۔“ محمود مسکرایا۔

”اب کیا بات ذہن میں آئی ہے فرزانہ ... بھلا ایکورم پہنچے بغیر ہم کیا کر لیں گے ... جب کہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ سہراں کے بعد راستہ ایکورم سے جاتا ہے۔“

”یہ ٹھیک ہے ... لیکن ایکورم میں ہمارے لیے ان گنت خطرات منہ کھولے کھڑے رہیں گے ... جب کہ اس طرف فی الحال کوئی خطرہ



نہیں... اب جب کہ ہم ایک بار پھر اس جزیرے پر اور جزیرے سے  
اس درخت تک جاسکتے ہیں... تو کیوں نہ اسی راستے سے ایک کھنڈ  
اور کر لی جائے۔“

”فرزانہ کی بات دل کو لگتی ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے سونے  
میں گم انداز میں کہا۔

”اس بار ہم راکڈوم میں باتیں نہیں کریں گے... دراصل  
سہران میں ہماری باتیں سن لی گئی تھیں... دوسرے یہ کہ اب ہمیں ان  
کے پروگرام کے بارے میں معلومات حاصل ہو چکی ہیں... اب ہم  
درخت کے ذریعے نیچے جانے سے پہلے اوپر نظریں جما کر بیٹھ جائیں  
گے... جب کوئی پارٹی آئے گی تب ان کا طریقہ کار دیکھیں گے...  
اور اس کے بعد حرکت میں آجائیں گے۔“ فرزانہ کہتی چلی گئی۔

”لگتا ہے... فرزانہ کی بجائے ہم سب کے دماغ شل ہو گئے  
ہیں۔“ پروفیسر داؤد نے کہا۔

”چلیے کوئی بات نہیں... صرف فرزانہ کے دماغ سے ہی کام چلا  
لیں گے۔“ فرحت نے منہ بنایا اور وہ مسکرانے لگے۔

آخر وہ اس جزیرے تک پہنچ گئے...

”اس کیس میں یہ جزیرہ بے چارہ ہمارے بہت کام آ رہا ہے...

ایک طرح سے یہ ہمارا اسٹیشن بنا ہوا ہے۔“

”اور اس جنگل کے بارے میں کیا خیال ہے۔“

”بے چارہ جنگل تو ہماری خاطر جل کر راکھ ہو گیا... اس کے  
جنگلی بھی ڈوب گئے... یہاں تک کہ جنگل کے تمام درندے سمندر میں  
چلے گئے...“ پروفیسر داؤد کہتے چلے گئے۔

”یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ صدر برتائی نے  
کہا... دوسرے میزبان صدر ان کے ساتھ نہیں آئے تھے... فی الحال وہ  
تیل دیکھنا چاہتے تھے اور تیل کی دھار۔

”اس جزیرے پر کچھ کھانے پینے کے بعد ہم آپ کو ساری تفصیل  
سنائیں گے... کیونکہ اب ہمیں بہر حال فرصت کے لمحات میسر آنے  
والے ہیں... لالچ پر کھانے پینے کا اور دوسرا ہر طرح کا سامان تو موجود  
ہے نا۔“

”فکر نہ کریں... یہ سامان کم از کم ایک ماہ کے لیے کافی ہے...

پھر اس پر جدید اسلحہ بھی موجود ہے... رسیاں اور لوہے کی زنجیریں بھی  
موجود ہیں... ضرورت کی ہر چیز پہلے سے اس پر موجود ہوتی ہے...  
کیونکہ سربراہ لوگوں پر کسی بھی قسم کے حالات آسکتے ہیں... کئی بار انہیں  
گھر سے بے گھر اور بے گھر سے بھی آگے بے گھر ہونا پڑتا ہے... لہذا

”میں وہ حالات سننا چاہتا ہوں ... یعنی اس جزیرے کے ...

اس جنگل کے اور جنگل سے آگے کے۔“

”اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ یہ لائچ آب دوز بھی

ہے نا۔“

”بالکل ہے۔“

”بس تو پھر اسے پانی کے نیچے کر دیا جائے ... کیونکہ اس طرح

اس طرف کوئی نہیں آئے گا ... لائچ کو جزیرے کے کنارے دیکھ کر کوئی

بحری جہاز ... یا ڈاکوؤں کا جہاز آ سکتا ہے ... یا پھر سہران کے جاسوس

بھی آ سکتے ہیں۔“

”سہران کے جاسوس ... میرا خیال ہے ... یہ بھی تو کسی ناول کا

نام ہو سکتا ہے۔“

”ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“ شوکی کی آواز

ابھری۔

”ہے کوئی تک۔“ محمود نے بھٹا کر کہا۔

”کس بات میں۔“ آصف نے پوچھا۔

”اس بات میں کہ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“

”کہہ تو اس طرح رہے ہو ... جیسے آج تک بے تکی بات کوئی

فرار کی تیاریاں بھی یہ لوگ مکمل رکھتے ہیں ... اس جزیرے پر اگر کسی  
کے حملہ آور ہونے کا خوف نہیں ہے تو یہاں ہم ایک ماہ گزار سکتے ہیں،  
ہمیں کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہوگی۔“

”شکریہ اٹکل ... آپ بہت اچھے ہیں ... دیکھا جائے تو اس

کیس میں آپ قدم قدم پر ہمارے کام آئے ہیں۔“

”لیکن یہ کچھ بھی نہیں ... میری ریاست کے لیے جو کام انسپکٹر

جمشید نے کیے ہیں ... ان کاموں کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں ...

ان گنت مرتبہ میرے خلاف سازشیں ہوئی ہیں ... ہر سازش انسپکٹر جمشید

نے ناکام بنائی ہے ... ان کی مدد کے مقابلے میں تو میں کچھ بھی ان

کے کام نہیں آسکا۔“

”بس کریں صدر محترم ... مجھے شرمندہ نہ کریں۔“ انسپکٹر جمشید

نے گھبرا کر کہا۔

”اوہ اچھا ... معاف کرنا ... میں تو بھول ہی گیا تھا۔“ صدر

نے گھبرا کر کہا۔

”کیا بھول گئے تھے اٹکل۔“

”یہ کہ انسپکٹر جمشید کو شرمندہ ہونا پسند نہیں۔“

”اوہ ہاں! یہ تو ہے۔“ خان رحمان مسکرائے۔



کبھی ہی نہیں۔“ شوکی نے برا سامنہ بنایا۔

”دیکھو بھی... لڑنے پڑو... اس جزیرے پر میں تمہاری کوئی لڑائی بھڑائی برداشت نہیں کروں گا...“

”کیوں جمشید... اس جزیرے پر لڑنے بھڑنے سے کیا ہو جائے گا۔“ خان رحمان نے حیران ہو کر پوچھا۔

”حد ہو گئی... خان رحمان... ایک تو تم بھی بس... ان کی طرف داری کرنے پر تلے رہتے ہو۔“ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

”ہاں انکل واقعی... کم از کم آپ تھلا نہ کریں... اور جو جی میں آئے کیا کریں۔“

”ہاں تو وہ تم حالات سن رہے تھے۔“ صدر نے جلدی سے کہا۔

”آپ نے اچھا کیا... اپنے خاندان کے لوگوں کو ادھر نہیں

لائے... ورنہ وہ سب بور ہوتے۔“

”ان کی فکر نہ کرو... اس قسم کے حالات میں ہم لوگوں نے پہلے

ہی طے کیا ہوتا ہے کہ انہیں کہاں جانا ہے... لہذا وہ بھی ساتھ ہی محفوظ جگہ پر پہنچ چکے ہیں۔“

”ادھ! تب تو ٹھیک ہے۔“

اس کے بعد انہوں نے تفصیل سے انہیں حالات سنانے شروع

کیے... وہ سنتے رہے اور حیران ہوتے رہے... خوف زدہ بھی ہوتے رہے اور پر جوش بھی... نظر آتے رہے... یہاں تک کہ انہوں نے تمام حالات سنا دیے... ان کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا۔

”تب تو یہ انتہائی مشکل مہم ہے... مجھے تو نہیں لگتا کہ آپ لوگ

اس راستے سے بہران پہنچ سکیں گے... فرض کیا... درخت کے ذریعے

سب لوگ نیچے پہنچ جاتے ہیں... وہاں آپ لوگوں کے لیے تو راکٹ دوم

آئے گا نہیں... جن لوگوں کو یہاں سے بھیجا جائے گا، وہ تو ان لوگوں

کے لیے آئے گا۔“

”ہاں! لیکن پہلے ہم ان کا طریقہ کار دیکھیں گے نا۔“

”خیر... اب... اس قسم کی مہمات آپ لوگوں کا کام ہے...“

میرا نہیں۔“

”آپ فکر نہ کریں... اللہ کی مہربانی سے ہم کوئی نہ کوئی راستہ

نکال ہی لیا کرتے ہیں اور نکال ہی لیں گے... لیکن ہم آپ کے لیے

پریشان ہیں۔“

”وہ کیوں؟“

”ہم آپ کو اس مہم پر نہیں لے جاسکتے... آپ کیا کریں

گے۔“

”اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہم کسی نہ کسی طرح کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیا کرتے ہیں... آپ فکر نہ کریں... ہاں! آپ کی ریاست کے حالات کسی طرح معلوم ہو سکتے ہیں...“

”سمندر میں موبائل کہاں کام کرے گا... سلامٹ فون ہونا چاہیے تھا... بس جلدی میں یہ چیز بھول آئے۔“

”خیر اللہ مالک ہے۔“ خان رحمان بولے۔

وہ رات انہوں نے جزیرے پر بسر کی... دوسرے دن جنگل میں پہنچ گئے... صدر برٹائی وہیں رہ گئے... ان کے ساتھ لالچ کا عملہ تھا... جنگل کے کنارے نشیبی سمندر والی سمت وہ لالچ سے اتر گئے... لالچ واپس چلی گئی تو انہوں نے اس درخت کا رخ کیا... جلد ہی وہ درخت کے پاس پہنچ گئے... درخت جوں کا توں موجود تھا... انسپکٹر جمشید نے پیچھے رہتے ہوئے ایک شاخ سے اس جگہ دباؤ ڈالا جو آدمی کو سیدھا نیچے لے جاتی تھی... وہ جگہ فوراً دب گئی... اس کا مطلب تھا... نظام چالو تھا... انہوں نے شاخ ہٹالی تو راستہ خود بخود بند ہو گیا۔

”اب ہمیں ایک دو دن جنگل میں گزارنے ہوں گے... شاید اس سے بھی زیادہ دن... لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں... سہراں کی طرف کوئی بھیجا جائے گا... تبھی کوئی اس طرف آئے گا۔“

”کیوں... میں کیا کرتا... کچھ وقت جزیرے پر رہوں گا... پھر کسی دوست کے ہاں چلا جاؤں گا... میرے ایسے دوست ہیں جو حالات درست ہونے تک مجھے چھپائے رکھیں گے۔“

”لیکن اس صورت میں لالچ یہاں نہیں رہے گی... اور لالچ کی ضرورت ہمیں پیش آسکتی ہے۔“

”یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں... میرا عملہ لالچ پھر یہاں لے آئے گا... ہم لوگوں کے جان نثار لوگ ہوتے ہیں... وہ ہم پر جانیں دے دیتے ہیں... ہمیں پہچانے کے لیے کسی حد تک بھی جاسکتے ہیں... لہذا آپ لوگ اس بارے میں فکر نہ کریں۔“ انہوں نے پر سکون آواز میں کہا۔

”اچھی بات ہے... اب ہم آپ کے لیے فکر مند نہیں ہوں گے۔“ فاروق نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے... ہم اپنے لیے فکر مند ہو سکتے ہیں۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”ہونے کو ہو سکتے ہیں... لیکن یہ ضروری نہیں۔“

”میری سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہیں آرہی کہ آپ لوگ کریں گے کیا۔“



## سبران میں

انہوں نے فوراً فرزانہ کی طرف دیکھا ... اس نے دہی آواز میں  
کہا۔

”کچھ لوگ درخت کی طرف آرہے ہیں۔“  
”اوہ! تب تو ہمیں دم سادھ لینے چاہئیں۔“ خان رحمان نے

کہا۔  
”اچھی بات ہے ... سادھ لیتے ہیں ... ہمارا کیا جاتا ہے۔“  
آصف مسکرایا۔

”اوہ بھائی ... آواز آہستہ۔“ محمود نے اسے گھورا۔

”مم ... معافی چاہتا ہوں۔“

”ٹھٹھ ... ٹھیک ہے ... کوئی بات نہیں۔“

”اچھا بس ... اب کوئی آہستہ آواز میں بھی نہ بولے ... اگرچہ  
یہاں دیواریں نہیں ہیں، نہ ان کے کان ہیں ... لیکن زمین کے بھی

”اللہ مالک ہے ...“

”ہمیں اس درخت سے کافی دور ڈیرہ ڈالنا ہوگا ... ایسی جگہ  
جہاں سے ہم تو اس درخت کو دیکھ سکیں ... لیکن اس درخت کے آس  
پاس سے کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے۔“

”ٹھیک ہے۔“

وہ ادھر ادھر گھوم پھر کر ایسی جگہ تلاش کرنے لگے ... کافی دور  
ایک گھٹا جھنڈ تھا ... سب لوگ اس جھنڈ میں بیٹھ گئے ... اس جگہ سے  
درخت صاف نظر آتا تھا ... انپکٹر جمشید اس درخت تک گئے اور وہاں  
سے جھنڈ میں بیٹھے اپنے ساتھیوں کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگے ... لیکن  
کوئی نظر نہ آسکا ... آخر مطمئن ہو کر واپس سب کے پاس آگئے ...  
ایسے میں فرزانہ نے منہ سے آواز نکالی۔  
”شش؟“

☆☆☆☆☆

کان ہوتے ہیں۔“ خان رحمان نے کہا۔

”رز ... زمین کے کان ... ارے باپ رے ...“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”دیکھا آپ نے ... یہ اور خاموش ہو جائے ... اب یہ کہے کا یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“ آفتاب نے بھٹا کر کہا۔

”اب کیا کہوں گا ... تم جو کہہ چکے۔“ فاروق نے منہ بنایا۔  
”معلوم ہوتا ہے ... تم کھیل خراب کرو گے ... اگر ان لوگوں کو ہماری یہاں موجودگی کا احساس ہو گیا ... تو ہماری ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔“

”اب ہم نہیں بولیں گے ... آپ بولنے کے لیے کہیں گے، تب بھی نہیں بولیں گے ... جی ہاں اور کیا ... البتہ۔“ آفتاب یہ کہہ رہا تھا کہ فرزانہ نے اسے ٹوک دیا۔

”تو یہ ہے تم سے ... نہ موقع دیکھتے ہو نہ محل۔“

”اچھا بس ... ختم۔“ انسپکٹر جمشید نے انتہائی سرد آواز میں کہا۔

انہوں نے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے ... ان کے چہروں پر خوف چھا گیا ... انہیں اس قدر خوف زدہ دیکھ کر ان کی ہنسی نکل گئی ... اور ہنسی بھی آواز والی۔

”جمشید ... اب تمہاری ہنسی کی آواز جو نکل گئی۔“ خان رحمان بول پڑے۔

”اور اب تم جو بول اٹھے ہو۔“

”دھت تیرے کی۔“ محمود خاموش نہ رہ سکا۔

”بس ہو گئے ہم خاموش۔“ انسپکٹر جمشید غزائے۔

”اللہ کا شکر ہے۔“ فرزانہ نے فوراً کہا۔

”کس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا۔“

”سب کے خاموش ہونے پر۔“

”حد ہو گئی۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے برا سا منہ بنایا۔

”اب میں مار بیٹھوں گا۔“

انہوں نے ایک بار پھر دم سادھ لیے ... آخر کوئی ایک گھنٹے بعد

کچھ لوگ آتے نظر آئے ... وہ اس سمت سے آرہے تھے ... جس سمت

میں پہلے جنگلیوں کے جھونپڑے تھے ... اور جس جگہ اس وقت وہ تھے

... وہ سمندر کے کنارے کے پاس والی جگہ تھی ... اس طرف کے

درخت جلنے سے بچ گئے تھے ...

اب انہوں نے درختوں کی اوٹ سے ان کا جائزہ لیا ... ان

میں دس کے قریب نقاب پوش تھے ... ان کے علاوہ تین مرد اور تین



خواتین تھیں... وہ آہستہ آہستہ آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔  
آخر وہ اس درخت تک پہنچ گئے... جس کے نیچے وادی میں جایا ہوا  
تھا... اس وقت انہوں نے سنا ایک نقاب پوش کہہ رہا تھا...

”آپ لوگ بالکل نہ ڈریں... آپ کو قطعاً کوئی چوٹ نہیں لگے گی... ہم بہران میں یہ خبر دے چکے ہیں کہ چھ عدد مہمان وادی میں پہنچنے ہی والے ہیں... بس وہ ادھر سے ہیلی کاپٹر نما ایک جہاز بھیج دیں گے... وہ جہاز بالکل سیدھا نیچے اترتا ہے اور اسی طرح بالکل سیدھا اوپر اٹھتا ہے... بہت اوپر جا کر اپنی منزل کا رخ کرتا ہے... گویا عین بہران کے اوپر پہنچ کر وہ نیچے اترے گا... وہاں آپ کو وصول کر لیا جائے گا اور آپ کے ذمے جو کام ہے وہ لگا دیا جائے گا... پھر جتنے دن آپ لوگوں کو وہاں ٹھہرنا ہے... آپ وہاں رہیں گے، اس کے بعد آپ کو واپس آپ کے شہر پہنچا دیا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ باقی معاملات تو طے ہیں ہی۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

اور پھر وہ باری باری نیچے چلے گئے... ان کے جانے کے بعد نقاب پوش وہاں سے واپس لوٹ گئے... جب وہ اس قدر دور پہنچ گئے کہ وہ مڑ کر انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے تو وہ سب بھی اسی سمت میں چل

پڑے... احتیاط کے طور پر وہ اب بھی درختوں کی اوٹ لے کر چل رہے تھے... درخت کچھ مکمل چل چکے تھے... کچھ نامکمل... تاہم ابھی کھڑے تھے... اور جنگل میں سیاہ رنگ کے جن کھڑے محسوس ہو رہے تھے... وہ ان کے درمیان سے آگے بڑھتے رہے... انہوں نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بچھپے ہوئے تھے...

آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے... جس جگہ پہلے جنگلیوں کے جھونپڑے تھے... انہوں نے دیکھا... وہاں ایک ہیلی کاپٹر کھڑا تھا... ان کے دیکھتے ہی دیکھتے... وہ دس کے دس ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے... اور ساتھ ہی ہیلی کاپٹر اٹھنے لگا...

”یہ... یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔“

”بھئی ہم نے حالات کا جائزہ لے لیا ہے نا... اصل مسئلہ ہے

... راکڈوم کا... اس میں دس بارہ آدمیوں سے زیادہ کی جگہ نہیں ہے... پھر جو لوگ ہم سے پہلے نیچے کود گئے ہیں... ان سے بھی تو بات کرنا ہوگی... انہیں وہاں چھوڑ کر ہم نہیں جا سکتے، لہذا ہمیں صبر کرنا

ہوگا... غور کرنا ہوگا۔“

”لیکن انا جان! ہمیں یہ بھی تو معلوم نہیں کہ اب ہیلی کاپٹر کب

آتا ہے۔“ محمود نے کہا۔

”ہاں! ہمیں نہیں معلوم... لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں... انکرم والے راستے کا ہمیں پتا نہیں ہے... وہاں جاتے ہیں تو اور زیادہ مسائل سامنے ہوں گے... یہ راستہ تو پھر آسان لگ رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے... جمشید... تم فکر نہ کرو... ہمیں تو تم جو کہو گے ہم کریں گے۔“ پروفیسر داؤد نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

”مطلب یہ کہ ہمیں اب اس جنگل میں ہی رہنا ہو گا۔“

”جانے کو پھر جزیرے پر بھی جا سکتے ہیں... لیکن وہاں جا کر کیا فائدہ... ادھر یہ جگہ ہم چھوڑ نہیں سکتے... ورنہ پتا ہی نہیں چلے گا... وہ لوگ کب آئے اور آکر چلے گئے... اس لیے مجبوری ہے... ہمیں یہاں ٹھہرنا ہو گا... ہمارے پاس خوراک کا ذخیرہ موجود ہے... پینے کا پانی بھی ہے... لہذا ہم بے فکری سے یہاں رہ سکتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کندھے اچکا دیے۔

اور پھر تین دن گزر گئے... تین دن بعد صبح سویرے انہوں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سنی... ان کے کان کھڑے ہو گئے... سب لوگ تیار ہو گئے... آخر ہیلی کاپٹر اترتا نظر آیا... وہ بالکل اسی جگہ اتر ا تھا... جس جگہ انہوں نے پہلے دیکھا تھا... اس میں سے صرف دو آدمی اترے... باقی دس وہی تھے... یعنی نقاب میں...

ہیلی کاپٹر سے اترتے ہی وہ وہاں سے چل پڑے... ظاہر ہے... اس درخت تک جانا تھا انہیں... اب انہیں تعاقب کی بھی ضرورت نہیں تھی... کافی دیر بعد اور ان کے راستے سے ہٹ کر وہ بھی روانہ ہو گئے... درخت کے پاس پہنچے تو وہ ان دونوں کو گرا کر واپس ہو چکے تھے... انہوں نے درخت کی طرف چلنا جاری رکھا... جب وہ درخت تک پہنچے... تب تک وہ نقاب پوش واپس جا چکے تھے... انہوں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سنی۔

”آؤ دوستو... اللہ تعالیٰ نے ایک موقع ہمیں پھر دیا... اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔“

وہ باری باری کو د گئے... سیدھے اسٹیج پر گرے... اس وقت وہاں اندھیرا تھا... آخر روشنی ہونے لگی... انہوں نے دیکھا... ان سے پہلے آنے والے دونوں شخص بے سدھ پڑے تھے... گویا بے فکر ہو کر سو رہے تھے... ایسے میں انہوں نے راکڈوم کی آواز سنی... آواز سنتے ہی وہ دونوں اچھل کر بیٹھ گئے... پھر ان سب کو دیکھ کر ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں...

انسپکٹر جمشید نے انہیں ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش ہونے کا اشارہ کیا... وہ کچھ نہ سمجھے... البتہ بولے بھی کچھ نہیں... بس عجیب



عجیب نظروں سے ان کی طرف دیکھتے رہے ...

وہ دونوں غیر ملکی تھی ... اور چال ڈھال سے مسلمان لگ رہے تھے ... وہ چاہتے تو انہیں ٹھکانے لگا سکتے تھے ... لیکن یہ بلا ہے ... انسانوں کا خون بہانا ہوتا ... اس لیے انہوں نے ایسا نہ کیا ... اب الجھن یہ تھی کہ ان سے بات کس طرح کریں ... اوپر سے راکڈوم آ رہا تھا ... وقت کم تھا ... اور اس صورت حال کے لیے انہوں نے پہلے سے کچھ نہیں سوچا تھا ... ایسے میں فرزانہ ان دونوں کے پاس چلی گئی اور دہی آواز میں کچھ کہنے لگی ... آواز اس قدر کم تھی کہ خود وہ بھی نہ سن سکے کہ وہ ان سے کیا کہہ رہی ہے ...

فرزانہ کی بات سن کر وہ مسکرا دیے اور سر ہلانے لگے ... انہیں بہت حیرت ہوئی کہ فرزانہ نے آخر ایسا کیا کہا ہے ... کہ وہ مطمئن ہو گئے ہیں ... لیکن وہ فرزانہ سے کچھ پوچھ نہیں سکتے تھے ... بہر حال اس وقت کسی کو کوئی بے چینی محسوس نہیں ہو رہی تھی ... یعنی اب وہ ایک دوسرے کے بارے میں الجھن کا شکار نہیں رہ گئے تھے ... وہ سوچے لگے ... آخر فرزانہ نے ان سے کیا کہا ... ایسے میں راکڈوم زمین سے آگیا ... پائلٹ نے انہیں اس پر سوار ہونے کا اشارہ کیا اور وہ باری باری ... سب اس میں داخل ہو گئے ... پائلٹ نے کچھ بھی نہ کہا ...

گویا اسے آنے والوں کی تعداد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اور راکی سے بات کرنے کے بعد وہ یہ بات جان چکے تھے ... کہ پائلٹوں کو تعداد کا پتا نہیں ہوتا ... انہیں تو بس راکڈوم کو بہران سے اس وادی میں لانا ہوتا ہے اور وہاں سے مسافروں کو لے جانا ہوتا ہے ... اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ کبھی آنے والوں کا معاملہ آگے پیچھے بھی ہو جاتا ہے ... یعنی راکڈوم پہلے پہنچ جاتا ہے اور مسافر کسی قدر لیٹ ہو جاتے ہیں ... اس صورت میں پائلٹ وہاں رک کر انتظار کر لیتا ہے اور لوگوں کے آگے پر انہیں راکڈوم میں بٹھا کر روانہ ہو جاتا ہے ... پہلی بار جب وہ کود گئے تھے تو ان کے معاملے میں یہی ہو ا تھا ... اصل لوگ ابھی نہیں پہنچے تھے ... وہ لیٹ تھے ... پائلٹ انہیں دیکھ کر سمجھا کہ یہی لوگ ہیں ... لہذا وہ انہیں لے کر روانہ ہو گیا ... راستے میں اگر وہ بات چیت شروع نہ کر دیتے تو بہران والوں کو پتا بھی نہ چلتا ... پائلٹ اگر کوئی بات کرے گا بھی تو وہ دونوں کو بات کرنے کے لیے کہیں گے ... اسی وقت انسپکٹر جمشید کی سمجھ میں وہ بات آگئی ... جو فرزانہ نے ان سے کہی تھی ... وہ دل ہی دل میں مسکرانے لگے ... فرزانہ نے عین وقت پر بہت خوب صورت چال چلی تھی ...

راکڈوم اوپر اٹھ رہا تھا ... اور وہ سب خاموش تھے ... مقررہ

اونچائی پر پہنچنے کے بعد اس کا سفر بہران کی طرف شروع ہوا... اب انہیں معلوم تھا... سفر مختصر سا تو ہے نہیں... لہذا انہوں نے اپنے اوپر مصنوعی نیند طاری کر لی... اور دل میں دعا کرنے لگے کہ پائلٹ ان دونوں سے بھی کوئی بات نہ کرے...

ایسے میں انسپکٹر جمشید کو بھی ایک زوردار خیال آیا... انہوں نے ان دونوں میں سے ایک کی آنکھوں میں دیکھا... وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ٹرانس میں لے آئے تھے اور اشاروں ہی اشاروں میں اسے ہدایات دیں... تم سو جاؤ... گہری نیند... راکٹڈوم کے اپنی منزل پر اترنے کے ساتھ ہی تم بیدار ہو گے... وہ فوراً ہی سو گیا اور اس کی گردن سیٹ پر ڈھلک گئی... یہی سلوک انہوں نے دوسرے سے کیا... وہ بھی گہری نیند سو گیا... اس کے بعد ان کے لیے سونے کی اداکاری کرنا کیا مشکل تھا... اب اگر پائلٹ ان سے کوئی بات بھی کرتا تو وہ کیوں جواب دینے لگے تھے... ان دونوں کی طرف سے انہیں یونہی بے فکری ہو گئی تھی...

اس طرح ان کا سفر بغیر رکاوٹ کے جاری رہا... بغیر بات چیت کے جاری رہا... اور پہلے والا معاملہ پیش نہ آسکا... گویا وہ بال بال نچ گئے... اور اللہ کو یہی منظور تھا کہ وہ اس بار بہران پہنچ ہی جائیں

وہ دل ہی دل میں اطمینان محسوس کر رہے تھے... حالانکہ بہران پہنچنے پر ان کے ساتھ کیا ہونے والا تھا... یہ تو انہیں معلوم ہی نہیں تھا... معلوم تھی تو یہ بات کہ وہ اس بار بہران پہنچنے والے ہیں... فی الحال ان کے لیے یہی اطمینان کافی تھا...

اور پھر انہوں نے محسوس کیا راکٹڈوم بادلوں میں سفر کر رہا ہے... گہرے بادلوں میں... گویا اب ان کا سفر بادلوں میں شروع ہوا اور راکٹڈوم نے ابھی اترنا شروع نہیں کیا تھا، وہ مسلسل آگے کی طرف جا رہا تھا... انہیں یاد تھا... راکٹی نے انہیں کیا کہا تھا کہ بہران کا سفر اس وادی سے آٹھ گھنٹے کا ہے... اور ابھی صرف چھ گھنٹے گزرے تھے... گویا دو گھنٹے باقی تھے... جب کہ راکٹڈوم کی رفتار لڑاکا طیارے سے بھی زیادہ تھی... اس لحاظ سے ان کا سفر بہت طویل فضائی سفر تھا... وہ سوچنے لگے... آخر راکٹڈوم کس طرف جا رہا ہے... اس جنگل سے اگر سفر کا حساب لگایا جاتا اور چاروں سمتوں میں اتنی دیر سفر کیا جاتا تو وہ کہاں کہاں پہنچ سکتے تھے... آبادی کی طرف سفر تو انہیں صرف آباد کسی ملک ہی میں لے جاتا... اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ راکٹڈوم نے صرف اور صرف سمندر کے اوپر ہی سفر کیا تھا... اور غالباً سمندری حدود ختم ہونے پر یہ گہرے بادل فضا میں ان کے راستے میں آگئے تھے...



وہ شیشوں میں سے نیچے جھانکنے لگے ... انہوں نے دس کے قریب سفید پوشوں کو راکڈوم کی طرف آتے دیکھا ... گویا یہ ان کے میزبان تھے ... نزدیک آکر انہوں نے پائلٹ کو اشارہ کیا ... اس نے دروازہ کھول دیا...

”نیچے اتر جائیں۔“

وہ پہلے ہی آنکھیں کھول چکے تھے ... اور اب سوتے رہنے کی اداکاری کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی ... لہذا باری باری نیچے اترتے چلے گئے ... ان سفید پوشوں نے کوئی بات کہے بغیر انہیں ایک سمت میں چلنے کا اشارہ کیا ... راکڈوم جس جگہ اتر تھا، وہاں کوئی عمارت نہیں تھی ... صرف درخت اور پودے لہلہا رہے تھے ... یہ بالکل چکنا فرش تھا ... فرش ایک راستے کی طرح تھا ... اس کے دونوں طرف پودے تھے ... راکڈوم اس راستے کے سرے پر تھا ... اور راستے کے سرے پر ہی وہ دس سفید پوش آکر کھڑے ہو گئے تھے ...

اب وہ ان سفید پوشوں کے آگے آگے چل رہے تھے ... سفید پوشوں کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہیں تھا ... البتہ ان کے چہروں پر دوستانہ مسکراہٹیں ضرور تھیں ... دس منٹ تک چلنے کے بعد ان کے سامنے ایک سفید رنگ کی بہت لمبی عمارت آگئی ... گویا ان کے دائیں

وہ سب بادلوں کو دیکھے جا رہے تھے ... ابھی انہوں نے آنکھیں اس حد تک بند کر رکھی تھیں کہ سوتے نظر آرہے تھے ... لیکن وہ ان بادلوں کا غور سے جائزہ لے رہے تھے ... اس وقت اگر وہ بولنے کے قابل ہوتے تو ضرور ان بادلوں پر باتیں کرتے ... لیکن افسوس! اس وقت وہ بالکل خاموش رہنے پر مجبور تھے ... پھر دو گھنٹے پورے ہو گئے ... راکڈوم اترنے لگا ... اس وقت پائلٹ نے ان سے کہا۔

”اٹھ جائیے ... ہماری منزل قریب آگئی۔“

انہوں نے اب بھی آنکھیں نہ کھولیں ... پائلٹ برے برے منہ بنانے لگا ... آخر اس نے کہا۔

”اس حد تک سونے والے لوگ تو میں نے آج تک نہیں دیکھے ... پورے سفر میں سوئے رہے ہیں۔“

اب انسپکٹر جمشید نے ان دونوں کی طرف دیکھا ... ان میں بٹے چلنے کے آثار شروع ہو گئے تھے ... گویا وہ خود ہی جاگنے والے تھے ... پھر جونہی راکڈوم زمین پر لگا، ان دونوں نے آنکھیں کھول دیں ...

”ہم ... ہم کہاں پہنچ گئے۔“

”آپ لوگ بہت سوئے ... اپنی منزل پر آگئے ہیں ... ابھی آپ کے میزبان آتے ہی ہوں گے۔“

## جیرال

پھر اس کے منہ سے نکلا :

”اس وقت تو صرف دو مہمانوں کو آنا تھا ... یہ اتنے بہت سے کیسے آگئے ... گلتا ہے گڑ بڑ ہے ... کہیں غلطی سے دو بار کے مسافر ایک بار تو نہیں آگئے ... آپ لوگ یہیں ٹھہریں ... میں معلوم کرتا ہوں۔“ اس نے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا سامنے والے کمرے میں چلا گیا۔

جلد ہی اس کی واپسی ہوئی ... اس نے انہیں اس کمرے میں جانے کا اشارہ کیا ... وہ اندر داخل ہوئے تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا ... انہوں نے دیکھا، اندر کوئی نہیں تھا ... وہ بہت لمبا چوڑا کمرہ تھا ... دیواروں کے ساتھ ساتھ میزیں نصب کی گئی تھیں اور ان میزوں پر آلات لگے ہوئے تھے ... ان کے اندر داخل ہوتے ہی ... ایک میز پر لگی اسکرین روشن ہو گئی ... اس پر دو آدمی نظر آنے لگے ...

اور بائیں دور تک وہ عمارت کھڑی تھی ... اس عمارت کے درمیان میں ایک دروازہ تھا ... اب ان دس میں سے ایک نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا ... دروازہ ہاتھ کے اشارے ہی سے کھل گیا تھا ... انہوں نے ان سب کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا ... جب وہ اندر داخل ہو گئے تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا ... گویا وہ دس سفید پوش بھی باہر ہی رہ گئے ... گویا ان کی ڈیوٹی بس اتنی تھی کہ راکٹروں سے اترنے والے کو اس عمارت میں پہنچا دیا جائے ... اب انہوں نے دیکھا ... وہاں ان کے استقبال کے لیے صرف ایک شخص کھڑا تھا ... اس کے جسم پر سرخ لباس تھا ... اس نے ان پر ایک نظر ڈالی ... پھر زور سے اچھلا ... اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

☆☆☆☆☆



”اسکرین پر جن دو آدمیوں کی صورتیں نظر آ رہی ہیں ... وہ ایک طرف جائیں۔“ ایک آواز ابھری۔

وہ دونوں وہی تھے ... جو ان کے ساتھ آئے تھے ... وہ فوراً ایک طرف ہو گئے ...

”آپ دونوں سبز رنگ کے دروازے میں داخل ہو جائیں۔“ انہوں نے فوراً قدم اٹھا دیے ... اب کمرے میں صرف وہ رہ گئے ...

”آپ لوگ غلط آ گئے ہیں ... یا بھیجنے والوں سے غلطی ہو گئی ہے ... یا راکڈوم والے سے کوئی گڑبڑ ہوئی ہے ... لہذا آپ سفید رنگ والے دروازے میں داخل ہو جائیں اور وہاں آرام کریں ... آپ کے بارے میں پہلے چھان بین ہو گی ... اگر آپ لوگوں کو ان دونوں کے بعد آنا تھا ... تو کمپیوٹر پر یہ غلطی ابھی آجائے گی ... اور آپ کو جس شعبے میں بھیجنا ہوا، بھیج دیا جائے گا ... وہاں آپ کے نام درج ہوں گے ... اوکے۔“

انہوں نے سر ہلا دیے اور سفید دروازے کی طرف بڑھ گئے ... ان کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا ... یہ ایک نہایت آرام دہ کمرہ تھا ... چکنے فرش پر بہترین صوفے رکھے تھے ...

صوفوں کے درمیان میں ایک بہت خوب صورت شیشے کی میز تھی ... وہ ان پر بیٹھ گئے ... فوراً ہی ایک فرج خود بخود کھل گیا ... اس میں سے ایک ٹرے باہر نکل کر میز پر آگئی ... اس میں مشروبات تھے ... ان میں سادہ پانی بھی تھا ... وہ سادا پانی پینے لگے ... کیونکہ مشروبات وہ پی نہیں سکتے تھے۔

پندرہ منٹ بعد آواز گونجی۔

”آپ لوگ غلط آ گئے ہیں ... آپ کا کوئی اندراج نہیں مل رہا ... سہراں کی سرزمین پر پہلی بار ایسا ہو رہا ہے ... حکام حیرت زدہ ہیں ... انہوں نے سربراہان کو خبر کی ہے ... وہ آیا ہی چاہتے ہیں ... وہ آپ سے ملاقات کریں گے ... پھر آپ کے بارے میں ہمیں ہدایات دی جائیں گی۔“

”اوکے۔“ انسپکٹر جمشید نے محتاط انداز میں بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

اور پھر کمرے میں خاموشی چھا گئی ... پندرہ منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک لمبے قد کا شخص اندر داخل ہوا ... چہرے کے لحاظ سے تو انہوں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا ... لیکن انہیں یوں لگا کہ اس قد و قامت اور چال و حال کے شخص کو انہوں نے کہیں دیکھا ہے۔

”اوہ... تو یہ آپ ہیں۔“

یہ کہتے ہی وہ لگا قہقہے لگانے...

”کیا مطلب... آپ کون ہیں۔“

”ارے بھئی... یہ میں ہوں جیرال... آپ کا اپنا جیرال۔“

”کیا!!!“ وہ سب چلا اٹھے۔

”مان گیا آپ لوگوں کو... آپ واقعی حیرت انگیز ہیں... ہم

سب کا دعویٰ تھا... آپ لوگ سبران نہیں آسکیں گے... لیکن آخر آپ

آگئے... اس میں شک نہیں کہ آپ حیرت انگیز ہیں... آپ لوگوں کو

مارنے کو جی نہیں چاہتا... ورنہ میرے ساتھیوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ آپ

لوگ ہیں تو فوراً مارنے پر تل جائیں گے اور شک تو ایک منٹ کے لیے

نہیں رکے گا... لیکن میں نہیں چاہتا... آپ کو ہلاک کیا جائے...

فیصلہ تو کبھی بڑے مل کر کریں گے... مجھ اکیلے کی مرضی نہیں چلے گی

ہاں۔“ جیرال کہتا چلا گیا۔

”آپ اس بات کو چھوڑیں... یہاں آپ سے مل کر بہت خوشی

رہی ہے... زندگی اور موت آپ لوگوں کے ہاتھ میں تو ہے ہی نہیں

... وہ تو بس اللہ کے ہاتھ میں ہے... آپ لوگ جو جی چاہے فیصلہ کر

لیں... ہاں یہ بتا دیں کیا یہ سبران ہے۔“

”ہاں! یہ سبران ہے... پوری دنیا سے الگ تھلک ایک جگہ...

دنیا ابھی تک یہاں نہیں پہنچی تھی... یہ ہم ہیں جنہوں نے اس جگہ کو

تلاش کر لیا... تیز ترین رفتار والے طیارے سے اگر چلا جائے اور

مسلل دو گھنٹے سفر کیا جائے تو اتنی مسافت پر صرف بادل ہی بادل ہیں

... ان بادلوں کے بعد سبران ہے۔“

”اور کیا یہاں واقعی سونے کے پہاڑ ہیں۔“

”وہ تم آنکھوں سے دیکھ لو گے... دیے تم لوگوں کے لیے میری

ایک پیش کش ہے۔“

”اور... وہ کیا انکل جیرال۔“ شوکی نے خوش ہو کر کہا۔

”تم لوگ سبران کے شہری بن جاؤ... تم چاہو گے تو تمہارے

گھر والوں کو بھی یہاں لے آیا جائے گا... یہاں تم لوگوں کو کام دیا

جائے گا... تم اپنا اپنا کام کرو گے... اور پھر دنیا بھر کی خوشیاں تم

لوگوں کی جھولی میں ہوں گی۔“

”دنیا بھر کی خوشیاں؟“ آصف نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہاں پیارے بچو! دنیا بھر کی خوشیاں... آواز سے زیادہ تیز

رفتار طیاروں میں... دنیا تمہارے نیچے ہوگی... اس سے بڑھ کر عیش

کیا ہوگی... دنیا کی ہر وہ چیز جو تم چاہو گے... تمہارے لیے موجود ہو



گی۔

”اور کیا انکل جیرال!“ آفتاب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”اور ... اور یہاں جو کچھ ہے ... وہ سب تمہارا ہو گا ... اس سے بڑھ کر عیش کیا ہو گی۔“

”ہم ... ہم سوچیں گے انکل۔“ شوکی نے جلدی سے کہا ... ”جیرال کی باتوں سے کافی متاثر لگ رہا تھا ... باقی لوگوں نے اسے بری طرح گھورا۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا شوکی ... اگر یہ لوگ کہیں گے کہ یہاں رہائش اور دوسری چیزوں کے بدلے میں اپنا دین چھوڑ دو ... تو کیا تم یہ بھی کرو گے۔“

”تم لوگوں کو دین چھوڑنے کے لیے کوئی نہیں کہے گا ... تم بدستور مسلمان رہنا ... ہاں ہم لوگوں کے طریقے دیکھ کر عیسائی یا یہودی ہونا چاہو تو وہ تمہاری مرضی ... ہم تم سے نہیں کہیں گے۔“

”ہم ... ہم سوچیں گے انکل۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔“ محمود نے اسے گھورا۔

”میں نے صرف یہی تو کہا نا کہ سوچیں گے انکل ... یہ تو نہیں

کہا کہ ہاں ہم ایسا ہی کریں گے۔“

”تم لوگ آپس میں لڑو نہیں ... ہمیں کوئی جلدی نہیں ... تم لوگوں کے بارے میں میں انتظامیہ کو ہدایات دے دیتا ہوں ... وہ ابھی آکر تم لوگوں کی تصاویر وغیرہ لے لیں گے ... پھر تمہارے کاغذات بن جائیں گے ... تم لوگوں کو رہائش بھی دے دی جائے گی اور گاڑی ... پھر تم آسانی سے جہاں چاہو، جا سکو گے ... تم یہاں تک آگئے ہو ... یہ بڑی بات ہے ... لیکن اب تم واپس تو جا نہیں سکو گے ... اس طرح تو ہمارا راز پوری دنیا تک پہنچ جائے گا ... خیر ... اگر کبھی ایسا ہو جائے تو بھی ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا ... کیونکہ بہران تک کسی کا آنا ممکن نہیں۔“

”اب آپ یہ نہیں کہہ سکتے انکل جیرال۔“ فاروق ہنسا۔

”اس لیے کہ تم لوگ جو یہاں آگئے ہو ... لیکن میں پھر بھی یہ بات کہہ سکتا ہوں۔“ جیرال نے بھی ہنس کر کہا۔

”وہ کیسے مسٹر جیرال۔“ خان رحمان نے منہ بنایا۔

”ایسے کہ ہم ابھی اس درخت کا راستہ بند کر دیں گے ... کوئی اور راستہ بنا لیں گے ... اس قسم کے کام ہمارے لیے مشکل نہیں ... ہم نے بہران میں بہت بڑے بڑے انجینئر اور سائنس دان جمع کیے ہیں ...

ان کا دن رات کام ہی یہی ہے... بہران کے لیے جس کام کی ضرورت ہو... فوراً وہاں چلے جائیں گے اور کام کر ڈالیں گے۔  
 ”کیا ایسے سب لوگوں کے بیوی بچے یہیں رہتے ہیں؟“ جیرال۔

”بیوی بچے صرف ان لوگوں کے یہاں رہتے ہیں... جو بہران کے ذمے دار لوگ ہیں... یعنی بہران کے کرتا دھرتا... باقی جن لوگوں کو یہاں لالچ دے دے کر لایا گیا ہے... ان لوگوں کے بیوی بچے یہاں نہیں لائے جاتے... ان سے تو ہم بس کام لیتے ہیں... وہ ایک طرح ہمارے قیدی ہیں۔“

”لیکن آپ کے ایک قیدی کو ہم نے یہاں سے نجات دلا دی ہے۔“ آفتاب ہنسا۔

”اوہ ہاں... یہ بات میرے علم میں آئی ہے... ہمارا ایک پائلٹ اور ایک راکڈوم غائب ہو گیا ہے... مجھے شک نے بتایا تھا کہ یہ کام تم لوگوں کا ہے، اس وقت میں بہت ہنسا تھا... واقعی تم کمال کے ہو۔“

”نہیں تو اٹکل... ہم میں سے تو ایک بھی کمال کا نہیں۔“

آفتاب نے منہ بنایا۔

جیرال ہنس پڑا... ایسے میں موبائل نما ایک آلے پر سگنل موصول ہوا... اس نے فوراً اس آلے کو کان سے لگا لیا... اور دوسری طرف کی بات سننے لگا... آخر اس نے کہا۔

”میں اس وقت انہی لوگوں سے بات کر رہا ہوں... نہیں ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں... ہم ان لوگوں سے بہت کام لے سکتے ہیں... یہ لوگ حیرت انگیز ہیں... نہیں... ہمارے لیے نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتے۔“ یہ کہہ کر جیرال خاموش ہوا تو دوسری طرف سے کہا گیا۔

”تب پھر ان لوگوں کے یہاں نہ آنے کے لیے اس قدر دوڑ دھوپ کیوں کی گئی... پہلے ہی انہیں آنے دیا گیا ہوتا۔“

”اس بارے میں ذمے داری مسٹر شک کی ہے... شک کے ذمے لوگوں کو یہاں لانے کا کام ہے... لوگوں کو منتخب کرنا... اور انہیں بے تحاشہ دولت کا لالچ دے کر یہاں تک لانا... شک کے ذمے ہے... لیکن جب لوگ یہاں آ جاتے ہیں... تب شک کے بجائے میرا کام شروع ہو جاتا ہے۔“

”کیا کہا آپ نے... ارے نہیں... اس کی ضرورت نہیں... آپ ان کے بارے میں فکر مند نہ ہوں... میں ان سے بات کر لیتا



ہوں ... یہ جو وعدہ کرتے ہیں ... اس کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے ... ہاں ٹھیک ہے ... وعدہ نہیں کریں گے تو یا تو وہ ہوگا ... جو آپ کہہ رہے ہیں ... یا وہ ہوگا ... جو میں نے سوچا ہے ... "یہ کہہ کر جیرال رکا تو دوسری طرف سے پھر کچھ کہا گیا ... بات سن کر جیرال نے کہا۔

"یہ میری ذمہ داری ہے سر ... آپ فکر نہ کریں ... ہم نے تو سہراں آباد کیا ہے، اس کے لیے دن رات ایک کیا ہے ... جان ماری ہے ... تو کیا اسے نقصان پہنچانے کا دشمنوں کو موقع دے دیں گے۔"

اب پھر ادھر سے کچھ کہا گیا۔

"یہ دشمن ہیں ضرور ... لیکن اور قسم کے ... آپ نے سنا نہیں ... بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن اچھا ہے ... یہ عقل مند دشمن ہیں ... ان کا اور میرا نہ جانے کتنی بار مقابلہ ہو چکا ہے ... اور آپ سن ہی چکے ہیں ... یہ مجھے اٹکل کہتے ہیں ... لہذا یہ کم از کم مجھے دھوکا نہیں دیں گے ... اور اس طرح میری ایک مدتوں پرانی خواہش پوری ہو جائے گی۔"

"مدتوں پرانی خواہش۔" شاید دوسری طرف سے جیرال ہو کر پھر کہا گیا ... کیونکہ جواب میں فوراً ہی جیرال نے کہا۔

"لیس سر ... مدتوں پرانی ... میری خواہش یہ تھی کہ مجھے ان کے

ساتھ یا انہیں میرے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے ... ہم ان شاء اللہ مل کر کام کریں گے ... اور حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کریں گے ... ایسی حیرت انگیز ... کہ اب تک حاصل نہیں کر سکے ہوں گے ... سر آپ کو معلوم نہیں ... ان کے ساتھ پروفیسر داؤد ہیں ... دنیا کے بہترین سائنس دان ... ان کے ساتھ منور علی خان ہیں ... دنیا کے مشہور ترین شکاری ... ان کے ساتھ خان رحمان ہیں ... دنیا کے بہترین فوجی ... باقی انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے بچوں کے بارے میں تو میں خود آپ کی خدمت میں آکر بتاؤں گا۔"

پھر اس نے فون بند کر دیا اور ان کی طرف مسکرا کر دیکھنے کے بعد کہنے لگا۔

"باس کہہ رہے تھے۔"

"باس کون اٹکل۔"

"سہراں کو دریافت کرنے والے۔" اس نے بتایا۔

"کیا کہا آپ نے؟"

"میں نے ٹھیک کہا ... دنیا کا یہ حصہ دنیا کی نظروں سے اوجھل تھا ... اس کی دریافت کا سرا باس کے سر ہے ... لہذا وہی سہراں کے حکمران ہیں ... کیونکہ انہوں نے دریافت کے بعد معاملے کو خفیہ رکھا ...

انہوں نے خفیہ ملاقاتیں کیں ... بڑے بڑے ماہرین کو اپنے ساتھ لایا ... مجھ سے اور شنگ سے بھی معاملات طے کیے ... گویا ہم لوگوں کو سہراں کا حکمران ٹولہ بناتا تھا ... اور سہراں کو پوری دنیا پر قبضہ کرنا تھا۔  
 ”یہ بات تو درست نہیں ہے انکل جیرال۔“ فرزانہ بول اٹھی۔  
 ”کون سی بات۔“

”پوری دنیا پر قبضہ کرنے کا پروگرام تو نہیں ہے آپ لوگوں کا۔“  
 ”یہ تم نے کس طرح کہہ دیا۔“ جیرال نے اسے گھورا۔  
 ”ایسے کہ اس وقت تک سہراں نے صرف اور صرف اسلامی ملکوں کے خلاف کارروائی کی ہے ... کسی غیر مسلم ملک کو تو چھیڑا بھی نہیں۔“

”اوہ اچھا ... تم یہ بات کہہ رہے ہو ... تو اس میں بھی کچھ باس کی عقل کام کر رہی ہے۔“  
 ”وہ کیسے انکل۔“

”اگر ہم لوگ شروع سے ہی غیر مسلم ملکوں کو بھی اپنا نشانہ بناتے تو پوری دنیا میں ہنگامے کھڑے ہو جاتے ... اب غیر مسلم دنیا پر سکون ہے ... وہ خیال کر رہی ہے ... کہ سہراں کا تعلق انشارجہ سے ہے یا بیگال سے ... لہذا انہیں اس کی کارروائیوں پر کوئی الجھن نہیں ہے ...

آہستہ آہستہ جب تمام اسلامی ملک سہراں کے زیر اثر آجائیں گے ... جب غیر مسلم ملکوں کی باری آئے گی ... اور آہستہ آہستہ بڑے غیر مسلم ملکوں کو بھی اپنا غلام بنا لیا جائے گا۔“  
 ”انکل جیرال! ہم اب پھر آپ کی بات ماننے پر تیار نہیں ... کیونکہ آپ کی بات میں اب بھی جھول ہے۔“  
 ”وہ کیسے؟“ جیرال مسکرایا۔

”ایسے کہ ... ایکورم میں سہراں کے لیے کام ہو رہا ہے ... ایکورم ایک آزاد ریاست ضرور ہے ... لیکن انشارجہ کے دباؤ میں تو ہے ... آخر ایکورم کی حکومت سے معاملات کیسے طے کر لیے گئے ہیں کہ وہاں سے سہراں اور سہراں سے ایکورم آنا جانا لگا ہوا ہے۔“  
 ”اوہ ... تو تم نے یہ بات بھی معلوم کر لی۔“  
 ”بس انکل ... کیا کریں ... مجبوری ہے۔“

”خیر ... میں اس بات کا جواب بھی دے دیتا ہوں ... میں نے ایکورم سے بہت بھاری قیمت پر معاملہ طے کیا ہے ... کیونکہ بہر حال ہمیں اس دنیا کے کسی نہ کسی ملک کی مدد تو لینی تھی ... سو ایکورم کی حکومت کو ساری بات معلوم ہے ... اور وہ سہراں حکومت میں برابر کی شریک ہو گی ... اس کی حکومت کے لوگ بھی سہراں کے حکمرانوں میں



شامل ہوں گے ... مطلب یہ کہ ایکورم ایسے ہی تیار نہیں ہوگا۔  
 ”لیکن۔“ فرحت نے پر جوش انداز میں کہا۔  
 ”لیکن کیا؟“

”لیکن اس ساری تفصیل کا آپ کو کیا فائدہ ہوگا ... پوری دنیا قبضہ کر کے آپ کو کیا فائدہ ہو جائے گا ... کیا عیش اور عزت ... ساری دنیا کے عیش کے سامان ... یا اور بھی کچھ۔“

”ہمارے سر تو یہی کہتے ہیں ... دنیا بھر کی عیش ہمیں حاصل ہوگی ... ہم دنیا پر حکومت کریں گے ... تمام ملک ہماری انگلیوں پر ناچیں گے ... بس ہم عیش کریں گے ... عیش اور صرف عیش۔“

”اور ایک دن مرجائیں گے۔“ اشفاق نے منہ بنایا۔  
 ”وہ تو سبھی مرجائیں گے ...“

”تب پھر اس قدر دوڑ دھوپ کا فائدہ کیا ہوگا۔“

”دنیا میں ہم عیش ہی عیش کریں ... ساری دنیا ہمارے آگے دم نہ مارے ... بلکہ غلام بن جائے ... کیا یہ کوئی بات نہیں۔“

”آپ لوگوں کے نزدیک یہ ضرور بڑی بات ہو سکتی ہے ... مسلمانوں کے لیے نہیں ... مسلمان تو اپنے مالک کی رضا چاہتے ہیں ... اس کی مرضی کی زندگی دنیا میں بسر کرتے ہیں ... اپنے حقے کا کام

کرتے ہیں، اس دنیا سے چلے جاتے ہیں ... ان کے نزدیک تو بس ایک ہی مقصد ہوتا ہے ... یہ کہ اللہ کا نام بلند کرنا ہے۔“  
 ”جب کہ ہمارا نظریہ ایسا نہیں ... ہم کہتے ہیں ... مگر ایک دن مٹی میں مل جائیں گے اور بس ... بات ختم ... لہذا جب تک اس دنیا میں رہنا ہے ... عیش کر لو ... جتنی عیش کر سکتے ہو کر لو۔“  
 ”خیر ... اپنا اپنا نظریہ ہے۔“

”تم لوگ آرام کرو ... دو بڑے کمرے اور ضرورت کی ہر چیز ان میں ہوگی ... کاغذات تیار ہونے تک کہیں آ جا نہیں سکو گے ... یہاں تک کہ میں تم لوگوں کو ساتھ لے جاؤں ... تب بھی نہیں جا سکو گے ... خاص طور پر راکڈوموں کے احاطے میں۔“  
 ”جی انکل ... یہ آپ نے کیا فرمایا۔“

”میں نے کہا ہے، راکڈوموں کے احاطے میں ... تمام راکڈوم ایک جگہ کھڑے ہیں ... وہ اگرچہ ریموٹ کنٹرولڈ ہیں ... لیکن پھر بھی وہاں سب سے زیادہ چپکنگ ہوتی ہے ... ویسے میں تم لوگوں کو بھی احاطہ دکھاؤں گا۔“

”اور انکل ... سونے کے وہ پہاڑ کیسے ہیں ... کس طرف ہیں۔“

”وہ خالص سونے کے پہاڑ ہیں ... یہ نہیں کہ مٹی ملا سونا ہے ...  
نہیں خالص دھات ہے سونے کی ... وہاں سے کاٹ کاٹ کے سونے  
کے سکتے تیار کیے جاتے ہیں ... وہاں سونے کے ٹکڑے اس طرح پڑے  
ہیں جیسے پہاڑ کے پتھر پڑے ہوتے ہیں۔“

”بہت جی چاہ رہا ہے ... وہ جگہ دیکھنے کے لیے۔“

”یہاں تو چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں ... ان کے دامن میں  
آبادی بسائی گئی ہے ... تم فکر نہ کرو ... پورے سہران کی سیر کرتے پھرنا  
... بس مجھ سے ایک معاہدہ کرنا ہو گا ... اگر وہ معاہدہ نہیں کرو گے تو  
پھر تمہارے لیے دو حکم ہیں ... پہلا یہ کہ تم لوگوں کو سب کو مار ڈالا  
جائے گا ... دوسرا حکم یہ ہے ... اور وہ میری وجہ سے ہے کہ تم لوگوں  
کو تمہارے ملک کے راستے پر چھوڑ دیا جائے ... وہاں سے تم اپنے ملک  
چلے جاؤ ... پھر جو حالات ملک کے ہیں ... ان حالات میں زندگی  
بسر کرو ... یعنی سہران کے غلام۔“

”سہران کے غلام۔“ فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”کیوں ... کیا یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“ جیرال ہنسا۔

”چھوڑیں اٹکل ... آپ بھی میری نقل کرنے لگے ... بہر حال

ہمیں معاہدہ کیا کرنا ہو گا یہاں رہنے کے لیے۔“

”یہ عہد کرنا ہو گا کہ تم لوگ سہران کے خلاف کوئی سازش نہیں  
کرو گے۔“

”کیا!!!“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! تمہارے پاس گویا تین راستے ہیں ... سہران میں رہو  
... لیکن سہران کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو ... یا پھر اپنا قتل ہونا  
منظور کرو ... تیسری بات اپنے ملک لوٹ جاؤ ... یہ رعایت تم لوگوں کو  
میری وجہ سے دی جائے گی۔“

”تو کیا ... پہلے بھی سہران میں لوگوں کو قتل کیا گیا ہے۔“  
”کچھ سر پھروں کو یہ سزا دی گئی ہے ... کیونکہ ان لوگوں کو  
یہاں لے تو آیا گیا تھا ... لیکن وہ کسی صورت یہاں کام کرنے پر تیار  
نہیں تھے ... آخر ان سے چیچھا چھڑا لیا گیا۔“  
”نن ... نہیں ... یہ ظلم ہے۔“

”یہ ظلم انہوں نے خود ہی منظور کیا تھا ... انہوں نے کہہ دیا تھا

... ہمیں جان سے مار دو ... ہم یہاں کام نہیں کریں گے ... اچھا بس

... باتیں بہت ہو گئیں ... میں چلا ... جلد تم لوگوں کے کاغذات تم تک

پہنچ جائیں گے ... پھر تمہاری رہائش تمہیں مل جائے گی اور تم سہران

کے شہری ہو گے ... لیکن ابھی تک تم نے معاہدے کے الفاظ ادا نہیں



## معابد کے الفاظ

”اب کیا ہوگا۔“

انہوں نے شوکی کی آواز سنی۔

”اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا۔“

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم اس سے صاف صاف کہہ دیں کہ ہم سازش

کے بغیر تو رہ نہیں سکتے۔ لہذا آپ ہمیں ہمارے ملک بھجوا دیں۔“

کیونکہ قتل تو آپ ہمیں کرنا نہیں چاہتے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”ہوں۔۔۔ لیکن اپنے ملک میں رہتے ہوئے ہم سبران کے

خلاف کچھ نہیں کر سکیں گے۔“

”دنیا کے کسی ملک میں رہ کر شاید ہم سبران کے خلاف کچھ نہ

کر سکیں۔۔۔ ہاں ایکورم یا سبران۔۔۔ یہ دو جگہیں ہیں۔۔۔ بس یہاں ہم

کچھ کر سکتے ہیں۔۔۔ یہاں کے بارے میں وہ پہلے ہی عہد لے رہے ہیں

۔۔۔ رہ گیا ایکورم۔۔۔ ہمیں رہا کرنے کے بعد وہ ایکورم میں ہمارے

کے۔“

”الفاظ۔۔۔ کون سے الفاظ۔“

”تمہیں اپنے رب کو حاضر ناظر مان کر یہ وعدہ کرنا ہوگا۔۔۔ ہر

ایک کو باری باری یہ الفاظ کہنے ہوں گے۔۔۔ ہم سبران کے خلاف کوئی

سازش نہیں کریں گے۔“

”اوہ!“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ادھر جیرال جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ وہ سکتے کے عالم میں

اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔۔۔ اب پھیلی ہوئی آنکھوں سے وہ ایک

دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔۔۔ جیسے کہہ رہے ہوں۔۔۔

”اب کیا ہوگا۔“

☆☆☆☆☆

بارے میں چوکتے رہیں گے۔“

”بلکہ نہیں... وہ کہہ سکتے ہیں... ایکورم میں بھی کوئی سازش نہ کرنے کا عہد کرو... تب ہم کیا کر سکیں گے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”سوچنے دو بھئی۔“

”میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے...“ ایسے میں محمود نے سرسراتی آواز میں کہا۔

”الفاظ میں ظاہر نہ کرو... ظاہر ہے... ہماری آواز سنی جا رہی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ محمود نے کہا اور پھر اشاروں میں بولا۔

”ہمیں یہیں رہ کر کام کرنا ہو گا... اس کے سوا کوئی چارہ نہیں... البتہ معاہدے کے الفاظ ایسے سوچ لیے جائیں... جن سے معاہدہ شکنی ہونے کا امکان نہ رہے۔“

محمود کی بات سمجھ کر انہوں نے سر ہلا دیے... ان کے ذہن میں یہ بات آئی تھی... اب سوال یہ تھا کہ وہ الفاظ کیا ہوں... ان کو سوچنے کے سلسلے میں وہ سوچ میں پڑ گئے... آخر انسپکٹر جمشید نے کاغذ پر ایک جملہ لکھا... اور ان سب کے سامنے کر دیا... وہ ایک ساتھ اس

پر جو جھکے تو سر آپس میں ٹکرا گئے۔

”یہ ہے حال۔“

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھٹا کر کہا۔

”بلکہ توبہ ہے تم سے۔“ فرحت نے جھٹا کر کہا۔

”ہم سب کہو۔“ فاروق مسکرایا۔

اب انہوں نے پڑھا، کاغذ پر لکھا تھا۔

”معاہدے کے الفاظ یہ ہوں گے... ہم اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر مان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ آپ کی مرضی کے عین مطابق سہراں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“

انہوں نے حیران ہو کر ان الفاظ کو بار بار پڑھا... الفاظ بہت سیدھے سادے تھے... اور اگر جبرال ان کے جال میں آ جاتا تو وہ سب کچھ کرنے کے لیے آزاد تھے... ان پر عہد شکنی کا الزام عاید نہیں کیا جاسکتا تھا... سب نے ان الفاظ کو اچھی طرح یاد کر لیا... اس وقت پروفیسر داؤد نے اشاروں میں کہا۔

”لیکن جمشید! ہو سکتا ہے... ہماری اس میٹنگ سے انہیں

احساس ہو جائے کہ ہم کوئی سازش کر رہے ہیں۔“

”لیکن کیسے پروفیسر صاحب... ہم نے اب تک جو بات کی



ہے، اشاروں میں کی ہے ... البتہ کاغذ پر یہ الفاظ ضرور لکھے ہیں، کیونکہ یہ الفاظ اشاروں میں تو بھجائے ہی نہیں جاسکتے تھے ... اشارات میں تو روزمرہ کی بات چیت کی جاسکتی ہے ... باقی رہ گیا یہ کاغذ ... اس کو جیب سے نکالتے وقت میں نے ہر طرح خیال رکھا ہے ... کہ کسی کیمرے کی آنکھ اسے نہ دیکھ سکے ... اور اب اسی انداز سے میں اس کاغذ کو غائب کر رہا ہوں ... ہاتھ روم میں جاؤں گا تو وہاں اس کاغذ سے بھی اسی طرح پیچھا چھڑالوں گا ... یعنی اگر وہاں کیمرے ہوئے تو بھی کوئی کیمرہ کاغذ کو نہیں دیکھ سکے گا ... فکر نہ کریں ... اور آپس کی گپ شپ لگاتے رہیں ... ورنہ ہمارے بارے میں شک کیا جائے گا کہ ہم اس طرح خاموش بیٹھنے والے تو ہیں نہیں۔“

انہوں نے سر ہلا دیے ایک گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ کھلا ... اور ایک سفید پوش نے انہیں چلنے کا اشارہ کیا ... وہ اس کے پیچھے چلتے ایک کمرے میں پہنچے ... ساتھ ہی اس کمرے میں دوسرے کمرے کا دروازہ کھلتا تھا ... گویا انہیں دو مکمل کمرے دیے گئے تھے ... ان کمروں کے ساتھ غسل خانے بھی تھے اور یہ سب انتہائی شان دار تھے ... کمروں کے باہر ایک کھلا میدان تھا ... اس میدان کے چاروں طرف پھولوں کے پودے تھے چند درخت بھی تھے ... لیکن نہ تو انہوں نے

ایسے پھولوں کے پودے زندگی میں کبھی دیکھے تھے نہ درخت ... گویا جس طرح یہ دنیا میں الگ جگہ تھی ... اسی لحاظ سے اس کے درخت اور پھول بھی الگ ہی تھے ... وہ ویرانہ ان پھولوں اور درختوں کو دیکھتے رہے ... پھولوں سے خوشبو بھی بہت مزے کی آرہی تھی ... کمروں کی ہر چیز کو بھی انہوں نے بہت غور سے دیکھا ... خاص طور پر اس چیز کا جائزہ لیا کہ یہاں کیمرے ہیں یا نہیں ... کیمرے انہیں کہیں بھی نظر نہ آئے ... نظر تو انہیں وہاں بھی نہیں آئے تھے ... جہاں پہلے بٹھایا گیا تھا ... اور جبرال نے ان سے بات چیت کی تھی ... لیکن اس بات کا زبردست امکان تھا کہ خفیہ جگہوں پر ان کو نصب کیا گیا ہو ... بہر حال انہیں احتیاط کی ضرورت تو تھی ہی -

انہیں آرام کرتے ایک گھنٹا گزرا ہوگا کہ دروازہ کھل گیا ... اور ایک سفید پوش اندر داخل ہوا ...

”یہ تو غلط طریقہ ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے نا خوش گوار لہجے میں کہا۔

”کون سا طریقہ؟“ اس نے پوچھا۔

”آپ کو آنے سے پہلے دستک دینی چاہیے تھی۔“

”ہمارے ہاں تو یہ تکلف نہیں کیا جاتا۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”اور اندر چاہے کوئی کسی حالت میں کیوں نہ ہو۔“  
 ”ہاں بالکل ... کوئی اعتراض نہیں کرتا۔“

”اوہ اچھا خیر ... فرمائیے ... کیسے آنا ہوا۔“

”آپ لوگوں کے کاغذات تیار ہو گئے ہیں ... حلف دینا ...  
 بعد آپ بہران کے شہری بن جائیں گے ... مسٹر جیرال آپ سے ملنے کے لیے شام کے سات بجے آئیں گے۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“

اس نے ایک چھوٹا سا لفافہ میز پر رکھا اور واپس چلا گیا ... اب انہوں دروازے کا جائزہ لیا ... اس کے اندر کی طرف کوئی چٹنی نہیں تھی ... نہ باہر کی طرف تھی ... گویا دونوں طرف سے دروازہ نہ وہ بند کر سکتے تھے، نہ کھول سکتے تھے ... یہ خود کار نظام کے تحت کھلتے تھے اور بند ہوتے تھے ... کوئی باہر جانا چاہتا تو دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا اور باہر سے آنا چاہتا تو باہر سے خود بخود کھل جاتا تھا ... اس نظام نے انہیں پریشانی میں مبتلا کر دیا۔

انہوں نے اس لفافے کو کھولا ... اس میں ان سب کے کارڈ تھے ... یہ کارڈ عام تھے ... ان کے اپنے شناختی کارڈ وہ جیسے ... کارڈ کا رنگ زرد تھا ... ان پر ان سب کی واضح تصاویر موجود تھیں ...

حالانکہ یہاں کسی نے ان کی کوئی تصویر نہیں لی تھی ... ان سب نے اپنا اپنا کارڈ لے لیا ... جب سے یہ مہم شروع ہوئی تھی ... اس وقت سے انہیں آرام کا کوئی خاص موقع نہیں ملا تھا ... انہوں نے سوچا ... جیرال کے آنے تک چونکہ کوئی کام نہیں ہے، اس لیے ... کیوں نہ آرام کر لیا جائے ... یہ سوچ کر وہ بھی لیٹ گئے ... اور نیند کی وادی میں چلے گئے ... نیند میں انہیں عجیب و غریب خواب نظر آرہے تھے ... آخر ان سب کی آنکھ ایک ساتھ کھل گئی ... کیونکہ کمرے میں زور دار الارم بج اٹھا تھا ...

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے ... ساتھ ہی الارم بند ہو گیا ... گویا یہ انہیں جگانے کے لیے تھا ... دیوار پر لگی گھڑی سات بجانے والی تھی ... صرف ایک منٹ باقی تھا اور پھر کمرے کا دروازہ کھلا ... انہوں نے جیرال کو اندر آتے دیکھا۔  
 ”سو لیے آپ لوگ۔“

”جی ... جی ہاں! گویا آپ لوگ کمروں کے اندر سب کچھ دیکھ لیتے ہیں۔“

”دیکھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں ... یہاں کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی۔“



”کیا سب کی ... آپ کی بھی۔“ شوکی نے منہ نکال دیا۔  
 ”نہیں ... میری نہیں ... ہم لوگ تو خاص لوگ ہیں ... ان کی زندگی میں شامل ہیں ... جن لوگوں سے یہاں کام لیا جاتا ہے ... ان کی زندگی تر حرکات اور سکناات سب نظر آتی ہیں ... یہاں کچھ بڑے بڑے کام ہیں ... ان ہالوں میں کام ہی دن رات یہی ہوتا ہے ... کام کر کے والوں کو ہر لمحے، ہر آن دیکھا جاتا رہتا ہے ... یہاں تک کہ اگر آرام سے الگ سو رہے ہوں تب بھی انہیں دیکھا جاتا ہے ... اس طرح یہاں آج تک کوئی شخص بھی کوئی سازش نہیں کر سکا ... ہم لوگ ہر طرح محفوظ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے تم لوگوں کو یہاں رہنے کی اجازت دی ہے ... تم لوگوں کے لیے اب بھی تین راستے ہیں ... واپس چاہو تو میں واپس بھجوا دیتا ہوں ... یہاں رہنا چاہو تو جب تک رہنا چاہو تو ایسا بھی کر سکتے ہو ... فی الحال یہاں رہنے کی شرط یہ ہے کہ تم لوگوں کو حلف دینا ہوگا ... اپنے الفاظ میں کہنا ہوگا ... آپ سبران کے خلاف کوئی سازش نہیں کریں گے ... بس اس صورت میں آپ یہاں روکے ہیں ... اور اگر یہ دونوں صورتیں منظور نہیں ... تو پھر آپ کے لیے تیسری صورت صرف جان سے مارا جانا ہے ... اور میرا خیال ہے، جان سے مارا جانا آپ پسند نہیں کریں گے۔“ یہ کہتے ہوئے جبرال

مستکرایا۔  
 ”جان سے مارا جانا بھلا اس دنیا میں کون پسند کرتا ہے ... ہاں کسی مقصد کے لیے جان دینے کا معاملہ اور بات ہے۔“  
 ”بس تو پھر حلف دے دیں کہ آپ لوگ سبران کے خلاف کسی قسم کی کوئی سازش نہیں کریں گے۔“  
 ”اچھی بات ہے ... سب سے پہلے میں حلف دیتا ہوں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی سے کہا۔  
 ”شروع کرو ... ہمیں کوئی اعتراض نہیں ... آپ کے حلف کی یہ چھوٹی سی کارروائی ... اس وقت سبران کے سب ذمے دار دیکھ رہے ہیں ... میں نے ان سب کو آپ لوگوں کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا ہے ... ان کا پہلا مشورہ یہ تھا کہ آپ لوگوں کو ہلاک کر دیا جائے، دوسرا یہ تھا کہ ان کے ملک بھیج دیا جائے۔“  
 ”اچھی بات ہے ... سب سے پہلے میں حلف دیتا ہوں ... الفاظ آپ کے ہوں گے یا میں اپنی طرف سے ادا کر سکتا ہوں۔“  
 ”آپ اپنی طرف سے ادا کریں۔“

”میں اللہ کو حاضر جان کر یہ عہد کرتا ہوں کہ آپ کی عین مرضی کے مطابق سبران کے خلاف کوئی سازش نہیں کروں گا، نہ اسے کوئی

”جیرال نے ان الفاظ کو غور سے سنا... پھر سر ہلا کر بولا۔  
”ٹھیک ہے... نہایت صاف الفاظ ہیں... باری باری سب  
الفاظ دہرائیں۔“

ان سب نے الفاظ دہرا دیے... اس کے بعد جیرال نے کہا۔  
”اب آپ سرکاری طور پر سہران کے شہری ہیں... سہران میں  
کہیں بھی آجا سکتے ہیں... بس چند عمارات ایسی ہیں... جن میں داخل  
ممکن نہیں... یا پھر ان میں جانے کی اجازت لی جائے... اور میرے  
پرانے دوستو! سہران کے ذمے دار حضرات نے مجھ سے کہا تھا... جب  
ہم ان لوگوں کو یہاں آنے سے روکتے رہے ہیں... تو اب ہم انہیں  
یہاں کیوں برداشت کریں... انہیں مار کر سمندر میں پھینک دیتے ہیں  
... مچھلیوں کے کام آئیں گے... آخر ہم ان کا جھنجھٹ کیوں پالیں  
... اس پر میں نے انہیں تم لوگوں کے بارے میں بہت تفصیل سے بتایا  
تھا اور کہا تھا کہ تم لوگوں سے بہت بڑے بڑے کام لیے جاسکتے ہیں  
... تم لوگ کوئی عام لوگ نہیں ہو... اور تم جیسے لوگوں کو بلا وجہ ضائع  
نہیں کر دینا چاہیے... انہوں نے میری یہ بات مان لی... اور یہ صرف  
اس لیے کہ اگر ہم لوگوں کو واپس بھیجتے ہیں تو سہران کی تفصیلات دنیا کو

معلوم ہو جائیں گی۔“

”یہ تفصیلات تو پھر راکڈوم کے اس پائلٹ کے ذریعے بھی دنیا کو  
معلوم ہو جائیں گی... جو ہمارے ذریعے سہران سے نکل گیا... اور غائب  
وہ واحد آدمی ہے... جو یہاں سے آنے کے بعد واپس چلا گیا۔“  
”ہاں! لیکن ہم اس کی تلاش میں ہیں... وہ کہیں چھپ گیا ہے  
... ہم اسے یہ موقع نہیں دیں گے کہ وہ سہران کی باتیں کرے... آپ  
لوگوں کے لیے دو کاریں دی جارہی ہیں... وہ آپ کے لیے باہر گیراج  
میں کھڑی ہیں... دو عدد ڈرائیور ان کاروں کو چلائیں گے... کیونکہ  
یہاں کی ڈرائیونگ کے قانون کا آپ لوگوں کو پتا نہیں... نہ راستوں کا  
پتا ہے... اس لیے آپ لوگ کاریں خود نہیں چلائیں گے... آپ یہ  
بات سمجھ گئے۔“

”بالکل بالکل جیرال۔“ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”تو پھر میں اب چلوں گا۔“

”اگر کبھی ہمیں آپ سے ملاقات کرنی ہو تو پھر کیسے ملاقات کر

سکتے ہیں۔“

”ڈرائیور سے کہہ دیجیے گا... یہ لوگ مجھ تک پہنچا دیں گے۔“

”گویا آپ جہاں ہوتے ہیں... وہاں آنے پر پابندی نہیں



ہے۔“ محمود نے پوچھا۔

”یہ بات نہیں... یہ آپ لوگوں کو میرے گھر لائیں گے... کسی کے گھر جانے آنے پر پابندی نہیں ہے... وہ چند خاص عمارات ہیں... ان میں کوئی نہیں جا سکتا۔“

”آپ جا سکتے ہیں۔“

”نہیں۔“

”آپ نے کیا کہا... نہیں۔“ آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔  
 ”ہاں! میں نے کہا ہے نہیں... یعنی میں بھی ان عمارات میں نہیں جا سکتا... وہاں صرف سہران کا سربراہ جا سکتا ہے... اور کوئی نہیں... اور وہاں سہران کے سائنس دان اور دوسرے ہر قسم کے ماہرین ہیں... ان سے ملنے کی اجازت کسی کو نہیں۔“

”اور ان کی رہائش گاہوں پر ان سے ملا جا سکتا ہے۔“ شکی نے پوچھا۔

”حد ہو گئی... ارے بھئی... ان سے کہیں بھی نہیں ملا جا سکتا... نہ ان کمروں میں کوئی جا سکتا ہے۔“

”اچھی بات ہے... مسٹر شنگ سے ملاقات تو ہو سکتی ہے نا۔“  
 ”مجھ سے ہو سکتی ہے تو شنگ سے کیوں نہیں۔“ جیرال مسکرایا۔

”شکریہ! اگر کسی وقت ہم یہاں پور ہو جائیں... تو کیا آپ ہمیں ہمارے ملک بھجوا دیں گے۔“

”ضرور کیوں نہیں... بلکہ دنیا کے جس ملک میں کہیں گے بھجوا دیں گے... لیکن میرا خیال ہے کہ آپ لوگ خود ہی جانا پسند نہیں کریں گے... آپ لوگ اپنے کمروں میں دنیا بھر کی خبریں دیکھ سکتے ہیں... آپ کے کمروں کا خادم آپ کو اسکرین وغیرہ کا استعمال بتا دے گا۔“

”اوہ... یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہم دنیا کی خبریں سن سکتے ہیں۔“

”دنیا ہی کی نہیں... آپ اپنے گھر کی خبر بھی لے سکتے ہیں... بس آپ کو فری کوئٹھی گھمانے کا فن آنا چاہیے... خادم آپ کو طریقہ بتا دے گا... اس کے بعد اپنے شہر کا کوئی مقام اسکرین پر نظر آنا کوئی مشکل کام نہیں ہو گا، میں نے بتایا نا... ہمارے سائنس دانوں نے بہت کام کیا ہے اور سہران کے لیے دن رات ایک کر دیے ہیں۔“ اس نے کہا۔

”کیا وہ یہاں ادا س نہیں ہوتے اپنے بیوی بچوں کے بغیر۔“

”حد ہو گئی... وہ لوگ تو سہران کے بانی ہیں... انہیں آنے جانے کی اجازت ہے... بلکہ یہ اجازت تو مجھے اور شنگ کو بھی ہے۔“

”تو اٹکل ایہ اجازت آپ ہمیں بھی دلوادیں نا۔“ فرحت نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

”واہ واہ... بہت خوب۔“ جیرال زور سے ہنسا... پھر ہنسی روک کر اس نے کہا۔

”اب میں چلا۔“

”خادم کو بلانے کا طریقہ بتاتے جائیں۔“ فاروق نے جلدی سے کہا۔

”کمرے کی میز پر لگا سرخ بٹن دبا دیں... وہ حاضر ہو جائے گا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی جیرال کمرے سے نکل گیا... دروازہ بند ہو گیا... فاروق نے فرحت کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

”یہ بات کہنے کی بھلا کیا تھی... وہ اور ہمیں سبران سے باہر آنے جانے کی اجازت دے دیں گے... ہم بھلا ان کے کیا لگتے ہیں...“

”بس ایسے ہی منہ سے نکل گیا تھا... یہ کوئی سنجیدہ بات نہیں تھی... اب مجھ پر آگ بگولا ہونے کا کیا فائدہ۔“

”ٹھیک ہے فاروق... یہ بات مذاق کی تھی... جیرال نے بھی

اسے مذاق میں ہی لیا ہے۔“ اور اب سب سے پہلے ہم اپنے ملک اور اپنے شہر کی خبریں

کیوں نہ لیں۔“ محمود نے کہا۔

”اوہ ہاں۔“

فاروق نے فوراً سرخ بٹن دبا دیا... فوراً ہی خادم اندر آیا۔

”ہیں سر۔“

”بھئی اسکرین آن کرنا اور دنیا بھر کی خبریں لگانے کا طریقہ بتا

دیں۔“

”ابھی لیں۔“

”آپ کا نام کیا ہے۔“

”ایسے سوالات اور جواب کی اجازت نہیں ہے جناب۔“

”اوہ اچھا... ہمیں معلوم نہیں تھا۔“

اس نے دیوار کے نزدیک جا کر بتانا شروع کیا۔

”یہ بٹن دبائیں گے تو اسکرین آن ہو جائے گی... اس کے بعد

یہاں کے حساب سے نمبر اور نام لکھے ہوئے ہیں... ریہوٹ کنٹرول آلہ

بھی موجود ہے، آپ بستر پر بیٹھے بیٹھے بھی اسٹیشن تبدیل کر سکتے ہیں...

یہ دیکھیے... آپ کا ملک لگاتا ہوں۔“



جلد ہی انہیں اپنا دارالحکومت نظر آنے لگا۔  
 ”بس ٹھیک ہے ... ہم دیکھ لیں گے۔“  
 ”یہ تو دارالحکومت ہے ... خود ہی لگ گیا ... کوئی اور شہر دیکھ

چاہیں تو اس کے لیے آپ کو فری کونسی گھمانی پڑے گی ... اور ایسا  
 ریموٹ کنٹرول آلے سے ہو جائے گا ... اس کا طریقہ میں بتا دیتا ہوں  
 ... یہ دیکھیں ... یہ ریموٹ کنٹرول ہے ... اس کے دائیں طرف گول  
 مٹن ہے ... اسے دائیں گھمائیں گے تو شہر تبدیل ہوتے چلے جائیں گے  
 ... یعنی بڑے اور مشہور شہر ... بائیں طرف گھمائیں گے تو اس شہر کے  
 حصے تک نظر آئیں گے۔“

”اوہو اچھا۔“ ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”ہاں! آپ لوگ چاہیں تو اپنے گھر والوں کو بھی دیکھ سکتے  
 ہیں۔“

”کیا!!!“ وہ سب چلا اٹھے۔

اور پھر خادم ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

”تب پھر پہلے ہم اپنے گھر کی خبر لیتے ہیں۔“ فاروق نے چلا  
 کر کہا۔

”بری بات ہے فاروق۔“ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

”جی ... کیا کہا ... بری بات ہے ... اس میں بری بات کیا  
 پہلا۔“

”پہلے ہمیں ملک کے حالات دیکھنے چاہئیں ... لوگ کس حال  
 میں ہیں۔“

”اوہ ہاں! آپ نے ٹھیک کہا۔“

اب ان کا شہر ان کے سامنے نظر آ رہا تھا ... پورے شہر پر سوگ  
 سا چھا یا ہوا تھا ... یوں لگتا تھا جیسے کوئی عظیم لیڈر فوت ہو گیا ہو ...  
 دکانیں بند تھیں ... دفتر بند تھے ... بس ہڑتال کا سماں تھا ...  
 ”اب یہ کیسے پتا چلے گا کہ وہاں کیا ہوا ہے ... آوازیں بھی تو

سنائی دینی چاہئیں۔“

”آوازوں کے بارے میں خادم صاحب نے نہیں بتایا۔“

”پہلے ہم خود کوشش کر لیتے ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے پروفیسر داؤد

نے آلہ خود لے لیا اور اسے دیکھ کر ایک مٹن دبا یا ... فوراً ہی آوازیں

سنائی دینے لگیں ... ایک شخص کہہ رہا تھا ... ساتھ میں وہ نظر بھی آ رہا تھا

... مطلب یہ کہ اس وقت فری کونسی اس مقام پر تھی۔

”کیا وقت آ گیا ہے ... سونے کے سگنوں نے تو کسی کام کا نہیں

رہنے دیا ... بس سونے کے سگنے جمع کر لو ... انہیں بیچ دو ... کھانے

اور پینے کا سامان خرید لو... اور دنیا کا کوئی کام نہ کرو... یہ بھی کوئی زندگی ہے... پہلے ہاتھ پیر تو چلایا کرتے تھے... گھوما پھرا تو کرتے تھے۔“

انہوں نے بن تھوڑا سا اور گھمایا... لوگ بس اسی قسم کی باتیں کرتے نظر آئے۔

”اب میرا خیال ہے... ہم اپنے گھر کے حالات دیکھ لیں۔“ انہوں نے بن گھمانا شروع کیا... شہر کی سڑکیں تیزی سے بدلتی نظر آئیں... آخر ان کی سڑک آگئی... پھر ان کا گھر نظر آنے لگا... اب انہوں نے وہاں فری کوئسی فکس کر لی...

گھر کا منظر ان کے سامنے تھا... پھر گھر کے اندر کا منظر بھی نظر آنے لگا...

انہوں نے دیکھا، وہاں تمام بیگمات جمع تھیں... سب بچے بھی وہیں تھے... وہ اس وقت کھانے کی میز کے گرد بیٹھے تھے... کھانے کے ساتھ ساتھ بات چیت بھی ہو رہی تھی... بیگم جمشید کہہ رہی تھیں...

”اللہ کا شکر ہے... ہم سب کے جال میں نہیں آئے... اپنے گھر کے گھر میں رہے... ورنہ عورتیں کیا اور بچے کیا... سب کے سب... ان سب کے دیوانے بن کر رہ گئے ہیں۔“

”اور نہ جانے ہمارے گھر والے کہاں ہوں گے...“ بیگم جمشید نے اداس لہجے میں کہا۔

”اور مم... میرے ابو...“ شائستہ کی آواز سنائی دی۔  
”وہ اللہ کی مہربانی سے جہاں بھی ہیں... خیریت سے ہیں اور ان لوگوں تک پہنچنے کی کوشش میں ہوں گے جنہوں نے ہمارے اسلامی ملکوں کو اس حال تک پہنچا دیا ہے... دیکھا جائے تو اب اسلامی ریاستیں صفر ہو کر رہ گئیں ہیں... ان پر حکم تو سبوں کا چلتا ہے... سب کے برسانے والے جب چاہتے ہیں... سب کی توجہ اپنی طرف کر لیتے ہیں... کام کاج میں تو اب کسی کو دلچسپی رہ ہی نہیں گئی... اللہ اپنا رحم فرمائے... یہ کیسی سازش ہے... لگتا ہے... اس سازش کا کوئی توڑ کسی کے پاس نہیں... جب تک سب ختم نہیں ہو جاتے... بھلا کیا ہو سکتا ہے۔“

”اور سب ختم ہونے کا کوئی امکان دور دور تک نہیں... سنا ہے... وہاں تو سونے کے پہاڑ ہیں۔“

”اللہ سے دعا تو کر ہی سکتے ہیں... بس دعائیں کیے جائیں...“

”اللہ مالک ہے۔“

وہ دیر تک ان کی باتیں سنتے رہے... اور مسکراتے رہے... ان کا جی چاہ رہا تھا... کسی طرح وہ اپنا آپ بھی ان لوگوں کو دکھا دیتے



... یا فون پر ہی بات کر لیتے ... لیکن یہاں کے والی وارثوں نے اس کا امکان کب رہنے دیا تھا ...

”کیا خیال ہے ... اب ذرا ریاست برتائی کے حالات دیکھ لے جائیں۔“

”وہاں کے حالات ہمارے ملک کی نسبت زیادہ خراب ہوں گے ... ارے ہاں! ہم نے یہ تو دیکھا ہی نہیں ... کہ ہمارے دفاتر کا کیا حال ہے ... صدر صاحب ... آئی جی صاحب وغیرہ کس حال میں ہیں اور تو اور انکل اکرام کس حال میں ہیں۔“

”دیکھ لیتے ہیں۔“

”انہوں نے فری کونسی گھمانا شروع کی ... اور آخر ان کے دفاتر نظر آنے لگے ... وہاں سب لوگ اپنی ڈیوٹی پر ضرور موجود تھے ... لیکن لگتا تھا، انہیں کوئی کام نہیں ہے ... بس ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے تھے ... یہی حال ایوان صدر کا نظر آیا ... انہوں نے بور ہو کر ریاست برتائی سے سلسلہ ملایا ... وہاں حال اپنے ملک سے بھی برا نظر آیا ... صدر صاحب تو محل میں تھے نہیں ... ان کی جگہ ان کے چچا زاد بھائی لے چکے تھے ... اور لوگ ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنا رہے تھے ... لوگ کام کاج کرتے بھی نظر نہیں آ رہے تھے ... یوں لگتا

تھا جیسے سب لوگ بغیر کوئی کام کیے کھانے پینے اور آرام کرنے کے عادی ہو گئے ہوں ... جیسے انہیں کمانے کی کوئی فکر نہ رہ گئی ہو ...

انہوں نے بور ہو کر اسکرین بند کر دی۔  
”کوئی فائدہ نہیں دیکھنے کا ... سب طرف ایک جیسے حالات ہیں ... یہ لوگ جسے دیکھتے ہوں گے کہ فلاں جگہ کے لوگ جاگ رہے ہیں، ہوش میں آ رہے ہیں، ان کی سازش کو سمجھ رہے ہیں تو وہاں پر سٹوں کی بارش کر دیتے ہوں گے ... بس ان کے پاس یہی ایک ہتھیار ہے ... لیکن۔“ انسپکٹر کامران مرزا کہتے کہتے رک گئے۔  
”لیکن کیا انکل۔“ محمود نے ان کی طرف دیکھا۔

”لیکن ... اس مسئلے کا ہمارے پاس کوئی حل نہیں ہے ... بھلا

سونے کے پہاڑوں کا ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”اوہ ہاں! سونے کے پہاڑ ... لیکن انکل سونے کے پہاڑوں کی بات تو بعد میں ہوگی ... اس سے پہلے تو مسئلہ یہاں کی حکومت کا ہے ... یہاں کے انتظامات ہمارے علم میں ہی نہیں ہیں ... ہم بھلا یہاں کیا کر سکتے ہیں۔“

”کچھ بھی نہیں ... بس یہاں رہیں گے اور اگر ہم اس ماحول میں

رہ جائیں تو بیوی بچوں کو بھی یہاں بلوالیں گے ... کیونکہ اپنے ملک میں

جو حالات ہیں، ان حالات میں ہم وہاں رہ کر بھلا کیا کر سکیں گے۔  
 ”ٹھیک ہے... پہلے دس پندرہ دن یہاں گھوم پھر لیجئے۔“  
 ”آج تو ہم تھکن اتاریں گے، کل سے سیر شروع۔“  
 ”بالکل ٹھیک۔“

رات کا کھانا بہت پر تکلف تھا... لیکن سب کا سب ریڈی میڈ  
 تھا... اور غالباً ایکورم سے لایا گیا تھا... اس کا مطلب ہے...  
 مہمانوں کے لیے کم از کم کھانا تیار نہیں کرایا جاتا تھا... منگوا لیا جاتا تھا...  
 ... باقی لوگ کیا کرتے تھے... یہ وہ ان سے معلوم کر کے ہی جان سکتے  
 تھے... سو لمبی تان کر سو گئے۔

دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد انہوں نے سیر کی ٹھانی... کھٹی  
 بجائی تو خادم اندر داخل ہوا... لیکن یہ وہ کل والا خادم نہیں تھا... اس  
 کا مطلب تھا... ان کے اوقات مقرر تھے...  
 ”ہمیں سیر کے لیے جانا ہے... ڈرائیور سے کہیں گاڑیاں تیار  
 رکھیں۔“

”گاڑیاں تیار ہیں... یہاں تیار ہونے پر وقت ضائع نہیں کیا  
 جاتا... ہر چیز ہر وقت پر تیار ملتی ہے۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“  
 ”لیکن اس وقت آپ سیر کے لیے جا کر کیا کریں گے... سب  
 لوگ سوئے پڑے ہیں... یہاں دن کے گیارہ بجے سے پہلے کوئی نہیں  
 اٹھتا۔“  
 ”اوہو اچھا! لیکن ہمیں تو اسی وقت سیر کی عادت ہے... لہذا ہم  
 تو اسی وقت جائیں گے... گیارہ بجے سے پہلے تو ہم شاید واپس بھی  
 لوٹ آئیں گے۔“  
 ”آپ کی مرضی۔“ اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا... ایک  
 منٹ بعد ہی اس نے اندر آ کر کہا۔  
 ”دونوں گاڑیاں بالکل تیار ہیں۔“

وہ فوراً باہر نکل آئے... ایک گاڑی میں انسپکٹر جمشید بیٹھے، دوسری  
 میں انسپکٹر کامران مرزا... اور پھر باقی لوگ تقسیم ہو گئے۔  
 ”جی سر... کہاں چلنا ہے۔“ اگلی کار والے ڈرائیور نے کہا۔  
 ”سونے کے پہاڑوں کی طرف۔“ انہوں نے کہا۔  
 ”جی۔“ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے... اس وادی میں سب  
 سے اہم چیز تو یہی ہے۔“



”آپ ٹھیک کہتے ہیں ... لیکن ...“ اس نے کہا۔  
”لیکن کیا۔“

”وہ تو یہاں سے بہت دور ہیں ... وہاں جاتے جاتے تو وہ ...  
ہو جائے گی ... اور واپس آتے آتے شام۔“

”تو کیا ہوا ... آپ کھانے پینے کا سامان ساتھ رکھ لیں۔“  
”وہ گاڑیوں میں پوری طرح موجود ہے۔“

”تو پھر پریشانی کیسی۔“

”آپ کی مرضی ... لیکن جناب! آپ وہاں جا کر کیا کریں گے ... وہاں تو صرف پہاڑ ہیں ... یا وہ مشینیں ... جو سونے کے پہاڑ کو کاٹ کاٹ کر سونے کے بڑے بڑے ٹکڑے الگ کرتی ہیں ... پھر ... ٹکڑے نکمال تک لائے جاتے ہیں۔“

”نکمال ... کیا مطلب۔“

”جہاں ان ٹکڑوں کو سکوں میں ڈھالا جاتا ہے۔“

”پھر بھی ہم ان پہاڑوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے ... میں ساتھی کو بتا دوں کہ ہماری منزل کون سی

ہے۔“

”بتادیں۔“

ڈرائیور نے پچھلی کار کے ڈرائیور کے پاس جا کر کہا:  
”سونے کے پہاڑوں کی طرف جانا ہے۔“

”اوہ ... اتنی دور کی سیر۔“

”ان کی خواہش یہی ہے۔“

”ٹھیک ہے ...“ اس نے کندھے اچکا دیے۔

اور پھر ان کا سفر شروع ہوا۔

”یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ اس دنیا میں ایک جگہ سونے کے پہاڑ بھی ہیں۔“ اگلی کار میں موجود آصف کہہ رہا تھا۔

”عجیب تو ہے ... لیکن غریب نہیں، اس لیے کہ سونا کافی مہنگی چیز ہے۔“ آفتاب نے کہا۔

”نہ صرف انسپکٹر جمشید اس کی بات سن کر ہنس پڑے ... بلکہ ڈرائیور بھی ہنسا تھا۔“

”اور کیا یہ بات عجیب نہیں کہ یہ جگہ ساری دنیا سے الگ تھلگ ہے ... جب کہ سونے کی ضرورت تو دنیا کو ہوتی ہے ... یہ پہاڑ اگر

وہاں کسی ملک کو مل جائیں تو وہ کیا نہیں کرے گا۔“

”ہاں! یہ بات بھی عجیب ہے ... لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کے کام

ہیں ... اب سے پہلے تو کسی کو معلوم بھی نہیں تھا کہ دنیا میں کوئی ایسی

جگہ بھی ہے ... جہاں سونے کے پہاڑ ہیں۔“

”اس شخص پر حیرت ہے ... جس نے یہ جگہ دریافت کر لی  
آخر کیسے دریافت کر لی اس نے۔“

”اس نے نہیں ... انہوں نے ... وہ اس علاقے کے سربراہ ہیں ...  
ان کی یہاں حکومت ہے ... بلکہ یہاں کیا ... اب تو دنیا کے ر  
جانے کتنے ملکوں پر ان کی حکومت ہو جائے گی ... ابھی ابھی یہ بات  
سننے میں آئی ہے ... کہ ایک اسلامی ریاست پر انشارجہ کے کہنے سے  
وہاں کی فوج نے قبضہ کر لیا ہے ... یعنی وہاں کا جو حکمران تھا ... قانونی  
حکمران تھا ... پورے ملک کی رعایا نے اسے اپنا صدر چنا تھا، لیکن  
انشارجہ کے اشارے پر وہاں کی فوج نے اس کا تختہ الٹ دیا ... اسے  
گرفتا رکھ لیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا ... اسلامی دنیا صرف احتجاج کر  
کے رہ گئی ... کچھ بھی نہیں بنا ... فوج بدستور قبضہ جمائے ہوئے ہے  
اور عوام آپس میں لڑ رہے ہیں ... یعنی پہلے صدر کے حامیوں اور فوج  
میں جنگ ہو رہی ہے ... جب اندرونی طور پر حکومتیں مضبوط نہ ہوں تو  
پھر یہی کام کیے جاتے ہیں۔“ ڈرائیور کہتا چلا گیا ...

”ہیں تو آپ ڈرائیور ... اور باتیں کر رہے ہیں ... بہت پڑھے  
لکھے لوگوں کی۔“

”بس قسمت کی بات ہے ... انٹرویو دینے گیا تھا ایک انجینئر کا  
... بہت بڑی تنخواہ کا لالچ دے کر ڈرائیور بھرتی کر لیا گیا ... کہنے لگے  
... جب ڈرائیور کو ایک انجینئر کی پانچ تنخواہوں کے برابر تنخواہ ملے تو  
... کیا ضرورت ہے انجینئر بننے کی ... ڈرائیور بن جاؤ ... اتنی تنخواہ ملا  
کرے گی ... میرے منہ سے تنخواہ سن کر رال میکنے لگی ... اور میں نے  
ہاں کر دی ... بس مجھے راکڈوم میں بٹھا کر یہاں بھیج دیا گیا ... اب  
تنخواہ تو واقعی پانچ انجینئروں جتنی ملتی ہے ... لیکن اس تنخواہ کا کیا فائدہ  
... جب میں اپنے گھر میں نہ ہوں، گھر والوں کے ساتھ نہ ہوں ... ہر  
وقت انہیں یاد کرتا رہتا ہوں ... وہ مجھے یاد کرتے ہیں ... لیکن کوئی حل  
نہیں ... یہاں کم از کم پندرہ سال پورے کرتا ہوں گے ... تب یہ لوگ  
واپس مجھے میرے گھر پہنچائیں گے ... لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ  
ایسا کریں ... گلتا بھی نہیں ایسا کریں گے ... یہاں کا ہر ملازم یہی سوچتا  
ہے ...“ یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔

ان کے دل دکھی ہو گئے۔

”تو آپ ان سے کہہ کر بیوی بچوں کو یہاں بلا لیں۔“

”میں یہ کہتے ہوئے ڈرتا ہوں ... اگر ان کا یہاں دل نہ لگا تو  
کیا ہو گا ... پھر وہ بھی یہاں آکر پھنس جائیں گے ... اب تو چلو وہ



اپنے ملک میں تو ہیں۔“

”آپ کی کہانی دکھ بھری ہے۔“

”صرف میری ہی نہیں... یہاں ہر ملازم کی یہی کہانی ہے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں... جو پائلٹ یہاں سے بچ نکلا... اس نے بھی یہی کہانی سنائی تھی... وہ بھی آپ کی طرح اداس تھا۔“

”کیا کہا... بچ نکلا۔“

کار کو ایک زبردست دھچکا لگا... وہ بری طرح چوٹے۔

☆☆☆☆☆

## سونے کی دھار

دراصل بالکل غیر ارادی طور پر ڈرائیور نے بریک لگائی تھی... شاید اس نے اپنی زندگی کی حیرت انگیز ترین خبر سنی تھی... کچھلی کار کے ڈرائیور کو بھی زبردست بریک لگانے پڑے... ساتھ ہی اس نے چلا کر کہا۔

”کیا ہوا انہیں۔“

”یار بہت حیرت کی خبر سنی ان لوگوں سے یقین نہیں آیا، اس

لیے غیر ارادی طور پر بریک لگ گئے۔“

”اور اگر میں خبر دار نہ ہوتا... تو ہو گیا تھا نا ایکسیڈنٹ۔“

”یہ گاڑیاں کون سا ٹوٹ پھوٹ سکتی ہیں... دنیا کی مہنگی ترین

گاڑیاں ہیں۔“

”ہاں یہ تو ہے... وہ خبر کیا ہے...“ اس نے گاڑی سے باہر

آتے ہوئے کہا... اب باقی لوگ بھی باہر آگئے تھے... دروازے بند کر

”ان کا کہنا ہے، بہران کا ایک پائلٹ ایسا ہے... جو بہران سے بچ نکلا ہے... وہ راکڈوم کا پائلٹ تھا۔“  
 ”اور وہ بچ کیسے نکلا۔“

”ابھی انہوں نے یہ نہیں بتایا۔“

”تب یہ حضرات گپ چھوڑ رہے ہیں۔“

”تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے... ہم لوگ یہاں لائے نہیں گئے... خود آئے ہیں۔“

”یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”تو تمہیں یقین نہیں آیا۔“

”بالکل نہیں... کیونکہ ان کی مرضی کے بغیر یہاں بھلا کون آ سکتا ہے۔“

”ہم انہیں پوری کہانی سنا دیتے ہیں... لیکن کیا ہماری بات چیت سنی نہیں جائے گی۔“

”گاڑیوں میں ہونے والی بات چیت ریکارڈ ہو رہی ہے... لیکن ہم اس وقت باہر کھڑے ہیں۔“

”تو پھر آؤ... ذرا گاڑیوں سے دور ہو جائیں... ہم آپ

دونوں کو اپنی کہانی سناتے ہیں اور اس پائلٹ کی بھی... جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذریعے بہران سے نجات دی ہے اور اب وہ اپنے بیوی بچے کے ساتھ ہے... یہ اور بات ہے کہ یہ لوگ اس کی تلاش میں دن رات ایک کر رہے ہیں... اور ہو سکتا ہے تلاش کر لیں... لیکن فی الحال تو وہ بچ نکلا ہے۔“

انہوں نے چاروں طرف دیکھا... سارا بہران تو سویا پڑا تھا... اس وقت کون ان کی طرف توجہ دیتا... دور آکر انسپکٹر جمشید نے ساری کہانی سنا دی... وہ حیرت زدہ سے سنتے رہے... پھر انسپکٹر جمشید نے دہلی آواز میں کہا۔

”اگر تم دونوں ہمارا ساتھ دو تو آہستہ آہستہ ہم اپنا کام شروع کر سکتے ہیں اور ان شاء اللہ ایک دن ہم تم لوگوں کو بھی یہاں سے نکال لے جائیں گے... فی الحال تو ہمیں ہر چیز کو سمجھنا ہے۔“

”لیکن اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا کہ ہم ان کے خلاف سازش کر رہے ہیں تو ہم سب مارے جائیں گے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔

”مارے تو ہم دیے بھی جا چکے ہیں... یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے... یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی حکومت کچھ لوگوں کو ہمیشہ کے لیے ملک



بدر کر دے... کیا تم لوگوں کا جی نہیں چاہتا کہ اپنے گھروں میں اپنے بیوی بچوں کے پاس رہو۔“

”لو اور سنو... یہ اور ہمارا جی نہیں چاہتا ہوگا... ہم تو چاہتے ہیں، بس کسی طرح یہاں سے نکل جائیں اور راز کر اپنے گھروں میں پہنچ جائیں۔“

”ان شاء اللہ تم اڑ کر ہی اپنے گھروں میں پہنچو گے۔“

”کیا واقعی... ایسا دن آسکتا ہے۔“

”ہاں! اللہ نے چاہا تو۔“

”لیکن کیسے؟“

”فی الحال آپ اس سوال کو رہنے دیں... یہ ہمارا کام ہے...“

تم لوگ بس ہمارا ساتھ دینے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہو... اور بھی جو لوگ یہاں تنگ ہیں، انہیں آہستہ آہستہ اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہو... ہم تمہیں بتا چکے ہیں... ہم یہاں سے ایک شخص کو لے جا چکے ہیں اور اسے یہ لوگ اب تک تلاش نہیں کر سکے... رہ گئے ہم... تو ہم تو خود یہاں واپس آئے ہیں... دراصل ہم یہاں قید سب لوگوں کو آزاد کرانا چاہتے ہیں... اور ان لوگوں کی حکومت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔“ وہ کہتے چلے گئے۔

”لیکن... یہ کیسے ہوگا۔“

”یہ ہمارا کام ہے... اس بات کو چھوڑیں۔“

”اچھی بات ہے... آج سے ہم یہ کام شروع کر دیں گے۔“

”لیکن اس میں احتیاط کی ضرورت ہے... کوئی تم لوگوں کی باتیں نہ سن سکے... ایسی گاڑی اور ایسی عمارت میں اس قسم کی باتیں نہیں کرنی ہیں... بس کھلے میدان میں کسی بہانے ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ ملائے رہو۔“

”یہ کام ہم کریں گے، آپ فکر نہ کریں، کیونکہ سب لوگ یہاں سے جانے کے لیے مچھلی کی طرح تڑپتے رہتے ہیں۔“

”ہوں... ہم سمجھتے ہیں... اشارۃً تمہیں بتا دیتے ہیں... ہم ان راکڈوموں کو اڑا سکتے ہیں... ان کے خود کار نظام کو ختم کر سکتے ہیں اور جب ہم ان کے خود کار نظام کو ختم کر دیں گے، تب یہ راکڈوم ہمارے ہاتھ میں ہوں گے... لیکن ظاہر ہے... اس سے پہلے ہمیں ان لوگوں سے ٹکر لینا ہوگی... باقاعدہ جنگ ہوگی... اس جنگ میں کسی کی بھی فتح ہو سکتی ہے۔“

”یہاں سے سب لوگ جانے کے لیے موت کی حد تک تیار ہیں... بس کوئی انہیں لے کر چلنے والا ہو... شاید وہ لوگ آپ ہی ہیں۔“

”اب تم لوگ بات کو درست طور پر سمجھ رہے ہو۔“  
اور وہ گاڑیوں میں بیٹھ گئے ... اب انہیں نمائش کے طور پر ادھر  
ادھر کی باتیں کرنی تھیں ... یہاں تک کہ وہ سونے کے پہاڑوں تک پہنچ  
جاتے ...

”دیکھ کر گاڑی چلایا کرو ... ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا آج۔“  
”اچھی بات ہے۔“

اب پھر ان کا سفر شروع ہوا۔

ویسے کیا تم مجھے بھی ڈرائیونگ سکھا سکتے ہو ... میرا مطلب ہے  
... گاڑی تو میں چلا لیتا ہوں ... یہاں کے اصول کیا ہیں ... اس کے  
حساب سے ...

”یہاں دائیں طرف ڈرائیونگ ہے اور کوئی بات نہیں ... لیکن  
... ظاہر ہے، انہیں اس بات کا پتا چل جائے گا۔“

”خیر ... ہم مسٹر جیرال سے اجازت لے لیں گے۔“  
”یہ زیادہ مناسب رہے گا۔“

”ہم اپنے کمروں میں جا کر ان سے رابطہ کریں گے ... ابھی تو  
وہ بھی سو رہے ہوں گے۔“

”جی ہاں!“

اب ان کا سفر پھر پہاڑوں کی طرف شروع ہوا ... ابھی تک  
انہیں کسی بھی قسم کا کوئی پہاڑ نظر نہیں آیا تھا ... پھر ایک گھنٹے کی  
ڈرائیونگ کے بعد آخر انہیں اپنے سامنے پہاڑ نظر آنے لگے ... لیکن وہ  
نیلے رنگ کے پہاڑ تھے ... جب کہ ان کا خیال ہے ... وہ شہری رنگ  
کے نظر آئیں گے۔

”یہ وہ پہاڑ تو نہیں۔“ انسپکٹر جشید نے کہا۔  
”یہی وہ پہاڑ ہیں۔“

”تب پھر یہ نیلے کیوں ہیں؟“

”اس لیے کہ دور سے یہ نیلے ہی نظر آتے ہیں ... ابھی سورج  
نہیں نکلا ... سورج نکلے گا اور سورج کی شعاعیں ان پر پڑیں گی تب ان  
کو دیکھیے گا۔“

”اوہ اچھا ... لیکن ابھی تو کافی سفر باقی ہے۔“

”ہاں! یہ نظر بے شک آرہے ہیں ... لیکن ہیں ابھی بہت دور۔“

اور پھر ان کا سفر جاری رہا ... سب لوگ ان پہاڑوں پر نظریں  
جمائے ہوئے تھے ... جنہوں نے اسلامی دنیا کو مصیبت میں ڈال دیا  
تھا۔

اور آخر وہ ان پہاڑوں تک پہنچ گئے ... اس وقت تک سورج



نکل چکا تھا اور اس کی شعاعیں ان پہاڑوں پر پڑنے لگی تھیں۔۔۔ اب ان کا رنگ سنہری ہو گیا تھا۔

بالکل پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر وہ کاروں سے اتر گئے۔۔۔ انہوں نے کاروں کے دروازے بند کر دیے۔۔۔ اب ان کی گفتگو ریکارڈ نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔ اور وہ آزادانہ بات چیت کر سکتے تھے۔۔۔ ”یہاں تو کوئی نظر نہیں آرہا۔۔۔ یعنی پہاڑوں سے نکلے توڑنے والے۔۔۔ یہاں کہاں ہیں۔۔۔“

”میں نے بتایا نا۔۔۔ یہاں دن کے گیارہ بجے سے پہلے کوئی کام شروع نہیں ہوتا۔۔۔ گیارہ بجے تک سب کا سونے کا وقت ہے۔۔۔ اس کے بعد کام شروع ہوتا ہے۔۔۔ اور شام کے سات بجے تک مسلسل کام جاری رہتا ہے۔۔۔ اس کے بعد کام کی تو ہو جاتی ہے چھٹی۔۔۔ پھر سب لوگ کھانے پینے اور اچھلنے کودنے میں لگ جاتے ہیں۔۔۔ اور انہیں کوئی کام نہیں ہوتا۔۔۔“

”اس ساری ریاست کا سربراہ کون ہے۔۔۔ یعنی وہ شخص کون ہے۔۔۔ جس نے اس سرزمین کو دریافت کیا اور پھر اسے آباد کرنے کا منصوبہ سوچا۔۔۔ اور سونے کے پہاڑوں کے ذریعے اسلامی دنیا کو غلام بنانے کی سوچ سوچی۔۔۔“

”ہم لوگ انہیں نہیں جانتے۔۔۔ وہ تو یہاں کے مالک ہیں۔۔۔ انہی کا حکم چلتا ہے۔۔۔“

”اور وہ کہاں ہیں۔۔۔“

”اس ساری سرزمین میں ایک بالکل الگ تھلک ایریا ہے۔۔۔ وہاں کوئی نہیں جاسکتا۔۔۔ بس مسٹر جیرال اور مسٹر شنگ جاسکتے ہیں۔۔۔ انہی دونوں کا باقی سب لوگوں سے رابطہ ہے۔۔۔ یعنی کام لینا ان کے ذمے ہے۔۔۔ نگرانی کرنا۔۔۔ دیکھ بھال کرنا سب ان کا کام ہے۔۔۔ ان دونوں کو ضرور ان کے بارے میں معلوم ہو گا۔۔۔ ویسے انہیں پروفیسر آشام کہا جاتا ہے۔۔۔“

”پروفیسر آشام۔۔۔ ان سب کے منہ سے نکلا۔

”جی ہاں۔۔۔“

”یہ تو ایسا ہے۔۔۔ جیسے کہا جاتا ہے۔۔۔ خون آشام۔۔۔“

”یہ تو ہمیں معلوم نہیں۔۔۔ یہ کیا نام ہے۔۔۔ لیکن نام یہی ہے۔۔۔“

”مطلب یہ کہ وہ کبھی کسی کے سامنے نہیں آتا۔۔۔“

”جی نہیں۔۔۔“

”خیر۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم مسٹر جیرال سے کہیں گے۔۔۔“

کہ ہماری اس سے ملاقات کرادیں۔۔۔ کیونکہ ہمارے نزدیک۔۔۔ بہت

حیرت انگیز آدمی ہے۔“

”میرا خیال ہے ... ایسا نہیں ہوگا۔“

”دیکھا جائے گا ... اب ہم ان پہاڑوں کو دیکھ لیں۔“

وہ ان پر چڑھنے لگے ... یعنی وہ سونے کے پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے ... ان کے ملک میں جو چیز سب سے قیمتی تھی ... جو گراموں کے حساب سے فروخت ہوتی تھی ... اور دس گرام بھی پچاس ہزار کے قریب کا ملتا تھا ... وہ آج ان کے سامنے پہاڑوں کی صورت میں موجود تھا ... وہاں ہر طرف سونے کے پتھر بالکل اسی طرح بکھرے پڑے تھے جیسے تمام پہاڑوں پر پتھر پڑے ہوتے ہیں۔

انہوں نے ان پتھروں کو اٹھا کر غور سے دیکھا۔

”کیا خیال ہے انکل خان رحمان ... کیا یہ خالص سونا ہے۔“

”ہاں!“ انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”دنیا میں جہاں جہاں سونے کی کانیں ملتی ہیں ... ان میں تو

سونا مٹی اور پتھر کے ساتھ ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور اسے الگ کرنا پڑتا ہے۔“

”ہاں! بالکل یہ سونا ایسا ہے کہ اس میں سے کچھ الگ کرنے کی

ضرورت نہیں ... سو فیصد خالص سونا ... یہ دیکھو نا۔“

یہ کہہ کر انہوں نے ایک ٹکڑا لمبائی کے رخ والا اٹھا لیا اور زور لگا کر اسے موڑنے کی کوشش کی ... وہ قدرے ٹیڑھا ہو گیا ...

”دیکھا ... خالص سونا نرم دھات ہے ... سخت نہیں ہے۔“

”ہوں۔“

اب وہ ڈرائیوروں کی طرف مڑے۔

”ہیں۔“

”اس جگہ سے تو پتھر گاڑیوں میں بھر بھر کر لے جائے جاتے ہیں

... وہ جگہ اسی طرف کہیں ہے ... جہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ...

اس جگہ دن رات راکڈوم اڑتے ہیں ... اور نہ جانے کہاں جاتے ہیں

... ظاہر ہے، وہ سونے کے سٹکے لے کر جاتے ہیں۔“ ایک نے کہا۔

”ہوں ... یہی بات ہے ... ویسے آپ دونوں کو یہاں کتنی دیر ہو

گئی ہے۔“

”پندرہ سال پہلے ہم ان کے جال میں آئے تھے ... اچھی بھلی

ایک ادارے کی ملازمت کر رہے تھے ... کہ ان کا بے تحاشہ تنخواہ کا

اشتہار دیکھا ... یعنی ڈرائیوروں کی ضرورت کا ... بس انٹرویو دینے

چلے گئے اور پھنس گئے۔“



”انہوں نے انٹرویو کہاں لیا تھا۔“

”انٹرویو تو ہمارے ملک میں ہی لیا گیا تھا... لیکن ملازمت کے لیے ایکورم میں بلایا گیا تھا... ہم نے سوچا تھا... تین چار سال کا ہم اس قدر دولت جمع کر لیں گے کہ ساری زندگی آرام سے کھا سکیں... بس یہ سوچ ہمیں ایکورم لے گئی... ایکورم سے یہ ہمیں راکڈوم میں بٹھا کر یہاں لے آئے۔“

”جب انہوں نے آپ دونوں کو راکڈوم میں بٹھایا، اس وقت آپ نے گھبراہٹ محسوس نہیں کی تھی؟“

”کی تھی... لیکن اس وقت ہم کر ہی کیا سکتے تھے... ہم تو ان کے شکنجے میں آچکے تھے... اب ہم راکڈوم سے نیچے تو کود نہیں سکتے تھے...“

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھٹلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

”آپ کو کیا ہوا؟“ ڈرائیوروں نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یہ ان کی عادت ہے... آپ کوئی خیال نہ کریں۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”محمود نے آفتاب کو کھا جانے والے انداز میں دیکھا۔“

”یعنی آنکھوں ہی آنکھوں میں کسا جاؤ گے کیا؟“ آفتاب گھبرا

گیا۔ ”میں آدم خور نہیں ہوں۔“ محمود نے اسے اور زیادہ تیز نظروں

سے گھورا۔ ”میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جانے کی بات کی ہے اور

”واہ واہ... بہت اچھا جواب ہے۔“ فرحت نے خوش ہو کر کہا۔

”واہ واہ... بہت اچھا جواب ہے۔“ فرحت نے خوش ہو کر کہا۔

”تو تم بھی دے دو۔“ فاروق نے اسے مشورہ دیا۔

”کیا دے دوں۔“ فرحت نے اس کی طرف دیکھا۔

”جواب... اور کیا۔“

”ہے کوئی تک۔“

”اچھا بس... پہلے ہم سونے کو دیکھ لیں... سونے کی دھار کو

دیکھ لیں۔“

”جی کیا کہا... سونے کی دھار۔“ فاروق زور سے اچھلا اور محمود

سے ٹکرا گیا۔

”اوہو... کیا ہو گیا... عقل سے پیدل تو تم پہلے ہی تھے۔“

اب عقل کے اندھے بھی ہو گئے۔“

”دیکھا آپ نے ... سنا آپ نے ... مجھے اس نے ڈبل انداز  
کہا ہے۔“

”ہو گئے شروع ... اب کہاں رکھیں گے ... جب کہ ہم ان  
پھاڑوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ پروفیسر صاحب ... کیا خیال ہے۔“  
”کیا کہا جمشید ... کیا خیال ہے؟“ وہ چونکے۔  
”ہاں! میں نے کہا تو یہی ہے ... کیا خیال ہے۔“ انیکلر جمشید  
نے فوراً کہا۔

”کس بارے میں۔“

”بس اسی بارے میں۔“

انہوں نے سونے کے کئی ٹکڑے اٹھا لیے اور ان کو غور سے دیکھنے  
لگے۔

”ہم یہاں سے سونے کے ٹکڑے اٹھا سکتے ہیں۔“

”لو جی ... یہاں تو یہ عام پتھر ہیں۔“ انہوں نے فوراً کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ پروفیسر داؤد نے کہا اور چند پتھر اٹھا کر  
جیبوں میں رکھ لیے۔

”آپ ان کا کیا کریں گے۔“ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

”آپ کو تو پتا ہے ... ہمارے ملک میں سونا سب سے قیمتی

دھات ہے اور اسی پر ملکوں کی معاشرت کا دارومدار ہے ... لہذا سونے  
کو اپنے پاس رکھ کر میں خوشی محسوس کروں گا ... تم لوگ بھی پتھر اٹھا لو  
بہنیں ... ہم سب اپنے اپنے کمروں میں ان ٹکڑوں کو رکھ کر دیکھیں گے  
تو ہمیں خوشی ہوگی۔“

ان سب نے پتھر اپنی جیبوں میں بھر لیے ... انہیں سونے کے یہ  
پھاڑ کافی دور تک نظر آرہے تھے ... سورج لحد بہ لحد اوپر ہو رہا تھا اور  
پھاڑ گرم ہو رہے تھے ... یہاں کا موسم اگرچہ خوش گوار تھا ... نہ سردی  
تھی نہ گرمی ... لیکن اس جگہ سورج کی شعاعیں جوں جوں تیز ہو رہی  
تھیں ... پھاڑ تپتے جا رہے تھے ... ادھر وہ ان کے اوپر جا کر دوسری  
طرف دیکھنا چاہتے تھے کہ اس طرف کیا ہے ...  
”میرا خیال ہے ... دوسری طرف دیکھنے کے لیے ہمیں کل پھر

آنا پڑے گا ... اور بالکل صبح سویرے آنا ہوگا۔“

”لیکن کیوں ... اس طرف کیا دیکھنا چاہتے ہیں آپ۔“ انہوں  
نے کہا۔

”پتا نہیں ... کیوں دیکھنا چاہتے ہیں، آپ کو اگر پتا ہے تو آپ

بتادیں ... کیا ہے اس طرف۔“

”نہیں ... میں اس طرف ایک دو بار آیا ہوں ... وہ بھی کسی



مہمان نے کہا تو اور مہمان پہاڑ دیکھ کر ہی لوٹ جاتے ہیں... آپ ہیں جو پہلی بار اس طرح ان پہاڑوں کو دیکھ بھال رہے ہیں۔  
 ”اوہ اچھا... کل آنے سے بہتر ہے... تھوڑی سی تکلیف برداشت کر لی جائے اور دیکھ لیا جائے... دوسری طرف کیا ہے۔“  
 ”لیکن جمشید... اتنے گرم پہاڑ پر کس طرح چڑھیں گے۔“  
 ”آپ لوگ ٹھہریں... میں اور کامران مرزا ہو آتے ہیں۔“  
 ”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔“ پروفیسر خوش ہو گئے۔

اور پھر وہ تیزی سے چڑھتے چلے گئے... دونوں ڈرائیور انہیں اس قدر تیزی سے اوپر چڑھتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے... آخر وہ دونوں چوٹی پر پہنچ گئے اور ان پر لیٹ کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔  
 ”اُف تو بہ... یہ کیا لوگ ہیں... کس قدر گرم سونے پر لیٹ گئے۔“

اسی وقت انہوں نے انہیں واپس آتے دیکھا... وہ بلا کی تیزی سے اتر رہے تھے... ابھی ان کے چہرے انہیں صاف نظر نہیں آ رہے تھے... جب وہ اتنے فاصلے پر آ گئے تو صاف نظر آنے لگے تو وہ ان کے چہروں کو دیکھ کر بری طرح چونکے۔

☆☆☆☆☆

## سرخ

آخر وہ ان تک پہنچ گئے... ان کے چہروں پر ایک ایسی حیرت تھی کہ انہوں نے پہلے کبھی شاید ہی دیکھی ہوگی...  
 ”خیر تو ہے... ہم لوگ تم دونوں کے چہروں پر ایسی حیرت دیکھ رہے کہ پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی... اور یہ بات ہمیں بھی اس حد تک حیران کیے دے رہی ہے۔“ پروفیسر داؤد نے دہلی آواز میں کہا۔  
 ”ہم کچھ ایسی بات دیکھ کر آئے ہیں۔“  
 ”اللہ کرے بات خیریت والی ہو۔“  
 ”سونے کے پہاڑوں کے اس پار... یعنی دوسری طرف سمندر ہے... سنہری سمندر۔“

”کیا کہا... سنہری سمندر... یعنی اس کا پانی سنہری ہے۔“  
 ”ہاں! یہی کہا جاسکتا ہے... ہم دوسری طرف اترے تو نہیں... نہ ہم نے پانی ہاتھ میں لے کر دیکھا... ہو سکتا ہے... پہاڑوں کے

کی وجہ سے پانی ہمیں سنہری لگ رہا ہو... لیکن یہ وہ بات نہیں  
پر ہمیں حیرت ہوئی ہے۔“

”لیکن ابا جان! ہم تو وہی بات پوچھ رہے ہیں۔“ فاروق نے  
کہا۔

اور وہ سب ہنس دیے، پھر انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”اس سمندر میں ایسی خوفناک چھالیں اٹھتی ہیں کہ انسان دیکھ کر  
خوف زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا... اور کوئی بھی انسان اس سمندر میں  
اترنے کی جرات نہیں کر سکتا۔“

”لیکن بالکل! ہمیں اس میں اترنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔“

”یہ سمندر آگے جا کر دو پہاڑوں کے درمیان بہت تنگ جگہ میں  
آجاتا ہے... اس تنگ جگہ کے بعد پھر کھلا سمندر ہے اور وہ بالکل پر  
سکون ہے۔“

”کیا مطلب؟“ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”سونے کے پہاڑوں کے ساتھ سمندر کا جو ٹکڑا ہے... اس کی  
چھالیں حد درجے خوفناک ہیں... لیکن کچھ ہی دور... سونے کے وہ  
پہاڑ تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہیں... ان کے درمیان سے پانی اس  
طرف آتا ہے... اور اس کے دوسری طرف کا پانی بالکل پر سکون ہے

... آخر یہ کیا بات ہوئی... ہم کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ اگر وہ پانی پر  
سکون ہے... تو یہ کیوں پر سکون نہیں... پانی کا درجہ حرارت ایک جیسا  
ہے... ہوا جیسی اس جگہ ہے... ویسی وہاں بھی ہے... کوئی فرق نہیں  
... تو پھر چھالیں یہاں کیوں ہیں اور آگے کیوں نہیں۔“

”یہ بات عجیب تو ہو سکتی ہے... لیکن ہمارے لیے بھلا اس میں  
کیا بات ہے۔“ پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

”ابھی ہم نے اس پر غور نہیں کیا، یہ بعد کی بات ہے... ہو سکتا  
ہے... اس وادی کو دریافت کرنے والے بھی کبھی اس طرف نہ آئے  
ہوں، کیونکہ انہیں تو غرض سونے سے ہے... نہ کہ سمندر سے... لیکن  
ہم چونکہ یہاں بلاوجہ نہیں آئے ہیں... ہمیں تو دیکھنا ہو گا۔“

”آپ کہتے ہیں تو دیکھ لیں گے... لیکن اس وقت تو یہاں  
دوبہ بہت تیز ہو گئی ہے اور شاید یہ اس سونے کی وجہ سے ہے...  
سونا گرم ہو رہا ہے اس لحاظ سے ہوا بہت گرم ہو رہی ہے۔“

”ہاں! یہی بات ہے... اگر ہم کچھ اور دیر اوپر ٹھہر جاتے تو  
ضرور تھک گئے تھے... اور شاید پھر ہمارے لیے اترنا ہی ممکن نہ ہوتا...  
لہذا ہم کل یہاں اور زیادہ صبح سویرے آئیں گے۔“

”کیا اس قدر صبح اس طرف آنے سے جیرال وغیرہ کو کوئی



اعتراض نہیں ہو گا۔“ شوکی نے خیال ظاہر کیا۔

”اعتراض ... ہو بھی سکتا ہے ... لیکن ہمیں کیا ... ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے۔“ انہوں نے کندھے اچکائے۔

”لہذا یہ طے رہا... کل ہم صبح سویرے یہاں آئیں گے تاکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے واپس اس طرف آجائیں۔“

”تو آپ اس طرف اترنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“ محمود نے جلدی سے پوچھا۔

”ہاں! ہم دیکھیں گے ... کہ اس طرف کیا ہے۔“

”ارے باپ رے ... کہیں یہ ہمارے لیے خطرناک نہ ہو۔“ مکھن کانپ گیا۔

”اور ہمارے لیے کوئی معاملہ بھی خطرناک کب نہیں ہوتا۔“ آفتاب نے اسے گھورا۔

”ارے بھائی ... اس میں گھورنے کی کیا بات ہے۔“

”اور گھورنے کی بات کس میں ہوتی ہے ... آصف نے اسے گھورا۔

”یہ ... یہ تو مجھے معلوم نہیں۔“ مکھن گھبرا گیا۔

پروگرام طے رہا ... کل صبح سویرے ہم یہاں ہوں گے۔“

.. مل ... لیکن اکل تاریکی میں بھلا ہم کس طرح پہاڑ پہنچیں گے اور اتریں گے۔“

”پتا نہیں ... پہلے میں اور کامران مرزا چڑھ کر دیکھیں گے ...

اور اتر کر بھی ... اگر ہم ادھر بغیر کسی دقت کے اتر گئے پھر تم لوگوں کو

بھی اترنے کو دعوت دیں گے ... لیکن پروفیسر صاحب ادھر ہی رہیں

گے ... ویسے چڑھائی اور اترائی مشکل نہیں ہے ... اس طرف سمندر

کے اندر ضرور کوئی خطرے والی بات ہو سکتی ہے ... کیونکہ بہت خوفناک

جھالیں اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”اگر ہم کوئی ایسی بات دریافت کر لیتے ہیں ... جو اس جگہ کے

کرنا دھرتا لوگوں کو بھی معلوم نہیں تو یہ ہماری ایک زبردست کامیابی ہو

گی اور کامیابی کی انہیں کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔“

”کیا صرف اس لیے کہ وہ سب اس وقت سوئے ہوئے ہیں؟“

”یہ بات بھی اور یہ بھی کہ اس طرف کیمرے وغیرہ نہیں ہیں۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”یہاں کیمرے نصب کرنے کی کوئی جگہیں ہی نہیں ہیں ...

”مرے یہ کہ یہاں انہیں کیمرے نصب کرنے کی ضرورت بھی تو نہیں تھی

... سونے کی چوری کی تو یہاں کوئی بات ہی نہیں ہے ... یہاں تو سونے کے پہاڑ ہیں ... پہاڑوں کی حفاظت کی بھی کسی کو ضرورت نہیں ہے۔“

”ہوں ... شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“

اور پھر وہ گاڑیوں میں آ بیٹھے ... اب ان کا واپسی کا سفر شروع ہوا ... جونہی وہ اپنے کمروں میں پہنچے ... جیرال اندر آ گیا ... اس کا چہرہ سنا ہوا تھا ... پیشانی پر بل تھے ... اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

”تم نے میری رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔“

”وہ کیسے مسٹر جیرال۔“

”تم لوگ اس قدر صبح سویرے کہاں گئے تھے ... یہاں گیارہ بجے سے پہلے کوئی کام نہیں کیا جاتا۔“

”یہ بات تو آپ نے نہیں بتائی تھی۔“

”میں بھول گیا تھا ... اب سن لیں ... اس وادی میں گیارہ بجے

سے پہلے کوئی بھی کام کرنا جرم ہے۔“

”اوہ ... اوہ ... اور رات کو۔“

”رات کو ... رات کو چاہے تمام رات گھومو پھرو ... رات کے

تمن بجے تمام کام بند ... تمن بجے سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں

ہوتے ہیں۔“

”اب یہ بات معلوم ہو گئی ... اب نہیں جائیں گے۔“

”آپ فوج گئے کہاں تھے۔“

”یہ تو خیر آپ کو معلوم ہی ہو گا۔“

”نہیں ... ہم سو رہے تھے ... نا ... دوسرے یہ کہ یہاں کہیں

باہر جانے کا راستہ تو ہے نہیں ... اس لیے ہم دن رات نگرانی نہیں کرتے۔“

”لیکن کیمروں کی ریکارڈنگ تو ہوتی ہے۔“

”کیمرے ہر جگہ نہیں ہوتے ... صرف اہم جگہوں پر ہیں۔“

”ہم تو صرف سونے کے پہاڑ دیکھنے گئے تھے۔“

”میرا خیال بھی یہی تھا ... سونے کے پہاڑ ضرور دیکھنے جاؤ ...

کوئی اعتراض نہیں ... لیکن ... ان اوقات میں جاؤ ... جن میں

اجازت ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں ... اب ہم یہی کریں گے۔“

”اپنا عہد یاد رکھیں ... آپ نے عہد دیا ہے کہ اس وادی کے

غلاف کوئی سازش نہیں کریں گے۔“

”ہم اپنے عہد پر کاربند ہیں مسٹر جیرال۔“



”اور اسی پر مجھے حیرت ہے ... کہ یہ کیسے ممکن ہے۔“  
 ”آپ خود سوچیں ... یہاں ہم کس قدر مجبور ہیں۔“  
 ”لگتا ہے ... یہاں آکر آپ مکمل طور پر مایوس ہو گئے ہیں۔“  
 ”یہاں امید والی کوئی بات ہو بھی تو۔“ شوکی نے منہ ہلایا۔  
 ”مسٹر شنگ تم پر ہنس رہے تھے ... کہہ رہے تھے ... اچھا ہوا،  
 سب لوگ یہاں آکر پھنس گئے ... اب انہیں یہیں رکھیں گے۔“  
 ”ویسے اگر ہم واپس جانا چاہیں۔“  
 ”اب یہ ممکن نہیں۔“

”پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ ہمارے لیے تین راستے ہیں ...  
 یہاں رہ لیں ... یا مرنا قبول کر لیں یا اپنے ملک چلے جائیں۔“  
 ”میں دیکھ رہا تھا کہ تم کیا کرتے ہو ... ورنہ یہاں آنے والے  
 واپس دوسری دنیا میں نہیں جاسکتے۔“

”آپ اس پائلٹ کو بھول رہے ہیں۔“  
 ”اس سلسلے میں ہم سے غلطی ہو گئی تھی ... ہم بھول گئے تھے کہ  
 ... تم لوگ راکڈوم کا نظام اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہو ... ہمیں  
 پروفیسر داؤد کی اس قدر صلاحیتوں کا اندازہ نہیں تھا ... اب ہم ان سے  
 واقف ہو گئے ہیں ... یہ بہت خطرناک ہیں ... اب انہیں ہر وقت نظر

میں رکھیں گے۔“  
 ”ارے باپ رے۔“ پروفیسر گھبرا گئے۔  
 ”لیکن ہم لوگ سونے کے پہاڑوں کی طرف تو جاسکتے ہیں نا۔“  
 ”اس طرف جانے میں کوئی پابندی نہیں ہے ... وہاں جا کر تم  
 کون سا سونا چرالو گے ... یہاں ہر چیز سونے سے زیادہ قیمتی ہے ...  
 یعنی سب سے کم قیمت چیز یہاں سونا ہے۔“  
 ”شکریہ ... ہمیں تو وہ جگہ بہت پسند آئی ہے ... کیونکہ سونا ہم  
 لوگوں کے لیے اہم چیز ہے نا۔“  
 ”تو جاؤ ... جا کر سیر کرو ... کس نے روکا ہے۔“  
 ”لیکن انکل جیرال ... دھوپ کے وقت پہاڑ گرم ہو جاتے ہیں  
 ... سونا تپنے لگتا ہے ... اس لیے صبح سویرے ہی اس طرف جاسکتے ہیں  
 ... جب کہ آپ پابندی لگا رہے ہیں۔“  
 ”اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے ... خیر تم لوگ صبح سویرے وہاں جا  
 سکتے ہو ... تاکہ دھوپ کی تپش سے بچ سکو ... کوئی حرج نہیں۔“  
 جیرال مسکرایا۔  
 ”شکریہ انکل! آپ بہت اچھے ہیں۔“ فرزانہ نے خوش ہو کر  
 کہا۔

”ارے ارے ... میں جیرال ہوں۔“

”معلوم ہے انکل ... اور یہ کیا ... مسٹر شنک سے ملاقات نہیں ہوئی۔“

”دراصل یہاں ڈیوٹیاں تقسیم ہیں ... ان کی ڈیوٹی اس سمت پر ہے ... جس طرف کوئی آجا نہیں سکتا۔“

”کیا ہم بھی نہیں انکل۔“ فرحت نے پوچھا۔

”نہیں ... تم بھی نہیں ... اس طرف کوئی نہیں جا سکتا ... صرف میں جا سکتا ہوں یا شنک اور شنک کی ڈیوٹی وہاں ہے۔“

”آپ اپنے ساتھ ہمیں وہاں لے جائیں ... ہم دیکھیں تو کسی ... وہاں کیا ہے؟“

”نہیں بھئی ... یہ نہیں ہو سکتا۔“

”آخر کیوں انکل ... وہاں کیا ہے۔“

”وہاں ... ہاں ... سب کچھ ہے ... اس شہر کا سارا تنظیمی ڈھانچہ

وہاں ہے ... نکسال وہاں ہے ... یعنی سکتے وہاں بنتے ہیں ... اگرچہ سٹوں کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ... ایسے ہیں ... جیسے کنکر پتھر ... لیکن پھر بھی وہاں کام کرنے والوں اور دوسرے کام کرنے والوں کو عام لوگوں سے ملنے کی اجازت نہیں ہے ... اس لیے۔“

”اور وہاں آپ کے طیارے ہیں ... راکٹروم ہیں ... یعنی طیاروں کا رن وے بھی ہے وہاں۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”ہاں! یہ ٹھیک ہے۔“ جیرال نے انہیں گھورا۔

”اور وہاں پوری دنیا کے اسلامی ملکوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے ... یا کیا جانا ہے، اس کی تفصیلات طے کی جاتی ہیں ... وہاں آپ کے سائنس دان ہیں ... جو ان تمام حالات کو کنٹرول کر رہے ہیں ... مثلاً یہاں سے کوئی راکٹروم جاتا ہے تو مرکز سے اس کے ساتھ رابطہ رکھا جاتا ہے ... اور وہاں خفیہ کیمروں کا نظام ہے ... ان کے ذریعے پورے سہرا کو دیکھا جاتا ہے۔“

”ہاں! انسپکٹر جمشید ... تمہارے اندازے درست ہیں ... اور

اس میں شک نہیں ... تم لوگ حیرت انگیز ہو ... لہذا ہمیں چاہیے ... تم لوگوں کو یہاں نہ رہنے دیں ... تاکہ تم خطرناک ثابت نہ ہو ... لہذا میں بڑوں سے بات کروں گا اور تم لوگوں کو تمہارے ملک بھجوا دوں گا۔“

”کیا واقعی ... اور وہ لوگ آپ کی بات مان لیں گے۔“

”میری اور شنک کی اتنی خدمات ہیں کہ اگر ہم کوئی مطالبہ کریں تو یہ لوگ انکار نہیں کر سکتے ... مطلب یہ کہ اس پورے شہر کو بنانے اور قائم کرنے میں ہم نے ہر کام کیا ہے ... دن رات ایک کیا ہے ... لہذا



یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ان سے کہیں کہ تم لوگوں کو یہاں سے بھیج دیا جائے اور وہ کہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا۔“

”جیسے آپ کی مرضی ... اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ ہم خطرناک ہیں تو ہمیں بھجوا دیں۔“

”میں ان سے بات کروں گا ... ویسے میں ایک بات بتا دوں۔“

”جی ضرور بتا دیں انکل۔“ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

”بات یہ ہے کہ اس شہر کا تباہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ تم یہاں کچھ بھی نہیں کر سکتے ... ابھی تو میں نے کہا ہے نا کہ اس سمت میں کوئی نہیں جاسکتا ... جس طرف تمام دفاتر ہیں ... یا سائنس لیبارٹریز ہیں اور جہاں ہمارے انچارج رہتے ہیں ... یعنی پروفیسر آشام ... اس طرف کوئی نہیں جاسکتا ... لیکن اگر میں آپ لوگوں کو اجازت دے دوں ... تو بھی آپ وہاں جا کر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ... یہاں ہر جگہ ہم پروف ہے ... بلٹ پروف تو چھوٹی بات ہے ... تم ان ٹمارات کے اندر نہیں جاسکتے ... اس سے پہلے ہی تم لوگوں کے پر نچے اڑ جائیں گے ... اسی لیے سب کو بتا دیا گیا ہے ... یعنی آپ کو ہی نہیں ... یہاں جتنے لوگ بھی کام کرتے ہیں ... رہتے ہیں ... ان سب کو یہ بات معلوم ہے ... اگر اس سمت میں کوئی جائے گا تو ٹکڑوں میں تبدیل ہو جائے گا

اور اس کے لیے اس طرف سے کسی کو فائرنگ نہیں کرنا پڑے گی ... خود بخود یہ کام ہو جائے گا ... اب میری طرف سے تمہیں اجازت ہے ... سونے کے پہاڑوں کی طرف اگر جانا چاہو تو کسی وقت بھی جاسکتے ہو ... لیکن وہ یہاں کسی کام کے نہیں ... یہاں سب کو ہر چیز مفت ملتی ہے ... جو جی چاہے کھائیں ... پیئیں ... بس اپنا کام کریں۔“

”مسٹر جیرال ... جو لوگ یہاں کام کرتے ہیں ... اور اب وہ واپس اپنے گھروں کو نہیں جاسکیں گے تو کیوں نہ ان لوگوں کے بیوی بچوں کو یہاں لے آیا جائے ... اس طرح ان لوگوں کی اداسی کچھ تو کم ہو جائے گی۔“

”ہم ہر ایک سے پوچھ لیتے ہیں ... ابھی تک کسی نے بھی یہاں اپنے بیوی بچوں کو بلانے کی خواہش نہیں کی ... ان کا کہنا ہے ... وہ تو یہاں پھنس ہی گئے ہیں ... وہ لوگ یہاں آکر کیسے خوش رہیں گے ... اب وہ آزاد تو ہیں۔“

”تب پھر کم از کم اتنا ہی کر لیا کریں کہ ان کی ان کے بیوی بچوں سے بات ہی کرا دیا کریں ... انہیں یہ تو معلوم ہو جائے کہ ان کے گھر کا فرد زندہ سلامت ہے ... جیسے کوئی شخص جیل میں ہوتا ہے ... وہ اس سے مہینے دو مہینے میں جا کر مل تو آتے ہیں ... یا انٹرنیٹ پر ان

کی ملاقات کر دیا کریں ... انسانی ہمدردی کے ناطے کم از کم اتنا کر لیں۔“

”میں یہ تجویز انچارج کے سامنے اور باقی سب کے سامنے رکھوں گا۔... بلکہ پہلے شنگ سے بات کروں گا ... تاکہ ہم دونوں مل کر یہ بات آگے رکھیں ... اور وہ غور کرنے پر مجبور ہوں ... کیونکہ اب بہران کو باہر کے لوگوں سے کوئی خطرہ نہیں ... جیسا کہ تم لوگ یہاں ہماری مرضی کے بغیر آخر آ تو گئے ہو نا۔... اگرچہ ایسا پہلی بار ہوا ہے ... لیکن بہر حال ہو گیا ہے۔“

”ہم ایسا کریں گے ... آپ فکر نہ کریں۔“

”اور ہمیں تو آپ بھجوا ہی دیں ... ہمارا تو بالکل دل نہیں لگ رہا ... یہاں کرنے کا کوئی کام بھی تو نہیں ہے۔“

”وہ تو خیر آپ لوگوں کے ذمے ابھی لگایا جائے گا ... بیکار یہاں کسی کو نہیں رہنے دیا جاتا ... یہاں کرنے کے بہت کام ہیں ... آپ لوگ دراصل سب سے پہلے سونے کے پہاڑوں کی طرف چلے گئے ... باقی شہر تو ابھی آپ لوگوں نے گھوما ہی نہیں ... جب سارا شہر گھوم پھر کر دیکھیں گے تو اندازہ ہو گا ... یہاں کیا کچھ کام ہیں کرنے کے لیے۔“

”اچھی بات ہے ... ہم یہ کام بھی کریں گے ... گھومیں گے

پھر میں گے سارا شہر دیکھیں گے ... اور ان حدود میں بھی وہاں تک جائیں گے ... جہاں تک جانے کی اجازت ہے ... اس سے آگے نہیں جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے ... اب میں چلتا ہوں۔“

اور پھر جبرال چلا گیا ... انہوں نے کچھ دیر آرام کیا ... عصر کی نماز ادا کی ... اس کے بعد وہ شہر میں گھومنے کے لیے نکل گئے ... انہوں نے دیکھا ... وہاں کی عمارات سفید رنگ کی ... بہت نیچی نیچی تھیں ... یعنی اونچی چھتوں والی نہیں تھیں ... لوگ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے ... یہاں بازار بھی تھے ... بازار میں دکانیں بھی تھیں ... لیکن ان میں دکان دار نہیں تھے ... چیزیں فروخت جو نہیں کی جاتی تھیں ... ہر شخص اپنی پسند کی چیزیں خود ہی وہاں سے بغیر قیمت کے لے سکتا تھا ... کھانا پکانے کا وہاں تصور نہیں تھا ... تمام چیزیں ریڈی میڈ استعمال کی جاتی تھیں ... ڈبوں میں بند چیزیں گرم کرنے کے لیے بھی انہی دکانوں میں بڑے بڑے اوون رکھے گئے تھے ... اس لیے کسی کو کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا تھا ... مہمانوں کو ان کے کمروں میں کھانا پہنچا دیا جاتا تھا ... مہمان ایک دو دن تو خود جاتے تھے ... اس کے بعد ان کی ڈیوٹی لگا دی جاتی تھی ... وہ ان دکانوں کو دیکھتے اور لوگوں کو دیکھتے



آگے بڑھتے چلے گئے ... کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ وہاں کھانے کے میدان تھے ... اب چونکہ یہاں بچے تو تھے ہی نہیں ... صرف مرد اور عورتیں تھیں ... وہی ان میدانوں میں کھیلتے نظر آتے ... غور سے دیکھنے پر بھی انہیں کسی بھی چہرے پر ذرہ بھر بھی خوشی نظر نہیں آئی ... خوشی بس ان چہروں پر نظر آئی تھی ... جو یہاں سے اپنے گھروں کو جاسکتے تھے ... اور ایسے ابھی انہوں نے صرف دو فرد ہی دیکھے تھے ... ان کے چہروں پر دور دور تک کوئی رنج اور غم انہیں نظر نہیں آیا تھا ... اور وہ تھے جیرال اور شنک ... وہ ضرور خوش نظر آتے تھے اور بس ... کیونکہ وہ اکثر دوسرے کاموں کے لیے وہاں سے جاتے رہتے تھے ... خود ان سے کئی مرتبہ ان کا سامنا ہوا تھا۔

انہوں نے لوگوں کی رہائش بھی دیکھی ... رہائش کھلی اور صاف ستھری تھی ... گھروں کے چاروں طرف درخت اور پودے بھی تھے ... پھول بھی تھے ... پھل دار درخت بھی تھے ... انہوں نے ایک درخت کا پھل توڑ کر چکھا ... پھل میٹھا تھا اور شہتالو جیسا تھا ... ان سب نے چند پھل بھی کھائے ... آڑو کی قسم کے پھل بھی نظر آئے ... انہوں نے کچھ لوگوں سے علیک سلیک بھی کی ... ان کے ذمے جو کام لگائے گئے تھے ... ان کاموں کی نوعیت بھی معلوم کی ... انہیں تو آٹھ

سمجھنے مسلسل کام کرنا پڑتا تھا ... مشینوں پر یا دکانوں پر چیزیں پہنچانے کا کام ... ڈرائیونگ ... مہمانوں کی خدمت ... سبھی قسم کے کام لوگوں کے ذمے لگے ہوئے تھے ... شام تک وہ اسی طرح گھومتے پھرتے رہے ... کھاتے پیتے رہے ... ایک شخص نے انہیں روک کر پوچھا ہی لیا۔

”آپ لوگ بہت خوش اور مطمئن ہیں ... ذرا بھی غم زدہ نہیں ہیں ... اس کی کیا وجہ ہے۔“

”پہلی وجہ یہ کہ ہم آئے بھی ابھی کل ہیں ... دوسری وجہ یہ کہ ہم لائے نہیں گئے ... خود آئے ہیں۔“

”کیا مطلب ... خود آئے ہیں۔“ اس نے چلا کر کہا۔

اس کی آواز سن کر بہت سے لوگ اس طرف دوڑ پڑے اور جلد ہی وہاں بیسیوں لوگ جمع ہو گئے ... ان میں عورتیں بھی تھیں ...

”کیا بات ہے ... کیا ہوا ... تم کیوں چلائے تھے ... یہ کون

لوگ ہیں۔“ کئی ملی جلی آوازیں ابھریں۔

”یہ ... دونوں ... میں نہیں جانتا، کون ہیں ... شاید سبران میں

نئے ہیں ... لیکن انہوں نے ایک حد درجے عجیب بات کہی ہے۔“

”اور وہ کیا؟“ ان سب نے پوچھا۔

## حلف شلف

بازار میں موجود سب لوگ اب ان کے گرد جمع ہونے لگے ... وہ سب کی توجہ کا پوری طرح مرکز بن چکے تھے ... ان میں سے ایک نے کہا:

”ان کی بات سمجھ میں نہیں آئی ... سبران میں تو سب لوگوں کو لایا گیا ہے ... یہاں تو خود سے کوئی بھی نہیں آیا ... ہاں وہ لوگ ضرور خود سے آئے ہیں، جنہوں نے سبران کو دریافت کیا ہے ... جنہوں نے اس جگہ کو آباد کرنے کا منصوبہ بنایا ہے ... وہ لوگ ضرور خود سے آئے ہیں، لیکن وہ ہمارے درمیان کب آئے ہیں ... ہم نے تو انہیں آج تک نہیں دیکھا ... ہاں کبھی براہ راست بات کرنی ہوتی ہے تو مسٹر جیرال اور مسٹر شک ہمارے پاس آ جاتے ہیں ... یا کسی کو سزا دینی ہوتی ہے، تب وہ دونوں آتے ہیں۔“

”کیا کہا ... سزا۔“ مکھن نے کانپ کر کہا۔

اس وقت دراصل وہ اپنی کاروں سے اترے ہوئے تھے اور ایک دکان کے باہر موجود تھے ... جب انہوں نے یہ بات کہی تھی ... سب لوگ اس شخص کی طرف دیکھ رہے تھے ... گویا وہ سب حد درجہ عجیب بات معلوم کرنا چاہتے تھے ...

”ہاں تو وہ کیا حد درجے عجیب بات ہے ... جو انہوں نے کی ہے۔“

”ان کا کہنا ہے ... انہیں سبران میں لایا نہیں گیا۔“

”کیا مطلب ... اگر انہیں سبران میں لایا نہیں گیا تو پھر یہ کیسے آگئے ... آپ ہمیں وہ عجیب بات کیوں نہیں بتا دیتے۔“ کئی لوگوں نے اسے گھور کر دیکھا۔

”ان کا کہنا ہے ... یہ یہاں لائے نہیں گئے ... بلکہ خود یہاں آ گئے ہیں۔“

”کیا!!!“

ان سب نے ایک ساتھ چیخ کر کہا۔

☆☆☆☆☆



”ہاں! یہاں کام کرنے والوں کو کبھی کبھی کسی غلطی پر سزا بھی دی جاتی ہے۔“

”اوہوا چھا... اور وہ سزا کیا ہوتی ہے۔“

”اپنی بات بتائی نہیں اور ہم سے ہماری بات پوچھنے لگے... تم لوگ آخر ہو کون۔“

”ہم اس وادی میں مہمان ہیں... اسی لیے ہمیں گھونٹنے کے لیے کاریں دی گئی ہیں، ہم جہاں چاہیں آجا سکتے ہیں۔“ محمود نے مزہ بنایا۔

”لو اور سنو۔“ کسی نے کہا اور پھر وہ سب زور زور سے ہنسنے لگے... وہ اس طرح ہنس رہے تھے جیسے پاگل ہو گئے ہوں... جیسے بہت مدت بعد ہنسے ہوں... بس وہ ہنستے ہی چلے گئے... یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے... انہوں نے اپنے پیٹ پکڑ لیے:

”ارے بھئی آخر ہو کیا گیا ہے... ہم نے کوئی ایسی بات نہیں کہی... جس پر اس قدر ہنسا جائے۔“ انسپکٹر جمشید تیز آواز میں بولے۔  
ان کی آواز سن کر وہ سب خاموش ہو گئے:

”کیا کہا تم نے... تم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی... ارے میاں جاؤ... تم نے کہا نہیں کہ تم لوگوں کو یہاں دو عدد کاریں دی گئی

ہیں۔“

”ارے میاں کاروں کو یہاں کون پوچھتا ہے... ایک چھوڑ و دو دو کاریں لے لیں... چاہے ایک وقت میں ایک آدمی دو دو کاروں میں بیٹھ جائے... یہاں ہر شخص کو کار دی گئی ہے... تاکہ گھومیں پھریں... پیش کریں، خوش رہیں... لیکن پتا نہیں کیا بات ہے... خوش ہم پھر بھی نہیں رہتے... ہمارے ہونٹوں کی ہنسی غائب ہو گئی ہے... کیوں بھی... کیا بات ہے... ہم یہاں خوش کیوں نہیں ہیں... سب کے پاس گھومنے پھرنے کے لیے کار ہے... ہم جو جی چاہے کھا سکتے ہیں، پی سکتے ہیں، لیکن خوش نہیں ہیں... آخر کیوں۔“

”ہاں! آخر کیوں... ہم خوش کیوں نہیں ہیں۔“ وہ چلائے۔

عین اس وقت ایک گرج دار آواز سنائی دی:

”میں بتاتا ہوں تمہیں... تم خوش کیوں نہیں ہو۔“

آواز جیرال کی تھی... اس آواز کو سن کر وہ سب اس طرح سر پر ہر رکھ کر بھاگے کہ جیسے موت کو دیکھ لیا ہو اور پھر کسی نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا... صرف ایک منٹ میں وہاں ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا... دکانیں اور بازار اب سناں ہو چکے تھے... انہوں نے دیکھا ایک

بڑی اور سنہری کار تیزی سے آگے آرہی تھی ... یوں لگتا تھا ... وہ انہیں بھی پکھل دے گی ... پھر وہ جلدی سے دکان کے اندر چلے گئے۔ کار ان کے نزدیک آکر رکی، پھر اس میں سے جبرال اترتا ... اس نے چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ پھر ان کی طرف آنے لگا:

”تم لوگوں نے آخر ہنگامہ شروع کر دیا ... تم نے تو کہا تھا ... کوئی سازش نہیں کرو گے۔“

”ہائیں انکل ... ہم نے کون سی سازش کی ہے۔“

”ان لوگوں کو یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی ... تم لوگوں کو یہاں لایا نہیں گیا ... بلکہ تم خود آئے ہو۔“

”اب ہمیں کیا پتا تھا ... یہاں اتنی سی بات سن کر لوگ پاگل ہو جائیں گے۔“ انسپکٹر جمشید نے بڑا سامنہ بنایا۔

”بہر حال! تم لوگ احتیاط کرو ... ورنہ تمہیں واپس بھجوا دیا جائے گا۔“

”جبرال انکل! آپ بڑا نہ مانیں ... کیا یہ بات عجیب نہیں۔“

”کون سی بات؟“

”پہلے سارا زور اس پر لگایا گیا کہ ہم لوگ سبران کا رخ نہ کرنے پائیں ... اور آپ لوگوں کی تمام کوششوں کے بعد بھی جب ہم

یہاں آگئے تو ہمیں یہاں برداشت کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ... آخر کیوں۔“

”میں نے یہاں کے بڑوں کو بتا دیا تھا کہ تم لوگ بہت خطرناک ہو، اتنے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے ... لہذا تم لوگوں کا وادی سبران میں آنا کسی طرح بھی ہمارے حق میں نہیں ہوگا ... لیکن ان لوگوں کا کہنا تھا ... تم لوگ یہاں آہی نہیں سکو گے ... جب کہ ہم ان کے ہر قدم پر رکاوٹ بنیں گے ... اور راستہ بھی انہیں معلوم نہیں تو کیونکر آجائیں گے بھلا ... میں نے اس پر یہی کہا تھا کہ آپ لوگ دیکھ لیجیے ... یہ لوگ آجائیں گے ... بس ہمارے درمیان یہ بات چیلنج بن گئی ... میرا اور شک کا کہنا تھا کہ تم آجاؤ گے ... ان کا کہنا تھا نہیں آؤ گے ... اور پھر آخر کار تمام تر رکاوٹوں کے باوجود، مشکلات کے باوجود اور اس بات کے باوجود کہ کسی کو راستہ معلوم نہیں تھا۔ تم پھر بھی آگئے ... اس وقت یہاں کے بڑوں کو بہت حیرت ہوئی۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ تمہیں مروا دیا جاتا ... لیکن بڑوں نے کہا ... نہیں ... تم لوگوں کو یہاں رہنے دیا جائے ... ذرا دیکھیں تو سہی ... تم کیا کرتے ہو ... اب بھی انہیں یقین ہے کہ تم سبران کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ... اور ہم خوف زدہ ہیں کہ کہیں تم کوئی کام نہ دکھا جاؤ ... بس یہ ہے وہ مقابلے کی فضا جس



کی بنیاد پر تم لوگوں کو یہاں کھلی چھوٹ دی گئی ہے۔“

”تب پھر ہم سے حلف کیوں لیا گیا۔“ انپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

”میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ تم حلف کے الفاظ میں بھی چال چلو گے... سو میں نے انہیں دکھا دیا کہ وہ الفاظ ایسے ہیں کہ تم اس حلف کے باوجود سب کچھ کرنے کے اہل رہو گے... سو میں نے انہیں الفاظ دکھا دیے... پہلے تو الفاظ انہیں بالکل درست نظر آئے، لیکن جب میں نے ان کی توجہ اس پر دلائی کہ تم نے لکھا تھا... آپ کی مرضی کے عین مطابق ہم سبران کے خلاف کوئی سازش نہیں کریں گے... اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اپنی مرضی کے مطابق تو سازش کر سکتے ہو نا، تب ان پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا... ہم نے اپنی بات ثابت کر دی تھی کہ تم لوگ حد درجے خطرناک ہو... انہوں نے یہ بات مان تو لی... لیکن پھر بھی انہوں نے یہی کہا کہ بہر حال تم لوگ سبران کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے... خیر بہر حال... اب یہ سن لو... کہ یہ فیصلہ سبران کو دریافت کرنے والوں کا ہے... ہمارا نہیں... کہ یہاں تم جو بات بھی کرو گے... سن لی جائے گی... جو حرکت بھی کرو گے، دیکھ لی جائے گی... سبران کی کوئی جگہ بھی ہمارے مرکز کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہاں آخر

دنیا کے بہترین سائنس دان جمع کیے گئے ہیں... ایک دن آئے گا جب پروفیسر داؤد بھی ان کے ایک ماتحت کی حیثیت سے زندگی بسر کریں گے... کیونکہ آخر تھک ہار جائیں گے اور سبران کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے... یہ آزادی اور سیر و سیاحت کی اجازت بھی یہی دیکھنے کے لئے دی گئی ہے کہ تم کیا کرتے ہو... اب بھی تم پوری طرح آزاد ہو... جو کچھ کرنے کی کوشش کر کے دیکھ لو... یہاں رہنے والوں کو مرکز کے خلاف بغاوت پر اکسا کر دیکھ لو... سب کے سب منہ کی کھائیں گے... سبران کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور جب تم تھک جاؤ گے، تب سبران کے غلاموں میں شامل ہو جاؤ گے... رہی یہ بات کہ ہم نے کہا تھا، اگر تم یہاں سے واپس جانا چاہو تو ہم تمہیں واپس بھیج دیں گے... تو یہ تم کو بہلانے کی بات تھی... یہاں آکر آج تک کوئی نہیں گیا... اب تم کہو گے... ایک پائلٹ کو تم لوگ سبران سے باہر لے جانے میں کامیاب ہو گئے ہو اور تم خود سبران میں آگئے ہو... تو یہ دونوں باتیں سبران کے سب لوگ مانتے ہیں... تسلیم کرتے ہیں... تمہاری ذہانت کے بھی قائل ہو چکے ہیں اور اسی لیے تمہیں موقع دیا گیا ہے... جو کر سکتے ہو کر لو... جب تھک جاؤ گے تو پھر سبران کے لیے کام کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے... کیا سمجھے۔“ جیرال یہاں تک کہہ کر

خاموش ہو گیا۔

”اچھا کیا... وضاحت کر دی... بھلا ہم کل کہاں تک گئے تھے۔“

”سونے کے پہاڑوں تک۔“ جیرال نے کہا۔

”اور کہاں گئے تھے ہم۔“

”میں نے بتایا تو ہے... سونے کے پہاڑوں تک... سونے کے پہاڑوں سے آگے بہران کی حدود ختم ہو جاتی ہے... دوسری طرف سمندر ہے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں... ہمیں یقین آ گیا کہ ہمیں ہر لمحے، ہر آن دیکھا جاتا ہے... اور ہماری کارروائیوں کو نوٹ کیا جاتا ہے... اور ان حالات میں ہمیں بہران کے خلاف کام کرنا ہے... یہی بات ہے نا۔“

”کر کے دکھانا ہے... ہم دیکھنا چاہتے ہیں... تم بہران کے خلاف کیا کر سکتے ہو۔“

”بس ٹھیک ہے... اگر ہم ایک ماہ تک بہران کے خلاف کچھ نہ کر سکے... تو بہران کے غلاموں میں شامل ہو جائیں گے اور بقیہ تمام زندگی اس کے غلام رہیں گے۔“

”ہو گئی بات طے...“ جیرال نے خوش ہو کر کہا۔ ”اب تم کچھ بھی کرو... بہران کے لوگوں کو کچھ بھی بتاؤ... ہمیں کوئی اعتراض نہیں... وہ حلف شلف بھی ختم... کیا سمجھے...“ جیرال ہنسا۔

”آپ نے کمال کر دیا انکل... کیا یہ کاریں بھی ہمارے پاس رہیں گی۔“

”ہاں کیوں نہیں... ڈرائیور تو تم لوگوں کو اس لیے دیے گئے ہیں کہ تمہیں بہران کے راستے معلوم نہیں ہیں... جب راستوں سے واقفیت ہو جائے گی... تب کاریں بھی تم خود ڈرائیو کرو گے... کاریں ہر شخص کے پاس ہیں... اسی لیے یہ لوگ تمہاری بات سن کر پاگلوں کی طرح ہنسے تھے۔“

”اگر ان سب کی ملاقات ان کے بیوی بچوں سے کرا دی جایا کرے... تو ان بے چاروں کی زندگیوں میں بھی کوئی خوشی کے لمحات آجایا کریں گے۔“

”خوشی کے وہ لمحات بعد میں اور زیادہ غمزہ کر دیتے ہیں...“

اس لیے... ہم ایسا نہیں کر سکتے... دوسرے یہ کہ ایسا کرنے میں بہت الجھنیں ہیں... سب لوگ پوری دنیا سے لائے گئے ہیں... کسی ایک جگہ سے نہیں۔“



”خیر کوئی بات نہیں... اب ہم آج گئے ہیں... ان سب کو یہاں کی قید سے نجات دلا دیں گے۔“

”ضرور... ضرور۔“ اور پھر جیرال جانے کے لیے مڑ گیا... اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

”اب کیا پروگرام ہے۔“

”اس حلق سے چند فائدے ہو گئے... ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں... کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں اور یہ کہ ہماری ہر حرکت ان کی نظروں میں ہے... ہماری ہر بات سنی جا رہی ہے... ان حالات میں ہمیں اپنا کام کرنا ہے... آؤ چلیں... صبح سے اپنا کام شروع کریں گے... ہم ایک بار پھر سونے کے پہاڑ کی طرف جائیں گے۔“

”بالکل ٹھیک۔“ سب نے پر جوش انداز میں کہا۔

وہ جانے کے لیے مڑے ہی تھے کہ فرزانہ زور سے اچھلی... اس نے تیزی سے اپنا رخ تبدیل کیا... پھر زمین پر جھکی اور کوئی چیز اٹھاتے ہوئے مٹھی میں دبالی... پھر اس نے بلند آواز میں کہا:

”انکل جیرال... بھلا بتائیں تو میری مٹھی میں کیا ہے۔“

”میں اس وقت مرکز میں نہیں ہوں... مرکز سے پوچھتا

ہوں... آپ لوگ بتائیں... فرزانہ کی مٹھی میں کیا ہے۔“

”اس کی مٹھی میں کچھ نہیں ہے... اس نے یہ حرکت صرف ہمارا امتحان لینے کے لیے کی ہے۔“

”کیوں فرزانہ...“ جیرال ہنسا۔

”آپ... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ فرزانہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور انہوں نے جیرال کے ہنسنے کی آواز سنی۔

ساتھ ہی وہ اپنی کاروں کی طرف بڑھ گئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنے کمروں کی طرف جا رہے تھے... فرزانہ کی مٹھی اب تک بند تھی... اس کے جسم میں ایک ابال سا اٹھ رہا تھا... اس کے اندر ایک جوش کی کیفیت تھی، لیکن اس نے اپنے اس جوش کو ظاہر نہ کیا... خود کو پر سکون رکھا... یہاں تک کہ وہ اپنے کمروں میں پہنچ گئے۔

پھر جب وہ سونے کے لیے لیٹے... اور انہوں نے کمرے کے

بلب بجھا دیے اور اندر گھنگور اندھیرا ہو گیا... تب فرزانہ نے ہاتھ انسپکٹر

جمشید کی طرف بڑھا دیا... اس نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی کوئی چیز

ان کی مٹھی میں تھما دی... انسپکٹر جمشید نے اس کا اندھیرے میں جائزہ

لیا... پھر وہ انسپکٹر کامران مرزا کی طرف بڑھا دی۔ اس طرح وہ چیز

ایک ایک کے ہاتھ سے ہو کر پھر واپس فرزانہ کے تک آ گئی۔

اصل میں وہ دیکھنا یہ چاہتے تھے کہ کیا واقعی ہر بات کا سہرا ان کے ذمے دار لوگوں کو پتا چل جاتا ہے... یا یہ صرف ان کا دھوکا ہے... اور کیا وہ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتے ہیں، کیا اندھیرے میں ہوسٹ والی کارروائی بھی ان کی نظروں میں آ جاتی ہے یا نہیں... فرزانہ کو اس جگہ واقعی ایک چیز پڑی نظر آئی تھی... اس نے اپنا رخ اچانک تبدیل کیا تھا اور اس نے اپنے خیال کے مطابق وہ چیز اس طرح اٹھائی تھی کہ کسی کو پتا نہیں چل سکتا تھا... اسی لیے اس نے جیرال سے یہ پوچھا تھا کہ اس نے زمین سے کیا چیز اٹھائی ہے... اور انہوں نے جان لیا تھا کہ سہرا ان کے ذمے داروں کو معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس نے کیا چیز اٹھائی ہے... یہ ان کے لیے کافی حوصلہ افزا بات تھی... اب انہوں نے یہی جاننے کے لیے کہ کیا ان کی سرگوشیوں کو یہ لوگ سن سکتے ہیں یا نہیں، باتیں شروع کیں:

”خیند نہیں آ رہی... اب میں کیا کروں۔“ یہ سرگوشی محمود کی تھی۔

”باتیں شروع کر دو اور کیا کر سکتے ہو۔“ آصف نے سرگوشی کی۔

”اندھیرے میں۔“ آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

”کیوں... کیا تم آنکھوں سے باتیں کرتے ہو۔“ فاروق نے

جیران ہو کر کہا۔  
”کرتے تو خیر ہم آنکھوں سے بھی ہیں۔“ محمود کی آواز سنائی

دی۔  
”ارے باپ رے... یہ... یہ کیا چیز ہے... میرے بستر

پر... یا اللہ رحم۔“ مکھن چلا اٹھا۔

”کیا ہوا... کیا ہے۔“ شوکی نے ہانک لگائی۔

”تو پہ ہے تم سے، اندھیرے میں بھی انہیں چین نہیں ہے۔“

پروفیسر داؤد نے بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔

”لل... لیکن اٹکل... اگر آپ کے بستر پر اس گہرے اندھیرے

میں کوئی چیز محسوس ہو تو کیا آپ اچھل نہیں پڑیں گے۔“ مکھن نے پوچھا۔

”ہاں مکھن... اچھل تو خیر میں پڑوں گا۔“

”تو یہ لیں... وہ چیز میں آپ کے بستر کی طرف اچھال رہا

ہوں، آپ اچھل پڑیں۔“ مکھن نے فوراً کہا۔

”حد ہو گئی... اندھیرے میں تم میرے بستر پر کیسے اچھال سکتے

ہو۔“



”جی... اندازے سے۔“

”لیکن بھی! اندازہ تو غلط بھی ہو سکتا ہے۔“

”یہ تو خیر آپ نے ٹھیک کہا، ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔“

”ارے باپ رے... یہ... یہ کیا چیز ہے... مم... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔“ پروفیسر داؤد کی آواز میں واقعی بہت خوف تھا۔

”تو لائٹ جلا کر دیکھ لیتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

”نن نہیں...“ مکھن ہکلا یا۔

”کیوں نہیں؟“ انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری۔

”روشنی میں اس چیز کو دیکھ کر تو اور ڈر لگے گا۔“ پروفیسر بولے۔

”ہے کوئی تک اس بات کی۔“ خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

”پپ پتا نہیں اٹکل۔“ اشفاق کی آواز سنائی دی۔

”کس بات کا پتا نہیں۔“ اخلاق نے پوچھا۔

”اس بات کا کہ کوئی تک ہے یا نہیں۔“

”ہے کوئی تک۔“ انسپکٹر کامران مرزا جھلا اٹھے۔

”مظہر! میں لائٹ آن کرتا ہوں... یوں بات نہیں بنے گی۔“

انہوں نے اٹھ کر بٹن دبا دیا... لیکن کمرے میں روشنی نہ ہو سکی۔

اب انہوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن اندھیرا ہی رہا... وہ کہتے میں آگے... گویا نہ وہ روشنی کر سکتے تھے

دروازہ بھی نہ کھلا... اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جیرال

اور نہ دروازہ کھول سکتے تھے... اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جیرال

کا یہ دعویٰ غلط تھا کہ انہیں کھلی چھٹی دے دی گئی ہے... کھلی چھٹی نہیں

دی گئی تھی... انہوں نے سوچا، صبح اس سلسلے میں جیرال سے بات کریں

گے... کیونکہ رات کے وقت ہی تو وہ اپنی کارروائی کر سکتے تھے... دن

میں تو انہیں یہ آسانی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر انہوں نے کبھی جاگ کر اور کبھی سو کر اور کبھی باتیں کر کے

رات کاٹی... لیکن دن نکلنے پر بھی تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا... انہوں نے

وضو کیا، نماز پڑھی اور گھنٹی بجا دی... رات انہوں نے گھنٹی نہیں بجائی

تھی... ورنہ خادم تو رات کو بھی آ جاتا:

”ہمیں سونے کے پہاڑوں کی طرف جانا ہے... اس سے پہلے کہ

دھوپ سے پہاڑ گرم ہو جائیں۔“

”کاریں تیار ہیں... ڈرائیور تیار کھڑے ہیں۔“ خادم نے مسکرا

کر کہا۔

”آپ بہت اچھے ہیں... ویسے آپ کا نام کیا ہے۔“  
”روبہن۔“

”روبہن... ایسے نام تو غالباً ہندوؤں کے ہوتے ہیں۔“  
”جی ہاں! میں ہندو ہوں۔“

”اوہ اچھا...“ انہوں نے قدرے حیران ہو کر کہا۔

”ہم ناشتا وہیں کریں گے... ناشتے کا سامان بھی گاڑیوں میں رکھ دیا جائے۔“

”ہر گاڑی میں کھانے پینے کا سامان ویسے بھی ہوتا ہے...“  
اس نے منہ بنایا۔

”اور مسٹر روبہن! آپ کو یہاں کتنا عرصہ ہو گیا۔“

”بارہ سال۔“

”اپنے گھر میں جانے کو جی نہیں چاہتا۔“

”اپنے گھر جانے کو کس کا جی نہیں چاہتا۔“ اس نے کہا۔

”ہم آپ کو آپ کے گھر پہنچائیں گے۔“

”یہ دیوانے کا خواب ہے... یہاں سے جانا ممکن نہیں... اب تو

مر کر ہی یہاں سے جانا ہو گا۔“

”مر کر کیسے۔“

”اپنے دوسرے جنم میں۔“

”اوہ ہاں! ہندو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان پھر

اس دنیا میں دوسری بار پیدا ہوتا ہے... بلکہ پھر مرنے کے بعد تیسری بار بھی پیدا ہوتا ہے... لیکن ہمارا اسلام کہتا ہے... مرنے کے بعد کوئی

انسان دنیا میں واپس نہیں آتا۔“  
”بہر حال اس موضوع پر ہم پھر بات کریں گے آکر... اب ہم

چلتے ہیں۔“  
”آخر آپ وہاں کیا کریں گے... کل بھی گئے تھے۔“  
”سب لوگوں کو سبران سے نکال لے جانے کی کوشش میں ہیں ہم

لوگ۔“  
”یہ نہیں ہو گا... ہم ٹکریں مار مار کر مر جائیں گے۔“  
اور وہ باہر نکل آئے... عین اس لمحے ایک ڈرائیور تڑ سے

گرا۔

☆☆☆☆☆



## سبران کی سیر

انہوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا ... خود اس کا ساتھی بھی بوکھلا کر اس پر جھکا :

”رونی ... رونی ... کیا ہوا تمہیں۔“

رونی نے کوئی جواب نہ دیا ، نہ اس کے جسم میں کوئی حرکت ہوئی ... اب انہوں نے اس کی نبض چیک کی ... دل کی دھڑکن دیکھی ... دل بہت زیادہ زور زور سے دھڑک رہا تھا اور نبض بھی تیز تھی :

”کوئی جسمانی گڑ بڑ لگتی ہے ... یہ شخص دل کا مریض تو نہیں۔“

انہوں نے پوچھا ۔

”اس نے کبھی بتایا تو نہیں ... لیکن یہاں آ کر رہنے پر مجبور

لوگ دل کے مریض بن سکتے ہیں۔“ اس نے دکھی انداز میں کہا ۔

”بات معقول ہے ... تو پھر پہلے اسے ہسپتال لے چلتے ہیں۔“

”ہسپتال میں اس وقت کون ہوگا ... کوئی بھی نہیں ... سب

سوئے پڑے ہیں۔“

”لیکن بھئی ... ہسپتال تو چوبیس گھنٹے کھلے رہتے ہیں۔“

”کھلتی۔“

”خیر کوئی بات نہیں ... میں دیکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر پرو فیسر داؤد اس پر جھک گئے ۔ انہوں نے جیب سے چند شیشیاں نکالیں اور ایک میں سے چند قطرے اس کے منہ میں ٹپکا دیے ... پھر دوسری شیشی کا ڈھکنا اتار کر اس کے ناک کے قریب کیا ... فوراً ہی اس کے جسم میں حرکت ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں :

”اوہ ... میرے دوست ... مجھے کیا ہوا تھا۔“

”تم اچانک گرے تھے اور بے ہوش ہو گئے تھے ... انہوں نے ایک دوائی تمہارے منہ میں ٹپکائی اور ایک سنگھائی ... تب تم نے آنکھیں کھولیں ... اللہ کا شکر ہے۔“

”پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا ۔

”انسان کا کیا پتا ... کب اس کے ساتھ کیا ہو جائے ... گتا

ہے ... یہاں رہتے ہوئے تمہارا دل بہت کمزور ہو گیا ہے ... ہر وقت

اپنے گھر والوں کو جو یاد کرتے رہتے ہو۔“

”ہاں! لیکن میں کیا کروں... ان کی یاد کو آنے سے کیسے روک سکتا ہوں۔“

”اللہ پر بھروسہ رکھو... دیکھو یہ لوگ آئے ہیں... انہوں نے کہا تو ہے کہ یہ ہمیں یہاں سے لے جائیں گے۔“

”ہاں... انہوں نے کہا ہے یہ بات... لیکن نہ جانے کیوں... مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے ہم کبھی بھی یہاں سے نہیں جاسکیں گے۔“

”نا امید نہیں ہونا چاہیے... مایوسی گناہ ہے۔“ اشفاق نے فوراً کہا۔

اس نے ایک نظر اشفاق پر پھر سب پر ڈالی اور کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولا:

”چلیے... اب میں ٹھیک ہوں۔“

اور پھر وہ تیز رفتاری سے چلتے سونے کے پہاڑوں تک پہنچ گئے... آج وہ کل کی نسبت بہت جلد یہاں آ گئے تھے اور سورج نکلنے میں ابھی کافی دیر تھی... سورج نکلنے سے پہلے پہلے انہیں اپنا کام شروع کرنا تھا... لہذا ہلکی تاریکی کے باوجود وہ ایک پہاڑ پر چڑھنے لگے... ڈرائیور پیچھے ہی رہ گئے تھے... تقریباً ایک گھنٹے کی چڑھائی کے بعد وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ اب صبح کا اجالا پوری طرح پھیل گیا تھا... تاہم

ابھی سورج نہیں نکلا تھا، کچھ ہی دیر بعد نکلنے والا تھا:

”ہمیں اس طرف اترنا ہوگا... میں اور کامران مرزا دیکھ چکے ہیں... سمندر یہاں بہت گہرائی میں ہے... اور یہ پہاڑ سمندر میں ہی کھڑے ہیں... یوں کہہ لیں کہ سمندر کے کنارے کھڑے ہیں... اور دیکھنے سے یوں لگتا ہے کہ کسی وقت بھی یہ سمندر میں گر سکتے ہیں... گویا ان کا جھکاؤ سمندر کی طرف ہے اور اس وادی کی زمین سمندر سے بہت اونچی ہے... بالکل اسی طرح جیسے وہ وادی تھی، کالا جنگل کے درخت والی... ہم لوگ درخت سے نیچے گرے تھے... اور کافی اونچائی سے گر کر نیچے اس اسفنج پر پہنچے تھے... اور اس وادی میں بھی چٹانیں تھیں، ان پر چڑھ کر جب ہم نے دیکھا تھا تو سمندر کس قدر گہرائی میں نظر آیا تھا، یہاں تک کہ پہلے ہم نے منور علی خان کا آنکڑا لٹکایا تھا... اس نے کافی دیر بعد پانی کو چھوا تھا۔“

”ہائے میرا آنکڑا۔“ منور علی خان نے سر د آہ بھری۔

اور وہ سب مسکرانے لگے:

”چلیے یہ تو ہے کہ یہاں بھی سمندر بہت زیادہ گہرائی میں ہے اور یہ سونے کے پہاڑ سمندر کے کنارے ہیں... ان کا جھکاؤ بھی سمندر کی طرف ہے... تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“



کیا آپ کے ذہن میں کوئی بات ہے۔“

”پتا نہیں... میں کیا کہنا چاہتا ہوں... میں نے بچپن میں کچھ تجربات کیے تھے... پروفیسر صاحب میں آپ کو اپنے بچپن کے تجربات سنانا چاہتا ہوں... آئیے اس طرف چلتے ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے... پہاڑ کے دوسری طرف... یعنی سمت کی طرف۔“ شوکی نے گھبرا کر کہا۔

”ہاں اس طرف... جنہیں ڈر لگتا ہے... وہ اس طرف رک جائیں... جنہیں ڈر نہیں لگتا، وہ میرے ساتھ آئیں۔“

”کیوں مکھن... تمہیں ڈر لگتا ہے۔“ شوکی نے پوچھا۔

”پپ پتا نہیں... اتر کر دیکھتا ہوں... ڈر لگا تو واپس آجاؤں

گا... نہ لگا تو ان حضرات کا ساتھ دوں گا۔“ مکھن نے منہ بنایا۔

”بس تو پھر سب ایسا ہی کریں گے۔“

اب انہوں نے چوٹی سے نیچے کی طرف اترنا شروع کیا... ڈھلوان پر اترنا اگرچہ آسان تھا... لیکن ہر لمحے وہ یہ خوف بھی محسوس کر رہے تھے کہ کسی وقت بھی ان میں سے کوئی بھی نیچے لڑھک سکتا تھا... اور پھر دوسرے پہاڑوں کی نسبت یہ پہاڑ اس لیے بھی بالکل مختلف تھے کہ ان پر کوئی درخت، جھاڑیاں یا پودے تو سرے سے تھے ہی

نہیں، اس لیے کہ یہ پتھر اور مٹی کے پہاڑ نہیں تھے... سونے کے تھے اور سونا ایک دھات ہے، دھات میں کوئی چیز نہیں آگتی۔

وہ اترتے چلے گئے... یہاں تک کہ پانی تک پہنچ گئے... یہاں پانی سونے کے پہاڑوں کو چھو رہا تھا اور یہ نظارہ دور دور تک دیکھا جا سکتا تھا... انہوں نے پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو پانی گرم محسوس ہوا: ”پانی گرم ہے اور ابھی دھوپ نہیں نکلی... دھوپ کے بعد تو یہ

بے تحاشہ گرم ہو جائے گا۔“ پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

”اور دھوپ کے ساتھ ہی پہاڑ گرم ہونے لگے گا... کیا ہم واپس دوسری طرف پہنچ سکیں گے۔“ شوکی نے گھبرا کر کہا۔

”اچھا تو... تم سب ادھر چلے جاؤ... چوٹی پر پہنچ کر دوسری طرف تو اتر سکو گے نا۔“

”جی... جی ہاں... لیکن آپ لوگ۔“

”ہم سورج نکلنے تک یہاں رکنا چاہتے ہیں۔“

”اوہ اچھا۔“

اور پھر چھوٹی پارٹی چوٹی کا رخ کرنے لگی... اس طرف صرف بڑے رہ گئے:

”پروفیسر صاحب آپ بھی جائیں۔“

”لیکن میرے بغیر تم یہاں رک کر کیا کرو گے۔“ پروفیسر داؤد مسکرائے۔

”خیر آپ ٹھہرے رہیں... کوئی مشکل پیش آئی تو ہم آپ کو سہارا دے کر اوپر لے جائیں گے۔“

”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔“

”میں کچھ دور تک تیر کر دیکھنا چاہتا ہوں... یعنی دیکھنا چاہتا ہوں... یہ پانی کیسا ہے اور اس میں تیرنا کیسا ہے۔“

”صرف تم چلے جاؤ جمشید... سب کو یہ تجربہ نہیں کرنا چاہیے... نہ جانے کیا صورت حال پیش آئے۔“ خان رحمان نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے خان رحمان۔“

اور پھر انسپکٹر جمشید پانی میں اتر گئے... فوراً ہی انہوں نے کہا:

”پانی سطح پر زیادہ گرم ہے... نیچے اتنا گرم نہیں ہے... لہذا تیرنا مشکل نہیں ہوگا...“

”یہ اچھی بات ہے۔“

اور پھر انسپکٹر جمشید بلا کی تیزی سے تیرتے ہوئے ان سے دور ہونے لگے... وہ پہاڑوں کے ساتھ ساتھ تیر رہے تھے... اور لحد بہ لحد

ان سے دور ہو رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھتے رہے... آخر کافی دیر بعد وہ واپس آتے نظر آئے... یہاں تک کہ ان کے بالکل نزدیک آ گئے:

”جہاں تک یہ پہاڑ ہیں... پانی گرم ہی ہے... پہاڑ سے دور ہوتے چلے جائیں تو پانی کی گرمی کم ہو جاتی ہے...“

”اس بات سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔“ خان رحمان نے

منہ بنایا۔

”ہم نے یہ بات جان لی کہ اس جگہ پانی سونے کے پہاڑ کی وجہ سے گرم ہے اور کوئی بات نہیں... دوسری بات پانی اس جگہ کافی کثیف ہے اور اس میں تیرنا آسان نہیں، مجھے کافی طاقت صرف کرنا پڑی ہے۔“

”تو کیا اس بات سے ہمیں کوئی مدد مل سکتی ہے۔“ منور علی خان

نے حیران ہو کر کہا۔

”ابھی ہم جائزہ لے رہے ہیں... پتا نہیں کون سی بات ہمارے کام آجائے... اور ایسا میں نے پروفیسر صاحب کی خواہش پر کیا ہے۔“

انہوں نے بتایا۔

”بالکل ٹھیک جمشید۔“ پروفیسر داؤد نے فوراً ان کی تائید کی۔

”اب ہمیں چلنا چاہیے... ورنہ دھوپ تیز ہو جائے گی اور پہاڑ



بہت گرم ہو جائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“

انہوں نے چوٹی پر کھڑے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ وہ دوسری طرف اترنا شروع کر دیں ... ہم بھی آرہے ہیں ... دوسری طرف پہنچ کر وہ کاروں میں بیٹھ گئے :

”آج تم دونوں ہمیں پورا سہراں دکھا دو ... اور اس جگہ کی طرف بھی لے چلو، جس طرف کہ جانا منع ہے ... یعنی وہاں تک لے چلو، جہاں تک جا سکتے ہیں ... وہاں سے تم ہمیں بتا دینا کہ اس جگہ سے آگے جانا منع ہے۔“

”ٹھیک ہے ... پہلے سہراں کا سارا علاقہ دکھا دیتے ہیں ... یہ چھوٹا سا ایک علاقہ کہہ لیں ... یا اسے وادی کہہ لیں ... زیادہ طویل و عریض نہیں ہے ... ہم ایک گھنٹے میں پوری وادی دیکھ سکتے ہیں ... بس سونے کے پہاڑ تک جانے میں زیادہ وقت لگتا ہے ... ان لوگوں نے یہ رہائشی علاقہ پہاڑوں سے بہت دور بنوایا ہے ... نہ جانے کیوں ... اس کی کوئی وجہ ہوگی۔“

”وہ وجہ ہم نے معلوم کر لی ہے ... دھوپ سے پہاڑ بہت گرم ہو جاتے ہیں ... ان کی تپش سے بچنے کے لیے اس قدر دور رہائش رکھی گئی

ہے۔“ وہ ضرور یہی بات ہوگی۔“ انیس نے کہا۔

اب انہوں نے رہائشی علاقہ اور تمام بازار دیکھ ڈالے ... جگہ جگہ لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ سب کے سب لوگ کسی نہ کسی طرح اس وادی سے نکل جانا چاہتے تھے ... جب ڈرائیور انیس نے انہیں دبے لفظوں میں بتایا کہ یہ لوگ ہم لوگوں کو اس وادی سے نجات دلانے کے لیے آئے ہیں تو غمگین ہوتے ہوئے بھی لوگ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگے ... گویا انہیں یقین تھا کہ وہ لوگ ایسا کر ہی نہیں سکیں گے۔

پھر دوسرے ڈرائیور انہیں ان کے بارے میں تفصیل سے بتاتے چلے گئے، تب وہ کسی قدر یہ گمان کرنے کے قابل ہوئے کہ شاید وہ ان لوگوں کے لیے کچھ کر سکیں۔ ایسے میں ایک آواز ابھری :

”سہراں کے غلاموں ... اس بات کو بھول جاؤ کہ تمہیں کوئی یہاں سے نکال لے جائے گا۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا ... یہ لوگ جو آئے ہیں، بے شک بہت مشہور و معروف لوگ ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ ہم نے بہت کوششیں کی تھیں کہ یہ لوگ ادھر آنے میں کامیاب نہ ہو سکیں ... لیکن پھر بھی یہ لوگ آ گئے، بہر حال یہ آ تو گئے ہیں ... یہاں سے جا نہیں سکیں گے ... یہ اس وادی میں جہاں چاہیں گھومیں،

پھریں... جو جی چاہے، کریں... ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔“  
 ”پابندی تو خیر ہے۔“ ایسے میں شوکی نے منہ سے بلند آواز نکالی۔

”کون سی پابندی ہے۔“

”آپ لوگ جہاں ہیں... ہمیں وہاں آنے دیا جائے نا... وہاں آنے کی پابندی ہے یا نہیں۔“ شوکی نے منہ بنایا۔

”دیکھا تم نے... یہ کیا کہہ رہے ہیں... بھی یہاں آئے بغیر کوئی کام دکھاؤ نا۔“

”اگر آپ لوگ ہمیں اپنے خاص کمروں میں نہیں آنے دیں گے تو بھی ہم یہاں رہ کر کام دکھائیں گے... ایک دن آئے گا... جب ہم ان سب کو یہاں سے لے جائیں گے۔“

”ہم اس دن کا انتظار کریں گے۔“

”آؤ بھی چلیں۔“

انہوں نے ڈرائیوروں کو اشارہ کیا... جب یہ لوگ کاروں میں بیٹھ کر چلنے لگے تو لوگ بے اختیارانہ انداز میں ہاتھ ہلانے لگے... گویا سب کے سب خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

ادھر انہوں نے کہا:

”ان عمارات کی طرف چلیں... جن میں داخلہ منع ہے۔“  
 ”اچھی بات ہے... ویسے لگتا ہے... اب یہاں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا... آپ لوگوں کے بارے میں اب سب کو معلوم ہو گیا ہے... اور سہراں کے حکمرانوں کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ آپ لوگ باز نہیں آئیں گے... لہذا ہو سکتا ہے... یہ لوگ اب آپ لوگوں کو مار ڈالنے کا حکم دے دیں۔“

”ان کے اپنے لوگوں میں ایک شخص ایسا ہے... جو نہیں چاہتا... ہمیں مار ڈالا جائے اور اس کا نام ہے... جیرال۔“

”تو آپ کا کیا خیال ہے... یہاں کے حکمران جیرال کی یہ بات مان لیں گے۔“

”ہاں بالکل... جیرال اور شنگ نے ان لوگوں کے لیے بہت کام کیا ہے۔“

”اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ لوگ ان کی بات مان لیں گے... یہ میرا خیال ہے، آج ہی آپ پر حملہ ہوگا۔“

”ارے ارے... اس قدر صاف اور ستھرا اندازہ، آخر یہ اندازہ کس بنیاد پر ہے۔“

”یہاں ایک شخص نے بغاوت کا اعلان کر دیا تھا... اس نے



لوگوں کے مجھے میں اعلان کیا تھا ... زندگی رہے یا جائے ... میں ان لوگوں کے لیے کام نہیں کروں گا ... بہران کو آگ لگا دوں گا ... بس اس کے یہ اعلان کرنے کی دیر تھی کہ اسی وقت دس طاقت ور ترین آدمی نہ جانے کس طرف سے آگئے تھے ... ان دس آدمیوں کو وادی میں پہلے کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا، بس پھر ان سب کے سامنے ان دس نے اس آدمی کے ساتھ اس قدر خوفناک سلوک کیا تھا کہ لوگ تھر تھر کانپ اٹھے تھے ... انہوں نے اس کا جوڑ جوڑ الگ کر دیا تھا ... وہ بھی کسی تیز دھار آلے سے نہیں ... ہاتھوں سے کھینچ کھینچ کر اور پکڑ پکڑ کر ... اور میرا خیال ہے ... آپ لوگوں کے بارے میں بھی ایسا ہی کوئی فیصلہ ہونے والا ہے۔“

”ارے نہیں ... ہمارے بارے میں وہ ایسا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”خیر ... ہم اب اس طرف چل رہے ہیں ... جس طرف لوگوں کا جانا منع ہے ... جہاں تک ہم جائیں گے ... وہاں سے وہ عمارات دھندلی دھندلی نظر آتی ہیں ... میرا مطلب ہے ... اس قدر زیادہ فاصلے پر ہیں وہ عمارات۔“

”ہمیں ان عمارات تک جانے کی ضرورت نہیں ... ہم ان کو

دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

ان کی کاریں صاف اور شفاف سڑک پر دوڑتی رہیں، یہاں تک کہ آبادی بہت پیچھے رہ گئی ... تب کہیں جا کر کاریں رکیں ... دونوں ڈرائیور نیچے اترے اور انہوں نے کاروں کے دروازے کھول دیے۔

یہاں دور دور تک کوئی انسان نہیں تھا :  
”بس اس جگہ سے آگے کوئی نہیں جا سکتا ... ایک شخص نے بے وقوفی کی تھی ... اس حد کو پار کر گیا تھا ... بس اسی وقت کسی نظر نہ آنے والی طاقت نے اسے اچھال پھینکا تھا ... اور وہ سڑک پر آ کر اس طرح گرا تھا کہ اس کا سر پھٹ گیا تھا ... یہ بات فوراً ہی پورے بہران میں پھیل گئی تھی۔“

”یہاں مرنے والوں کی لاشوں کا کیا کیا جاتا ہے، آخر کچھ لوگ

مرتے بھی تو ہوں گے۔“

”بہران میں ایک طرف قبرستان ہے ... وہاں دفن کر دیتے ہیں۔“

”اوہ اچھا ... فاروق۔“ پروفیسر داؤد نے کہا۔

”جی انکل۔“

”اپنی جیب سے کوئی ہلکی سی چیز ... مثلاً ربڑ ٹکال کر اس طرف اچھالو۔“ انہوں نے کہا۔

”جی اچھا۔“ فاروق نے جواب دیا اور جیب سے ربڑ ٹکال کر پوری قوت سے اندر کی طرف اچھال دیا ... ربڑ اندر کی طرف گیا مگر لیکن اسی قوت سے واپس ان کی طرف لوٹ آیا اور ان کے سروں پر سے ہوتا ہوا دور جا گرا۔

”انہوں نے ان عمارات کے چاروں طرف لہروں کا جال بچھا ہوا ہے۔“

”ہوں ... اسی لیے کوئی اس کے اندر نہیں جاسکتا۔“

وہ کچھ دیر ادھر سے ادھر ٹپکتے رہے اور عمارات کی طرف دیکھتے رہے ... ان میں زندگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے :

”اور راکڈوم ... وہ کہاں کھڑے کیے جاتے ہیں۔“

”وہ بھی اسی احاطے میں کھڑے کرتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں چکر کاٹ کے دوسری طرف جانا ہوگا، پیدل چلتے ہوئے تو تھک جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے ... ادھر بھی ہو آتے ہیں۔“

اب وہ پھر کاروں میں بیٹھ گئے ... چکر کاٹ کر احاطے کے

دوسری طرف پہنچے ... انہوں نے کاریں روک دیں اور اترنے کا اشارہ کیا ... نیچے اتر کر انہوں نے دیکھا ... وہاں چندہ میں راکڈوم کھڑے تھے ... وہ بھی اتنے ہی فاصلے پر تھے ... جتنے فاصلے پر عمارات نظر آئی تھیں :

”فاروق ... اس طرف بھی کوئی چیز پھینکو۔“ پروفیسر بولے۔

اب فاروق نے پنسل تراش نکالا اور اندر کی طرف اچھال دیا ... اس کا بھی وہی انجام ہوا ... وہ جتنا اندر گیا تھا ... اتنا ہی اسی طاقت سے باہر آ گیا ... اور دور جا گرا :

”آؤ چلیں ایک بار پھر لوگوں کے پاس۔“

”اب لوگوں کے پاس جا کر کیا کریں گے۔“

”انہیں بتائیں گے کہ بہت جلد ان کی رہائی کا وقت قریب آنے والا ہے۔“

”وہ اس بات پر یقین کریں گے۔“ انیس نے کہا۔

”تم چلو تو۔“

وہ پھر وہیں آ گئے ... جہاں سے چلے تھے ... انہوں نے آوازیں دے کر سب کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا ... پھر پروفیسر داؤد نے کہا :

”سبران کے لوگو! ... تم لوگوں کی آزادی کا وقت آ گیا ... ہم کل آپ کو ایک ایسا نظارہ دکھائیں گے کہ آپ لوگ دیکھ کر ہی جان



بٹن

انہوں نے ایک نظر گاڑی پر اور دوسری سب لوگوں پر ڈالی، پھر

پوچھا:

”کون سی وہی گاڑی۔“

”جب کسی کو سزا دینی ہوتی ہے تو پھر یہ گاڑی ان سفید عمارات

سے ادھر آتی ہے۔“

”اوہ... تو یہ تم میں سے کسی کو سزا دینے کے لیے آرہی ہے۔“

محمود نے چونک کر کہا۔

”ہم میں سے تو کسی نے کچھ نہیں کیا... لگتا ہے... یہ آپ

لوگوں کے لیے آرہی ہے۔“ چند آوازیں سنائی دیں... اتنے میں گاڑی

نزدیک آکر رک گئی... اس کے دروازے کھل گئے اور ان میں سے

تقریباً پندرہ خوفناک آدمی باہر آ گئے... یہ سب کے سب سیاہ فام تھے

اور حد درجے خوفناک لگ رہے تھے... ان کو دیکھ کر سہراں کے سر

جائیں گے... کہ واقعی وہ وقت آنے والا ہے۔“

عین اسی وقت انہوں نے ایک خوفناک آواز سنی... انہوں نے  
چونک کر ادھر ادھر دیکھا... اور پھر انہوں نے دیکھا... ایک بڑی اور  
خوفناک گاڑی چلی آرہی تھی... اس گاڑی کو دیکھتے ہی لوگ لگے چیخنے:  
”یہ... یہ وہی گاڑی ہے۔“

☆☆☆☆☆

لوگوں کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا :

”یہ... یہ لوگ زنجیر مار مار کر لہو لہان کر دیتے ہیں... یہاں تک کہ جسم کا سارا خون نکال دیتے ہیں۔“

”خاموش... اب کوئی بولا تو سارا خون نچوڑ لیں گے اس کا... ہماری رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کا انجام اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے... تم سب لوگ چاروں طرف سے پیچھے ہٹ جاؤ... ہمیں ایک دائرے میں رہ کر ان کا مزاج پوچھنا ہے۔“

”کک... کن کا... کن کی بات کر رہے ہیں بھائی۔“ شوکی نے تھر تھر کا منتی آواز میں کہا۔

”بزدل!“ فاروق نے بڑا سا منہ بنایا۔

”چپ۔“ ایک زنجیر والا گر جا۔

”مم... مجھ سے کہا۔“ فاروق بوکھلا کر بولا۔

”اور نہیں تو کیا تمہارے فرشتوں سے کہا۔“

”اوہ اچھا... معاف کیجیے گا... اب نہیں بولوں گا۔“

”اے لڑکی... وہ بٹن نکالو۔“

”بٹن... کون سا بٹن۔“

”وہی جو تم نے کل یہاں سے اچانک جھک کر اٹھایا تھا... یا

اچانک جھک کر اٹھانے کی اداکاری کی تھی۔“

”یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... آپ کے سب کچھ دیکھنے والوں نے تو کل ہی کہا دیا تھا... میں نے زمین سے کچھ بھی نہیں اٹھایا تھا۔“

”بات یہی تھی... لیکن...“

”لیکن کیا۔“ فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اس نے زمین سے کچھ نہیں اٹھایا تھا... اس حد تک ہمارے

ماہرین کی بات غلط نہیں تھی۔“

”کیا مطلب... ابھی آپ کیا کہہ رہے تھے... اور ابھی کیا کہہ

رہے ہیں۔“

”میں نے غلط نہیں کہا... دراصل کل ہوا یہ تھا کہ اس چالاک

لڑکی نے مسٹر جبرال کے کوٹ کی جیب سے وہ بٹن غیر محسوس طور پر نکال

لیا تھا... اس کا کسی کو پتا نہ چلا۔“

”لیکن کیوں پتا نہ چلا، آپ کے ماہرین کو اس وقت کیا ہو گیا

تھا... آپ کے خفیہ کیمروں کو کیا ہو گیا تھا۔“

”ہر نظام میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے... بات سامنے

آنے پر ہی وہ خامی دور کی جاسکتی ہے... اب اس خامی کو دور کر لیا



جائے گا... ہاں تو اس لڑکی نے... وہ بٹن مسٹر جیرال کی جیب سے نکلا تھا... اور پھر سڑک پر اس طرح جھکی تھی جیسے اس نے زمین سے ہاتھ اٹھایا تھا... یہی وجہ ہے کہ ہمارے ماہرین نے کہا تھا کہ اس نے فرش سے کچھ نہیں اٹھایا... لیکن بعد میں مسٹر جیرال نے رپورٹ درج کرائی کہ ان کی جیب سے بٹن غائب ہے... تب ویڈیو کیمروں کے ذریعے کل کے تمام مناظر دیکھے گئے... اور معلوم کر لیا گیا کہ یہ لڑکی غیر محسوس طور پر مسٹر جیرال سے زیادہ قریب جا کھڑی ہوئی تھی... اگرچہ ہم میں سے کسی نے... یہاں تک کہ ماہرین نے بھی اسے ان کی جیب میں ہاتھ ڈالتے نہیں دیکھا... لیکن ہوا یہی ہے... کیونکہ جب مسٹر جیرال یہاں تھے... تو اس وقت وہ بٹن ان کی جیب میں تھا، اس لیے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ بٹن اس لڑکی کے پاس ہے۔

”آپ میری تلاشی لے لیں۔“

”تب پھر تم نے رات کی تاریکی میں وہ بٹن کسی کو دے دیا ہوگا... لہذا ہم سب کی تلاشی لیں گے۔“

”ضرور لیں تلاشی، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔“

”اچھی بات ہے... ان سب کی تلاشی ایک ہی وقت میں ایک ایک آدمی لے لے۔“ اس نے کہا جو اب تک بات کرتا رہا تھا۔

فورا ہی ایک ایک سیاہ قام ان میں سے ایک ایک کی تلاشی لینے لگا... کسی کی جیب سے بھی وہ بٹن برآمد نہ ہوا: ”یہ کیسے ہو سکتا ہے... تب پھر انہوں نے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر وہ اپنے کمروں میں کہیں چھپا دیا ہے، کیوں... تم لوگ بتاؤ... کیا یہی بات ہے۔“

”پہلے یہ بتاؤ... وہ بٹن ہے کیا۔“

”نہیں... تم بٹن ہمارے حوالے کر دو... ورنہ تم سب کا انجام

بیابان ہوگا۔“

”تم لوگ بھول رہے ہو... ہم مسٹر جیرال کے مہمان ہیں... خاص مہمان۔“

”مسٹر جیرال آج سبران میں نہیں ہیں... وہ کل آئیں گے... لیکن ہم کل تک نہیں ٹھہر سکتے... اس لیے بٹن ہمارے حوالے کر دو۔“

”اب یہ نہیں ہو سکتا... اگر ہمیں نقصان پہنچا... تو مسٹر جیرال تم سے جواب طلبی کریں گے۔“ انسپکٹر جمشید کی سرد آواز گونجی۔

انہوں نے اس وقت ان کے چہروں پر الجھن دیکھی... آخر ایک

نے کہا:

”میں پروفیسر آشام سے اجازت لے لوں... کہیں لینے کے

دینے نہ پڑ جائیں۔“

”وہ تو تمہیں ویسے بھی پڑیں گے۔“ فاروق ہنسا۔

”کیا پڑیں گے۔“ ایک نے بھنا کر کہا۔

”لینے کے دینے ... ویسے کیا تم لوگ بھی سبران سے باہر اپنے گھروں تک آتے جاتے رہتے ہو۔“

”نہیں ... اور ہمیں جانے کی ضرورت بھی نہیں ... ہم بیٹھا خوش ہیں۔“

”حیرت ہے ... کمال ہے ... افسوس ہے ... پہلے بندے دیکھے ہیں، جو سبران میں خوش ہیں ... ورنہ جو لوگ اپنے گھروں کو نہیں جاسکتے ... وہ تو یہاں خوش نظر نہیں آتے ... آپیں ضرور بھرتے ہیں۔“

عین اس لمحے اس زنجیر والے نے جیب سے ایک موبائل نما آلہ نکال کر اس کا بٹن دبا دیا اور سلسلہ ملنے پر بولا:

”باس! یہ لوگ وہ بٹن دینے پر تیار نہیں ... اور کہہ رہے ہیں کہ جیرال کے مہمان ہیں ... اگر انہیں نقصان پہنچا تو مسٹر جیرال ہمیں نہیں چھوڑیں گے ... اب فرمائیں ... آپ کیا کہتے ہیں۔“

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے آلہ جیب میں رکھ لیا اور ان کی طرف مڑا:

”پروفیسر آ شام نے کہا ہے ... بٹن حاصل کرنا ضروری ہے ... اگر آپ لوگ لڑے بھڑے بغیر دے دیں تو ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے ... لیکن اگر نہیں دیں گے تو پھر ہر صورت میں وہ بٹن حاصل کریں گے۔“

”وہ بٹن ہے کیا بلا جس کے لیے اس وادی کا باس بھی مرا جا رہا ہے۔“

”یہ الفاظ گستاخانہ ہیں اور تمہیں ان کی سزا الگ سے دی جائے گی۔“

”لیکن ہم سے بٹن حاصل کرنے سے پہلے یہ بتانا ہوگا کہ وہ بٹن کیا ہے۔“

”تو کیا بتا دینے کی صورت میں تم وہ بٹن ہمیں دے دو گے۔“ اس نے منہ بنایا۔

”اس کا فیصلہ تو ہم بعد میں کریں گے کہ بٹن دینا ہے یا نہیں۔“

”پروفیسر آ شام صاحب فی الحال نرمی سے کام لے رہے ہیں ...

ڈرد اس وقت سے جب وہ ہمیں سختی کا حکم دیں گے۔“

”اچھا ڈر لیں گے۔“ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”یہ ایسے نہیں مانیں گے ... زنجیروں سے ان پر پل پڑو ... اور



بٹن ان کے پاس سے برآمد کر لو۔“ اگلے والے نے کہا۔  
 ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ پندرہ آدمی خوفناک زنجیریں لہرائے  
 آگے بڑھنے لگے۔۔۔ پھر زنجیریں گھومنے لگیں۔۔۔ وہ سب ان کو گواہی  
 میں گھما رہے تھے۔ لوگ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹ رہے تھے  
 اور اس طرح ان کا دائرہ بڑا بنتا جا رہا تھا۔۔۔ سب لوگ پیچھے ہٹ  
 رہے تھے، ساتھ میں۔۔۔ اُن کی آنکھوں میں خوف بڑھ رہا تھا۔۔۔ ان  
 میں سے کئی تو تھر تھر کانپ بھی رہے تھے:

”میرا خیال ہے۔۔۔ ہم الگ الگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔ اس  
 طرح ایک کا مقابلہ ایک سے ہوگا۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔  
 ”اوہ ہاں! یہ بھی حیرت انگیز اتفاق ہے کہ پندرہ ہم ہیں اور  
 پندرہ ہی یہ ہیں۔“

”لل۔۔۔ لیکن۔۔۔“ مکھن ہکھلایا۔

”لیکن کیا۔۔۔“

”آپ لوگ تو خیر ان سے لڑیں گے۔۔۔ ہم کیا کریں گے۔“  
 ”تم بھی لڑو گے۔۔۔ ہاں نہیں تو اور کیا۔“ محمود نے آنکھیں

ٹکالیں۔

”محمود ٹھیک کہہ رہا ہے مکھن۔۔۔ تم بھی لڑو گے۔“

”آپ۔۔۔ آپ کہتے ہیں تو لڑ لیتے ہیں۔۔۔ ورنہ آپ تو جانتے  
 ہی ہیں۔۔۔“ اخلاق کہتے کہتے رک گیا۔  
 ”کیا جانتے ہیں۔“ پروفیسر داؤد نے۔  
 ”یہ کہ ہم لڑنا بھڑنا نہیں جانتے۔“  
 ”سہراں کے لوگو۔۔۔ آج تم پھر خونی منظر دیکھو گے۔“  
 ”کاگو۔۔۔ وقت نہ ضائع کرو۔“

”اس سے پہلے کہ ہماری جنگ شروع ہو۔۔۔ کیا مسٹر شنگ نے  
 اس پر اعتراض نہیں کیا کہ ہم سے کیوں لڑا جا رہا ہے۔“  
 ”وہ بھی مسٹر جیرال کے ساتھ گئے ہیں۔۔۔ کل سے پہلے نہیں  
 آئیں گے۔“

”اوہ تو یہ بات ہے۔۔۔ تم لوگ اس موقع سے فائدہ اٹھانا  
 چاہتے ہو۔۔۔ ورنہ بٹن کا تو بس ایک بہانا ہے۔“

”نہیں! یہ بات نہیں۔۔۔ ہمارا ایک آلہ گم ہے۔۔۔ اور وہ جیرال

کی جیب میں ہی تھا۔۔۔ رات کے وقت جب مسٹر جیرال اپنی رہائش کی  
 طرف جانے لگے۔۔۔ اس وقت انہیں پتا چلا کہ آلہ ان کی جیب میں نہیں  
 ہے۔ انہوں نے فوراً اس بات کی اطلاع پروفیسر آ شام کو دی۔۔۔

انہوں نے وڈیو کیمروں میں جائزہ لینے کا حکم دیا۔۔۔ اس کام پر جو لوگ

مامور ہیں... انہوں نے دیکھا اور اس لڑکی کی چوری پکڑ لی گئی۔  
... کیونکہ اسی نے زمین سے کل کوئی چیز اٹھائی تھی... لیکن اس وقت  
چال چل گئی... جب غور سے فلم کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ پہلے  
مسٹر جیرال کے بالکل قریب ہوئی تھی... پھر اس نے اچانک جھک کر  
اداکاری کی تھی کہ جیسے اس نے کوئی چیز اٹھائی ہو... اس طرح ماہرین  
اس نتیجے پر پہنچے اور یہ بات پروفیسر آ شام کو تھوڑی دیر پہلے ہی بتائی جا  
سکی... کیونکہ وہ بھی سہراں سے باہر اپنے بیوی بچوں سے ملنے کے لیے  
گئے ہوئے تھے... بس یہ وجہ تھی... ورنہ ہم تو رات ہی آپ کے پاس  
آگئے تھے... اس چیز کے لیے۔“

”آخر اس چیز کی اہمیت کیا ہے اور مسٹر جیرال اس کے بغیر اپنی  
رہائش میں کیوں نہیں جاسکے... یعنی وہ چیز انہیں رہائش گاہ میں داخل  
ہونے سے پہلے کیوں یاد آئی۔“ آفتاب نے الجھن کے عالم میں کہا۔  
اس کی بات سن کر انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید بے ساختہ  
مسکرا دیے... ادھر زنجیر والوں نے بڑے بڑے منہ بنائے... ان میں  
سے ایک نے کہا:

”ہم یہاں تم لوگوں کا کام تمام کرنے کے لیے آئے ہیں...  
تمہارے سوالات کے جوابات دینے کے لیے نہیں آئے۔“

”ارے... تو کیا واقعی تم لوگ ہمیں موت کے گھاٹ اتار دو گے“

اور جیرال کے مہمان ہونے کا ذرا بھی خیال نہیں کرو گے۔“

”نہیں... اب پروفیسر آ شام نے یہ بات جان لی ہے کہ تم  
لوگ خطرناک ہو... اس وادی کے سائنس دانوں سے بھی کچھ نہ کچھ  
اور کہیں نہ کہیں غلطیاں ہوئی ہیں... ان غلطیوں کا اب تک جائزہ لینے  
کی نہ تو کوشش کی گئی... نہ ہی انہیں یہ اندازہ تھا کہ ان سے کچھ  
غلطیاں ہو گئی ہیں... اب انہیں یہ اندازہ ہوا ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا ہے  
کہ پہلے تم لوگوں کو ختم کر دیا جائے... پھر نئے سرے سے اپنے  
انتظامات کا جائزہ لیا جائے... کیونکہ تم لوگوں کا راکڈوم پر قبضہ کر لینا  
سائنس دانوں کی کسی کوتاہی یا غلطی کے سبب ہی ممکن ہوا تھا... لیکن ہم  
یہ باتیں کیوں کر رہے ہیں... ہمیں تو۔“

عین اسی لمحے ایک کار تیزی سے اس طرف آتی نظر آئی... انہوں  
نے چونک کر اس طرف نظریں جمادیں... اور پھر جب کار قدرے  
نزدیک آگئی تو وہ حیرت زدہ رہ گئے... کیونکہ کار جیرال کی تھی:

”واہ... خوب موقع پر آئے۔“ فرزانہ چہکی۔

”کچھ نہیں کر سکیں گے یہ تم لوگوں کے لیے۔“

”اللہ مالک ہے۔“



پھر کار نزدیک آگئی... اس سے جیرال اور شنک نیچے اترے۔  
انہوں نے سب پر ایک نظر ڈالی... پھر صورت حال کو بھانپ کر جیرال نے کہا:

”ہم ابھی ابھی راکڈوم سے اترے ہیں... اترتے وقت ہم نے دیکھا تھا کہ اس طرف کوئی گڑ بڑ ہے... سو ہم پہلے اس طرف چلے آئے ہیں۔“

”آپ نے اچھا کیا انکل۔“ محمود نے فوراً کہا۔

جیرال اور شنک نے ایک نظر ان پر ڈالی... پھر جیرال نے زنجیر والوں کی طرف دیکھا:

”کیا کیا ہے ان لوگوں نے اور ان کے بارے میں کیا حکم ملا ہے۔“

”پروفیسر آ شام ان کے خلاف ہو گئے ہیں... ان کا حکم ملا ہے... انہیں فوری طور پر ختم کر دیا جائے... آپ کا گم شدہ بٹن بھی دراصل انہوں نے ہی آپ کی جیب سے اڑایا تھا۔“

”ارے!“ جیرال کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”اور اب یہ لوگ وہ بٹن بھی نہیں دے رہے... انہوں نے اسے کہیں چھپا دیا ہے۔“ اس نے جلدی جلدی بتایا۔

”خوب خوب!... بہت خوب... ہم لوگ تو انہیں پہلے ہی جانتے ہیں... اور تم لوگوں کو ان کا تجربہ نہیں... اپنی زنجیریں لپیٹ لو... اور واپس مرکز چلے جاؤ... ان کے بارے میں ہم پروفیسر سے بات کر لیں گے۔“

”جی نہیں۔“ ان کے انچارج نے انکار میں سر ہلایا۔

”جی نہیں کیا۔“

”پروفیسر صاحب کا حکم ہے... انہیں ہر حال میں ختم کرنا ہے... اب اگر ہم یہ کام کیے بغیر گئے تو وہ ہمیں نہیں چھوڑیں گے... جلا کر راکھ بنا دیں گے۔“

”اچھی بات ہے... ہم خود ان سے بات کر لیتے ہیں۔“

یہ کہہ کر جیرال نے جیب سے موبائل نما آلہ نکالا... شاید یہ آلے اس وادی کے لیے خاص طور پر تیار کیے گئے تھے... اس نے بٹن دبایا... پھر سلسلہ ملنے اور پروفیسر کی آواز سننے کے بعد گویا ہوا:

”پروفیسر صاحب... آپ نے ان لوگوں کے سلسلے میں اتنا سخت

حکم کیوں دے ڈالا۔“

”تم نے ٹھیک کہا تھا جیرال... شنک نے بھی یہی کہا تھا... یہ

لوگ بہت خطرناک ہیں... سانپ سے بھی زیادہ... تو ہم اس خطرے

کو اپنی وادی میں کیوں رہنے دیں، خطرے کو کیوں پہنچنے دیں۔ ان کا سراہی وقت کیوں نہ کچل دیں۔“

”یہ خطرناک ضرور ہیں ... لیکن اتنے ہی فائدہ مند ہیں ... تم ان سے بہت بڑے بڑے فائدے اٹھا سکتے ہیں۔“

”جب یہ خطرناک زیادہ اور کسی وقت بھی ہمارے لیے خطرہ بن سکتے ہیں تو ان سے نجات کیوں نہ حاصل کر لی جائے۔“

”میرا خیال ہے ... انہیں زندہ رہنے دیا جائے ... اس بات کی ضمانت میں لیتا ہوں کہ یہ بہران کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔“

”ان کی حرکات سکناات تمہاری بات کی نفی کر رہی ہیں جیرال ... ان لوگوں نے بہران کو تباہ کرنے کا کام شروع کر دیا ہے ... لہذا تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔“

جیرال نے ایک نظر شنگ پر اور دوسری ان پر ڈالی ... پھر بولا:

”لیکن پروفیسر ... انہیں مار ڈالنا بھی تو آسان نہیں۔“

”کیا بات کرتے ہو ... اس وقت یہ نہتے ہیں اور ہمارے پندرہ

ترہیت یافتہ لڑاکے خونی زنجیریں لیے ان کے سروں پر موجود ہیں ... یہ

تو ختم کر دیں گے انہیں چشم زدن میں۔“

”مسٹر شنگ ... آپ ہی پروفیسر صاحب کو سمجھائیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ شنگ نے کہا ... پھر بلند آواز میں بولا:

”پروفیسر صاحب ... مسٹر جیرال ٹھیک کہہ رہے ہیں ... ان لوگوں

سے نجات آسان طریقہ نہیں ... ہاں انہیں بہران سے باہر بھیج دیا جائے

... یعنی ان کے ملک اور اس کے بعد یہاں رہ جانے والی خامیاں دور

کی جائیں ... تاکہ یہ پھر نہ آسکیں ... ویسے میں خود ان لوگوں کا جانی

دشمن ہوں ... اور اپنے دوست جیرال سے اس معاملے میں اتفاق نہیں

رکھتا کہ انہیں زندہ رہنے دیا جائے ... لیکن اس وقت ضرور میں یہ کہوں

گا کہ انہیں مارا نہ جائے ... بہران سے فارغ کر دیا جائے، پھر کوئی

اور حل سوچا جائے۔“

”تم لوگوں نے بلاوجہ انہیں ہوا بنا لیا ہے ... چند منٹ کے لیے

ایک طرف ہو جاؤ اور پھر مجھ سے بات کرنا۔“

”کم از کم میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔“ جیرال نے گرج دار

آواز میں کہا۔

”مجھ سے ... جیرال ... تم نے مجھ سے اس لہجے میں بات

کی ... میں تمہیں بھی ان کے ساتھ مزا چکھا دوں گا ...“ پروفیسر آشام

کی گرج دار آواز سنائی دی۔

”یہ تمہاری بھول ہے پروفیسر ... کہ تم مجھے مزا چکھا سکتے ہو ...“



اس وادی کو بنانے میں ہم نے کچھ کم حصہ نہیں لیا... کیا تم ہماری خدمات کا یہ صلہ دو گے۔“

”میں تم سے بگاڑنا نہیں چاہتا، اس لیے ایک بار پھر کہتا ہوں... ان کے اور زنجیر پارٹی کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔“

”انکل جیرال! آپ اپنے پروفیسر صاحب کی بات مان لیں، کیوں ہمارے لیے ضد کر رہے ہیں... بس آپ تیل دیکھیں... تیل کی دھار دیکھیں۔“

”اچھی بات ہے... تم لوگوں کی مرضی... ورنہ میں تو اس وقت تم لوگوں کی خاطر ان پندرہ سے ٹکرا جاتا۔“

”شکریہ انکل جیرال!“ سب بچوں نے ایک ساتھ کہا۔

”یہ... تم نے... جیرال... یہ تم نے کیا کہا... تم ان پندرہ سے لڑ پڑتے۔“

”ہاں! لیکن مجھے ان لوگوں نے روک دیا ہے... ورنہ ضرور

لڑتا۔“

”تب پھر تم ہمارے ساتھی نہیں رہے... اسی وقت سے۔“

”اوکے پروفیسر... اب میں ان کا ساتھی ہوں... ان کی طرف

سے لڑوں گا۔“

”کیا!!“

وہ سب مارے حیرت کے چلائے... حالات اس رخ بھی بیٹھ سکتے ہیں... یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆

## پندرہ زنجیریں ایک پستول

چند لمحے کے لیے چاروں طرف موت کا سناٹا چھا گیا... پھر جیرال کی آواز ابھری:

”شنگ میرے دوست حالات نے بہت عجیب رخ اختیار کر لیا ہے... میرے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں ان لوگوں کا ساتھ دوں... یہ میرے بہت پرانے اچھے دشمن ہیں... تم نے سنا ہوگا... بے وقوف دوست سے عقل مند دشمن اچھا ہے... یہ چونکہ عقل مند ہیں... چاہے دشمن ہیں... لیکن میرے لیے یہ اچھے ہیں... لہذا اب میں کم از کم سہراں کی حد تک ان کا دوست ہوں... تم سے بھی بڑی چاہوں گا کہ تم بھی میرا ساتھ دو... کیا خیال ہے شنگ۔“

”نہیں دوست... میں تمہارا دوست ضرور ہوں... ان کا کسی صورت دوست نہیں ہو سکتا، میں تمہارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا... لیکن ان کی خاطر اگر تم میرے مقابلے پر آئے تو پھر میں تم سے

لڑوں گا۔“

”شنگ... تم نے جو کہا ہے... سوچ سمجھ کر کہا ہے؟“ جیرال

کے لہجے میں حیرت تھی۔  
 ”اسلام دشمنی میری گھنٹی میں پڑی ہے... اور یہ مسلمان ہیں... جو کچھ کرتے ہیں... اپنے دین کے لیے... اپنی قوم کے لیے اور اپنے وطن کے لیے کرتے ہیں، ان حالات میں میں ان کا پکا دشمن ہوں... جو ان کا دوست ہونے کا دعویٰ کرے گا... میں اس کا بھی دشمن ہوں... لہذا میں پروفیسر آ شام کا ساتھ دوں گا... ہم نے سہراں پر سالہا سال لگائے ہیں، اب آکر ہم اپنے مقصد میں کامیابیاں حاصل کرنے لگے ہیں تو ان لوگوں کے لیے سہراں کا نظام درہم برہم کر دیں... کیا یہ کوئی عقل کی بات ہوگی۔“

”تب پھر پروفیسر آ شام سے کہو... ان لوگوں کو اور ان کے ساتھ مجھے سہراں سے نکل جانے دیں۔“

”اب یہ نہیں ہوگا شنگ۔“ پروفیسر آ شام کی آواز سنائی دی۔  
 ”شکر یہ پروفیسر... آپ فکر نہ کریں... جیرال کو میں سنبھال

لوں گا اور ان پندرہ کے لیے تو یہ پندرہ زنجیریں ہی کافی ہیں۔“  
 ”بس تو پھر ٹوٹ پڑو ان پر اور کردو ان کے ٹکڑے ٹکڑے۔“



”چلو بھی... اپنی زنجیروں سے کام لو... بہت عیاشی ہیں تمہاری یہ زنجیریں۔“ شنگ چلایا۔  
”اوکے۔“

”لیکن یوں کیا خاک مزہ آئے گا... ہڑ بونگ بچ جائے گی، کسی کے پلے کچھ نہیں پڑے گا کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا نہیں ہو رہا۔“ ایسے میں محمود کی آواز سنائی دی۔

”کیا مطلب... کیا ہم یہ لڑائی مزہ لینے کے لیے لڑ رہے ہیں...“ آصف بولا۔

”حد ہو گئی... بھی میرا مطلب ہے... اس طرح ایک بے ہنگم سی افراتفری مچ جائے گی۔“

”تو پھر تم لوگ کیا چاہتے ہو۔“ پروفیسر آشام کی آواز سنائی دی۔

”ایک وقت میں صرف ایک مقابلہ... ایک تمہاری طرف سے آئے اور ایک ہماری طرف سے... اس طرح پرانے زمانے کی جنگوں کی یاد تازہ ہو جائے گی، اسے مبارزت کہتے ہیں... پہلے زمانے میں دونوں لشکروں میں سے پہلے ایک آدمی باہر نکل کر درمیانی جگہ میں آجاتا تھا اور مخالف لشکر کو لکارتا تھا کہ کون بہادر میرے مقابلے پر آتا ہے...

اس طرح ایک جوان دوسری طرف سے اٹھتا تھا... دونوں میں مقابلہ ہوتا تھا... یہاں تک کہ ایک مارا جاتا تھا۔ فتح پانے والے کا لشکر خوب نعرے لگاتا تھا... تو آج بھی ایسا کیوں نہ کر لیا جائے... سیران کے سب لوگ یہ مقابلہ دیکھ رہے ہیں... آپ لوگ بھی دیکھ رہے ہیں اور ظاہر ہے... پروفیسر آشام اور ان کے ساتھی جو سفید عمارات میں ہیں... وہ سب بھی اس مقابلے کو دیکھیں گے... یہ ہے میری تجویز۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں... آرٹل... تم اپنے صرف ایک ساتھی کو میدان میں بھیج دو۔“

”بہت بہتر پروفیسر آشام۔“ اس نے کہا اور اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا... وہ فخر کے عالم میں زنجیر ہلاتا آگے بڑھا۔

انہوں نے دیکھا... وہ ڈیل ڈول کے اعتبار سے ان سبھی سے کافی طاقت ور اور ہٹا کٹا نظر آ رہا تھا... اور وہ سب اس کے مقابلے میں تنگ منک نظر آ رہے تھے... میدان میں آتے ہی اس نے کہا:

”آؤ... کون کرتا ہے مجھ سے مقابلہ۔“

”ابا جان! مجھے اجازت دیں۔“ فرزانہ کی آواز ابھری۔ اس کی نظریں سیاہ فام پر بدستور جمی تھیں۔

انسپکٹر جمشید نے اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر سر کے اشارے سے

فرزانہ خالی ہاتھ آگے بڑھی اور میدان میں کھڑے سیاہ قام کا رخ کرنے لگی... سیاہ قام کے مقابلے میں وہ بالکل منہمی منہمی گڑیا نظر آ رہی تھی... وہ اسے دیکھ کر ہنسا۔

”تم مجھ سے مقابلہ کرو گی... وہ بھی خالی ہاتھ۔“  
”یہ انصاف پر و فیر آشام کا ہے... ہمارا نہیں۔“ جیرال نے منہ بنایا۔

”کیا مطلب؟“ شنگ نے بھنا کر کہا۔  
”ان کے ہاتھوں میں بھی ایسی زنجیریں ہونی چاہئیں۔“  
”میں ایسے انصاف کا قائل نہیں... نہ میں نے انصاف کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے... شنگ... تم ان لوگوں کو لڑاؤ... اب یہ تمہارا کمال ہے۔“

”اوکے باس! آپ فکر نہ کریں... تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو... ٹوٹ پڑو اس پر۔“

زنجیر والا پہلے ہنسا... پھر وحشیانہ انداز میں زنجیر گھمانے لگا...  
زنجیر کے گھومنے میں لمحہ بہ لمحہ تیزی آرہی تھی:  
”فرزانہ سنبھل کر۔“ محمود پریشان ہو گیا۔

”گھبرا نے کی ضرورت نہیں...“ فرزانہ کی آواز ابھری... اس کی نظریں سیاہ قام پر جمی تھیں۔

وہ برابر آگے بڑھ رہا تھا... اب سب کی نظریں اس مقابلے پر تھیں... مقابلہ بہت سنسنی خیز تھا... فرزانہ کے پاس بچاؤ کے لیے کوئی چیز نہیں تھی... پھر بھی وہ سکون سے کھڑی تھی... پھر جونہی وہ اس حد تک نزدیک آیا کہ فرزانہ زنجیر کی زد میں آسکتی تھی... وہ تڑ سے گری اور اس کی طرف لوٹ لگا گئی... یہ وہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی کہ زنجیر زمین سے کافی اوپر گھوم رہی تھی... اوٹ لگاتے ہی وہ اس کی ٹانگوں سے ٹکرائی... وہ اپنی دھن میں آگے بڑھ رہا تھا... اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یہ کام دکھا جائے گی... نتیجہ یہ کہ وہ اوندھے منہ گرا... اور جونہی گرا... فرزانہ نے اس کے زنجیر والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا... دوسرے ہی لمحے زنجیر اس کے ہاتھ میں تھی... وہ ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ زنجیر پوری قوت سے اس کے سر پر لگی... اس کے منہ سے ایک دل دوز جیج نکلی:

”یہ... یہ کیا ہوا؟“ پرو فیر آشام کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

”یہ وہی ہوا جس کا میں ذکر کر رہا تھا۔“ جیرال ہنسا۔



”تم سے تو میں سمجھ لوں گا جیرال۔“

”پروفیسر آشام ... انکل جیرال سے جغرافیہ سمجھنا۔“ فرحت نے فرمایا۔  
”ہے نا بے وقوفی کی بات۔“ محمود نے بھنا کر کہا۔

”کس کی بات بے وقوفی کی ہے۔“ فرزانہ نے زنجیر ایک بار پھر اس کے سر پر مارتے ہوئے پوچھا۔

”تم اپنا دھیان لڑائی کی طرف رکھو۔“ انسپکٹر جمشید غرائی۔  
”جج ... جی اچھا۔“

”فرزانہ کا سوال میں کیے لیتا ہوں ... ہاں تو کس کی بات بے وقوفی کی ہے۔“

”فرحت کی ... پروفیسر آشام کو مشورہ دے رہی ہے کہ مزہ جیرال سے جغرافیہ سمجھیں ... جب کہ پروفیسر آشام سے بڑھ کر جغرافیہ کا ماہر کون ہو سکتا ہے۔“ محمود نے بڑا سامنہ بنا کر کہا۔

”وہ کیسے ... تم کبھی پروفیسر آشام سے ملے تک نہیں ... تم نے انہیں کبھی دیکھا تک نہیں ... تم ان کے بارے میں کچھ جانتے نہیں۔“  
پھر تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ یہ جغرافیہ کے بہت ماہر ہیں ... بلکہ اتنے ماہر کہ کوئی کیا ان سے بڑا ماہر ہوگا۔“ آصف نے جلدی جلدی کہا۔  
”ہونا بے وقوف۔“ محمود ہنسا۔

”کیا بات ہے ... خیر تو ہے ... آج بار بار بے وقوفی کا

تعلیم کر رہے ہو۔“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”بھئی سیدھی سی بات ہے ... سیران کس نے دریافت کیا ہے

... پروفیسر آشام نے، تو یہ جغرافیہ کے ماہر ہوئے نا۔“

”اوہ ہاں! لیکن لگتا ہے ... اصل ماہر یہ نہیں ... سیران کسی اور

نے دریافت کیا تھا۔“ انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

”کیا مطلب ... یہ آپ نے کیا نئی بات کہی ... اور آپ کو یہ

بات کیسے معلوم ہو گئی۔“

”عقل سے۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”کیا مطلب ... کیا آپ بھی یہی کہنا چاہتے ہیں ... کہ سیران

پروفیسر آشام نے دریافت نہیں کیا تھا۔“

”ہاں! مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو انسپکٹر جمشید۔“ پروفیسر آشام کے لہجے میں

زمانے بھر کی حیرت شامل ہو چکی تھی ... اب وہ سب لڑائی کو بھول چکے

تھے ... اور فرزانہ کا مقابل بھی تین چار زنجیروں کے بعد ہی ساکت ہو

چکا تھا اور احتیاطاً فرزانہ نے اس کے بعد بھی اس کے سر پر دو زنجیریں

اور ہتھکڑیاں تھیں ... باقی چودہ دم سادھے کھڑے تھے ... اپنے ساتھی کا

یہ بھیانک انجام دیکھ کر وہ دم بخود ہو چکے تھے... اور یہ دوسری بات شروع ہو چکی تھی... جو اس قدر دلچسپ تھی کہ سب لوگ زلٹی ہوئے والے کو بھی بھول چکے تھے... تاہم فرزانہ اس سے دو تین قدم کے فاصلے پر بالکل چوکس کھڑی تھی... اور زنجیر اس کے ہاتھ میں تھی... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا:

”وادی سبران... پروفیسر آشام کی دریافت نہیں ہے...“  
”اور یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو۔“

”ہمارے ملک سے چار آدمیوں کی لائبریری سے چار کتابیں پراسرار انداز میں چرائی گئیں... آخر کیوں... یہ میرا اندازہ ہے... اور ان شاء اللہ غلط نہیں ہے، اس وادی کو دریافت کرنے والا وہ شخص تھا جس نے وہ کتاب لکھی تھی... وہ کتاب وادی سبران ہی کے بارے میں تھی... اس کتاب کو پروفیسر آشام نے پڑھا... تب اس کے ذہن میں یہ شیطانی منصوبہ آیا... کہ بے تحاشہ سونا لٹا کر مسلمان ممالک کو عیاشی کی موت مار ڈالو، غالباً پروفیسر آشام کا تعلق بیگال سے ہے... یہودی ذہن ایسی ہی باتیں سوچتا رہتا ہے... برس ہا برس پہلے منصوبہ بناتا ہے اور عمل اس پر بہت سالوں بعد شروع ہوتا ہے... تو اس نے بیگال کی مدد سے یہ منصوبہ شروع کیا... سبران کو آباد کرنا... اس کے لیے ماہرین

کو، سائنس دانوں کو، انجینئرز کو لایا گیا... اور پروفیسر آشام کو معلوم تھا... جب سونے کے سکوں کی بارش ہوگی... تو جن لوگوں نے وہ کتاب پڑھ رکھی ہوگی... انہیں یاد آجائے گا... وہ اپنی لائبریریوں سے وہ کتاب نکال کر پڑھ لیں گے... اور پھر سبران پر حملہ آور ہونے کے منصوبے بننے لگیں گے... لہذا اس نے سوچا... سبران کا راستہ ہی غائب کر دیا جائے... اس کتاب کو ہی پوری دنیا سے اٹھا لیا جائے... کتاب جس جس نے خریدی تھی... وہاں وہاں اپنے کارندوں کو بھیجا گیا اور جب یہ یقین ہو گیا کہ تمام کتابیں انہوں نے حاصل کر لی ہیں... تب سونے کے سکوں کی بارش شروع کی... میرے اندازے اگر غلط ہیں تو پروفیسر آشام بتا سکتے ہیں۔“ یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

پوری فضا میں موت کا سناٹا طاری ہو چکا تھا... سب لوگ سُن ہو کر رہ گئے تھے... خود پروفیسر آشام بھی کچھ نہ کہہ سکا... آخر جیرال کی آواز ابھری:

”میں نے ان لوگوں کے بارے میں کیا کہا تھا۔“

”ہاں مسٹر جیرال! تم نے ٹھیک کہا تھا... لیکن یہ لوگ بچ نہیں

سکیں گے اور ان کے ساتھ تم بھی گنہگار کی موت مر جاؤ گے۔“



” لیکن کیسے پروفیسر آشام ... کیا تم نے دیکھا نہیں ... ایک چھوٹی سی نہتی بچی نے تمہارے سیاہ فام کا کیا حشر کیا ہے ... جب کہ اس کے ہاتھ میں یہ خونی زنجیر تھی۔“

” کوئی پروا نہیں ... سبران کی فوج ابھی حرکت میں نہیں آئی۔ مجھے ان لوگوں کے بارے میں واقعی معلوم نہیں تھا۔ ہمیں کیا ضرورت ہے ... یہ کھیل کھیلنے کی ... میں سبران کی فوج کو بھیج رہا ہوں ... لو کرلو ... تم بھی مل کر ان کا مقابلہ۔“

” پروفیسر آشام! آپ کو ایک بات معلوم نہیں۔“ انسپٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

” اور وہ کیا بات ہے جو مجھے معلوم نہیں۔“

” ہاں! تم نہیں جانتے ... پروفیسر ... ہمارے پاس بھی ایک فوج ہے ... وہ سبران کی فوج سے نبٹ لے گی ...“

” تمہارے پاس بھی کوئی فوج ہے ... بھئی واہ ... لگتا ہے پاگل ہو گئے ہو۔“

” جی نہیں ... اب پاگل ہونے کی باری تمہاری ہے ... سبران کے لوگو! تیار ہو جاؤ ... تمہاری آزادی کا وقت آپہنچا ...“ انہوں نے چاروں طرف کھڑے ہزاروں لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

” ہم تیار ہیں ... ہم تیار ہیں ... اس قید کی زندگی سے موت

ابھی ... ہم سب جانیں دے دیں گے۔“

” تم نے سنا پروفیسر آشام ... ہماری فوج تیار ہے ... اور پہلے مرحلے پر میرے ساتھی ... ان سے زنجیریں چھین رہے ہیں ... یہ تمہاری پہلی فکلت ہو گی۔“

ان الفاظ کے ساتھ بے خبر کھڑے زنجیروں والوں پر ان کے ساتھی بے تحاشہ انداز میں ٹوٹ پڑے ... آن کی آن میں زنجیریں ان کے ہاتھوں میں تھیں اور وہ سب ان زنجیروں سے سیاہ قاموں کی خیر لے رہے تھے اور ان کی بلند بانگ چیخیں فضا کو تھرا رہی تھیں ... شنگ پٹی پٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا ... جب کہ جیرال مسکرا رہا تھا ... پھر انسپٹر جمشید کی آواز ابھری :

” خان ... رحمان ... یہ ٹھیک ہے ... کہ تمہارے پاس ایک نہتی فوج ہے ... لیکن آج تمہارا تجربہ کام آئے گا ... اپنی فوج کو مورچہ بند کر دو ... فی الحال ہمارے پاس یہ پندرہ زنجیریں ہیں ...“

” فکر نہ کرو جمشید۔“ خان رحمان چلائے۔

” اور میں شنگ کو دیکھتا ہوں۔“

یہ کہہ کر جیرال شنگ کی طرف مڑا تو وہ غائب تھا۔ پانسہ پلٹتے

دیکھ کر شنگ وہاں سے کھسک گیا تھا:

”کوئی بات نہیں شنگ... پروفیسر آشام کی فوج کے ساتھ نہیں

آنا ہی ہوگا۔“

”میں آرہا ہوں... اپنی فوج کے ساتھ... فکر نہ کرو۔“ شنگ کی آواز کہیں دور سے آئی۔

”اور میرے پاس صرف ایک پستول ہے۔“ جیرال نے انہیں بتایا۔

”کوئی بات نہیں انکل! آپ اسے رکھیں... ہمارے پاس پندرہ زنجیریں ہیں۔“

”لیکن ان کے پاس آتشیں اسلحہ ہے۔“

”تو انکل! یہ مورچے کس دن کام آئیں گے... ہمارے انکل مورچہ بندی کے بہت ماہر ہیں۔“

”اور میں اپنا کام شروع کر چکا ہوں۔“

انہوں نے خان رحمان کی آواز سنی... اب وہ سب تیزی سے ان کی ہدایات پر عمل کرتے نظر آئے... انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور

منور علی خان بھی ان کی مدد کرنے لگے... جیرال نے بھی اپنے لیے ایک جگہ منتخب کر لی... اس طرح صرف آدھ گھنٹے بعد وہاں کوئی بھی نظر

نہیں آرہا تھا... جب کہ سب کے سب تھے وہیں... عام لوگوں کو یہ ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ صرف چپے رہیں گے... اور انہیں جب اور جو ہدایات دی جائیں... ان پر عمل کریں گے... ان سب نے سر ہلا دیے تھے۔

گویا اب وہ جنگ کے لیے بالکل تیار تھے... ایسے میں فرزانہ نے پوچھا:

”انکل جیرال... وہ بٹن کیا سفید عمارات میں داخل ہونے کے لیے ہے۔“

”اوہ ہاں! تم نے درست اندازہ لگایا... جن کی جیبوں میں وہ

بٹن ہوتا ہے، لہریں انہیں اٹھا کر نہیں اچھالتیں۔“

”بہت خوب... تب تو پھر ان پندرہ کی جیبوں میں بھی وہ بٹن ہوں گے۔“

”ہاں بالکل... بلکہ جو فوج اب مقابلے کے لیے آرہی ہے... ان

سب کے پاس وہ بٹن ہیں... فکر نہ کرو... وہ ہمارے کام آئیں گے۔“

یہ کہتے ہوئے انہوں نے سیاہ فاموں کی طرف دیکھا... وہ مرچکے تھے یا مرنے کے قریب تھے... بہر حال ان کے بٹن ان کے کام آنے والے تھے... اس خیال نے بھی ان میں اطمینان کی لہر دوڑا دی۔

ایسے میں انہوں نے پروفیسر آشام کی فوج کو آتے دیکھا:

☆☆☆☆☆



”اب... انکل خان رحمان... اب کیا ہوگا۔“ اخلاق نے گھبرا کر پوچھا۔

”وہی ہوگا اخلاق جو اللہ کو منظور ہوگا۔“ خان رحمان مسکراتے۔

”بالکل ٹھیک۔“ منور علی خان فوراً بولے۔

”سب لوگ بس مورچوں میں دبکے رہیں... اس صورت میں

ان کی رائفلیں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی... اور جب یہ اس طرف

میدان صاف پائیں گے تو ظاہر ہے... نزدیک آئیں گے... اس

وقت ہم حرکت میں آئیں گے... لیکن عام لوگوں کو حرکت میں آنے کی

ضرورت نہیں... وہ بدستور دبکے رہیں گے۔“

سب نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلا دیے:

”اور مسٹر جیرال...“

”یس!“ اس نے فوراً کہا۔

”ہم آپ کے دل و جان سے شکر گزار ہیں... آپ نے اس

ہازک وقت میں ہمارا ساتھ دیا... اور اب ہماری فوج میں شامل ہیں

... یہ آپ کا ہم پر احسان بھی ہے۔“ انسپکٹر جمشید کی آواز جذبات سے

لدی ہوئی تھی۔

”ایسی بات کہنے کی ضرورت نہیں... دراصل مجھے آپ کے بچوں

## سبران کے باغی

وہ فوج بڑی بڑی جیپوں میں آرہی تھی... ان سب میں فوجی

بھرے ہوئے تھے... اور ان کے ہاتھوں میں عجیب و غریب رائفلیں

تھیں۔ ایسی رائفلیں انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں... ان رائفلوں

کو دیکھ کر انسان کا خون خشک ہوتا تھا:

”یہ... یہ کیسی رائفلیں ہیں انکل جیرال۔“ شوکی نے تھر تھر کانچی

آواز میں پوچھا۔

”ایک ہی وقت میں پچاس گولیاں برسانی والی رائفلیں ہیں...“

ان سے نشانہ لینے کی ضرورت نہیں... گولیاں چاروں طرف پھیل کر

جاتی ہیں اور بالکل سیدھ میں بھی جاتی ہیں... مطلب یہ کہ کوئی ان کی

سیدھ میں کھڑا ہو یا ان کے دائیں بائیں یا اوپر نیچے... ان کی زد میں

ضرور آئے گا اور دوسرے یہ کہ ان کی ریج بھی عام رائفلوں سے تین گنا

ہے...“ جیرال نے بتایا۔

سے... میرا مطلب صرف محمود، فاروق اور فرزانہ سے نہیں... ساری چھوٹی پارٹی سے ہے... ان سب سے بہت زیادہ محبت ہے... میں انہیں بہت پسند کرتا ہوں... ان کی حرکتوں اور شرارتوں اور چالوں سے دل خوش ہو جاتا ہے... اس لیے کم از کم میں اپنے ہاتھوں انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا... یا اپنے سامنے انہیں نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا... بس اتنی سی بات ہے۔“

”اب میں ایک بات کہتا ہوں... کیا پروفیسر آشام کے لیے ایکورم سے مزید فوج منگوانا ممکن ہے۔“

”بالکل منگوا سکتا ہے... لیکن وہاں سے فوج آنے میں کم از کم بارہ گھنٹے لگیں گے۔“

”ہوں... اس کا مطلب ہے... ہمیں اپنا کام بارہ گھنٹے سے پہلے پہلے ختم کرنا ہوگا۔“

”اور میرے خیال میں یہ اتنا آسان کام نہیں... دوسرے انسپکٹر جمشید... آپ لوگوں نے ایک پہلو کی طرف شاید غور کیا ہی نہیں۔“

”اور وہ کیا جیرال ہمارے دوست۔“

”اور وہ یہ کہ ہم لوگ اس فوج سے نبٹ بھی لیں گے... پروفیسر آشام کا کام تمام بھی کر دیں گے... تو کیا یہ مہم ختم ہو جائے گی

... ایکورم سے تازہ دم دستے آجائیں گے... یعنی ہمارے چلے جانے کے بعد پھر سے یہاں ان لوگوں کی حکومت قائم ہو جائے گی... کیونکہ بہر حال یہاں سونے کے پہاڑ ہیں۔“

”یہ باتیں ہمارے ذہن میں ہیں... پہلے آپ یہ بتائیں... یہاں موجود راکڈوموں سے اگر ہم ریوٹ کنٹرول سسٹم ختم کر دیں تو کیا ہم ان کے ذریعے اپنے ملک جا سکتے ہیں۔“

”میں ہوائی راستوں کا ماہر نہیں۔“ جیرال ہنسا۔

”ہوائی راستے ہم خود طے کر لیں گے... کیونکہ ہم یہاں سے سیدھے کالا جنگل جائیں گے... وہاں سے برنائی... اور برنائی سے اپنے ملک کو پیغام دے سکتے ہیں... ہمارے ملک کی فوج طیاروں کے ذریعے اسلامی ملکوں کے راستے برنائی آ سکتی ہے۔“

”اس طرح تو ممکن ہے... لیکن انسپکٹر جمشید...“

جیرال کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... پروفیسر آشام کی فوج نے مورچے سنبھال لیے تھے اور اب ان کے کمانڈروں کی آواز گونجنے لگی تھی:

”ہران کے ہاغیو!“

یہ کہہ کر وہ رک گیا... گویا رد عمل دیکھنا چاہتا تھا... پھر چند



سکیڈ بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دینے لگی:

”تم بہت تھوڑے سے نبتے لوگ ہو... تمہارے پاس ہمارا مقابلہ کرنے چلے ہو... ابھی تم ان رائفلوں سے واقف نہیں... ایک رائفل سے صرف ایک فائر کیا جائے گا... وہ تمہارے پیچاس لوگوں کے لیے کافی ہوگا... لہذا ابھی وقت ہے، میں تمہیں موقع دیتا ہوں... اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کر سامنے آ جاؤ... ہم تمہیں گرفتار کر کے پروفیسر آشام کے سامنے پیش کر دیں گے... اس کے بعد وہ جانیں... تم لوگ جانو... ہمارا کام تو بس اتنا ہوگا کہ تمہیں گرفتار کر کے ان تک پہنچا دیں۔“

جواب میں کسی نہ کچھ نہ کہا... کمانڈر کی آواز پھر گونجی لگی:

”لگتا ہے... یہ بزدل لوگ یہاں سے بھاگ کر کہیں دور جا چکے ہیں... گویا اب ہمیں ان کی تلاش میں آگے جانا ہوگا... چلو آؤ... جیپوں کو چھوڑ دو... جیپوں کی حفاظت کے لیے دس آدمی یہیں ٹھہریں۔“

آجائیں۔ فوجی جیپوں سے اتر کر رائفلس چھپائے آگے بڑھتے چلے گئے... اور یہ لوگ جیپوں کے پیچھے پیچھے کے لیے حرکت کرتے چلے گئے... یہاں تک کہ ان کے پیچھے پہنچ گئے... اب دس آدمی ان رائفلوں سے مسلح ان کے سامنے موجود تھے... جب کہ ان کے پاس صرف ایک پستول تھا... آخر جبرال نے ایک مناسب جگہ پہنچ کر اپنے پستول سے دس فائر کر دیے... وہ دس کے دس تیرا کر گرے۔ گولیاں ان کے دماغوں میں لگی تھیں۔

ساتھ ہی ان کے دس ساتھی آگے جھپٹے اور دوسرے ہی لمحے ان کے ہاتھوں میں وہ رائفلس تھیں... جبرال نے آن واحد میں ان کے چلانے کا طریقہ انہیں سمجھا دیا... انہوں نے جیپوں کو مورچے بنا لیے۔ دوسری طرف فائرنگ کی آواز سن کر فوجی بھڑک کر پیچھے آئے... انہوں نے جیپوں والے ساتھیوں کو اچھل اچھل کر گرتے دیکھ لیا تھا... انہوں نے یہ سوچنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی کہ ان پر حملہ کس طرف سے ہوا ہے... بس اندھا دھند جیپوں کی طرف دوڑ پڑے۔ بس اسی وقت خان رحمان نے اپنی فوج کو حکم دیا:

”فائر!“

ایک ساتھ ہی دس رائفلوں اور گیارہویں جبرال کے پتوں سے گولیاں اگل دیں... پروفیسر آشام کی فوج تڑا تڑا کرتی چلی گئی... ہائی جو بچے تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے... اور ان کا رخ جھپوں سے پیچھے کی طرف تھا... ان کے بھاگنے کا موقع انہوں نے خوب اٹھایا۔ مرنے والوں کی رائفلوں پر دھڑا دھڑا قبضہ شروع کر دیا۔

خان رحمان نے چھوٹی پارٹی کو تو فوری طور پر ایک ایک رائفل دے دی... خود باقی رائفلیں عام لوگوں میں تقسیم کرنے لگے اور انہیں جلدی جلدی چلانے کا طریقہ سمجھانے لگے... ان سے نشانہ لینے کی ضرورت تو تھی ہی نہیں، اس لیے صرف چلانے کا طریقہ بتانا تھا... اور وہ چند منٹ میں سب نے آسانی سے سمجھ لیا... اس طرح ان کی بھی ایک فوج تیار ہو گئی... لیکن اس فوج کے پاس اسلحہ بہت کم تھا اور دوسری بات یہ کہ ان پر ایک خوف سوار تھا... یہ دو باتیں پریشان کن تھیں... جو بھی تھا اور جتنا بھی تھا... غنیمت تھا اور انہیں دشمن سے بہر حال لڑنا تھا... خان رحمان اب پھر نئے سرے سے اپنی فوج کی مورچہ بندی کر رہے تھے:

”جبرال! ہمارے دوست... یہاں پروفیسر آشام کے پاس کتنی

فوج ہوگی۔“

”فوج زیادہ نہیں ہے... لیکن وہ ایکورم سے جتنی چاہے گا، منگوا لے گا... اور اب فوج دس سے بارہ گھنٹے میں آجائے گی... پھر ہم کیا کریں گے... وہ تو پورے فوجی اسلحے کے ساتھ آئے گی... اب یا تو ہم صرف آٹھ سے دس گھنٹے کے اندر اندر یہاں کا میدان مار لیں... تب بات بن سکتی ہے... ورنہ ہمیں اس فوج کا سامنا کرنا ہوگا... اب یہ آپ دیکھ لیں کہ ایسا کیسے کر سکیں گے...“ جبرال نے جلدی جلدی بتایا۔

”اگر ہم ایکورم کی فوج آنے سے پہلے یہاں کی فوج کا صفایا کر دیں، تب بھی تو یہاں ہمارے کرنے کا بہت کام باقی رہے گا... یہاں کی فوج کا صفایا ہوتے ہی تو یہاں سے فارغ نہیں ہو جائیں گے۔“ انسپٹر جشید نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے... ہمیں یہاں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا ہوگا... لیکن پوری فوج کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہوگی... اسی لیے ہمیں بہر حال اپنے ملک سے فوج منگوانا ہوگی...“

”لیکن کب تک؟“ خان رحمان نے ان کی طرف دیکھا۔

”کیا مطلب خان رحمان... کب تک کیا؟“

”ہم کب تک اپنے ملک سے فوج منگواتے رہیں گے... اور



سے تو یہ لوگ نہ صرف ایکورم سے بلکہ بیگال سے فوجیں منگوائیں گے۔۔۔

”ہوں! تب پھر ہم کیا کریں۔۔۔ ہمارا تو ایسا کسی جنگ پر وگرام ہی نہیں تھا۔۔۔ یہ جنگ تو ہمیں اچانک لڑنی پڑ گئی ہے۔۔۔“  
”اس کا پھر ایک ہی حل ہے۔“ جیرال نے سوچ میں گم انداز میں کہا۔

”اور وہ کیا؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

”ہم پروفیسر آشام کو ختم کر دیں اور ساتھ میں شنگ کو بھی۔۔۔ پھر ان کی رہنمائی کرنے والا یہاں کون ہوگا۔۔۔ سفید عمارات میں جو ماہرین کام کر رہے ہیں۔۔۔ وہ تو ظاہر ہے۔۔۔ ماہرین ہیں۔۔۔ جنگ وجدل کے ماہر نہیں ہیں۔۔۔ وہ کیا کر سکیں گے۔“

”بس تو پھر۔۔۔ اس سے پہلے کہ پروفیسر آشام اپنی فوج کا بنا دستہ ہماری طرف روانہ کرے۔۔۔ ہمیں سفید عمارات پر حملہ کر دینا چاہیے۔۔۔ ابھی اس نے ایکورم سے رابطہ نہیں کیا ہوگا۔۔۔ اپنی فکلت اسے آسان نہیں لگ رہی ہوگی۔۔۔ اور وہ اس خیال میں ہوگا کہ وہ بہت مضبوط ہے۔۔۔“ خان رحمان نے کہا۔

”سفید عمارات پر حملہ بھی آسان نہیں ہے۔۔۔ ہم مرنے والے

فوجیوں کی جیبوں سے ہتھیار آ لے لیتے ہیں۔۔۔ اور اس طرح سفید عمارات تک پہنچ جائیں گے۔۔۔ لیکن ان عمارات کی حفاظت کے اور بھی بہت سے طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔۔۔“  
”اگل! آپ کو تو وہ طریقے معلوم ہی ہوں گے۔“ فرحت نے منہ بتایا۔

”یہی تو مشکل ہے۔۔۔ پروفیسر آشام نے بیرونی کاموں کی ذمہ داری ہمیں سونپی ہوئی ہے، عمارات کے اندر کے ہم ذمہ دار نہیں۔۔۔ شنگ بھی نہیں۔۔۔ لیکن اب پہلے مرحلے پر اگر ہم سفید عمارات کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں تو وہ شنگ کو ہمارے مقابلے پر بھیجے گا۔“  
”کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم شنگ اور اس کی فوج سے دو دو ہاتھ کر لیتے ہیں۔۔۔ اس کے بعد جو صورت حال سامنے آتی ہے۔۔۔ دیکھا جائے گا۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ یو نہیں سہی۔۔۔ لیکن وہاں صرف ہم چلیں گے۔۔۔ عوامی فوجی کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔۔۔ البتہ خان رحمان انہیں ہدایات دے دیں۔۔۔ تم لوگ وہ آ لے نکال لو۔“  
”اچھی بات ہے۔“

اور پھر خان رحمان عوامی فوج کو ہدایات دینے لگے۔ ان سے

”بالکل ٹھیک ہے۔“

”مسٹر جیرال۔“ ایسے میں ایک آواز ابھری۔

”جیرال موجود ہے۔“ اس نے کہا۔

”مسٹر جیرال! یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا... اس ساری صورت

حال کے اصل مجرم تم ہو، میں نے تم سے کہا تھا... اگر یہ لوگ یہاں

آئی گئے ہیں تو انہیں ختم کر دو... لیکن تم نے یہ بات نہیں مانی... اور

معاملات یہاں تک آ گئے... ہمارا برسوں پرانا منصوبہ بہت کامیابی سے

آگے بڑھ رہا تھا اور جو ہم چاہتے تھے... اس میں قریب قریب

کامیاب ہو چکے تھے، لیکن... تم نے رنگ میں بھگ ڈال دیا... اور

تو اور تم ہم سے دشمنی پر بھی اتر آئے... اب یہ لوگ تمہیں ہم سے بھی

اچھے لگنے لگے... تم ان کے ساتھی بن گئے... تم نے اپنے قیمتی

دوست شنگ سے بھی بگاڑ لی... خیر... میں تمہیں ایک موقع دیتا

ہوں... اب بھی وقت ہے... جیپ سے اتر کر سفید عمارت نمبر ایک

میں داخل ہو جاؤ... اس کا دروازہ تمہارے لیے تین منٹ تک کھلا رہے

گا... اگر تم نہ آئے اور یہ تین منٹ گزر گئے تو پھر یہ دروازہ تمہارے

لیے کبھی نہیں کھلے گا اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم کتنے پانی میں ہو

... عمارات کے اندر صورت حال کیا ہے... ہم کتنی طاقت میں ہیں...

فارغ ہو کر وہ ان کی طرف آئے تو وہ آلے نکال چکے تھے... اب اس میں سے ہر ایک کے پاس آلات بھی تھے اور راکٹس بھی... ان کا یہ چھوٹا سا فوجی قافلہ سفید عمارات کی طرف روانہ ہوا... ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے... کیونکہ صورت حال بہت عجیب اور انوکھی تھی... انہیں قطعاً کوئی اندازہ نہیں تھا... آخر وہ اس مقام پر پہنچ گئے... جہاں تک آئے تھے... جیرال سب سے آگے والی گاڑی میں تھا... بلکہ جیپ چلا بھی وہی رہا تھا... وہ جیپ کو آگے لے جاتا گیا... کسی کو کچھ نہ ہوا... کوئی رکاوٹ نہ پیش آئی... بس وہ آگے بڑھتے چلے گئے:

”میں ان عمارات میں راکٹل بردار فوجی دیکھ رہا ہوں... وہ ان کے چاروں طرف موجود ہیں... اب اس جگہ سے جو نہیں ہم آگے بڑھیں گے... وہ ہم پر چاروں طرف سے فائرنگ کر دیں گے۔“

”اور ہم اس وقت کھلی جگہ پر ہیں... جیپوں سے باہر نکل کر آگے ہم مقابلہ کرتے ہیں تو مارے جائیں گے۔“

”لیکن ان جیپوں کو گولیاں نقصان نہیں پہنچا سکتیں... ہم ان کے اندر رہ کر فائرنگ کر سکتے ہیں۔“



یہاں کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں کر سکتے، یہ تمہیں معلوم نہیں۔ ان کمروں کی طرف بڑھنے والے جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کا یہاں نشان تک نہیں ملے گا۔ تم سے تو شک مندرجہ ذیل ہو گا۔ فوراً میرے پاس آگیا۔ اسے بہت بڑے انعامات سے نوازا جائے گا۔ دنیا کی عیش اسے حاصل ہوگی۔ میری بات ختم ہوئی۔ تم سو لو۔ فیصلہ کر لو۔ دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ اس میں سے صرف تم گزر سکو گے۔ کوئی اور آیا تو اسے جلا دیا جائے گا۔ اور یہ بھی تم لوگوں کی بھول ہے کہ میں ان حالات کی خبر ایکورم کو دوں گا۔ ہرگز نہیں۔ اس جگہ کا بادشاہ میں ہوں۔ یہاں میری حکومت ہے۔ ایکورم کو تو میں سونا دیتا ہوں۔ اس کے بدلے میں وہ میری خدمت کر دیتے ہیں۔ دنیا کے ماہرین کو جب ہم لوگ ایکورم پہنچاتے ہیں تو وہ انہیں ادھر بھجوا دیتے ہیں۔ بس یہ خدمت ہے ایکورم کی۔ بدلے میں وہ بہت کچھ پاتے ہیں۔ تم لوگوں سے مقابلے کے لیے مجھے کسی فوج کی ضرورت نہیں۔ ایکورم کو خبر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے یہاں کی حفاظت کے لیے برسوں لگائے ہیں۔ تم دونوں کو تو ہر دنی کاموں کے لیے رکھا گیا تھا۔ تاکہ تم ان عام لوگوں کو قابو میں رکھو، باہر سے آنے والوں کی آؤ بھگت کرو۔ وغیرہ اور یہ کام تم خیر و خوبی

سے کرتے رہے ہو۔ بس ان لوگوں کے آنے پر معاملہ گڑبڑ ہو گیا۔ میں بات ختم کر رہا ہوں۔ تم ان بیٹیوں میں رہ کر میری فوج کا مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔ میں دروازہ کھولا رہا ہوں۔ ایک بار پھر تمہیں خوش آمدید کہنے کے لیے۔ اس کے ساتھ ہی خاموشی ہو گئی۔ انہوں نے اپنے بالکل سامنے والی عمارت میں دروازہ کھلتے دیکھا۔ اس وقت فرزانہ نے کہا: ”انکل جیرال! آپ ہماری وجہ سے خود کو مشکل میں نہ ڈالیں۔ اور اپنے پہلے والے ساتھیوں کے پاس چلے جائیں۔ ہمارا اللہ مالک ہے۔“

”ہاں انکل آپ کو ایسا کر لینا چاہیے۔ کمزوروں کا ساتھ دے کر آپ کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ جب کہ اس طرف دنیا کے عیش ہی عیش ہیں۔“ فرحت نے فوراً کہا۔

”جائیے انکل جیرال۔ دروازہ بند ہونے والا ہے۔“ شوکی کی آواز ابھری۔

جیرال ٹس سے مس نہ ہوا۔ یہاں تک کہ تین منٹ گزر گئے اور دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا۔ اس وقت اس نے کہا:

”میں اپنے فیصلے بدلائیں کرتا، تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔“

اب خان رحمان کے ہاتھ میں فوج کی کمان ہے ... وہ جو حکم دیں گے ہم کریں گے۔“

”ہم فائرنگ میں پہل نہیں کریں گے۔“ خان رحمان نے کہا۔

”اور انکل انہوں نے بھی پہل نہ کی تو ...“

”تب ہماری جیپیں عمارتوں کی طرف بڑھیں گی ... اور۔“ خان

رحمان مسکرائے۔

”اور کیا انکل۔“

عین اسی لمحے چھتوں پر موجود فوجیوں نے ایک ساتھ فائر کھول دئے۔ ان گنت گولیاں جیپوں سے ٹکرائیں۔

☆☆☆☆☆

## سرخ لکھیں

یہ دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ ان میں سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا ... جیپیں ہلٹ پر وف تھیں:

”چھتوں پر موجود لوگوں کو نشانہ بناؤ۔“ خان رحمان چلائے۔

ان سب نے جھپٹی ہوئی رائفلوں سے ان پر گولیوں کی بارش کر دی۔ وہ دم دم نیچے گرے ... اس طرح پہلے حملے میں دشمن کا زبردست نقصان ہوا ... ان کا کچھ نہ بگڑا:

”بھئی واہ ... یہ جیپیں تو ہمارے لیے بہترین مورچے ہیں۔“

”اور اب جیپوں کو سفید عمارات سے ٹکرا دو۔“ خان رحمان

چلائے۔

ان کی جیپیں آگے بڑھیں ... لیکن اسی وقت ایک زبردست دھماکا ہوا ... اور ان کی دونوں جیپیں الٹ گئیں ... وہ ان میں گڈمڈ ہو گئے:

”جیپوں سے نکلنا نہیں ... یونہی دم سادھے رہو۔“ خان رحمان



نے سرگوشی کی۔

”خان رحمان! یہ سرگوشی بھی سنی گئی ہے۔“

”کوئی پروا نہیں... جب تک ہم جیپوں میں ہیں، محفوظ ہیں۔ کیونکہ ان کی گولیوں نے جیپوں کا کچھ نہیں بگاڑا... دھماکے نے بھی صرف جیپوں کو الٹا یا ہے... ٹوٹی پھوٹی یہ پھر بھی نہیں... بس ان میں... سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں اور وہی رانقلیں سنبھال لیں۔“

”جو حکم۔“ محمود نے کہا اور خان رحمان کی ہدایت پر عمل کرنے لگے۔ جلد ہی وہ الٹی ہوئی جیپوں میں پوزیشن لے چکے تھے... اس حالت میں انہیں خود پر ہنسی آرہی تھی۔ ایسے میں ایک دھماکا ہوا... ان کی دونوں جیپیں اچھل کر اور دو ر جا گریں۔ انہوں نے اپنے حواس بحال رکھے... اور دم سادھ لیے... یہ ظاہر کیا، گویا وہ اس دھماکے سے بے ہوش ہو گئے ہیں۔

”شنگ دیکھو انہیں... اکیلے نہ جانا۔“

”اوکے باس۔“

وہ ساکت پڑے رہے... جلد ہی انہوں نے بھاری قدموں کی

آواز سنی... پھر شنگ بیس کے قریب فوجیوں کے ساتھ آتا نظر آیا:

”فائر۔“ خان رحمان چلائے۔

ان سب نے فائر کھول دیے... میں کے میں فوجی زمین پر تڑپتے نظر آئے... لیکن شنگ جوں کا توں نظر آیا:

”یہ کیا... مسٹر شنگ... کیا آپ گوشت پوست کے نہیں ہیں۔“

آصف کی آواز ابھری۔

”ہوں تو گوشت پوست کا... لیکن میرا گوشت پوست ذرا مختلف

قسم کا ہے، اپنے ساتھیوں سے پوچھ لو... یہ مجھ سے ٹکرا چکے ہیں۔“

”کوئی ضرورت نہیں کسی سے پوچھنے کی... ہم خود ہی دیکھ لیں

گے۔“

”ارے تو آؤ نا... کھڑا ہوں تو میں۔“

”ہاں کیوں نہیں... موقع اچھا ہے... مسٹر شنگ کا کام تو کر ہی

دیں۔“ محمود ہنسا۔

”دیکھ لو بھئی... کہیں تمہارا اپنا کام نہ ہو جائے۔“ شنگ ہنسا۔

”اللہ مالک ہے۔“

”کیا خیال ہے... میں اس سے مقابلے کے لیے جاؤں۔“

انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”نہیں کامران مرزا... یہ میرا شکار ہے۔“

”بلکہ یوں کہیں... میں اس کے ہاتھوں شکار ہونے کے لیے

”یہ وقت بتائے گا۔“

”آؤ... انپکٹر جمشید آؤ۔“

انپکٹر جمشید الٹی ہوئی جیب میں سے باہر نکلے اور شنگ کی طرف بڑھے... اسی وقت پروفیسر آشام کی آواز ابھری:

”شاباش شنگ... بہت اچھا موقع ہے... اس کا کام تمام کر

دو... انپکٹر جمشید کی موت کے بعد یہ سب بے کار ہو جائیں گے، ان میں لڑنے کی ہمت نہیں رہے گی... اور ہم ان کو نمٹا دیں گے۔“

”فکر نہ کریں باس... یہ ان عمارات کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے... میں ان سب کو روک سکتا ہوں۔“

”بہت خوب!“ پروفیسر آشام نے ہنس کر کہا۔

”میرا خیال ہے... شنگ کا مقابلہ مجھے کرنا چاہیے تھا... پروفیسر آشام ٹھیک کہہ رہا ہے... اگر انپکٹر جمشید مارے گے تو ہم سب حوصلہ ہار جائیں گے۔“ جیرال نے کہا۔

”جمشید... تم واپس آ جاؤ...“ خان رحمان چلائے۔

انپکٹر جمشید نے جیسے سنا ہی نہیں... وہ برابر آگے بڑھ رہے تھے اور شنگ تنا کھڑا تھا... اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی...

یوں لگتا تھا جیسے ان کے مقابلے میں اسے اپنی کامیابی کا پورا یقین ہو:

”آؤ انپکٹر جمشید آؤ... آج آئے گا حرا... اور میرے اور آپ کے درمیان کوئی رکاوٹ بھی نہیں... سب لوگ صرف اور صرف لڑائی دیکھیں گے۔“

”ہاں کیوں نہیں...“ انپکٹر جمشید نے ہنس اٹکا کہا اور اداس انداز میں مسکرا دیے۔

”یہ کیا انپکٹر جمشید... آپ کی مسکراہٹ ابھی ابھی سی ہے، لگتا ہے... آپ کو اپنی شکست کا پہلے ہی یقین ہے۔“

”نہیں... یہ بات تو نہیں۔“ وہ پھر اداس انداز میں مسکرائے۔

”تب پھر یہ اداسی کیسی؟“

”کبھی کبھی میں بلاوجہ اداس ہو جاتا ہوں... اس کی وجہ خود مجھے

بھی معلوم نہیں ہوتی... میں سوچتا ہوں، غور کرتا ہوں... لیکن وجہ معلوم نہیں کر پاتا... ادھر اداسی بھی دور نہیں ہوتی... بس وقت گزرنے کے

ساتھ خود بخود معمول پر آ جاتا ہوں... لہذا تم یہ خیال نہ کرو، میں اس صورت حال پر غمگین ہوں... اس قسم کے حالات ہم پر آتے ہی رہتے

ہیں... کیا ہوا، اگر میں تمہارے ہاتھوں مارا گیا... اور کیا ہوا، اگر میرے ساتھی بھی تمہارے ہاتھوں مارے گئے... اور کیا ہوا... ہم بہران



پسے تم لوگوں کا قبضہ ختم نہ کرا سکے... کوئی اور آئے گا... تم سے  
نکرائے گا... یہ دنیا بہادروں سے خالی ہے، نہ عقل مندوں سے...  
مجھ میں اور میرے ساتھیوں میں تو بس ایک بات ہے... اور وہ ایک  
بات ہی ہم سب کے لیے کافی ہے۔“

”میں جانتا چاہوں گا... وہ کیا بات ہے؟“

”وہ ایک بات یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے، اپنے اللہ کو  
راضی کرنے کے لیے کرنا ہے... دنیا دکھاوے کے لیے نہیں کرنا ہے۔  
اب اس کوشش میں ہم کامیاب ہوتے ہیں یا نا کام، اس سے کوئی فرق  
نہیں پڑتا... کیونکہ ہمارا مالک ہم سے ضرور خوش ہوگا... جب کہ یہ  
بات تم لوگوں کے پاس نہیں... تم اس دنیا کے لیے لڑتے ہو... اور  
صرف کامیابی حاصل کرنا تمہارا مقصد ہوتا ہے۔“

”یہ سب باتیں ہیں اور میں اس قسم کی باتوں کا قائل نہیں...  
میں تو بس ایک بات جانتا ہوں... اور وہ یہ کہ ہمیں تم لوگوں کو بہران  
میں ختم کرنا ہے اور بس... اسی صورت میں ہم سونے کے پہاڑوں کے  
مالک رہیں گے اور اسلامی دنیا کو موت کی نیند آسانی سے سلاتے رہیں  
گے۔“

”اب باتیں ہی بناتے رہو گے یا کوئی کام بھی دکھاؤ گے۔“

اینگلینڈ جھپٹ کر اٹھ اٹھا، لیکن اب بھی ان کی آنکھوں میں اداسی تھی۔  
”یوں بات نہیں بنے گی۔“ ایسے میں فاروق کی آواز ابھری۔  
”کیا مطلب... یہ بات تم نے کس سے کہی کہ یوں بات نہیں  
بنے گی۔“ آفتاب نے بڑا سا منہ بنایا۔

”سب سے کہی ہے۔“

”سب سے کہی ہے... لیکن کون سی بات نہیں بنے گی... یہ  
بھی تو بتاؤ۔“

”یہ ابا جان کی اداسی والی بات... لڑائی شروع ہونے سے پہلے  
ابا جان کو موڈ میں لانا ہوگا۔“

”بہت خوب فاروق... میں تمہاری اس بات کی تائید کرتا  
ہوں...“ خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

”بس تو پھر مسٹر شک۔“ اس نے اعلان کرنے والے انداز میں  
کہا۔

”بس تو پھر کیا؟“

”آپ ذرا سی مہلت دے دیں۔“

”مہلت... کیسی مہلت۔“

”ابھی لڑائی شروع نہ کریں... ہم ذرا اپنے ابا جان کو موڈ میں

”مجھے تو کوئی اعتراض نہیں... تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔“  
 ”ابا جان! دیکھیے... اس وقت مقابلہ شنگ سے ہے، کسی لمحہ  
 سے نہیں... شنگ سے اگرچہ کئی بار ہماری جنگ ہو چکی ہے... اور  
 شکست بھی ہر بار شنگ نے ہی کھائی ہے... لیکن یہ ہر بار خفا  
 اب اس بار شاید بات زندگی اور موت کی ہوگی... کیونکہ فرار ہونے کا  
 راستہ اگر ہمارے پاس نہیں ہے... تو شنگ کے پاس بھی نہیں ہے۔“  
 ”یہ بات تو خیر غلط ہے... ہم تو سبران سے کہیں بھی جاسکتے  
 ہیں... ہمارے پاس تو راکڈوم ہیں...“

”اوہ راکڈوم... لیکن ہمیں تو راکڈوم کہیں بھی نظر نہیں  
 آرہے۔“

”سفید عمارات کے دوسری طرف... راکڈوموں کا ایک پورا راستہ  
 موجود ہے۔“

”تب پھر وہ ہمارے کام کیوں نہیں آسکتا۔“ فاروق ہنسا۔

”اوہ ہاں...“ شنگ چونکا۔

”بات ہو رہی تھی... ہنسنے، ہنسانے کی اور چلے گئے تم

راکڈوموں کی طرف۔“ فرزانہ نے بڑا سا منہ بنایا۔

”تو کیا ہوا... اگر میں راکڈوموں کی طرف چلا گیا... وہاں  
 آجاتا ہوں... ہاں تو ابا جان ہم سب آپ سے دیکھے دل سے یہ اٹھا  
 کرتے ہیں کہ آپ اپنی تمکینی سے پیچھا چھڑالیں... خوب زبردست  
 انداز میں ہتھے نظر آئیں... اور اگر خدا نخواستہ آپ ایسا کرنے میں  
 کامیاب نہ ہو سکیں تو اپنے چہرے پر ایک مصنوعی مسکراہٹ چپکا لیں...  
 آپ کی چپکائی ہوئی مصنوعی مسکراہٹ بھی ہم سب کو سو فیصد اصلی لگے گی  
 ... کیونکہ آپ تو میک اپ کرنے میں بھی غضب کے ماہر ہیں... تو  
 ایسی مسکراہٹ بھلا کیوں نہیں لا سکتے، اپنے چہرے پر... اور اگر آپ  
 نے یہ کوشش نہ کی تو جواب میں میں رو دوں گا... آپ کو یہ تو معلوم  
 ہوگا کہ میں روتے ہوئے بالکل اچھا نہیں لگتا... اب مہربانی فرما کر مسکرا  
 دیں...“ یہاں تک کہہ کر فاروق خاموش ہو گیا... انسپکٹر جمشید نے ان  
 پر نظر ڈالی... اور مسکرا دیے۔ ان سب نے غور سے ان کی مسکراہٹ کو  
 دیکھا... پھر آفتاب نے کہا:

”نہیں انکل بات نہیں بنی... ابھی آپ کی مسکراہٹ میں وہ جان

بیدار نہیں ہوئی جو کہ آپ کی مسکراہٹ میں ہوتی ہے... مہربانی فرما کر

ایک کوشش اور کریں۔“

وہ ہنس پڑے... انہیں ہتھے دیکھ کر انہیں خوشی محسوس ہوئی...



"اللہ کا شکر ہے ... اب آپ بالکل خوش ہیں ... آپ کے چہرے پر جو ادا سی تھی ... وہ پر لگا کر اڑ چکی ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"دیے ابا جان! ہم اب بھی کہتے ہیں ... آپ شنگ کے مقابلے پر ہم میں سے کسی کو جانے دیں۔"

"ہاں اور کیا ... مجھے مقابلہ کرنے دیں۔" اخلاق کی آواز ابھری۔

اس پر سب ہنس پڑے ... شنگ کے مقابلے میں اخلاق ہر درجے تک منک تھا۔

"کیا خیال ہے دوستو! ایسے میں شوکی کی آواز ابھری۔

"کیا کہنا چاہتے ہو شوکی۔"

"اخلاق ہی کو کیوں نہ بھیجا جائے۔"

"نہیں بھئی ... یہ انصاف نہیں۔"

"تو پھر انپکٹر جمشید! مجھے جانے دیں ... یہ بات تو انصاف سے

بعید نہیں۔" جیرال نے ہنس کر کہا۔

"یہ تو اور زیادہ نا انصافی ہے۔"

"دھت تیرے کی ... شنگ نے بہنا کر کہا۔

"ہائیں ... ہائیں ... مسٹر شنگ ... یہ آپ کو کیا ہوا ... کہیں

آپ میں محمود کی روح تو نہیں چلی گئی۔" آصف ہنسا۔

"ارے ہاپ رے۔" محمود گھبرا گیا۔

"ہاتوں میں وقت برباد کیا جا رہا ہے ... معلوم ہو گیا ... تم لوگ

لڑنے سے کتنی کترا رہے ہو۔"

"ارے نہیں ... کتنی بھی کوئی ایسی چیز ہے ... جسے کترا یا

جائے ... آفتاب ہنسا۔

"تو پھر آؤ نا ... بلکہ میں تو کہتا ہوں۔" شنگ کہتے کہتے رک

گیا۔

"ہاں ہاں ... کیا کہتے ہیں آپ۔"

"میں تو کہتا ہوں، تم سب مل کر مجھ پر ٹوٹ پڑو ... اپنے ساتھ

جیرال کو بھی ملا لو۔"

"ہائیں ہائیں ... آپ اتنے طاقت ور ہیں۔"

"تم سب کی چٹنی بنانا میرے ہائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔"

"انگل جیرال کی بھی۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور نہیں تو کیا ... جیرال میرے مقابلے میں کیا ہے۔"

”اوہو اچھا... اب... تمہارا مقابلہ انپکٹر جمشید سے نہیں ہوگا... انپکٹر جمشید میں اتنا بڑا طعنہ برداشت نہیں کر سکتا...“

”نہیں... یہ نہیں ہوگا...“

”میری ہار کی صورت میں... ضرور آپ اس سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔“

”نہیں جمشید۔“ خان رحمان بولے۔

”کیا ہوا۔“

”جیرال ہمارے اس وقت مہمان ہیں۔“

”ارے! یہ میں مہمان کیسے ہو گیا۔“ جیرال ہنسا۔

”ہماری پارٹی میں اس وقت آپ مہمان ہیں... وہ بھی لے لے... اس لیے... ہم آپ کو نہیں لڑنے دیں گے۔“

”نہیں بھئی... تم لوگوں کی مدد کرنا میرا فرض ہے... لہذا تم نہ کرو۔“

”بس لڑ چکے تم لوگ... تمہیں تو بس باتیں بنانا آتی ہیں۔“

”اب میں اور طعنہ نہیں سن سکتا... اور دیکھ لو... اب میں بالکل خوش لگ رہا ہوں... اس اداسی کا دور دور تک پتا نہیں... وہ اس طرح غائب ہو گئی ہے... جس طرح گدھے کے سر سے سینگ... بلکہ جس

”جس طرح... میں بھول گیا ہوں کہ کس طرح... لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے... میں مسر شنگ پر وار کرنے لگا ہوں... بس تم لوگ میرے لیے دعا کرو... یہی تم لوگوں کی میرے لیے مدد ہوگی۔“

”اللہ آپ کو کامیاب کرے۔“ ان سب نے سچے دل سے کہا۔

اسی وقت انپکٹر جمشید نے اپنا رخ تبدیل کر لیا... اب وہ شنگ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال چکے تھے۔ اچانک انہیں خیال آیا... اس پر پتا نزم کیوں نہ کیا جائے... اس خیال کے ساتھ ہی وہ اپنی ساری طاقت آنکھوں میں لے آئے... لیکن عین اسی لمحے انہیں بہت زبردست جھٹکا لگا... ساتھ ہی انہوں نے سنا... شنگ کہہ رہا تھا:

”نہیں انپکٹر جمشید... یہ کام نہیں ہوگا... تم نے اس جھٹکے کو دیکھا... اسی سے اندازہ لگا لو۔“

”میں لگا چکا اندازہ... مقابلہ برابر کا ہے... نہ تم مجھے ٹرانس میں لا سکتے ہو... نہ میں تمہیں... یہ مقابلہ تو ہاتھوں اور پیروں سے ہوگا... ہاں موقع مل گیا تو ہم اسلحے کو بھی آزمائیں گے۔“

”تو پھر آؤ۔“ انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی شنگ ہوا میں اڑتا نظر آیا:



## جنگ کا آغاز

ان سب کو یوں لگا تھا، گویا شنگ اڑتے ہوئے ان پر گرا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔۔۔ جواب میں انسپکٹر جمشید نے صرف اتنا کیا تھا کہ پیچھے گرتے ہی اسی طرف آہستہ سے لڑھک گئے تھے اور وہ اپنی جھونک میں کافی دور جا کر گرا تھا۔۔۔ لیکن اپنے پیروں پر۔۔۔ گویا سیدھا کھڑا تھا:

”کیسی رہی۔“ شنگ ہنسا۔

”یہ تم بتاؤ۔۔۔ اپنی طرف سے تو تم نے بہت زبردست وار کیا تھا۔۔۔ لیکن یہ وار تو خالی گیا ہے، لہذا تم بتاؤ۔۔۔ کیسی رہی۔“

”اس میں شک نہیں کہ اچھی رہی۔۔۔ لیکن یہ میری آزمائشی چھلانگ تھی۔“

”پھر کوشش کرو۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

ایک بار پھر وہ ان پر چھلانگ لگانے کے لیے تیار نظر آیا۔۔۔ ادھر

انسپکٹر جمشید اس سے مناسب فاصلے پر کھڑے تھے۔۔۔ پھر انہوں نے اسے ہوا میں اڑ کر اپنی طرف آتے دیکھا۔۔۔ لیکن اس مرتبہ وہ اس حساب سے آ رہا تھا کہ وہ چھلانگ لگائیں تو ساتھ ہی وہ اپنا رخ تبدیل کرے اور انہوں نے اپنی چھلانگ کا رخ بھی فوراً طے کر لیا۔۔۔ شنگ نے جان لیا۔۔۔ وہ کس طرف چھلانگ رہے ہیں۔۔۔ بس اس نے اسی وقت اپنا رخ تبدیل کر لیا۔۔۔ ادھر انسپکٹر جمشید نے کیا یہ تھا کہ حرکت صرف ظاہر کی تھی۔۔۔ لگائی نہیں تھی۔۔۔ لہذا وہ وہیں کھڑے رہ گئے اور شنگ ایک بار پھر آگے نکل گیا:

”اور مسٹر شنگ یہ تمہاری دوسری ناکامی ہے۔“

”پر وہ نہیں۔۔۔ میں تو ایسی سو چھلانگیں لگا کر بھی نہ جھکوں۔“

”اللہ کی مہربانی سے میں بھی ایسی سو چھلانگوں کو روک سکتا ہوں۔“

”کیا!!!“ شنگ نے چلا کر کہا۔

سب لوگ اس کی چیخ پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے:

”مسٹر شنگ یہ چیخ کس خوشی میں۔“ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

”یہ چیخ خوشی کی چیخ ہے۔۔۔ کہ مقابلہ برابر کا ہے۔۔۔ کوئی ایسا

دیا نہیں ہے۔“

”تب تو ٹھیک ہے ...“ آصف نے خوش ہو کر کہا۔  
 ”دیے اگر آپ دونوں یونہی چھلانگیں لگاتے رہے تو کیا فائدہ ہوگا ... آپ چھلانگیں لگاتے رہیں گے اور یہ بچاتے رہیں گے۔“  
 ”یس باس!“

”اس طرح لڑائی لمبی ہو جائے گی ... اور ہم یہاں کوئی کھیل نہیں کھیل رہے ... جلد از جلد اس جھگڑے کو ختم کرو ... ہمیں اور تھوڑے کام ہیں، جوان بے کار لوگوں پر وقت ضائع کریں، میں نے پہلے دن ہی کہا تھا کہ ان سب کو ختم کر دیا جائے ... مگر ... جبرال اور گیا ... اب دیکھ لو ... وہ ان کے ساتھ جا بیٹھا ہے ... اس کا بھی وہی حشر ہوگا ... جو سب کا ہونا ہے۔“

”فکر نہ کریں باس! ان میں سے ایک بھی میرے ہاتھوں نہیں بچ پائے گا ... اب حکم دیا ہے تو میں اس لڑائی کو بہت جلد سمیٹ دیتا ہوں۔“

یہ کہتے ہی اس نے انسپٹر جمشید کی طرف چھلانگ لگانے کی بجائے ایک ایک قدم بڑھنا شروع کر دیا ... یہ ایک ایک قدم بھی آہستہ آہستہ نہیں اٹھا رہا تھا، بلکہ بہت تیز تیز چل رہا تھا ... آن کی آن میں وہ ان تک پہنچ گیا ... اور پہنچتے ہی اس نے اپنے سر کی ایک

ذرا دست نکران کی ٹانگ پر رسید کر دی۔ انسپٹر جمشید پہلے ہی ہاتھ تیار کھڑے تھے ... وہ ذرا سے ترچھے ہو گئے ... ساتھ ہی انہوں نے اپنے کھڑے ہاتھ کی ہڈی اس کی گردن پر دے ماری ... ان کے ہاتھ کی ہڈی اس کی گردن پر ہی لگی ... لیکن ان کے منہ سے دل دوز جھج لگی اور وہ اپنے ہاتھ کو پکڑ کر بیٹھنے چلے گئے ... یہی وہ موقع تھا ... جب شک نے انہیں جھک کر دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا اور دور اچھال دیا۔ اب یہ اور بات ہے ... کہ وہ مرنے سے پہلے ہی سنبھل چکے تھے اور اس طرح گرے کہ انہیں کوئی چوٹ نہ آئی، تاہم ہاتھوں کی چوٹ کی وجہ سے وہ ابھی بہت بے چین تھے ... انہیں یوں لگا تھا، جیسے ان کی ہڈی کسی پتھر پر دے ماری گئی ہو ... شک کا جسم واقعی لوہے کا جسم تھا:

”کیا میں اسے روکوں انسپٹر جمشید۔“ انسپٹر کامران مرزا نے جلدی سے پوچھا، کیونکہ شک اب پھر اس طرف بڑھ رہا تھا۔  
 ”نہیں!“ ان کے لہجے میں مضبوطی تھی۔

”ابا جان! اٹکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

”نہیں۔“ انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

ایسے میں شک پھر ان تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک بھر پور مکا



ان کے ٹاک پر مارا... وہ جھک گئے... لیکن اس بار انہوں نے ہراسہ میں اس کے سر یا گردن پر وار نہیں کیا تھا، کیونکہ اس کا انجام وہ پہلے ہی دیکھ چکے تھے... بلکہ انہوں نے کیا یہ کہ جھکتے ہی اس کی دائیں کھالی پر ہاتھ ڈال دیا اور ایک زبردست جھٹکا آگے کی طرف دیا... دو پتنگوں پہلے ہی آگے کی طرف بڑھتا چلا آیا تھا... اور مکا مارتے ہوئے بھی اس کا وزن آگے کی طرف ہو گیا تھا، اس لیے ان کے ہاتھ کا یہ جھٹکا اسے دور لے گیا... اور وہ زمین پر لڑھکتا چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... بلا کی رفتار سے اس کی طرف دوڑ پڑے اور اس کے سر پر پہنچ گئے۔ شنگ ابھی اٹھ نہیں سکا تھا... اٹھنے کی کوشش ضرور کر رہا تھا... انہوں نے دائیں پاؤں کی ایک زبردست ٹھوکر رسید کر دی... لیکن اس سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا... بس کچھ اور آگے لڑھک گیا... انسپکٹر جمشید سمجھ گئے کہ اس طرح وہ شنگ کو شکست نہیں دے سکتے... لڑھکنے سے اسے کوئی خاص چوٹیں نہیں آئی تھیں... اور وہ پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا... انہوں نے دیکھا، اس کے چہرے پر ایک گہری طنزیہ مسکراہٹ تھی... "دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا:

"آؤ... انسپکٹر جمشید... آؤ... آج کی شکست تم سب کو یاد رہے گی۔"

ان سب کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا:

"یہ مقابلہ اس طرح لہا ہو جائے گا... کیوں نہ پستول سے فائرنگ کر کے اسے مختصر کر لیا جائے۔" خان رحمان نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو خان رحمان۔" انسپکٹر جمشید نے نظریں شنگ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"مطلب یہ کہ ایک پستول تم لے لو اور ایک پستول لے لے شنگ... اور ایک دوسرے پر فائرنگ کر کے مقابلہ جلد ختم کر لو۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" شنگ نے کہا۔

"مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔"

"تب پھر میرے پاس پستول موجود ہے... انسپکٹر جمشید کی طرف

اچھال رہا ہوں۔"

"شنگ کے لیے ہم اوپر سے اچھال رہے ہیں۔"

سفید عمارات کی چھت کی طرف سے آواز آئی... اس طرح ایک

ی وقت میں دو پستول اچھالے گئے... انسپکٹر جمشید نے اپنا پستول دبوچ

لیا اور شنگ نے اپنا۔ انہوں نے پستول چیک کیے... پھر شنگ نے کہا:

"پستولوں سے مقابلے کے بھی کئی طریقے ہیں... ایک طریقہ

ڈوئل ہے ... کیا آپ ڈوئل پسند کریں گے۔“  
 ”جو آپ پسند کریں مسٹر شنگ۔“

”مجھے تو پھر یہ پسند ہے کہ تم اپنا پستول پہلے آزما لو ... میں  
 سامنے کھڑا ہوں۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“

انہوں نے شنگ کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا ... شنگ نہایت آسانی  
 سے وار بچا گیا ... اب انہوں نے دوسرا فائر کیا اور خوب سوچ سمجھ کر کیا  
 ... لیکن شنگ یہ وار بھی بچا گیا ... آخر انپکٹر جمشید نے لگا تار فائرنگ  
 شروع کر دی ... اب شنگ گویا ہوا میں قلا بازیاں کھا رہا تھا۔ جہاں  
 کے چہرے پر اس وقت زبردست جوش تھا ... کیونکہ وہ بھی اس فن کا  
 ماہر تھا ... اور غالباً اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ شنگ پر فائرنگ  
 کرتا ... آخر انپکٹر جمشید کا پستول خالی ہو گیا ... یہ دیکھ کر شنگ زور سے  
 ہنسا۔ اس نے کہا:

”اب تم کیا کرو گے انپکٹر جمشید۔“

”وہی کروں گا ... جو تم نے کیا ہے ... یعنی خود کو تمہاری فائرنگ

سے بچاؤں گا اور ان شاء اللہ بچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

”چلو پھر ... ہو جاؤ تیار!“ شنگ نے کہا۔

”اللہ کی مہربانی سے تیار ہوں۔“

اب شنگ نے ان پر پہلا فائر کیا ... وہ اس وار کو آسانی سے  
 بچا گئے۔ اس نے سوچ سمجھ کر دوسرا فائر کیا ... وہ اسے بھی بچا گئے ...  
 اب شنگ نے کہا:

”مسلل فائرنگ شروع کر رہا ہوں انپکٹر جمشید ... پھر نہ کہتا ...  
 خبر نہیں ہوئی ... اپنے ساتھیوں کو آخری بار دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھ لو  
 ... کیونکہ اس کے بعد تو تمہاری لاش یہاں پھڑک رہی ہوگی۔“  
 ”اللہ مالک ہے ... تم اپنا کام کرو۔“

اس نے بڑا سامنہ بنایا اور فائرنگ شروع کر دی ... انپکٹر جمشید  
 گویا ہوا میں اڑ رہے تھے ... اور پھر شنگ کا پستول خالی ہو گیا ... اس  
 نے جلا کر پستول بھی ان پر کھینچ مارا ... انہوں نے اسے نہایت خوبصورتی  
 سے کیچ کر لیا:

”سبحان اللہ! ماشاء اللہ۔“ وہ سب بلند آواز میں پکار اٹھے۔

”ایک بات سمجھ میں نہیں آئی؟“ مکھن نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”لو ہوا بی مینڈ کی کوز کام۔“ فاروق نے فوراً ہی کہا۔

”بھائی اسے بولنے تو دو۔“ انپکٹر جمشید بولے۔

”ابھی جب ہم نے رائفل سے فائر کیا تھا تو شنگ کو کچھ نہیں ہوا



تھا، تو پھر اب اس پستول کے فائر سے بچنے کی کوشش کیوں کی ضرورت تھی۔“ مکھن نے کہا۔

”واہ بہت خوب... بلکہ شاباش... تم نے اچھا سوال کیا۔“ خان رحمان بولے۔

”لو بھائی مفت میں شاباش لے گیا یہ تو۔“ آفتاب جل کر بولا۔  
 ”اب اس سوال کا جواب تو شک ہی دے سکتے ہیں۔“ منور علی خان نے کہا۔

”ہاں! اس پستول کی گولی بھی اگر لگ بھی جاتی تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاتی، میں تو بس ذرا ورزش کے لیے اچھل کود کر رہا تھا۔“  
 ”یہ کیا مذاق ہے شک۔“ پروفیسر آشام کی گرج دار آواز سنائی دی۔

”کیا کہا پروفیسر... مذاق... آپ کس بات کو مذاق کہہ رہے ہیں۔“

”یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے... نہ تمہاری گولیوں سے انسپلر جمشید کا کچھ بگڑا نہ انسپلر جمشید کی گولیوں سے تمہارا... لگتا ہے... اب مجھے میدان میں آنا پڑے گا... لیکن کیوں... اب تو یہ سب زد پر ہیں... چھتوں پر موجود میرے بہادر سپاہیو... ان سب کو آن کی آن

میں نکال دینا ڈالو... پہلے تو یہ گاڑیوں کی اوٹ میں تھے۔ اب سامنے کھڑے ہیں۔“  
 ان الفاظ کے ساتھ ہی سب لوگ لوٹ لگا گئے... وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پروفیسر آشام اس قدر بزدلانہ حکم دے گا... ادھر اوپر سے مسلسل گولیوں کی بارش شروع ہو گئی... لیکن اتنی دیر میں وہ کافی فاصلے پر آچکے تھے اور گولیاں ان تک نہیں آرہی تھیں... ایسے میں انہوں نے بے شمار لوگوں کا شور سنا... انہوں نے لڑھکتے ہوئے ادھر دیکھا... بہران کے قیدی شور مچائے ہوئے چلے آ رہے تھے... انہیں بھی اس جنگ کی خبر ہو گئی تھی:

”بس ٹھیک ہے... ان سے رائفلیں لے لو... اور پوزیشن سنبھال لو۔“ خان رحمان نے اعلان کیا۔

اس وقت تک وہ لوگ اس جگہ تک آچکے تھے... جس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتے تھے... چنانچہ انسپلر کامران مرزا نے اعلان کیا:

”وہیں رک جائیں... ورنہ آپ لوگوں کو یہ میدان باہر اچھال پیچھے گا...“

وہ ٹھٹک کر رک گئے... اور ان سب نے وہ لائن عبور کر لی اور ان لوگوں کے پاس پہنچ کر جلدی جلدی ان سے رائفلیں لے لیں... اور

موت کے منہ میں چلے جاتے... باقی رہ گئے یہ عام لوگ... یہ تو ایک  
دہلی کی مار بھی نہیں۔“  
”تو ٹھیک ہے... پھر میدان میں پہنچ جاؤ...“ اس کی آواز

سنائی دی۔  
”انسپکٹر جمشید... کیا خیال ہے... اس طرح تو کوئی بات طے  
نہیں ہوئی۔“

”ٹھیک ہے... پہلے ہم آپس میں فیصلہ کر لیتے ہیں... لیکن مسٹر  
جی میں حیران ہوں۔“  
”کس بات پر۔“

”اگر تم میرے ہاتھوں... یا میرے کسی ساتھی کے ہاتھوں مارے  
جاتے ہو تو یہ تمہارا پروفیسر آشام کیا کرے گا۔“  
”ہا ہا ہا۔“ انہوں نے پروفیسر آشام کی ہنسی کی آواز سنی۔  
”کیا ہوا پروفیسر۔“

”پوچھ رہے ہیں... تمہارے پروفیسر کا کیا بنے گا... شک انہیں  
نہیں... پروفیسر آشام کوئی عام آدمی نہیں ہے... وہ تو پی جائے گا ان  
کا خون۔“

”تم نے سن لیا۔“ شک نے کہا۔

اسلحہ بھی لے لیا... انہوں نے جلدی جلدی رائفلیں لوڈ کیں اور پھتوں  
والوں پر فائرنگ کے لیے آگے بڑھنے لگے۔

ان کی گولیاں چھتوں تک نہیں جا رہی تھیں... اور چھتوں والوں  
کی گولیاں ان تک نہیں آرہی تھیں... لہذا اس بے مقصد جنگ کا کوئی  
فائدہ نہیں تھا... ان کے ہاتھوں میں رائفلیں آنے سے البتہ اتنا فائدہ  
ضرور ہوا تھا کہ اب چھتوں والے نیچے اتر کر بے دھڑک ان کی طرف  
آکر فائرنگ نہیں کر سکتے تھے۔

ایسے میں انہوں نے دیکھا... انسپکٹر جمشید اب ان کے درمیان  
موجود تھے اور شک سفید عمارات کے سامنے کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا  
... ایسے میں پروفیسر آشام کی آواز سنائی دی:

”اس لڑائی کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا... شک کچھ سوچو... کیا ہم  
ان پر دھماکا خیز مواد کی بارش کر دیں۔“  
”اس طرح ہمارے اس حصے کو بھی نقصان پہنچے گا۔“

”تب پھر کیا کیا جائے۔“

”اسی طرح مقابلہ ٹھیک تھا... آخر کو مجھ میں اور انسپکٹر جمشید میں  
سے ایک کو تو مارا ہی جانا تھا... پھر ان میں سے دوسرا آگے آتا... وہ  
بھی میرے ہاتھوں مارا جاتا... اس طرح ایک ایک کر کے یہ لوگ سب



”ہاں! سنا... دیکھا جائے گا... اللہ کی مہربانی سے ہم لوگ بھی کوئی عام لوگ نہیں ہیں... عام ہوتے تو یہاں تک کیسے پہنچے۔“

”شک... جلدی سے انسپکٹر جمشید کو ٹھکانے لگاؤ... ان میں سے اگر یہ ایک شخص مارا گیا تو سمجھ لو... یہ سب مارے جائیں گے کیونکہ پھر ان میں لڑنے کی سکت نہیں رہ جائے گی... یہ دل ہار جائیں گے۔“

”یہ دل ہارنا کیا ہوتا ہے شوکی۔“ آصف نے ہانک لگائی۔

”مم... مجھے تو پتا نہیں... انکل خان رحمان سے پوچھو۔“ شوکی نے گھبرا کر کہا۔

”ان سے کیوں۔“

”جنگلوں میں ہارنے جیتنے کا انہیں زیادہ تجربہ ہے۔“

”اوہ بھائی... جنگلوں کی بات نہیں ہو رہی... دل ہارنے کی

بات ہو رہی ہے۔“

”اس بارے میں پروفیسر انکل سے پوچھیں... یہ سائنس دان

ہیں۔“ محمود ہنسا۔

”حد ہو گئی... کیا اب یہ لوگ پھر ہمارا وقت ضائع کریں

گے۔“ پروفیسر آشام کی آواز ابھری۔

”میں کرتا ہوں... ان کا مزاج درست۔“

یہ کہتے ہی شک کچھ اس تیزی سے ان کی طرف دوڑا کہ انہیں یوں لگا جیسے ہوا میں اڑتا ہوا آرہا ہو... اور اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید اس کے مقابلے کے لیے حرکت میں آتے... جیرال نے اپنی جگہ سے چلاگ لگا دی اور شک کی طرف دوڑ پڑا۔

شک نے جب دیکھا کہ انسپکٹر جمشید کے بجائے جیرال اس کی طرف آرہا ہے تو وہ چونک اٹھا... اس نے خوش ہو کر کہا:

”بہت خوب جیرال... تم سے نجات حاصل کرنا ضروری ہو گیا

ہے... ورنہ تم قدم قدم پر ان کی مدد کرو گے۔“

”میں آرہا ہوں... مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ کیا ہونے

والا ہے... میں تو بس یہ جانتا ہوں... جن سے میں نے دوستی کی ہے

... ان سے دوستی نبھا کر رہوں گا، جان جاتی ہے جائے۔“

اور پھر وہ دونوں آمنے سامنے آکر رک گئے... پھر اچانک

دونوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف چلاگ لگائی... دونوں

بڑی طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے... ان کے ٹکرانے سے ایک خوفناک

آواز ابھری اور دونوں الٹ کر اپنی اپنی طرف کافی دور جا گئے:

”یہ... یہ کیا ہوا۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”یہ دہی ہوا جو اللہ کو منظور تھا...“ مکھن کی آواز ابھری۔  
دونوں اب بھی بدستور... اسی طرح لینے ہوئے تھے۔  
”لگتا ہے... ان کا اٹھنے کا کوئی پروگرام نہیں۔“ فاروق نے  
حیران ہو کر کہا۔

”تب پھر ہم کیوں نہ مسٹر شنک پر قابو پا لیں... اس وقت تو  
مسٹر شنک زمین بوس ہیں۔“ آفتاب ہنسا۔  
”نہیں۔“ جیرال گرجا۔

”ارے باپ رے... اس قدر خوفناک گرج... اٹکل آپ تو  
ہمارے دل ہلا کر رکھ دیں گے۔“

”شنک سے تو مقابلہ اب میں ہی کروں گا... باقی کون کس سے  
جنگ کرتا ہے، مجھے کوئی پروا نہیں... اس لیے کہ۔“

”اس لیے کہ کیا اٹکل جیرال۔“ شوکی نے بلند آواز میں پوچھا۔  
”اس لیے کہ شنک نے دوستی کی خلاف ورزی کی ہے... اس  
نے کہا تھا... ہم ساتھ جمیں گے... ساتھ مریں گے... جو ہم بھی مر  
کریں گے... ایک ساتھ رہیں گے، لیکن شنک اپنے وعدے پر پورا  
نہیں اتر سکا۔“ جیرال نے بلند آواز میں کہا۔

”مم... میں نہیں جیرال... تم۔“ شنک غرایا۔

”دو کیسے؟“

”سبران کے خلاف تم ہوئے ہو یا نہیں...“ شنک چلا یا۔  
”میں نے دوستی کا وعدہ سبران سے بھی پہلے کیا تھا... سبران تو  
بعد میں بنا... اور اس کے لیے کام کرنے کا فیصلہ بھی ہم نے بعد میں  
کیا... جب میں نے ان لوگوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو اصولی طور پر  
جنہیں میرا ساتھ دینا چاہیے تھا... اگر اس وقت تم بھی میرے ساتھ ان  
میں شامل ہو جاتے تو صورت حال اس قدر خوفناک نہ ہوتی... ہم  
آسانی سے پروفیسر آشام کو شکست دے سکتے تھے۔“  
”یہ تمہاری بھول ہے مسٹر جیرال۔“ پروفیسر آشام کی آواز

ابھری۔

”ہم آپس میں بات کر رہے ہیں پروفیسر آشام... مہربانی فرما

کر درمیان میں دخل نہ دیں...“

”کیوں دخل نہ دوں... یہ وادی میری وادی ہے... میں اس کا

حکمران ہوں... اس وادی کے تمام ماہرین میرے تنخواہ دار ملازم ہیں...  
یہاں تک کہ شنک بھی اور جیرال بھی... اب اگر تم نے بغاوت کر دی  
ہے تو کیا ہوا... میں تمہارا نام و نشان مٹا دوں گا... آج تک تم نے  
میرا سامنا نہیں کیا... شنک نے بھی نہیں کیا... اس لیے تم نہیں جانتے



... میں کیا ہوں۔"

"خیر خیر... پروفیسر آشام... جب وہ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا... اس وقت آپ ہمیں مقابلہ کرنے دیں... پہلے ہم آپ کی فیصلہ کریں گے۔ پھر آپ کی باری آئے گی۔"

"لیکن تم لوگ مقابلہ کیا کر رہے ہو... تم تو کھیل رہے ہو جیسے بلی اور چوہا کھیلتے ہیں... یا جیسے بلی اور کتا ایک دوسرے سے بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔"

"آپ نے دیکھا نہیں... ہم دونوں کس قدر طاقت سے نکلے تھے اور اس نکر کے نتیجے میں ہی ہم لمبے لمبے ہوئے ہیں... یہ لیں میں اٹھ گیا۔"

یہ کہتے ہی شنک فوراً اٹھ گیا:

"تو ادھر کیا ہے کہ میں نہ اٹھوں۔" جیرال نے منہ بتایا۔

اس پر سب کے چہرے کھل گئے:

"بہت خوب انکل جیرال۔"

"اور بہت خوب شنک۔" پروفیسر آشام کی آواز سنائی دی۔

ایک بار پھر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف پوری طاقت سے

دوڑ لگا دی... دونوں پھر بہت زور سے نکلے... اس مرتبہ نکلنے کی

آواز پہلے کی نسبت زیادہ خوفناک تھی... دونوں پھر الٹ کر اپنی اپنی طرف گرے اور سہکتے ہوئے گئے:

"انکل... فرزانہ چلائی۔"

"شنک۔" پروفیسر آشام کی آواز ابھری۔

دونوں کے جسموں میں کوئی حرکت نہ ہوئی:

"گنا ہے... بے ہوش ہو گئے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"کیا میں دیکھ لوں جا کر۔" خان رحمان نے پوچھا۔

"جیرال کو دیکھ آؤ... لیکن ہوشیار رہنا... ایسا نہ ہو... شنک

بے ہوش نہ ہو اور تم پر حملہ کر دے۔"

"اللہ مالک ہے۔"

انہوں نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتے جیرال تک پہنچ گئے... اب

ان سب کی نظریں اسی سمت میں لگی تھیں... کچھ نے نظریں شنک پر جما

دی تھیں... خان رحمان نے جیرال کے قریب پہنچ کر اسے بلایا جلائی۔

آواز دی، لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں... آخر وہ اٹھے اور اپنے

ساتھیوں میں واپس آ گئے:

"جیرال مکمل طور پر بے ہوش ہے۔"

"تب پھر شنک بھی بے ہوش ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”میں دیکھ آتا ہوں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔  
 ”کوئی ضرورت نہیں کامران مرزا... معلوم ہو ہی جائے گا...  
 کیا پروفیسر آشام کی طرف سے کوئی اسے دیکھنے نہیں آئے گا۔“  
 ”مسٹر آشام... بلکہ مسٹر خون آشام... اپنے ساتھی کی خبر لینے کا  
 ارادہ ہے یا نہیں۔“ فاروق بولا۔

”ڈاکٹر زمری آرہے ہیں... اور یہ تم نے کیا کہا... خون  
 آشام۔“

”ہاں! پرانے زمانے کی جادوئی کہانیوں میں یہ لفظ بھی سننے میں  
 آیا کرتا تھا... اس لیے منہ سے نکل گیا... اگر آپ کو برا لگا ہے تو میں  
 یہ نام واپس لے لیتا ہوں... مجھے تو یوں بھی ناولوں کے ناموں کی  
 ضرورت رہتی ہے۔“

”تم لوگوں کی فضول باتوں سے تنگ آگیا ہوں... جب سے  
 یہاں آئے ہو... بس ادھر ادھر کی ہانکتے جا رہے ہو۔“

”بس کیا بتائیں پروفیسر! مہمات کے دوران کچھ عادت سی ہو

گئی ہے... دراصل اس طرح ہم چاق و چوبند رہتے ہیں۔“

”ایسی کی تیسری میں جاؤ۔“ پروفیسر نے بھنا کر کہا۔

”ہماری طرف یہ جملہ یوں نہیں بولتے... بلکہ کہتے ہیں، بھار

میں جاؤ... لیکن آپ کو کیا پتا... بھار کسے کہتے ہیں۔“  
 ”ہے کوئی تنگ...“ پروفیسر آشام کی جھلپت زدہ آواز سنائی

دی۔ اسی وقت ڈاکٹروں والے کوٹ میں ایک شخص شگ کی طرف آتا

نظر آیا۔  
 نزدیک آکر وہ اس پر جھک گیا... اس نے دل کی دھڑکن چیک

کی... نبض دیکھی... پھر اٹھتے ہوئے بولا :  
 ”پروفیسر آشام... یہ صرف بے ہوش ہیں... لیکن ابھی ان کے

ہوش میں آنے میں دیر لگے گی۔“

”ٹھیک ہے... ہم شگ کو یہاں سے اٹھوا لیتے ہیں اور نئے  
 جگہ جو میدان میں لے آتے ہیں... تاکہ یہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ  
 ہمارے پاس بس ایک ہی جگہ جو ہے... جو جن... جب تک مسٹر  
 شگ ہوش میں نہیں آ جاتے... تم میدان میں آ جاؤ اور ان کے کسی  
 ایک بندے سے مقابلہ شروع کر دو۔“

”میں آ جاتا ہوں باس... لیکن ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں...  
 اپنے ہتھیاروں سے کام لے کر انہیں فوری طور پر ختم کیوں نہیں کر دیتے

... یہ چند منٹوں کی مار بھی ثابت نہیں ہوں گے۔“



شک کے اٹھائے جانے کے بعد سفید کمروں سے ہاتھ دھو کر باہر آنے لگی ... وہ جدید اسٹیل سے لیس تھی۔ وہ اس فوج کو دیکھ کر پریشان ہو گئی ... کیونکہ ان کے پاس اوٹ کی کوئی جگہ نہیں تھی ... نہ یہاں مورچے تھے:

”خان رحمان ... اپنے جنگی تجربے کو آواز دو۔“

”اچھی بات ہے ...“ انہوں نے کہا ... پھر یک دم ان کی آواز گونجی:

”اس سے پہلے کہ یہ لوگ مورچے سنبھالیں ... ہمیں سفید عمارات کی اوٹ لے لینی چاہیے۔“

”تو پھر بسم اللہ کریں۔“

ان سب نے سفید کمروں کی طرف دوڑ لگا دی:

”ارے باپ رے۔“ فرزانہ چلا اٹھی۔

”کیا ہوا۔“ انسپکٹر جمشید نے۔

”یہ ... یہ انکل جیرال ... کیا ہم انہیں یہیں چھوڑ جائیں گے۔“

”ارے نہیں ... فی الحال یہ ہمارے دوست ہیں۔“

”تب پھر ...“

”فکر نہ کرو۔“

”میں نے شک کو یہی کہا تھا ... اس نے میری بات پسند نہیں کی۔“

”لیکن اب تو وہ بے ہوش ہیں ... جنگ جو میدان میں لے آئیں ... میں ان کی کمان کروں گا اور یہ لوگ یہاں اسی میدان میں تڑپتے نظر آئیں گے۔“

”یہ اچھی بات ہے اور مجھے یہی بات پسند ہیں ... شک کا طریقہ مجھے پسند نہیں آیا۔“

”تب پھر آپ یہاں سے شک کو اٹھوائیں۔“

”ضرور ... شک کو اٹھا کر اس کے کمرے میں پہنچا دو۔“

”اوکے باس۔“ آواز آئی۔

جلد ہی دس کے قریب لمبے تڑنگے آدمی ایک سٹریچر لے آئے۔

انہوں نے مل کر اسے سٹریچر پر ڈالا اور سفید عمارات کی طرف لے گئے۔

ادھر ان لوگوں نے بھی جیرال کو اٹھا لیا اور ایک طرف لے آئے ... ان کے پاس کمرے تو تھے نہیں ... اس لیے انسپکٹر جمشید نے کہا:

”فرزانہ تم جیرال کے پاس رہو ... ان کا خیال رکھنا تمہارے ذمے ہے ... بلکہ فرحت کو بھی ساتھ لے لو۔“

”اچھی بات ہے ... آپ فکر نہ کریں۔“

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید دوڑ کر جیرال کی طرف آئے :  
 ”تم دونوں دوڑ لگا دو... ورنہ سب سے پیچھے رہ جاؤ گی۔“  
 ”اور آپ۔۔“  
 ”مم... میں... یہ دیکھو۔“

یہ کہہ کر وہ لپکے اور انہوں نے جیرال کو کندھے پر ڈال لیا۔  
 اس کے بعد دوڑ لگا دی... اب وہ دونوں کیوں رکتیں... انہوں نے  
 بھی دوڑ لگا دی۔ ادھر پروفیسر آشام کی فوج نے جب یہ دیکھا تو  
 انہوں نے بھی سفید کمروں کی طرف دوڑ لگا دی۔

نتیجہ یہ کہ دونوں فریقین اب سفید کمروں کی دیواروں کی اونٹ  
 لے چکے تھے... ایسے میں خان رحمان کی آواز ابھری:

”بہت خوب! اب یہ لوگ دھماکا خیز مواد ہم پر استعمال نہیں کر  
 سکیں گے... کیونکہ اس طرح ان کی سفید عمارت کو نقصان پہنچے گا۔“  
 ”بالکل ٹھیک ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”ارے... یہ جمشید کہاں رہ گئے۔“

”وہ آرہے ہیں جیرال کو اٹھائے۔“

”ارے باپ رے... جیرال کو اٹھا کر لانا کوئی آسان کام

تھا...“ پروفیسر داؤد گھبرا گئے۔

”اگل! اب آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں... وہ آگے  
 ہیں۔“ محمود ہنسا۔

”تو پہلے کیوں نہیں بتایا... میں پہلے گھبرا لیتا۔“ انہوں نے کہا۔  
 ”پروفیسر صاحب! آپ کی اس بات میں کوئی شک نہیں ہے۔“  
 خان رحمان مسکرائے۔

”بس بھائی... کیا کروں... کھل گئی اب تو بے لگی بات من  
 ہے۔“ انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

”کیا حکم ہے پروفیسر آشام... کیا ہم ان پر گولہ باری شروع  
 کر دیں... کیونکہ اب یہ پوزیشن لے چکے ہیں... اور اگر ہم ان پر  
 گولہ باری کرتے ہیں... تو سفید عمارت کو نقصان پہنچ سکتا ہے؟“

”گولہ باری رہنے دو... صرف رائفلوں سے کام لو... ہم تعداد  
 میں ان سے کئی گنا زیادہ ہیں۔“

”بہت بہتر پروفیسر۔“

اور پھر ان کی طرف فائرنگ شروع ہو گئی... گولیاں سفید عمارت

پر گرنے لگیں...

”ہمارے لیے کیا حکم ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”فی الحال ہمیں فائرنگ کی ضرورت نہیں...“ خان رحمان نے



”اور کیا میں اپنی کوشش کر لوں۔“ پروفیسر داؤد نے پوچھا۔  
 وہ چونک اٹھے ... وہ تو پروفیسر کو بھولے ہوئے تھے۔  
 ”ارے واہ انکل ... ہم تو آپ کو بالکل بھولے ہوئے تھے۔“  
 ”تو پھر اللہ کا شکر ادا کرو ... میں تمہیں یاد آ گیا ... اور اللہ کو یاد بھی کرو۔“

”مم ... میں کہاں ہوں۔“ انہوں نے جیرال کی آواز سنی۔  
 ”لیجئے ... انکل جیرال بھی ہوش میں آ گئے ... انکل آپ ذرا پہلے ہوش میں نہیں آ سکتے تھے ... بے چارے ابا جان کو آپ کو کندھے پر اٹھا کر لانا پڑا۔“ فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

”کک ... کون بے چارے ابا جان۔“  
 ”ہمارے ابا جان۔“ محمود نے فوراً کہا۔

”اوہ ... معاف کرنا انسپکٹر جمشید ... آپ کو میری وجہ سے بہت زحمت ہوئی ... ہائیں کیا کہا ... مجھے اٹھا کر لانا پڑا ... وہ بھی انسپکٹر جمشید کو ... نن ... ننہیں ... ننہیں۔“ اس کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

”کیوں انکل ... کیا ہوا۔“

”مم ... میں اتنا وزنی ہوں اور انسپکٹر جمشید تو دبے پتکے ہیں ... یہ ہلا کیسے اٹھا سکتے تھے۔“  
 ”یہ آپ کو اس لیے اٹھا سکتے تھے کہ یہ آپ جیسے دو آدمیوں کو اٹھا سکتے ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔  
 ”ہائیں ... کیا واقعی۔“

”آپ کہیں تو ابھی آپ کو اٹھا کر دکھا دیں۔“  
 ”نن نہیں ... میں جانتا ہوں ... آپ جھوٹ نہیں بولتے ...  
 لیکن اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی ... اور اس وقت صورت حال کیا ہے۔“  
 وہ جیرال کو صورت حال بتانے لگے ... جیرال نے حیران ہو کر

اپنے چاروں طرف دیکھا ...  
 ”تو ہم سفید عمارات کی دیواروں کی اوٹ میں ہیں ... اور پروفیسر آشام کی فوج نے بھی انہی دیواروں کی اوٹ لے رکھی ہے۔“  
 ”یہی بات ہے انکل۔“

”اور اب ہمارے پروفیسر صاحب کوئی کام دکھانے والے ہیں۔“  
 ”اوہ۔“

یعنی اس وقت ایک زور دار دھماکا ہوا ... پروفیسر آشام کے

## تم کون سے ہو

”کیا ہو گیا تم لوگوں کو ... بے وقوفو۔“ پروفیسر آشام نے جج

کر کہا۔

”آف ... ہماری آنکھیں ... ان میں بجلی سے کوندی ہے ...  
پہلے ایک دھماکا ہوا اور پھر بجلی سی چمکی ... بس ہماری آنکھوں میں آگ  
ی لگ گئی۔“

”چلو بہادرو ... زبردست موقع ملا ہے ... ان کے سامنے پہنچ  
کر ان پر فائرنگ شروع کر دو ... یہ تو اپنی آنکھوں کو رو رہے ہیں۔“  
خان رحمان کی آواز سنتے ہی وہ گویا ہوش میں آگئے ... فوراً  
مردموں سے باہر نکل کر دشمن کی طرف دوڑ پڑے اور جونہی وہ نظر آئے  
انہوں نے ہر طرف انہی کی رائفٹوں سے فائرنگ شروع کر دی ... ان  
سے نشانہ لینے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی ...

انہوں نے کچھ اس طرح فائرنگ کی کہ دشمن تڑا تڑا کرتے چلے گئے

فوجیوں کے سروں پر بجلی سی چمکی ... پھر ان کی جینیں سٹائی دیں ...  
جج رہے تھے ...

”ہائے ... ہماری آنکھیں ... ہائے ہماری آنکھیں۔“  
ایسے میں پروفیسر داؤد زور سے چوٹے ... انہوں نے حیران ہو کر اپنے  
پاس کھڑی فرزانہ کو دیکھا۔  
اور پھر فرزانہ نے ایک عجیب حرکت کی۔

☆☆☆☆☆



... بدحواسی نے انہیں اس طرح اپنے قابو میں کر لیا تھا کہ انہیں کچھ بھی نہ بھائی نہیں دے رہا تھا... بس چیخ و پکار کا ایک بازار جو پوری طرح گرم ہو گیا تھا... دوسری طرف خان رحمان کی فوج اب سب سے خطرناک اور گولیاں پھر کر گولیاں برسا رہی تھی... آخر پندرہ منٹ کی بھاگ دوڑ اور گولیاں کی بارش کے بعد پروفیسر آشام کا کوئی فوجی دور دور تک بھی نظر نہیں آیا تھا... وہ سب کے سب کھیت رہے تھے... ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں... اور اپنے کمرے میں بیٹھا پروفیسر آشام پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا... آخر اس نے ان لوگوں سے کہا۔

”تم لوگ بے وقوف ہو... بالکل بے وقوف... تم نے بلاوجہ میرے اتنے آدمی ہلاک کر دیے... لیکن ہاتھ تمہارے کچھ بھی نہیں آئے گا... تم ان ساری عمارات کو تباہ کر دو... تم مجھے بھی مارو... شنگ کو بھی ہلاک کر دو... میرے ماہرین کو بھی مارو... وہ تو دیے بھی لڑائی بھڑائی کے ماہر نہیں ہیں... وہ تو اپنے کاموں کے ماہر ہیں... یعنی ڈاکٹر ہیں... انجینئر ہیں... ان سب کو بھی ہلاک کر دو... لیکن یہ سب کر کے بھی تم ناکام ہو جاؤ گے... یہ بات تو تم نے سوچ لی نہیں۔“

”تم... کیا کہنا چاہتے ہو پروفیسر آشام۔“  
”یہ کہ جب تک سونے کے پہاڑ یہاں ہیں... تم لوگ کچھ نہیں کر سکتے... ایکورم سے اور فوج آ جائے گی... تمہاری کوئی پیش نہیں ہائے گی... اور آخر تم مارے جاؤ گے۔“  
”پاگل ہم نہیں پروفیسر تم ہو... آخر تمہیں کیا ملے گا... مسلمان ملکوں کو تباہ و برباد کر کے۔“

”ہاں! یہ تم نے کام کی بات پوچھی... سنو... مسلمانوں سے ہماری دشمنی آج سے نہیں پندرہ سو سال سے چلی آرہی ہے... ہم نے مسلمانوں کا کیا بگاڑا تھا... ہمیں کیوں تباہ کیا گیا... ہمارے ملک کیوں چھینے گئے... اور ایرانیوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا... تم نے انہیں کیوں شکست پر شکست دی... عیسائیوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا... کیوں تمہارے نبی نے ہم سب کے خلاف جہاد کا حکم دیا... کیوں ہمیں قتل کیا گیا... کیوں ہمارے ملکوں پر قبضہ کیا گیا۔“

”اب تم نے درست سوال پوچھا ہے... اور میں تمہیں اس سوال کا جواب دوں گا... یہ اللہ کا حکم تھا کہ اللہ کا پیغام تم تک پہنچایا جائے... جو مان لے... اسے کچھ نہ کہو... وہ تمہارے بھائی ہیں... ہمارے حقوق ہیں ان کے... جو نہ مانیں... ان سے جزیہ لو... انہیں

اور ان کے ملکوں کو کچھ نہ کہو... اور جو یہ دونوں باتیں نہ ماننے مان کے خلاف جہاد کرو... اصل مجرم تم ہو... تم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں مانا... لہذا تمہارے خلاف تلوار اٹھائی گئی... اور پھر تمہارے ساتھ وہ ہوا جس کا تم ذکر کر رہے ہو... لیکن اگر تم اللہ کا حکم مان لیتے تو ایسا نہ ہوتا... غلطی تمہاری ہے... اور الزام تم ہمیں دیتے ہو... اب اگر تم اس بنیاد پر پوری اسلامی دنیا کو ختم کر دینا چاہتے ہو... تو یہ بھی سن لو... اللہ کا حکم پورا ہو کر رہے گا... پوری دنیا میں صرف اور صرف اسلام کا بول بالا ہو کر رہے گا... اور وہ وقت دور نہیں... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل ہونا ہے، ان سے چند سال پہلے حضرت امام مہدی کا ظہور ہونا ہے... اس وقت یہود و نصاریٰ اور ہنود یا ایسی تمام قوموں کے خلاف جہاد ہوگا... جو اللہ پر یقین نہیں رکھتے... اس وقت تم اور تمہارے یہ سونے کے پہاڑ کیا کر لیں گے اور پیش گوئیوں کی رو سے اب وہ وقت دور نہیں... بہت جلد آنے والا ہے... تم کہو گے... ہم ان باتوں کو نہیں مانتے... تو ان تمام پیش گوئیوں کو پڑھ لو... جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما گئے ہیں، جو ہماری کتب میں موجود ہیں اور جن میں سے اکثر پوری ہو چکی ہیں... چودہ سو سال پہلے جن کا بیان کرنا صرف انسانی علم کے ذریعے ممکن ہی نہیں تھا... =

اطلاعات تو خالص اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں... جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کی گئیں اور آپ نے اپنی امت کو بتائیں... وہ تمام پیش گوئیاں لکھ لی گئی تھیں... تم ان کا مطالعہ کر لو... تم جان لو گے... یہ سونے کے پہاڑ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے... تم ناکام ہو جاؤ گے۔“  
”تم نے ٹھیک ہی کہہ دیا... ہم ان باتوں کو نہیں مانتے۔“  
”وہ تمہاری مرضی ہے... ہم بھی کچی گولیاں نہیں کھیلے... تمہارا یہ تھیل خراب کر کے ہی رہیں گے ہم... اس وقت بھی دیکھ لو... وقت کسے ہو رہی ہے... کیا تم سوچ سکتے تھے کہ ہم وادی سہران میں آجائیں گے... لیکن اللہ کی مہربانی سے ہم آگئے ہیں... کیا تم سوچ سکتے تھے کہ ہم یہاں تک پہنچ جائیں گے... جہاں آنے والی ہر چیز اچھل کر واپس جا گرتی ہے... ہم یہاں بھی آگئے... کیا تم سوچ سکتے تھے کہ جیرال تم سے کٹ کر ہم سے آٹے گا... اللہ کی مہربانی سے ایسا بھی ہو گیا، کیا تم سوچ سکتے تھے کہ جیرال اور شنک کا مقابلہ ہوگا... بلکہ اس سے بھی پہلے میرا اور شنک کا مقابلہ ہوگا... لیکن مقابلہ بھی ہوا... اور کیا تم سوچ سکتے تھے کہ تمہارے اتنے فوجی ہمارے ہاتھوں مارے جائیں گے اور اب اس وادی سہران میں لے دے کے... صرف ماہرین رو گئے ہیں یا تم... سوا ب تمہاری باری۔“



”جب تک ہم ان کمروں میں ہیں ... ہم محفوظ ہیں ... کیونکہ ان راکٹوں کی گولیاں ان عمارات کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے ... اور میں حالات دیکھ کر ایکورم فون کر دوں گا ... وہاں سے اتنی فوج آئے گی کہ تمہاری سٹی گم ہو جائے گی۔“

”تم وہ فوج بھی بلا لو ... ہم اس سے بھی ٹکرا جائیں گے ... فی الحال تو تم اپنی خیر سناؤ ... کہاں گیا ... وہ تمہارا شنگ ... وہ تو ابھی تمہارے پاس ہے۔“

عین اس لمحے انہوں نے راکٹوم کی آواز سنی ... انہوں نے حیران ہو کر اوپر کی طرف دیکھا ... وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں فرزانہ اور پروفیسر داؤد بیٹھے تھے ... فرزانہ ان کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا رہی تھی ... اور راکٹوم لمحہ بہ لمحہ نیچے آرہا تھا ...

”یہ ... یہ کیسے ہو گیا۔“ مارے حیرت کے پروفیسر آشام کے منہ سے نکلا۔

”میں نے کہا تھا نا ... ان لوگوں کو اس وادی میں ہرگز نہ آنے دیا جائے اور جب یہ آگئے تو میں نے کہا تھا ... انہیں فوراً ختم کر دیا جائے ... لیکن جیرال نے ایسا نہ کرنے دیا ... یہ سارا کیا دھرا جیرال کا ہے۔“ انہوں نے شنگ کی آواز سنی۔

”تو پھر جاؤ ... جیرال کو ختم کر دو۔“

”ہاں! میں ایسا کروں گا ... میں یہ کام کر کے رہوں گا۔“  
ایسے میں راکٹوم اور نیچے آ گیا ... اس کا رخ سفید عمارت کی طرف تھا ... گویا وہ ان کی سیدھ میں نیچے آرہا تھا ... اور پھر انہوں نے راکٹوم کو ایک کمرے کی چھت سے ٹکراتے دیکھا ... انہوں نے فوراً ہی اس کمرے کی چھت کو آواز کے ساتھ گرتے سنا ...  
اب راکٹوم اوپر اٹھ رہا تھا ... اوپر اٹھ کر وہ پھر نیچے آتا نظر آیا ... یہ دیکھ کر پروفیسر آشام چلایا۔

”سب لوگ ان کمروں سے نکل آؤ ... ورنہ یہ راکٹوم کے ذریعے تمام کمروں کو گرا دیں گے ... اور تم لوگ ان کے نیچے دب جاؤ گے۔“

اس آواز پر کمروں کے دروازے کھلتے چلے گئے اور ان میں سے بہران کے ماہرین نکلتے چلے گئے ... اب بہران میں ایک بار پھر بے تماشہ لوگ نظر آرہے تھے، لیکن وہ سب کے سب بری طرح بے چین تھے ... ایک شنگ تھا ... جو کسی تناور درخت کی طرح تنا کھڑا تھا ... وہ یہ نہ جان سکے کہ ان میں پروفیسر آشام کون سا تھا ...  
”پروفیسر آشام ... ان میں تم کون سے ہو۔“

پروفیسر آشام کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔  
 ”تم مجھ سے بات کرو... پروفیسر آشام کی بات چھوڑو... انہوں نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا... جو عام لوگ تھے... میدان کے اس طرف کھڑے تھے۔  
 ”یہ لوگ ہمارے ساتھ جائیں گے... اور جو ماہرین تھے... ان کا انجام وہی ہوگا جو پروفیسر آشام کا ہوگا... جو مسٹر شک کا ہوگا۔“  
 ”نہیں... نہیں... ہم نے کچھ نہیں کیا... جو کیا ہے... پروفیسر آشام نے کیا ہے... یہ سارا منصوبہ پروفیسر آشام کا بھی نہیں... بیگال کا ہے... بیگال کے ایک شخص نے یہ علاقہ دریافت کر لیا تھا... اس نے اس پر ایک کتاب لکھ ماری... اس وقت تو ان لوگوں کو اس منصوبے کا خیال ہی نہیں آیا تھا... بس وہ کتاب چھپ گئی... اس کی کچھ جلدیں تم لوگوں کے ملک میں بھی گئیں... اس کے کافی مدت بعد سونے کے پہاڑوں کا عجیب و غریب استعمال بیگال کے پروفیسر آشام کے ذہن میں آیا اور اس نے اپنی حکومت کے کچھ ذمے دار لوگوں سے بات کی... انہوں نے اس پر غور شروع کیا... وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور پھر یہ شیطانی منصوبہ شروع ہوا... اس پر کام شروع کیا گیا... یہ پندرہ سال پہلے کی بات ہے... جب کام مکمل ہو گیا اور منصوبے پر عمل کا وقت آ گیا تو ان لوگوں کو فکر ہوئی کہ اس کتاب کی جلدیں اسلامی ملکوں

”اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں... میں اسے دیکھ لوں گا... تم اپنا کام کرو۔“

”اپنا کام۔“ ان کے منہ سے سوالیہ انداز میں نکلا۔  
 ”ہاں اپنا کام... جو تمہیں اس وادی میں کرنا ہے۔“  
 ”نہیں جیرال... پہلے شک کا کانٹا نکالا جائے گا... پھر ہم اپنا کام کریں گے۔“

”اور ان لوگوں کا کیا کیا جائے۔“ جیرال نے ماہرین کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ لوگ بھی برابر کے مجرم ہیں... اس منصوبے کے معاون ہیں... یہ یہاں قیدیوں کی زندگی نہیں گزار رہے تھے... یہ تو جب جی چاہتا تھا... ایکورم چلے جاتے تھے... جب چاہتے تھے... یہاں آجاتے

تھے... مظلوم لوگ تو یہ ہیں۔“  
 انہوں نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا... جو عام لوگ تھے... میدان کے اس طرف کھڑے تھے۔  
 ”یہ لوگ ہمارے ساتھ جائیں گے... اور جو ماہرین تھے... ان کا انجام وہی ہوگا جو پروفیسر آشام کا ہوگا... جو مسٹر شک کا ہوگا۔“  
 ”نہیں... نہیں... ہم نے کچھ نہیں کیا... جو کیا ہے... پروفیسر آشام نے کیا ہے... یہ سارا منصوبہ پروفیسر آشام کا بھی نہیں... بیگال کا ہے... بیگال کے ایک شخص نے یہ علاقہ دریافت کر لیا تھا... اس نے اس پر ایک کتاب لکھ ماری... اس وقت تو ان لوگوں کو اس منصوبے کا خیال ہی نہیں آیا تھا... بس وہ کتاب چھپ گئی... اس کی کچھ جلدیں تم لوگوں کے ملک میں بھی گئیں... اس کے کافی مدت بعد سونے کے پہاڑوں کا عجیب و غریب استعمال بیگال کے پروفیسر آشام کے ذہن میں آیا اور اس نے اپنی حکومت کے کچھ ذمے دار لوگوں سے بات کی... انہوں نے اس پر غور شروع کیا... وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور پھر یہ شیطانی منصوبہ شروع ہوا... اس پر کام شروع کیا گیا... یہ پندرہ سال پہلے کی بات ہے... جب کام مکمل ہو گیا اور منصوبے پر عمل کا وقت آ گیا تو ان لوگوں کو فکر ہوئی کہ اس کتاب کی جلدیں اسلامی ملکوں



میں موجود ہیں ... اس میں اس وادی تک پہنچنے کی پوری تہیہات موجود تھیں ... اور اسے پڑھ کر کوئی پارٹی سہراں تک جاسکتی تھی ... اس لیے پہلے یہ پروگرام طے کیا گیا کہ اس کتاب کو دنیا سے غائب کر دیا جائے ... اس کے لیے کارندے چھوڑے گئے ... کتاب کی فروخت کا ریکارڈ رکھا گیا تھا ... وہ ریکارڈ ان کے کام آیا اور کتاب جن جن کر تلاش کی گئی ... جب انہوں نے جان لیا کہ ایک بھی کتاب کہیں نہیں رہ گئی ... تب سونے کے سٹوں کی بارش شروع ہوئی ... یہ ہے کہانی ... اب تم سوچو ... اس میں ہمارا کیا قصور ہے ... ان میں سے ایک ادیب آدھی کہتا چلا گیا۔“

”اس حد تک ہم پہلے ہی جان چکے ہیں مسٹر ... کیا نام ہے تمہارا؟“

”میرا نام طولان باریسی ہے۔“ اس نے کہا۔

”تو مسٹر طولان باریسی ... ہم تم لوگوں کے ساتھ نرمی کر سکتے ہیں ... اگر تم ہماری معلومات میں اضافہ کر سکو۔“

”جو کچھ ہمیں معلوم ہے ... بتا دیتے ہیں۔“

”بس تو پھر تم یہ بتا دو ... کہ ہم سونے کے پہاڑوں کا کیا کریں کہ بیگال کے لوگ پھر سے یہ منصوبہ شروع نہ کریں ... کیونکہ ہم

نام زندگی تو یہاں رہ نہیں سکتے ... بلکہ ہماری یہاں موجودگی میں ہی بچاں جلد کرے گا۔“

”ہاں! یہی مسئلہ ہے ... لیکن فی الحال اس بات کا کوئی خطرہ نہیں۔“ طولان نے کہا۔

”وہ کیسے؟“

”جہاں تک مجھے معلوم ہے ... ابھی پروفیسر آشام نے ایکورم کو یہاں کے حالات کی خبر نہیں کی۔“

”حیرت ہے ... اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔“ محمود نے کہا۔

”پروفیسر آشام کی شروع سے یہ پالیسی رہی ہے کہ سہراں کا سربراہ مستقل طور پر وہی رہے ... محنت بھی ظاہر ہے، اسی کی ہے۔“

”اوہ ... یعنی اس کی ہر ممکن کوشش یہ ہے کہ یہاں کے حالات کی کسی کو خبر تک نہ ہو۔“ انسپٹر کامران مرزا چونکے۔

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”خیر ... یہ بات اچھی ہے ... اب تم یہ بتا دو ... تم میں پروفیسر آشام کون سے ہیں۔“

”افسوس! ہم نہیں جانتے ... آج تک وہ ہم سے پردے میں رہ کر بات کرتے رہے ہیں ... مطلب یہ کہ ہمارے سامنے کبھی نہیں آئے

... ہاں مسٹر شک یا مسٹر جیرال کے سامنے آئے ہوں تو معلوم نہیں۔  
 ”نہیں۔“ دونوں نے ایک ساتھ پر زور انداز میں کہا۔  
 ”کیا کہا... نہیں... تو آپ دونوں نے بھی پروفیسر آشام کو  
 نہیں دیکھا۔“  
 ”نہیں... بالکل نہیں۔“

”یہ عجیب بات ہو گئی... پروفیسر بہت چالاک ثابت ہوئے...  
 انہوں نے خود کو ان سب میں شامل کر لیا... اب ہمیں ان سب میں  
 سے انہیں تلاش کرنا ہوگا... اس سلسلے میں مسٹر جیرال ہماری مدد کریں  
 گے۔“

”کیا مطلب... میں کیسے مدد کروں گا... میں نے بھی تو انہیں  
 کبھی نہیں دیکھا۔“

”آواز تو سنتے رہے ہیں نا ان کی... جب ہم ان سب کی آواز  
 سنیں گے تو وہ پہچان لیے جائیں گے۔“

”ہو سکتا ہے... وہ آواز بدلنے کے ماہر ہوں۔“

”اس صورت میں بھی ہم انہیں پکڑ لیں گے... لیکن یہ کام ہم  
 بعد میں کر لیں گے... پہلے تو ان سب کو قیدی بنانا ہے... بہران کے  
 بازار میں رسیاں تو ہوں گی...“

”رسیاں... ہاں کیوں نہیں۔“ عام لوگوں کی طرف سے کئی

آوازیں ابھریں۔  
 ”ہں تو کچھ لوگ ایک جیپ پر جائیں... اور رسیاں لے آئیں  
 ... اب تک آپ لوگ ان کے قیدی رہے ہیں... اب یہ لوگ آپ کے  
 قیدی ہوں گے۔“ انسپکٹر جمشید نے اعلان کیا۔  
 ”بھئی واہ... مزہ آگیا... لیکن...“ ان میں سے ایک نے

پک کر کہا۔  
 ”لیکن کیا۔“

”اصل مزہ تو اس وقت آئے گا جب آپ لوگ ہمیں ہمارے  
 گمروں تک پہنچا دیں گے۔“

”فکر نہ کریں... یہاں سے کالا جنگل تک کا راستہ تو ہمیں معلوم  
 ہے... اور یہ پورا راستہ کسی ملک کی فضائی حدود میں شامل نہیں  
 ہے... وہاں سے ہم ریاست برنائی جائیں گے... لیکن پہلے رسیاں۔“  
 ”لیکن کیسے اتنا جان۔“ محمود نے حیران ہو کر کہا۔

”کیسے کیا... راکڈوموں کے ذریعے کالا جنگل جائیں گے...  
 وہاں ریاست برنائی کا جہاز منگا لیں گے... راکڈوموں کو بھی اس پر لوڈ  
 کر لیں گے... اس طرح برنائی پہنچ جائیں گے... وہاں سے اپنے ملک



بیت سے کام لے سکیں گے ... کیا ان سب کمروں کی چھتوں کو تم لوگوں نے گرا دیا ہے۔“ انہوں نے فرزانہ کی طرف دیکھا۔  
 ”ابھی تو صرف ایک عمارت کی چھت کو گرایا تھا کہ یہ سب پوکھلا کر باہر نکل آئے۔“ فرزانہ نے بتایا۔

”فرزانہ! اس میں شک نہیں کہ تمہاری ترکیب خوب رہی ... بلکہ بہت زبردست تھی ... ان لوگوں کو اس ترکیب نے فوراً ہی باہر نکال دیا ... لیکن مسٹر پروفیسر آشام چال چل گئے ... ہمیں ان کی چال ان کے منہ پر مارنی ہے ... اس کے لیے میں تمہیں فرحت کو اور شوکی کو آواز دیتا ہوں ... بلکہ تم تینوں کی عقلوں کو آواز دیتا ہوں ...“ انہوں نے کہا۔  
 ”یہ تو انکل آپ کی بہت بڑی نا انصافی ہے ...“ مکھن کی آواز ابھری۔

”ہائیں ... کیا کہا ... نا انصافی اور میری ... حالانکہ سب لوگ جانتے ہیں، میں کس قدر انصاف پسند ہوں۔“

”آپ بہت انصاف پسند ہیں ... لیکن اس وقت آپ انتہائی نا انصافی کر رہے ہیں ... بلکہ کرنے پر تل گئے ہیں۔“

”ہائیں ہائیں ... یہ کہہ کیا رہے ہو مکھن۔“ مارے حیرت کے انہوں نے کہا ... باقی سب بھی حیران تھے ... ان سب کی نظریں مکھن

پہنچ جانا بھلا کیا مشکل ہو گا۔“

”وہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ کیسے ... اسلامی ملکوں کے حالات اس وقت کیا ہیں ہمیں نہیں معلوم ... برتانی کا تختہ تو پہلے ہی اٹنے کے قریب تھا ... وہاں بھی تو کوئی بیگال یا انشارجہ کا ایجنٹ حکمران ہو چکا ہو گا ...“ محمود کہتا چلا گیا۔

”اوہ ہاں! اس بات کا امکان ہے۔“  
 ”تب پھر۔“

”بھئی کالا جنگل پہنچ کر بہت کچھ کیا جا سکے گا ... فکر نہ کرو۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے برا سامنہ بنایا۔

”اچھی بات ہے ... آپ جائیں۔“

”لیکن جائیں کیسے؟“ انہی لوگوں میں سے کسی نے پوچھا۔

”بھئی تم جیپ لے کر چلے جانا ... کیا اتنا بھی نہیں کر سکتے۔“

انسپکٹر جمشید نے جھٹکا کر کہا۔

”ابھی لیجیے ... آپ کا حکم نہیں مانیں گے تو کس کا مانیں گے

... آپ تو ہمارے نجات دہندہ ہیں۔“

انہوں نے فوراً ہی ایک جیپ کو روانہ ہوتے دیکھا ...

”میرے ذہن میں ایک بات ہے ... ہم اس بات کے ذریعے

پر جم کر رہ گئی تھیں...

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، آپ نے کہا ہے... میں فرزانہ، فرحت کو اور شوکی کو آواز دیتا ہوں... بلکہ ان کی عقلوں کو آواز دیتا ہوں کہ پروفیسر آشام کو تلاش کرنے کی کوئی ترکیب بتائیں... تو کیا یہ نا انصافی نہیں۔" مکھن نے پر زور انداز میں کہا۔

"آخر کیسے... وضاحت کرو بھی۔"

"تو سن لیں... آپ کی بات کا صاف مطلب یہ ہے کہ باقی ہم سب عقل سے پیدل ہیں۔"

"اودہ ہاں واقعی مکھن... بات تو تم نے بہت سچے کی کہی ہے۔" مطلب یہ کہ تم کہنا چاہتے ہو... میں سب کی عقلوں کو آواز دوں۔"

"جی ہاں... یہ ہوگا عین انصاف... پھر جو ترکیب بتا دے... جیت اس کی۔"

"ٹھیک ہے مکھن... سب لوگ اپنی اپنی عقلوں کو آواز دے لو... مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"اور ہمیں بھی نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو پھر شروع کرتے ہیں غور۔"

"ایک منٹ بھی... کیا ہم عقل سے پیدل ہیں...؟" پروفیسر

واؤڈ نے کہا۔ "نہیں... تو پروفیسر صاحب... ہم تو یہ بات سوچ بھی نہیں

سکتے۔"

"جب پھر ہم کیوں اپنی عقلوں کو آواز نہیں دے سکتے۔"

"بالکل ٹھیک؟ اس مسئلے پر ہم کبھی سوچیں گے۔" اب تو وہ بھی سوچ میں گم ہو گئے... تاہم اس حال میں بھی ان سب کی نظریں اپنے قیدیوں پر تھیں... اور ان کی رائیوں کے رخ ان سب کی طرف تھے... تاکہ وہ کوئی حرکت نہ کر سکیں۔

"اس سے پہلے ایک اور خیال آرہا ہے۔" شوکی نے کہا۔

"اور وہ کیا شوکی۔"

"کہیں ان عمارتوں میں کچھ لوگ چھپے نہ رہ گئے ہوں۔"

"اودہ... اودہ۔"

"اور پروفیسر آشام بھی انہی میں نہ ہو۔"

"اودہ... اودہ... یہ عین ممکن ہے... ہم نے ان عمارتوں کی تو

اندر سے تلاشی لی ہی نہیں۔"

"ان سب ماہرین کے پاس تو کسی قسم کا اسلحہ تھا نہیں... صرف



فوجیوں کے پاس تھا... لیکن ظاہر ہے پروفیسر آشام تو پوری طرح اسلحہ سے لیس ہو گا... کیا ان لوگوں میں شامل ہونے کے لیے اس نے اسلحہ بھی اندر چھوڑ دیا ہو گا۔“

یہ سوال سن کر سب خاموش رہ گئے... وہ بھی سوچ میں پڑ گئے تھے... آخر خان رحمان نے کہا۔

”ہم ان عمارتوں کی تلاشی لے لیتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے... خان رحمان... مسٹر جیرال... آپ دونوں اپنے ساتھ چند ساتھیوں کو لے لیں اور اور تلاش شروع کر دیں... اندر کوئی چھپا ہو تو اسے نکال لائیں۔“

”ایک منٹ...“ پروفیسر داؤد نے ہاتھ اٹھایا۔

”جہاں تک میرا خیال ہے... اندر اب کوئی نہیں... کیونکہ

پروفیسر آشام نے سب کو حکم دیا تھا کہ باہر نکل آؤ... میرا خیال ہے۔

اس حکم کے بعد کوئی بھی اندر نہیں رہ سکتا تھا... جب کہ راکنڈم اوپر

سے چھتیں گرا رہا تھا... اور اسی لمحے پروفیسر آشام نے یہ فیصلہ کر لیا تھا

کہ وہ بھی ان ماہرین میں شامل ہو جاتا ہے... تاکہ اپنے آپ کو

صاف بچالے۔“

”آپ کی بات میں بہت وزن ہے، لیکن چیک کر لینے میں کوئی

رج نہیں۔“  
”ٹھیک ہے... ہم چیک کرتے ہیں... آؤ خان رحمان اور

جیرال صاحب۔“  
”آپ مجھے صاحب نہ کہیں... صرف جیرال کہہ لیں۔“ جیرال

نے گہرا کر کہا۔

”اوہ اچھا۔“ پروفیسر داؤد نے جلدی سے کہا۔

پھر وہ راکفلین ہاتھوں میں لیے عمارات کی طرف چلے گئے... پروفیسر داؤد نے ایک ہاتھ میں اپنا ایک کھلوتا بھی پکڑ رکھا تھا۔

”ہاں اتم لوگوں کی عقلوں نے کوئی جواب دیا یا نہیں۔“ انسپکٹر

بشید نے انہیں ٹوکا... وہ سب سوچ میں گم تھے... انسپکٹر کامران مرزا

انسپکٹر جمشید کے ساتھ کھڑے تھے... جب کہ شنگ دوسری طرف ان

لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

”کیا سوچ رہے ہیں ابا جان... آپ فکر نہ کریں۔“

”لگتا ہے... شنگ کو کوئی چوٹ آگئی ہے... انکل جیرال کے

ہاتھ گرانے کی وجہ سے۔“

”ہاں ایسا لگتا ہے... لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ چال چلنے

کے پھر میں ہو... بہر حال ہمیں خبردار رہنا چاہیے... کسی وقت بھی

## ترکیب

”اللہ کا شکر ہے ... کسی نے کچھ تو مارا۔“ انسپٹر جمشید نے خوش

ہو کر کہا۔

”جلدی بتاؤ ... مکھن۔“ انسپٹر کامران مرزا نے کہا۔

”نہیں انکل۔“

”کیا کہا ... نہیں انکل ... یہ کیا بات ہوئی۔“ فرزانہ نے اسے

گھورا۔

”میں اپنی ترکیب سب کے سامنے نہیں بتا سکتا۔“

”اوہ ... مطلب یہ کہ تم کان میں بتاؤ گے۔“

”جی ہاں!“

”یہ تو خیر اچھی بات ہے۔“

”اوہ ارے ... یہ کیا۔“ ایسے میں فرحت نے چوک کر کہا۔

”اب تمہیں کیا ہوا۔“ فرزانہ جل گئی۔

کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”اللہ مالک ہے۔“

”پروفیسر آشام ... آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ آپ خود کو خاص

کر دیں ... اس صورت میں ہم آپ کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔  
لیکن اگر آپ نے ایسا نہ کیا اور بعد میں ہم نے اپنی ذہانت اور ترکیبوں  
سے آپ کو پہچانا تو پھر ہم سے کسی اچھے سلوک کی امید نہ رکھیے گا۔“  
اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

”خیر کوئی بات نہیں ... پہچان تو ہم آپ کو لیں گے۔“

اس نے اب بھی کچھ نہ کہا ... نہ جانے وہ کہاں تھا ... عجیب  
چال چل گیا تھا وہ ... ایسے میں مکھن بہت زور سے اچھلا ... اس نے  
چلا کر کہا۔

”وہ مارا۔“

☆☆☆☆☆



مکھن نے کہا اور ان کے نزدیک چلا آیا ... اس نے اپنی ترکیب  
انسپکٹر جمشید کے کان میں بتائی ... وہ سن کر اچھل پڑے ... ان پر خوش  
سوار ہو گیا ... اب انہوں نے وہ ترکیب کامران مرزا کو بتائی ... وہ بھی  
اچھل پڑے ...

”بہت خوب!“ ان کے منہ سے نکلا۔

”اب فرحت کی باری ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اب فرحت آگے آئی ... اس نے انسپکٹر کامران مرزا کے کان

میں اپنی ترکیب بتائی ... ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”ادھو ... کمال ہے۔“

اب فرزانہ نے بتائی، وہ پھر بولے:

”کیا بات ہے بھائی، کمال کر دیا؟“

”اس کا مطلب ہے ... ہم تینوں کی ترکیبیں خوب ہیں۔“

فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

”یہ بات نہیں۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”آپ کا مطلب ہے ... ہم تینوں میں سے کسی کی ترکیب بھی

خوب نہیں۔“

”یہ بات نہیں۔“

”بھئی ایک عدد ترکیب سوچہ گئی۔“

”حد ہو گئی ... یہ کیا ہو رہا ہے فرزانہ۔“ فاروق نے پوچھا کر کہا۔

”وہی ہو رہا ہے جو اللہ کو منظور ہے۔“ فرحت ہنسی۔

”خیر کوئی بات نہیں میں بھی اعلان کیے دیتا ہوں ... میں نے بھی  
ترکیب سوچ لی ہے۔“

”یعنی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان میں پروفیسر آشام کون ہے  
... تین ساتھیوں نے تین ترکیبیں سوچی ہیں ... کیا یہ بات عجیب  
نہیں۔“

”عجیب ہو یا غریب ... ہے دلچسپ۔“ انسپکٹر کامران مرزا  
مسکرائے۔

”تو کیا تم دونوں بھی اپنی اپنی ترکیب کان میں ہی بتاؤ گے۔“

”جی ہاں! مجبوری ہے۔“

”ٹھیک ہے ... کوئی بات نہیں ... ہم کانوں میں سن لیں گے،

پہلے کون سنائے گا۔“

”سب سے پہلے مکھن نے آواز لگائی تھی ... لہذا ترکیب بھی پہلے

مکھن ... بتائے گا۔“

”اچھی بات ہے۔“

”پہلے پروفیسر صاحب! خان رحمان اور جہاں آلیں... پھر یہ  
کام شروع کریں گے۔“  
”ٹھیک ہے۔۔۔“

”وہ لگے... انتظار کرنے... ادھر پروفیسر آشام کے ماہرین تھک  
تھک کر بیٹھے جا رہے تھے... انہوں نے کچھ نہ کہا... کیونکہ آخر تھے تو  
”بھی انسان ہی... آخر کار ان تینوں کی واپسی ہو گئی۔  
”ان کمروں میں کوئی نہیں ہے... ہم نے ایک ایک کمرے کو  
اچھی طرح دیکھ لیا۔“

”اور آلات؟“

”کمروں میں سائنسی اور دوسرے آلات بدستور لگے ہوئے  
ہیں۔“

”ہوں ٹھیک ہے... اب ان سب کو باندھا جائے گا... اگر یہ  
کام صرف ہم نے کیا تو بہت دیر لگ جائے گی... اس لیے یہ کام ہم  
عوام سے لیتے ہیں... خود ہم اس کام کی نگرانی کرتے رہیں گے۔“  
”یہ ٹھیک رہے گا۔“

”تب پھر ان لوگوں کو اندر لانا پڑے گا... وہ جن ہم انہیں دے  
دیتے ہیں... تاکہ یہ لوگ باری باری آسانی سے اس طرف آسکیں۔“

”یہ بات بھی نہیں اور وہ بات بھی نہیں... تو پھر ہے کیا۔“  
اشفاق نے حیران ہو کر کہا۔  
”بات یہ ہے کہ ان تینوں نے تین نہیں ایک ہی ترکیب بتائی  
ہے۔“

”کیا!!!“ ان کے منہ سے نکلا۔

”اور ترکیب کیسی ہے۔“

”بہت اچھی ہے... پروفیسر آشام بے نقاب ہو جائیں گے۔“  
”بہت خوب... مزہ آجائے گا پھر تو۔“ فاروق نے خوش ہو  
کر کہا۔

”یہ تو خیر ابھی نہیں کہا جا سکتا۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا  
کر کہا۔

”کیوں بھلا۔“

”یہ تو وقت بتائے گا... مزہ آتا ہے یا نہیں۔“

”خیر! اللہ مالک ہے۔“

اور پھر وہ جیپ آتی نظر آئی جو رسیاں لینے گئی تھی... آصف دڑ  
کر گیا اور ان سے رسیاں لے آیا... کیونکہ وہ تو اس طرف نہیں آئے  
تھے...



”اس کی ضرورت نہیں۔“ پروفیسر آشام کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔

انہوں نے دیکھا، وہ عجیب سے حلیے کا بہت لمبا چوڑا سا آدمی تھا اور اسے دیکھنے سے خوف آتا تھا...

”کیا چاہتے ہیں مسٹر... کون ہیں آپ؟“ انکیز جیشید نے اسے گھورا۔

”وہی... جس کی آپ کو تلاش ہے... میں جانتا ہوں... ان شریہ بچوں نے کیا ترکیب سوچی ہے... یہی ناکہ پروفیسر آشام عمارت سے باہر خالی ہاتھ تو آیا نہیں ہو گا... اپنی حفاظت کا کوئی نہ کوئی سامان ضرور ساتھ لایا ہو گا... یا پھر اس کے پاس کوئی ایسا آلہ ضرور ہو گا... جس کے ذریعے وہ ایکورم یا کسی اور خاص مقام پر موجود اپنے ساتھیوں سے رابطہ کر سکے گا اور انہیں موجودہ صورت حال بتا سکے گا... یہی سوچا ہے ناکہ لوگوں نے۔“

”تت... تو آپ ہیں پروفیسر آشام۔“

”ہاں! خود کو بندھوانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ میں تمہیں اپنی

طاقت دکھا دوں... تم کیا سمجھتے ہو... کامیاب ہو گئے... تم نے سہراں پر قبضہ کر لیا... میری برسوں کی محنت پر پانی پھیر دیا... نہیں...

ہرگز نہیں... اول تو سب سے پہلے یہ سوال ہے کہ تم یہاں کر کیا لو گے... سونے کے پہاڑ تم اٹھا کر تولے جا نہیں سکو گے... وہ ظاہر ہے ہمارے ہی کام آئیں گے... اگر ہم چاہیں... تو یہاں تو پورا انکارچہ اپنی طاقت لگا دے گا... پورا بیگل آجائے گا... پوری اسلامی دنیا کو بے کار کر دینا ان میں سے کون پسند نہیں کرے گا... لیکن میں دنیا کو بے سوچا تھا... یہ میری جگہ ہے... میں ہی اس جگہ کا مالک ہو سکتا ہوں... کوئی دوسرا کیوں... لہذا میں نے کسی کو بھی یہاں کا راستہ نہیں بتایا... اور بیگل اور انکارچہ اگرچہ میرے ساتھ ہیں... لیکن میں نے ان سے بھی یہی کہا تھا کہ یہاں قبضہ میرا ہو گا... ہاں تمہیں ہر طرح کی مدد میں پہنچاؤں گا... اپنے لیے جتنا سونا تم کہو گے، دوں گا... لیکن تم میرے کام میں ٹانگ نہ اڑاؤ... مجھ سے میری حکومت نہ چھینو... ان مسلمانوں کا ناک میں دم کرنے دو... میں ان سے اگلے پچھلے تمام بدلے چکانا چاہتا ہوں... آج سے چودہ سو سال پہلے ہمارے ساتھ ان مسلمانوں نے جو کچھ کیا تھا... اس سب کا گن گن کر بدلہ لینے دو... میں اور کچھ نہیں چاہتا... بس ان دونوں ملکوں نے میرا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا... لہذا انہوں نے آج تک میرے کام میں کوئی دخل نہیں دیا... ہاں سونا منگواتے رہتے ہیں، اس کی میرے پاس پہلے ہی کوئی کمی

ہدایتی آواز میں کہتے چلے گئے۔  
 ”یہ سب جبرال کی وجہ سے ہوا... نہ یہ غداری کرتا... نہ ایسا

ہوتا... اب اسے بھی سزا ملے گی غداری کی۔“  
 ”کوئی پروا نہیں۔“ جبرال نے کندھے اچکائے... پھر اس نے  
 انپکڑ جھید سے کہا۔  
 ”اس شخص سے میں مقابلہ کروں گا۔“

”ایک منٹ جبرال... ہمیں تیل دیکھنے دیں، تیل کی دھار  
 دیکھنے دیں... یہ صاحب چاہتے کیا ہیں... ہتھیاروں سے مقابلہ کرنا  
 چاہتے ہیں یا کسی اور حربے سے یا پھر ہاتھوں سے۔“  
 ”اب مقابلہ صرف ہاتھوں سے ہو گا... میں اور شک... صرف  
 دو آدمی تم سب کے لیے کافی ہوں گے۔“

”چلو! یہ تو طے ہوا... باقی لوگ صرف تماشا دیکھیں گے... اور  
 ہم لوگ تم دونوں سے مقابلہ کریں گے... لیکن ایک کا مقابلہ ایک سے  
 ہو گا... لہذا سب سے پہلے آپ لڑنا پسند کریں گے یا مسٹر شک۔“

”میں... پروفیسر صاحب کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں... میں  
 اکیلا تمہارے لیے کافی ہوں... اجازت ہے پروفیسر۔“ اس نے مڑ کر  
 اس کی طرف دیکھا۔“

نہیں ہے... بس وہ بہت خوش ہیں... بہت مطمئن ہیں... اس لیے  
 میں نے یہاں ہونے والی گڑبڑ کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا...  
 ورنہ یہاں فوج آنے میں اور کتنا وقت لگ جاتا... آج نہیں... توکل  
 آجاتی... پھر تم کیا کر لیتے... اب بھی جب میں دیکھوں گا کہ معاملہ  
 میرے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے... تو انہیں اطلاع دے دوں گا اور وہ  
 آجائیں گے... چند لوگ کب تک انشارجہ سے لڑیں گے... فضا سے  
 ڈیزی کسٹر بم گرائے گا... تمہیں ڈیزی کسٹر کا لفظ بھولا تو نہیں ہوگا  
 ... تمہارے کان اس لفظ سے اور اس جیسے وزنی ترین بہوں سے خوب  
 اچھی طرح آشنا ہوں گے... تمہارے مسلمان ملک پر گرائے تھے انہوں  
 نے۔“

”ہاں کیوں نہیں... بہت اچھی طرح یاد ہے... بیالیس ملکوں  
 نے مل کر ایک نہتے ملک پر، بے سرو سامان ملک پر حملہ کیا تھا... تم  
 نے ان کے پہاڑوں کو سیاہ کر دیا تھا بم گرا کر... پھر کیا ہو گیا...  
 کیا بگاڑ لیا تم نے ان سچے لوگوں کا... صرف اللہ سے ڈرنے والوں کو  
 تم کبھی شکست نہیں دے سکتے... یہ بات یاد رکھنا... تم ہمیں ہی دیکھ لو  
 ... کیا ہم یہاں نہیں آگئے... تم نے ہمارے راستے میں کتنی  
 رکاوٹیں کھڑی کیں... لیکن ہم تمہارے سامنے موجود ہیں۔“ انپکڑ جھید



”ٹھیک ہے شک۔“ انہوں نے پروفیسر آشام کی آواز سنی۔  
 ”ویسے ہمیں امید نہیں تھی...“ فرزانہ نے عجیب سے انداز میں  
 کہا۔  
 ”کیا امید نہیں تھی۔“

”یہ کہ آپ پروفیسر آشام ہوں گے اور خود کو اس طرح ظاہر کر  
 دیں گے۔“

”میں نے جان لیا تھا... جب میری تلاشی لی جائے گی اور میری  
 جیب سے خاص قسم کا ٹرانسمیٹر نکلے گا تو تم فوراً جان جاؤ گے کہ یہ ہے  
 پروفیسر آشام... لیکن اس وقت میں بندھا ہوا ہوتا... میں نے سوچا،  
 اس سے یہ بہتر ہے کہ میں پہلے ہی سامنے آ جاؤں... اب میں مقابلہ  
 کرنے کی پوزیشن میں تو ہوں۔“

”یہ آپ نے عقل مندانہ فیصلہ کیا... اس سے معلوم ہوا کہ آپ  
 ہیں بہت ذہین... خیر... اب اپنے شک کو بھیج دیں... میں ان کے  
 مقابلے پر آرہا ہوں۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”نہیں انسپکٹر جمشید... آپ پہلے ہی اس سے مقابلہ کر کے جھگے  
 ہوئے ہیں... اور مسٹر جیرال بھی... لہذا اب میں آپ دونوں کی ٹیم  
 سنوں گا... مقابلے پر میں جاؤں گا۔“ انسپکٹر کامران نے کہا۔

”تو اگلے آپ ہماری تو سن لیں۔“ شوکی نے جلدی سے کہا۔  
 ”ہاں... تم کہو... کیا کہنا چاہتے ہو۔“  
 ”یہ کہ شک کے مقابلے میں ہمیں جانے دیں... یعنی شوکی  
 براورز کو۔“

”نہیں شوکی... تم نہیں... میں اور صرف میں۔“  
 یہ کہتے ہی انسپکٹر کامران مرزا نے قدم آگے بڑھا دیے... جیرال  
 اور انسپکٹر جمشید کے ہاتھ اٹھے رہ گئے... وہ انہیں روک نہ سکے... اور  
 ان کے ہاتھ گرتے چلے گئے...  
 ادھر سے شک نے اپنے پورے جسم کو دوچار زور وار جھٹکے دیے  
 اور آگے بڑھا...

دونوں میدان کے بالکل درمیان میں آگئے... اب سب کی  
 نظریں ان پر جمی تھیں... وہ پلکیں جھپکتا بھول گئے تھے...  
 ”کیوں نہ ہم ہاتھوں میں ہاتھ دے کر زور لگائیں اور لڑائی کو  
 ختم کریں۔“ شک کی آواز ابھری، انسپکٹر کامران مرزا نے منہ سے کچھ  
 نہ کہا... اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیے... گویا انہیں اس طرح لڑنا  
 حشر تھا... انہوں نے کوئی گرم جوشی ظاہر نہ کی، نہ جوش دکھایا، نہ منہ  
 سے کوئی بات کی... بلکہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں ہاتھ آگے کر دیا...

شنگ نے ان کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسا دیں اور بولا۔  
 ”میں صرف انگلیوں کا دباؤ ڈالوں گا ... یعنی اپنی انگلیوں کی  
 طاقت صرف کروں گا ... آپ اپنی انگلیوں کی طاقت صرف کر لیں۔  
 پھر جو آپ کا جی چاہے، آپ کریں، جو میرا جی چاہے، میں کروں۔  
 ویسے لگتا ہے ... آپ تو میرے مقابلے میں ایک منٹ نہیں ٹھہر سکیں  
 گے۔“

”یہ کس بات سے اندازہ لگایا مسٹر شنگ۔“ انسپکٹر کامران مرزا  
 دھیرے سے مسکرائے۔

”آپ کے ہاتھ بالکل ڈھیلے ڈھالے ہیں ... ان میں کوئی جان  
 ہی نہیں لگتی ... آپ سے کہیں زیادہ طاقت تو انسپکٹر جمشید میں ہے ...  
 اور مسٹر جیرال کی طاقت کو تو خیر ماننا پڑتا ہے۔“

”آپ طاقت صرف کر لیں ... میری باری بعد میں آئے گی۔“

”گویا آپ پہلے ہی اپنی طاقت صرف نہیں کریں گے۔“

”جی نہیں ...“ انہوں نے سادگی سے کہا۔

شنگ نے حیران ہو کر ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

”آپ کچھ بیمار بیمار سے لگتے ہیں ... مجھے آپ پر ترس آ رہا

ہے ... آپ واپس چلے جائیں۔“

”شاید سہراں کی فضا مجھے راس نہیں آئی ... آپ دباؤ کا فرق تو

ہوتا ہے نا۔“

”ہاں ہوتا تو ہے ... ہمیں تو یہاں کی فضا بہت راس آئی ہے۔“

”ہم اپنے ملک میں ہی خوش رہتے ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا

نے کہا۔

”اب پھر شروع کریں مقابلہ؟“ شنگ اب بھی ان کی آنکھوں

میں دیکھ رہا تھا۔

”ہاں! مقابلہ تو کرنا ہو گا۔“

”میں زور لگانا شروع کر رہا ہوں اور آپ کو خبردار کیے دے رہا

ہوں۔“

”ٹھیک ہے ... مجھے خبر ہو گئی۔“

شنگ اپنی طاقت انگلیوں میں لے آیا ... اس نے انسپکٹر کامران

مرزا کی انگلیوں پر دباؤ شروع کیا ... اس کے ہاتھ بے شک لوہے کی

طرح سخت تھے ... اور اس کا دباؤ کوئی معمولی دباؤ نہیں تھا ... لیکن

انسپکٹر کامران مرزا پر سکون انداز میں کھڑے رہے ... وہ طاقت صرف

کرتا چلا گیا ... لیکن ان کے سکون میں فرق نہ آیا ... یہاں تک کہ اس

نے اپنا پورا زور لگا دیا ... اور پھر اس کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا ...



اس کے منہ سے نکلا۔

”نن ... نہیں ... نہیں۔“

”کیا نہیں نہیں۔“ آفتاب کی آواز سنائی دی۔

”یہ ... یہ ... کیسے ہو سکتا ہے؟“ خوف کے عالم میں اس نے منہ سے نکلا۔

”کیا کیسے ہو سکتا ہے۔“ فرحت نے پوچھا۔

”یہ ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔“

”کیا دیکھ رہے ہیں ... ہمیں بھی تو دکھائیں۔“ آصف نے پوچھا۔

”اب میری باری ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے اب بھی اچھے ڈھالے انداز میں کہا۔

”نن نہیں۔“ اس نے خوف کے عالم میں کہا۔

”کیا مطلب ... کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں زور صرف نہ

کروں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! میں یہی چاہتا ہوں۔“

”لیکن ابھی آپ نے کہا تھا ... جو آپ کا جی چاہے گا، آپ

کیجیے گا ... جو میرا جی چاہے گا ... میں کروں گا ... تو مجھے بھی تو کہہ

کرنے کی اجازت ہونی چاہیے ... انصاف کا تقاضا تو اسی طرح پورا ہو

گا۔“ وہ ہاں ... اچھا ٹھیک ہے ... آپ انگلیوں پر زور لگا لیں۔“

”اور اس کے بعد میں جو چاہوں گا، کر سکوں گا۔“ انسپکٹر کامران

مرزا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ اس طرح بولا جیسے خند میں ہو۔

”کیا ہوا مسٹر شک ... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ پروفیسر

آشام کی آواز گونجی۔

”میں ٹھیک ہوں پروفیسر ... ذرا انسپکٹر کامران مرزا کا دل خوش

کر رہا تھا۔“

”تو کیا تم نے ان کی انگلیوں پر پورا زور صرف نہیں کیا۔“

”نہیں ... میں تو ان سے کھیل رہا تھا۔“

”تب پھر زور صرف کر لیں ... انگلیاں تو ابھی انگلیوں میں

ہیں۔“

شک نے پھر انگلیوں پر زور لگانا شروع کیا ... یہاں تک کہ اس

نے پورا زور لگا ڈالا ... انسپکٹر کامران مرزا اس سے مس نہ ہوئے ...

اب انہوں نے زور لگایا تو شک چلا اٹھا۔

گی۔

”ارے ارے ... کیا کر رہے ہیں، میری انگلیاں لوٹ جائیں گی۔“

وہ زور لگاتے چلے گئے ... اور شنگ کی آواز میں بلند ہوتی چلی گئیں ... پروفیسر آشام کی حالت اس وقت بہت خراب تھی ... یہ تو اس کے چہرے سے صاف جھلک رہی تھی ... یہاں تک کہ تکلیف کی وجہ سے وہ دہرا ہو گیا۔ اب اس کی کمر انپکڑ کامران مرزا کے سر کے نیچے آگئی ... انہوں نے انگلیوں کو تو اسی طرح قابو میں رکھا ... ساتھ میں اپنے سر کی نکر اس کی کمر پر دے ماری ... وہ پہلے ہی انگلیوں کی تکلیف سے دہرا ہوا جا رہا تھا ... انپکڑ کامران مرزا کا سر اس کی راجہ کی ہڈی پر لگا ... اس کے منہ سے چیخ نکلی گئی ... انہوں نے اس کی انگلیاں اب بھی نہ چھوڑیں ... اور ایک نکر اور رسید کی ... وہ بری طرح بلبلایا۔

اس لڑائی پر سب سے زیادہ حیرت جیرال کو ہوئی ... کیونکہ وہ جانتا تھا ... شنگ کوئی معمولی چیز نہیں ہے ... ہزار لڑاکوں کا ایک لڑاکا ہے ... تو پھر اس وقت وہ اس قدر آسانی سے مار کیوں کھا گیا تھا ... یہ بات جیرال ہی کیا ... کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی ... کچھ ہی دیر پہلے تو سب نے شنگ کو انپکڑ جمشید اور جیرال سے لڑتے دیکھا تھا۔

اس وقت تو لگ رہا تھا ... نہ انپکڑ جمشید اسے کھٹ دے سکیں گے ... اور نہ جیرال ... لیکن اب وہی شنگ تھا اور بری طرح مار کھا رہا تھا ... ”شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں ... شنگ کیا ہو گیا تمہیں ... ہوش میں آؤ ...“ پروفیسر آشام نے چیخ کر کہا۔

شنگ کے جسم کو ایک جھٹکا لگا ... اس نے ایک زور وار جھٹکا اپنے دونوں ہاتھوں کو مارا اور انپکڑ کامران مرزا کے ہاتھوں سے اس کے دونوں ہاتھ یک دم نکل گئے ...

اس پر انپکڑ کامران مرزا دھک سے رو گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔  
”یہ کیا ہوا ... شنگ اب تم نے اپنی انگلیوں کو کیسے نکال لیا۔“  
”میں بھول گیا تھا پروفیسر۔“ شنگ مسکرایا۔  
”کیا بھول گئے تھے۔“

”یہ کہ سارے جسم میں میں انگلیوں کے اعتبار سے کمزور ہوں ... دوسری طرف انپکڑ کامران مرزا اس قدر ڈھیلے ڈھالے نظر آ رہے تھے کہ لگ رہا تھا ... یہ تو میرے ایک ہاتھ کی بھی مار نہیں ... اور یہی خوش فہمی مجھے مار گئی ہے ... لیکن آپ فکر نہ کریں ... میں نے اپنی انگلیاں آزاد کرائی ہیں ... اور اب میں انپکڑ کامران مرزا سے آزادانہ لڑوں گا۔“



”تب پھر جلدی کرو شک ... کہیں وقت ہمارے ہاتھوں سے نکل نہ جائے ... پہلے ہی ان لوگوں نے ہمیں کئی سال پیچھے ہٹا دیا ہے ... اب نئے سرے سے محنت کرنی پڑے گی۔“

”وہ تو بعد کی بات ہے پروفیسر ... پہلے ان لوگوں سے نمونہ لیں۔“ یہ کہتے ہوئے شک بری طرح اچھلا اور انسپکٹر کا مران پر آ پڑا۔ وہ پہلے ہی ہوشیار تھے ... اپنی جگہ سے سرک گئے اور گھومتے ہوئے اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر ایک زبردست جھٹکا دیا ... شک گویا ہوا میں اڑا ہوا دور جا گرا ... اب تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ...

”ایک بہترین وار تھا۔“ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

”اس میں شک نہیں جمشید۔“ پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔

ادھر انسپکٹر کا مران مرزا کی پوری توجہ شک کی طرف تھی ... انہوں نے اس کے گرنے کا انتظار نہیں کیا تھا ... اپنی جگہ رکے نہیں رہے تھے، ساتھ ہی اس کی طرف دوڑ لگا دی تھی ... ادھر وہ گرا، ادھر انہوں نے پھر اس کا ایک بازو پکڑ کر آگے کی طرف جھٹکا دیا ... اس کا دباؤ پہلے ہی آگے کی طرف تھا ... اس لیے ... کچھ اس دباؤ کی وجہ سے اور کچھ ان کی طاقت کی وجہ سے وہ پھر اچھلا اور آگے جا گرا ... انسپکٹر کا مران مرزا پہلے ہی آگے بڑھنے کے لیے تیار تھے ... انہوں نے بھی ساتھ

ہی آگے چھلانگ لگائی تھی ... انہوں نے پھر یہی گز اختیار کیا ... اس کا ایک بازو پکڑا اور آگے کی طرف جھٹکا دیا ... لیکن اس مرتبہ انہوں نے اس کا ہاتھ چھوڑا نہیں ... خود بھی اس کے ساتھ اچھلے تھے اور اس مرتبہ اس کے اوپر گرے ... ایسے میں شک کی چیخ نکل گئی ... انہوں نے اس کا سر اوپر اٹھا کر زمین پر دے چنا ... اس کے منہ سے ایک دل دور چیخ نکل گئی ... ساتھ ہی وہ اس کے اوپر کھڑے ہوئے ... اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں ... اب جو انہوں نے زور لگایا اور ٹانگوں کے ش پر اسے گھمایا تو وہ اوپر اٹھتا چلا گیا ... بس پھر کیا تھا ... وہ گئے گھومنے ... یوں لگ رہا تھا ... جیسے انسپکٹر کا مران مرزا نے کسی بچے کو ٹانگوں سے پکڑ رکھا ہو اور اسے گھمائے دے رہے ہوں ... ان سب کی آنکھوں کے سامنے شک بلا کی تیزی سے گھوم رہا تھا ... اور پھر پوری قوت صرف کرتے ہوئے انہوں نے اسے اچھال پھینکا ... شک اڑتا ہوا دور ... بہت دور ... ان لوگوں کے پاس جا گرا ... جو غمراہ کی حدود سے باہر کھڑے تھے اور جو اس وادی کے قیدی تھے اور جن کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح اس وادی سے نکل کر اپنے گھروں کو پہنچ جائیں ... شک اس بار ان کے پاس جا کر گر رہا تھا ...

”وادی کے قیدیوں! اب تمہارا قیدی تمہارے پاس آیا ہے ...“

”ماہب بھی ختم ہونے میں ہی نہیں آرہے۔“

”لیکن اب ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں... انکل نے اس کی کوئی کمزوری بھانپ لی ہے... انہوں نے ہاتھ پیر سے مارے بغیر اس کا یہ حال کیا ہے... اگر یہ بھی انکل حیرال کی طرح اس سے ٹکراتے تو ان کا انجام بھی وہی ہوتا۔“

”ہاں واقعی... انکل نے بہت ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔“

”یہ کچھ نہیں۔“ انہوں نے شک کی آواز سنی۔

”جی انکل مگ... آپ نے کس سے کہا... یہ کچھ نہیں۔“

فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

”کیا کہا... مگ۔“

”اوہ سوری شک کہنے چلی تھی... منہ سے نکل گیا مگ۔“

فرحت بولی۔

”فکر نہ کرو... اب تم سب کے مگ ہونے کی باری ہے۔“

”ہائیں... یہ دم خم... ابھی تک۔“ فرحت نے حیران ہو کر کہا۔

”اور نہیں تو کیا۔“

”اب اس سے مجھے ہی مقابلہ کرنا پڑے گا۔“ ان سب نے

اغلاق کی آواز سنی۔

اسے بتا دو... قید کیا ہوتی ہے اور قیدی کیا ہوتے ہیں۔“

سبران کے قیدی اس پر ٹوٹ پڑے... لیکن پھر چپچپ مارا کر پیچھے ہٹ گئے... جس نے بھی اسے ہاتھوں یا پیروں سے مارا... چوٹ اسی کو لگی... لہذا سب کے سب خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے... یہ دیکھ کر شک زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

”حیرت ہے... آخر انپکڑ کا مران مرزا نے اس کا مقابلہ کس طرح کیا۔“ پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

”ہاتھ کلن کو آرسی کیا۔“ انپکڑ کا مران مرزا مسکرائے۔

”کیا مطلب... انکل... آپ شک کے ساتھ جنگ کرتے کرتے محاورات پر اتر آئے۔“ فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

”لیکن انکل اس وقت اس محاورے کا موقع نہیں تھا... ہاں آپ یہ کہہ سکتے تھے ناچ نہ جانے آگن نیزھا۔“ محمود نے منہ بنایا۔

”اور مسٹر شک کے ساتھ جنگ کے لیے انکل کو محاورات کی ضرورت بھی کیا ہے... یہ تو آئیل مجھے مار والی بات ہے۔“

”یہ اور بے تکی کہی... یہاں آئیل مجھے مار والا محاورہ کہاں سے آٹکا... وہ بھی پکے ہوئے آم کی طرح۔“

”ارے باپ رے... وہ مسٹر شک اٹھ کھڑے ہوئے ہیں...“



”سٹر شنگ میں کمزوری یہ ہے کہ یہ اپنا توازن جلد کھو دیتے

ہیں... اور بس۔“

”تو اب یہ اپنی کمزوری پر کس طرح قابو پالیں گے۔“ محمود نے

جبران ہو کر کہا۔

”یہ تو اب دیکھیں گے۔“

”میں پھر کہتا ہوں... مجھے ان سے مقابلہ کرنے دیں... یہ شخص

آپ کے قابو میں نہیں آئے گا... اور میں انہیں ایک منٹ میں ڈھیر کر

دوں گا۔“ اخلاق نے ہانگ لگائی۔

انسپکٹر کامران مرزا نے اور دوسروں نے چونک کر اخلاق کی طرف

دیکھا... اس کے چہرے پر کوئی خاص بات تھی... جسے دیکھ کر وہ چونک

اٹھے تھے...

☆☆☆☆☆

سب ہنس پڑے... شنگ نے بھی اس کی طرف دیکھا اور ہنسنے لگا... ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے اسے لٹکایا۔

”آؤ... آؤ... تمہارا وقت قریب ہے۔“

”تیل دیکھو... تیل کی دھار دیکھو۔“ شنگ ہنسا۔

”لگتا ہے... آج... شنگ ہماری محاورات کے ذریعے بھی خبر لیں گے۔“

”اور نہیں تو کیا... آج ہی تمہیں معلوم ہو گا... کون کتنے پانی میں ہے۔“

”اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے سے نہیں گزرتا... خود کو ہی سب سے اونچا سمجھتا ہے... تم بھی اس خوش فہمی میں رکتے ہوئے ہو... اور یہ بھول رہے ہو کہ تھوڑی دیر پہلے تم کس طرح پٹیاں کھا رہے تھے۔“

”مجھ سے غلطی ہو گئی تھی... اور انسپکٹر کامران مرزا نے میری کمزوری بھانپ لی... لیکن اب میں اپنی کمزوری پر قابو پا چکا ہوں۔“

”اور وہ کمزوری کیا تھی۔“ فرحت نے پوچھا۔

”یہ اپنے انکل سے پوچھو... کامران مرزا تمہارے انکل ہیں

تا۔“

## عجیب بات

”انسپکٹر کامران مرزا۔“ پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔  
”جی پروفیسر صاحب۔“

”اخلاق احمد کو لڑ لینے دو۔“

”جی اچھا۔“ انہوں نے نہایت فرماں برداری سے کہا۔  
اور سب حیران رہ گئے ... شنگ ان سے بھی زیادہ حیران تھا۔  
اس کے منہ سے نکلا۔

”کیا مطلب ... یہ کیا ... تم اس چھوٹے سے ... پتلے دبلے  
سے ... شنگ منک سے ... بچے کو میرے مقابلے میں بھیج رہے ہو ...  
نہیں نہیں ... یہ میری توہین ہے۔“

”توہین ہے تو ہوتی رہے ... ہمیں تمہاری توہین کی کیا پروا ... یہ  
چھوٹا سا بچہ تم سے لڑے گا۔“

”یہ تو میری ایک چھوٹی سے انگلی کی بھی مار نہیں۔“

”تو آپ اس پر وار نہ کریں نا ... اسے وار کرنے دیں ... جب  
پہلے وار کر کے خود ہی تھک جائے گا تو تم اپنی چھوٹی انگلی کا وار کر لیتا۔“  
”لیکن مجھے مزہ نہیں آئے گا۔“

”مقابلہ مزے کا نہیں ... مقابلے کا ہے ... بس ہماری طرف  
سے یہ مقابلے کے لیے آرہا ہے۔“  
”اچھی بات ہے ... آؤ۔“ اس نے ہر اسامہ بنا کر ساتھ ہی

کہا۔

”یہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا ... مجھے بہت افسوس ہو گا۔“

”کوئی بات نہیں ... دیکھا جائے گا۔“ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اور پھر ان سب نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ اخلاق ان کے  
دربان سے نکل کر شنگ کی طرف جا رہا تھا اور انسپکٹر کامران مرزا اس  
کے پاس سے اپنے ساتھیوں کی طرف آرہے تھے ...

”تو آپ مجھ پر حملہ نہیں کریں گے۔“ اخلاق نے نزدیک پہنچ کر  
کہا۔

”کیا ضرورت ہے ... تم اس کے بغیر ہی مارے جاؤ گے۔“

”اچھی بات ہے ... میں تو آپ کی کمر پر وار کر سکتا ہوں نا۔“

”یہ اور اچھی بات ہے ... ہینک لگے نہ مھلکوی، رنگ چوکھا



آئے، مجھے تو پھر کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔“

”یہ لیں ... میں آرہا ہوں ... آپ کی کمر کی طرف وار کرنے کے لیے ... پھر نہ کہیے گا ... خبر نہیں ہوئی۔“

یہ کہتے ہوئے اخلاق پرسکون انداز میں چلتا شنگ کی طرف گیا۔ اسے کوئی خوف تو تھا نہیں کہ بچا کر آتا ... شنگ کو تو اس پر حملہ کرنا ہی نہیں تھا ... سب کی نظریں اس پر جمی تھیں اور وہ سب حیرت زدہ تھے، ویسے پہلے بھی اخلاق کئی مرتبہ بہت بڑے مجرموں کے خلاف کئی کام دکھا چکا تھا ... اس لیے بھی وہ اسے موقع دینے پر مجبور ہوئے تھے ... لیکن یہ بات شنگ کو معلوم نہیں تھی ...

بالکل کمر کی طرف آتے ہی وہ اچھلا اور دونوں ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیے ... اب وہ اس کی گردن سے جھول رہا تھا ...

”بس! یہی وہ وار تھا۔“ شنگ ہنسا۔

”اسے کہتے ہیں، ناچ نہ جانے آگن ٹیڑھا۔“ آصف نے ہنسنے لگا۔

”بلکہ میں تو اس موقع پر یوں کہوں گا ... اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سو جھی۔“ محمود نے برا سا منہ بنایا۔

”یہ بھی ٹھیک نہیں ... یہ کہنا چاہیے ... سادون کے اندھے کو ہرا

براہی سو جھتا ہے۔“

”اور میں کہتا ہوں ... اس وقت اخلاق احمد پر سو فیصد فٹ سے بات چلتی ہے ... آبل مجھے مار ... شامت کو دعوت اس نے خود دی ہے۔“ آفتاب ہنسا۔

”بھئی کیوں بے چارے کے پیچھے پڑ گئے ہو ہاتھ دھو کر ... دیکھ تو ... وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے ان سب کو ڈانٹا۔

”کب سے تو دیکھ رہے ہیں اتا جان ... بھائی صاحب جا کر بس مسٹر شنگ کی گردن سے لٹک گئے ہیں۔“

جوں جوں وقت گزر رہا تھا ... انہیں بھی واقعی الجھن ہو رہی تھی ...

اور شنگ نے کہا۔

”بھائی کب تک یونہی لٹکے رہو گے ... کچھ کر دے گے بھی یا نہیں۔“

”جی اچھا! میں ذرا سانس لے رہا تھا۔“ اخلاق نے کہا۔

”سانس لے رہا تھا ... اس سے پہلے تم نے کون سا مسٹر شنگ سے جگ کی ہے ... یا بھاگ دوڑ کی ہے کہ سانس لے رہے تھے۔“

”بس وہ ... میں ذرا ... جلد تھک جاتا ہوں ... اچھا اب سب ہار ہو جائیں۔“ اس نے کہا۔

”تیار ہو جائیں... کس کام کے لیے۔“  
 ”مسٹر شنک کو قابو میں کرنے کے لیے۔“ اخلاق نے کہا۔  
 ”کیوں یہ کہاں بھاگے جا رہے ہیں... میدان میں کھڑے ہیں۔“

”جیسے آپ لوگوں کی مرضی... میں نے خبردار کر دیا ہے... اگر آپ لوگوں نے موقع گنوا دیا تو پھر میں بھی کچھ نہیں کر سکوں گا۔“ اخلاق نے عجیب سے انداز میں کہا۔  
 ”ہم... تیار ہیں اخلاق... تم فکر نہ کرو۔“ انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

ان کی آواز نے سب کو خبردار کر دیا اور اخلاق نے نہ جانے کیا کیا... شنک بہت زور سے اچھلا اور اونڈھے انداز میں آیا... ساتھ ہی اخلاق چلایا۔

”قابو کر لیں اسے۔“

وہ سب کے سب جوش کے عالم میں شنک کی طرف دوڑ پڑے اور آن کی آن میں اسے چھاپ لیا... چھاپ لینے والوں میں جبرال بھی شامل تھا... اور اس نے شنک کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا تھا...  
 ”آپ لوگوں نے اگر اس کے بازو اور ٹانگیں نہ چھوڑیں... تو

میں اس کی گردن دہانے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور پھر ہمیں مسٹر شنک سے نجات مل جائے گی۔“  
 ”نہن... نہیں۔“ شنک مارے خوف کے چلایا۔

”اچھی بات ہے مسٹر جبرال... اس کی ایک ٹانگہ میں نے پکڑ لی ہے اور ان شاء اللہ میں اسے چھوڑوں گا نہیں... دوسری ٹانگہ پر انسپکٹر کامران مرزا کا قبضہ ہے اور ان شاء اللہ وہ بھی اسے چھوڑیں گے نہیں اور ایک بازو خان رحمان کے قابو میں ہے... اور امید ہے... وہ اسے چھوڑیں گے نہیں۔“  
 ”بالکل جمشید... فکر نہ کرو۔“

”اور دوسرا بازو منور علی خان کے قابو میں ہے... منور علی خان بھی کوئی کمزور آدمی نہیں ہیں... یہ بھی اس کا بازو چھوڑیں گے نہیں ان شاء اللہ۔“

”بالکل ٹھیک۔“ منور علی خان۔

”اور باقی رہ گئے ہم... ہم ٹانگوں اور بازوؤں کے باقی حصے بچنے ہوئے ہیں اور کمر کے باقی حصے سے چپے ہوئے ہیں... ہم بھی اسے چھوڑیں گے نہیں۔“

”لیکن! اخلاق نے بلند آواز میں کہا۔



”لیکن کیا!“ سب نے ایک ساتھ کہا۔

”لیکن یہ ابھی جھرجھری لے گا... اصل طاقت کی ضرورت تو اس وقت پیش آئے گی... اٹکل جیرال... آپ پوری طاقت صرف کر دیکھا... جھرجھری کا موقع ہی نہ ملے اسے۔“

”بالکل ٹھیک۔“ جیرال نے کہا اور پوری قوت صرف کرنے لگا۔ باقی سب نے بھی پوری قوت صرف کر دی... ایک بار پھر شک کے مارے خوف کے نکلا:

”نن... نہیں... نہیں۔“

اور پھر انہوں نے محسوس کیا... شک کا جسم ڈھیلا پڑ رہا ہے۔ یہ بات محسوس کر کے فاروق چلا اٹھا۔

”وہ مارا۔ یہ جا رہا ہے۔“

”ہو سکتا ہے... یہ مکر کر رہا ہو۔“ آصف چلا یا۔

”اوہ۔“

ادھر شک نے جھرجھری لی... اس کا پورا جسم زور سے ہلا۔ انہیں یوں لگا جیسے ان کی گرفت کمزور پڑ رہی ہے... انہوں نے بھی اپنے جسموں کا پورا زور لگا دیا... اور اس وقت جب سب کی توجہ اس پر تھی... کسی بھی سمت کا دھیان نہیں رہ گیا تھا... ایک چیز آکر...

جیرال کے سر پر مری... اور ہولناک دھماکا ہوا... یوں لگا جیسے کوئی بم پھٹا ہو... جیرال اچھل کر دور جا کر گرا... اس کے ساتھ ہی باقی سب بھی الٹ الٹ کر گرے... سب کے سب شک کے جسم سے الگ ہو گئے۔

انہوں نے دیکھا... شک اٹھ کر کھڑا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر ایک دھیانہ مسکراہٹ پھیل چکی تھی اور اس لمحے وہ حد درجے بھیانک لگ رہا تھا... ایسے عالم میں اس نے خوفناک ترین آواز میں کہا۔

”نہیں چھوڑوں گا... اسے نہیں چھوڑوں گا۔“

اس کا رخ اخلاق کی طرف تھا... سب لوگ ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے... جیرال تو بالکل ساکت تھا... اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا... باقی سب کسی نہ کسی حد تک اور کہیں نہ کہیں سے زخمی ضرور تھے... اخلاق کی ناک سے خون بہہ رہا تھا اور اس وقت شک کا دلاب صرف اور صرف وہ تھا... گویا شک اس سے انتقام لینا چاہتا تھا

دھیانہ انداز میں وہ جھوٹا جھالتا اس کی طرف بڑھا... ساتھ ہی اس نے کہا۔

”آؤ... اب لگ کر دکھاؤ... میری کمر سے اور دبا کر دکھاؤ...“

میری کمر کے اس حصے کو ... جو میری کمزوری ہے ... ہاں یہ بات ضرور  
تعریف کے قابل ہے کہ تم نے اس جگہ کے بارے میں کیسے جان لیا۔  
یہ کہتے ہوئے وہ لمحہ بہ لمحہ اخلاق کے قریب ہو رہا تھا ... ایسے  
میں اچانک اخلاق نے دوڑ لگا دی ... یہ دیکھ کر شک خوفناک انداز میں  
ہنسا ... اور اس کے پیچھے دوڑ پڑا ... اخلاق نے رفتار اور بدھا دی ...  
شک بھی اور تیز دوڑنے لگا ... اخلاق دائرے میں دوڑ رہا تھا ...  
وہیں وہ سب بکھرے پڑے تھے ... شک اندھا دھند دوڑ رہا تھا کہ  
اچانک اس کی ٹانگوں میں انسپکٹر کامران مرزا نے اپنی ٹانگیں دے ماریں  
... وہ ان کی طرف سے پوری طرح بے خبر ہو چکا تھا اور صرف اخلاق  
کو دیکھ رہا تھا ... بس وہ دھڑام سے سر کے بل گرا ... اس کا سر پوری  
قوت سے زمین سے ٹکرایا تھا ... اور انہوں نے اس کے سر سے خون  
اچلتے دیکھا ...

”وہ مارا ... یہ پہلی شان دار چوٹ آئی ہے۔“ یہ کہتے ہی انسپکٹر  
جمشید نے اس کے سر پر اپنے جوتے کی نوک دے ماری اور عین اس  
کے زخم پر دے ماری۔  
وہ کسی بھینسے کی طرح ڈکرایا ... ادھر انسپکٹر جمشید اپنا وار آزماتے  
ہی چلے گئے ... یہاں تک کہ اس کی آواز ست ہوتی چلی گئی ... اور

آواز صرف ساں ساں کی آواز باقی رہ گئی ...  
”م ... مجھے ... اب تک یقین نہیں کہ شک مارا جا چکا ہے  
موجودہ چاقو کہاں ہے۔“

”یہ لیں ... اسے تو ہم سب بھول ہی گئے۔“  
”واقعی پہلے چاقو کا خیال کیوں نہ آیا ... اس سے تو اس کے جسم  
پر آسانی سے زخم لگائے جاسکتے تھے۔“

یہ کہتے ہوئے انہوں نے چاقو اس سے لے لیا اور شک کی شہ  
رگ پر چلا دیا ... اب اسے کوئی موقع دینا خود کو خطرے میں ڈالنا تھا  
... کم از کم اس دشمن سے تو وہ مکمل طور پر فارغ ہو چکے تھے ...

انہوں نے شک کی گردن سے بے تحاشہ خون اہل کر سامنے  
کرتے دیکھا ... وہ اچھل کر ادھر ادھر ہو گئے ... پروفیسر آشام اور باقی  
سب ماہرین سکتے کے عالم میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہے  
تھے۔ اچانک فرزانہ ہوش میں آئی ... اس نے چونک کر کہا۔

”وہ کیا چیز تھی ... جو اکل جیرال کے سر سے ٹکرائی تھی ... اور  
جس نے پوری جگہ کا نقشہ پلٹ دیا تھا۔“

”وہ لگے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے ... کیونکہ وہ سب تو اس  
دشمن کی طرف متوجہ تھے ... ایسے میں ان کی طرف کے تماشاخیوں



میں سے ایک نے کہا۔

”اس شخص نے جیب میں سے کوئی گول چیز نکال کر غیر محسوس طور پر آپ لوگوں کی طرف اونچی اچھالی تھی۔“

”اوہ!“ ان سب کے منہ سے نکلا۔

پھر انسپکٹر جمشید نے آندھی اور طوفان کی طرح اس طرف دوڑ دی ... اور آن کی آن میں اس تک پہنچ گئے ... انہوں نے جلدی جلدی اس کی تلاشی لے ڈالی ... لیکن اس کے پاس سے کچھ بھی نہ نکلا۔

”مسٹر طولان! وہ کیا تھا۔“

”ایک ننھا سا بم۔“ وہ ہنسا۔

”بس ایک ہی تھا۔“

”ہاں! میں نے اپنے ساتھی کو بچانے کی ایک آخری کوشش کر ڈالی۔“ اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

”اب انہوں نے پروفیسر آشام کی بھی تلاشی لی ... ان کے بائیں ہاتھ میں چاقو تھا اور دائیں سے وہ تلاشی لے رہے تھے۔“

”میرا خیال ہے ... ان سبھی کی تلاشی لینی چاہیے۔“

”ہاں! یہ ٹھیک رہے گا ... لیکن صرف آپ آگے جائیں ... باقی

سب اپنی اپنی جگہ پر رہیں۔“

انہوں نے سر ہلا دیے ... ان دونوں نے سب کی تلاشی کی ... کسی کی جیب سے کوئی خطرناک چیز نہ نکلی۔

”ان سب کو اب باندھ لیا جائے ... اور پروفیسر صاحب آپ

جہاں کے سر پر پٹی کر دیں۔“

”ٹھیک ہے۔“

”بلکہ ہم سبھی کسی نہ کسی حد تک زخمی ہیں۔“

”ہاں! سبھی کی مرہم پٹی ہوگی۔“

ان سب کو باندھ لیا گیا ... پھر سب کی مرہم پٹی کی گئی ... اس

کام سے فارغ ہو کر انسپکٹر جمشید اخلاق کی طرف مڑے۔

”ہاں اخلاق! اب بتاؤ ... تم نے کیا کیا تھا۔“

”جب انکل کامران مرزا نے پہلی بار شنگ کو آگے کی طرف

اچھال پھینکا تھا ... اور شنگ دور جاگرا تھا ... تو اس کے ساتھ ہی

انکل بھی آگے چلے گئے تھے اور اس کے سر پر پہنچ گئے تھے ... جب

شنگ نے دیکھا کہ انکل عین اس کے اوپر آ کر گرنے لگے ہیں تو اس

نے بے ساختہ انداز میں اپنے دائیں کان پر ہاتھ رکھ لیا تھا ... بالکل

اس طرح جیسے وہ اپنے دائیں کان کو چوٹ سے بچانا چاہتا ہو ... بعد

میں بھی میں نے یہ بات کئی بار محسوس کی کہ وہ اپنے دائیں کان کی

طرف سے فکر مند ہے ... بس میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کے کان پر چوٹ مار کر تجربہ ضرور کروں گا ... اور یہی میں نے کیا۔“

”اخلاق! اس میں شک نہیں کہ تمہارا مشاہدہ بہت خوب تھا ... شک کی شکست کا ذریعہ یہی مشاہدہ بن گیا ... یعنی تم بہت خوب رہے۔“

”شش ... شکریہ اٹکل۔“

”ہے کوئی تک ... بے چارے شکریے کے دو ٹکڑے کر دیے۔“ آصف نے برا سا منہ بنایا۔

”ایسا کوئی میں نے ہی نہیں کیا ہے ... آپ لوگ اکثر کرتے رہتے ہیں۔“ اخلاق برا مان گیا۔

”کیا کرتے رہتے ہیں۔“ محمود نے جھٹکا کر کہا۔

”بے چارے شکریے کے دو ٹکڑے آپ لوگ بھی کرتے رہتے ہیں۔“

”اوہ ہاں! یہ تو اخلاق نے ٹھیک کہا ہے۔“ پروفیسر داؤد نے ہنس کر کہا۔

”اور اس میں شک نہیں کہ اس بار اخلاق کا مشاہدہ تیز رہا۔“

”چلیے مان لیتے ہیں ... یہ بھی آخر ہمارا ہی ساتھی ہے ... اور

آپ کو پتا ہی ہے۔“ فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

”کیا پتا ہے۔“ خان رحمان نے فوراً کہا۔

”یہ کہ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔“ فاروق مسکرایا۔

”آپ نے دیکھا اٹکل ... اب یہ مجھے خربوزہ کہہ رہے ہیں۔“

”نہیں اخلاق۔“ پروفیسر داؤد ہنسے۔

”جی کیا فرمایا ... نہیں اخلاق۔“

”ہاں! تمہاری یہ شکایت بجا نہیں ... کیونکہ اگر اس نے تمہیں خربوزہ کہا ہے تو پہلے خود کو بھی خربوزہ کہا ہے۔“

”اوہ ہاں! یہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔“ اس نے فوراً کہا۔

”اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مہم میں اپنے دشمن پر برتری عطا کر دی ہے اور یہ سب ہمارے قابو میں ہیں ... تو کیوں نہ ہم

یہ بات طے کر لیں کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔“

”ارے۔“ فرزانہ بہت زور سے اچھلی۔

”اب اس قدر بھی نہ اچھلو کہ سبران سے ہی باہر نکل جاؤ۔“

فرحت نے منہ بنایا۔

”اے کہتے ہیں ... مبالغہ آرائی ... یعنی حد سے باہر نکلنا۔“



فاروق نے منہ بنایا۔

”اچھا بھائی ... مان لیا ... یہ حد سے باہر نکل گئی ... تم تو حد میں رہو۔“

”یا رکھا حد حد لگا رکھی ہے تم نے۔“ خان رحمان جل گئے۔

”اب کیا کریں انکل ... کس قدر مشکل حالات میں سے نکل کر فارغ ہوئے ہیں ... کچھ دیر تو انہیں بول لینے دو۔“

”اچھا یہ بات ہے ... تو پھر خوب ہنس بول لو ... کیونکہ ابھی ہمیں یہاں بہت کام باقی ہے۔“

”ارے!“ فرزانہ نے پھر اسی قدر بلند آواز میں کہا۔

”اوہو ... آخر یہ ہو کیا گیا ہے ... سبران میں تو بچھو بھی نہیں ہیں۔“

”ایک زور دار خیال ...“ فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”تو بتا دو ... زور دار خیال کے بتانے میں کیا حرج ہے۔“

”ہاں! کیوں نہیں ... وہ ٹرانسمیٹر کہاں ہے ... جس سے پروفیسر

آشام ایکورم وغیرہ سے رابطہ رکھتے تھے۔“

”ارے!“ ان سب کے منہ سے نکلا پھر ان کی نظریں پروفیسر

آشام پر جم گئیں۔

”کیوں پروفیسر ... آشام ... ابھی تک تم کسی چکر میں ہو کیا۔“

”نہیں ... اس نے بوکھلا کر کہا۔

”جب پھر وہ ٹرانسمیٹر کہاں ہے ... اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تم

یہاں ایکورم سے رابطے میں نہ رہتے ہو۔“

”ٹرانسمیٹر میں نے آخر وقت میں شنگ کو دے دیا تھا ... تاکہ وہ

اس کی حفاظت کر سکے۔“

”اوہ ... ہاں ... ہم نے شنگ کی تلاشی تو لی ہی نہیں، خان

رحمان ... دیکھو ... اس کے کپڑوں میں ٹرانسمیٹر ہے۔“

خان رحمان نے آگے بڑھ کر شنگ کے کپڑوں کی خوب اچھی

مرح تلاشی لی ... پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”نہیں جشید ... اس کی جیبوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔“

”تب پھر پروفیسر آشام کی تلاشی لینے چاہیے ... یہ جھوٹ بول

رہے ہیں۔“

”نہیں ... میں نے جھوٹ نہیں بولا ... شنگ نے مقابلہ شروع

ہونے سے پہلے اسے کہیں چھپا دیا ہوگا۔“

”تلاشی تو آپ کی لی جائے گی۔“

"ضرور لے لیں ... لیکن ٹرانسمیٹر میرے پاس نہیں ہے ...  
شک زندہ ہوتا تو اس سے معلوم کیا جاسکتا تھا ... نہ جانے اس نے  
کہاں رکھ دیا ہوگا۔"

"خان رحمان! تم پروفیسر آشام کی بھی تلاشی لے لو۔"

"انہوں نے تلاشی لی ... لیکن ٹرانسمیٹر نہ ملا۔"

"اب فرزانہ۔" انپکٹر جمشید کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھ  
گئیں۔

"ہمیں ان کمروں میں تلاش کرنا ہوگا ... ان کمروں میں پروفیسر  
آشام کا کمرہ کون سا ہے ... شک کا کمرہ کون سا ہے۔"

"بالکل ٹھیک ... ہم کمروں کی تلاشی لیں گے ... بلکہ سب کمروں  
کی تلاشی لیں گے ... کیونکہ۔" پروفیسر داؤد کہتے کہتے رک گئے۔  
"اب آپ یہ ایک عدد کیونکہ کہاں سے لے آئے اگل۔" شوکی  
نے حیران ہو کر کہا۔

"جہاں سے تم سب لیکن وغیرہ لے آتے ہو۔" انہوں نے مزہ  
بنایا اور سب مسکرانے لگے۔

"اچھا چلیے ... لے آئے آپ وہیں سے جہاں سے ہم لے آئے  
ہیں ... کیونکہ کے بعد آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"ٹرانسمیٹر کی تلاش تو انپکٹر جمشید وغیرہ کو ہوگی ... مجھے بھی ایک  
چیز کی تلاش ہے اور اگر کہیں وہ چیز ان کمروں سے مل گئی تو مزہ آجائے  
گا۔"

"مزے کو تو خیر دیے بھی آنا چاہیے ... کیونکہ بہت دن ہو گئے  
ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کس سے ملاقات نہیں ہوئی۔" منور علی خان نے چونک کر کہا۔  
"جی ... مزے سے۔" شوکی نے فوراً کہا۔

"اوہ اچھا ... ہاں واقعی۔" وہ لگے سر ہلانے۔  
"چلیے پھر آپ وہ چیز تلاش کر لیں، ہم ٹرانسمیٹر تلاش کر لیتے  
ہیں۔"

"اور یہاں ان لوگوں کی نگرانی پر کون رہے گا۔" آصف نے  
کہا۔

"ٹرانسمیٹر کی تلاش کے لیے سب کو جانے کی ضرورت نہیں ...  
اور دوسری چیز کے لیے تو صرف جاہی پروفیسر صاحب سکتے ہیں، کیونکہ  
ہمیں نہیں معلوم ... انہیں کس چیز کی تلاش ہے۔"

"ٹھیک ہے ... میرے ساتھ آفتاب اور مکھن چلے چلیں۔"  
"شاید آپ دل بہلانا چاہتے ہیں ساتھ ساتھ ... لیکن اگل یہ



کام تو ہم بھی کر سکتے تھے۔“ آصف نے منہ ہٹایا۔  
”کون سا کام۔“

”یہی... دل بہلانے کا۔“

”اودہ اچھا... تم یہ خیال کر رہے ہو کہ میں جو ان تینوں کو ساتھ لے جا رہا ہوں تو ان کی باتیں سن کر لطف اٹھاؤں گا۔“  
”تو کیا یہ بات نہیں۔“ محمود نے فوراً کہا۔  
”بالکل نہیں... میری طرف سے آصف، محمود اور شوکی چلے چلیں۔“

”تو ہم سبھی انکل کے ساتھ کیوں نہ جائیں... صرف بڑے یہاں رہ جائیں... ان کی نگرانی کے لیے۔“ آصف نے جلدی سے کہا۔

”یہ ٹھیک رہے گا۔“ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

”اچھی بات ہے... آؤ بچو۔“

”چلیے انکل۔“

”ایک بات اور۔“ انسپکٹر کامران مرزا بول اٹھے۔

”چلیے... آپ وہ بھی بتا دیں۔“

”تمام کمروں ہمیں سے صرف ایک کمرے کی چھت گری ہے

باقی تمام کمرے تو تم دیکھ لو گے... لیکن جہاں کمرے کی چھت گری ہے... اس کمرے کی تلاش کیسے لی جائے گی... کیا خبر وہی کمرہ شک کا ہو... یا پروفیسر آشام کا۔“

”یہ بات تو خیر انکل جبرال بھی بتا دیں گے۔“

”ہاں کیوں نہیں... میں ساتھ چلتا ہوں۔“

”جبرال... تم نے اچھا نہیں کیا... اب مزید برا کرنے چلے ہو

تم ہمارے ساتھی تھے... تم نے سہراں سے دنیا جہاں کے فائدے

اٹائے... اور اب تم ان کے ساتھی بن گئے ہو۔“ پروفیسر آشام نے

کہا۔

”تو آپ بھی میری بات مان لیتے نا... میں نے بھی تو کہا تھا

ان لوگوں کو ہلاک نہ کیا جائے، سہراں سے باہر بھیج دیا جائے...

لیکن آپ نے میری یہ بات بھی نہیں مانی... میں نے بھی تو آخر سہراں

کے لیے دن رات ایک کیا تھا... آپ نے میرا اتفاق بھی نہ سمجھا...

اب مال دیکھ لیں... کس قدر بے بس کھڑے ہیں... کیا رہ گیا

آپ کے پلے... سہراں بھی ہاتھ سے گیا اور اب آپ بھی اپنی جان

سے بچیں گے۔“

”ارے نہیں۔“ پروفیسر آشام نے ہنس کر کہا۔

”کیوں نہیں بھلا۔“

”تم میرا ساتھ دینے والے بن جاؤ۔۔۔ پانزہ اب بھی پلٹ سکتے ہیں۔۔۔ سہرا ان کی باگ ڈور اب بھی ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔۔۔ ہم پھر اسی طرح عیش کریں گے۔“

”وہ کیسے پروفیسر۔“ جیرال ہنسا۔

”وہ ایسے کہ۔۔۔ تم ان سب کو ختم کر دو۔۔۔ اور بس۔“

”لیکن میں ان سب کو کیسے ختم کر دوں۔۔۔ کیا یہ اتنا ہی آسان کام ہے۔۔۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہو سکا اب تک کہ انسپکٹر جمشید کیا ہیں۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا کیا ہیں۔۔۔ یہ سچے کیا ہیں۔۔۔ ان کے ساتھی کیا ہیں۔۔۔ یہ سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔۔۔ یہاں تک کہ پروفیسر آپ نے دیکھ لیا۔۔۔ ان کے سب سے کمزور ساتھی نے شک کو کیسے نچایا۔۔۔ اور گرایا۔“

”ہاں میں نے سب دیکھا ہے۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ عجیب و غریب ہیں۔۔۔ لیکن مجھے یہ بات بھی معلوم ہے کہ تم ان سب پر بھاری ہو۔“

”یہ بات نہیں پروفیسر آشام۔۔۔ میرا جب بھی ان سے مقابلہ ہوا۔۔۔ یہ لوگ میرے مقابلے میں کبھی بھی ہلکے ثابت نہیں ہوئے۔۔۔ ان

سے میرا براہِ اند کا مقابلہ ہوا۔۔۔ اور کئی بار تو مجھے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔“

”یہ بات ہوگی۔۔۔ لیکن میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔۔۔ اگر تم ان کا ساتھ چھوڑ کر اب بھی میری طرف آ جاؤ تو یہ بازی اب بھی کہیں نہیں مٹی۔“ پروفیسر آشام نے جذباتی انداز میں کہا۔

”کیا واقعی۔“ جیرال نے عجیب سے انداز میں کہا۔

اس پر ان سب نے اس کی طرف چونک کر دیکھا۔۔۔ جیسے کہہ رہے ہوں۔

”یہ کیا کر رہے ہیں انکل۔“

”ہاں جیرال! یہ بازی اب بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے۔۔۔ تم ہر امانت دو۔۔۔ دنیا بھر کی عیش و عشرت تمہاری ہوگی۔“

”ہوں! کیا واقعی۔۔۔ اچھا ایک بات بتا دیں۔۔۔“ جیرال نے اب بھی عجیب سے انداز میں کہا۔۔۔ انہوں نے پھر چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

”انکل۔“ بچوں کے منہ سے نکلا۔

”بڑی بات ہے بچو۔“ انسپکٹر جمشید نے انہیں ڈانٹا۔

”جی کیا مطلب۔“

”انہیں بات کر لینے دو ابھی دخل نہ دو اور یہ بات یاد



رکھو... اصل مدد اللہ کی مدد ہے... جیرال کی مدد کے بغیر میں  
انشاء اللہ اس مہم کو اختتام تک پہنچائیں گے... اب اس مہم میں  
تھوڑا کام رہ گیا ہے۔“

”آپ... آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

جیرال نے ایک نظر انسپکٹر جمشید پر ڈالی... اس نے ان کی بات  
سنی تھی... پھر سب بچوں کو دیکھا... اس کے بعد پروفیسر آشام  
بولے۔

”ایک بات بتادیں پروفیسر آشام۔“

”ہاں جیرال کہو۔“

”اس کے بعد مجھے اس قدر زبردست دشمن اس پوری دنیا میں  
کہاں ملیں گے۔“

”کیا مطلب... یہ تم نے کیا سوال کیا پوچھا۔“

”کیوں پروفیسر! کیا یہ سوال نہیں ہے۔“

”مطلب یہ کہ تم ان کے دوست بھی ہو... دشمن بھی۔“

”ہاں! یہ میرے بہترین دوست ہیں اور بہترین دشمن ہیں۔“

”میں ان کا بہترین دوست ہوں... اور بہترین دشمن ہوں۔“

”جب تم ان کے ملک سے دشمنی پر کوئی منصوبہ شروع کرو گے تو

کیا یہ اس وقت بھی نہیں دوست رکھیں گے۔“

”نہیں... رکھیں گے... یہی تو اچھی بات ہے... لہذا مجھے ایسے  
دشمن پر زندگی میں کہاں ملیں گے... ان کے بغیر مرنا نہیں آئے گا...“

لہذا میں پروفیسر آشام آپ کا ساتھ چھوڑ سکتا ہوں، ان کا نہیں... میں  
وادی ہیران کی پیش چھوڑ سکتا ہوں... ان کی دوستی بھی نہیں چھوڑ سکتا  
... ان کی دشمنی بھی نہیں چھوڑ سکتا۔“

”اگلے! ان سب کے منہ سے نکلا۔“

”شکر یہ مسٹر جیرال۔“ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے ایک  
ساتھ کہا... باقی لوگوں کے منہ سے بھی با آواز بلند شکر یہ نکل گیا... اس

پھر جیرال مسکرایا... اسی وقت پروفیسر آشام نے کہا۔

”لیکن جیرال! تم بھول گئے ہو۔“

”اور میں کیا بھول گیا ہوں پروفیسر!“ جیرال مسکرایا۔

”یہ کہ میں پروفیسر آشام ہوں... آشام... پروفیسر آشام۔“

اس کا لہجہ ایسا خوفناک تھا کہ ان سب کے بدن پر کچکی طاری ہو  
گئی... انہوں نے دیکھا... پروفیسر آشام کی آنکھیں بالکل سرخ ہو گئی

تھیں... اور انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے آگ اگل رہی ہوں... وہ گھبرا  
گئے... اسی وقت پروفیسر آشام نے ایک عجیب حرکت کی...

## جھر جھری اور بگولہ

”ارے باپ رے... یہ پروفیسر آشام کو کیا ہو گیا... اگلے آپ نے پہلے بھی اسے اس روپ میں دیکھا ہے۔“ شوکی نے کانچ آواز میں کہا۔

”نہیں... یہ روپ ان کا پہلی بار دیکھ رہا ہوں... اور تم سب اور پیچھے ہٹ جاؤ... کیونکہ یہ صرف اور صرف مجھ پر حملہ کرے گا۔“ ”صرف اور صرف آپ پر کیوں... ہم پر کیوں نہیں...“ فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”پروفیسر کا سارا کھیل میں نے خراب کیا ہے... میری وجہ سے اس وقت یہ اس صورت حال سے دوچار ہے... لہذا اپنا غصہ مجھ پر اتارے گا... لہذا پیچھے ہٹ جائیں... میں اس کا مقابلہ کروں گا۔“ ”نہیں جیرال... یہ ہمارا شکار ہے... اس سے ہم خود نہیں

گے۔“

”ارے نہیں... مجھے اتنا تو دوستی کا حق مہمانے دو۔“

”دیکھ لیں اگلے۔“

”ہاں بس... دیکھ لیا... اور تم کیا کیا دکھاؤ گے۔“ جیرال نے

”ہاں بس... اور وہ مسکرا کر رہ گئے۔“

”یہ کیا پروفیسر آپ انسان ہیں یا جن... انسان تو اپنے جسم کو اس قدر نہیں پھیلا سکتے... ہاں جنات کے بارے میں سنا ہے کہ وہ اپنے جسم کو چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کر سکتے ہیں... ایک چھوٹی



ی بوتل میں سما سکتے ہیں اور پہاڑ سے بھی اونچے ہو سکتے ہیں... لیکن  
جناات تو انسانوں کو نظر ہی نہیں آتے اور پروفیسر آشام تو ہمیں نظر آ رہے  
ہیں..."

"اللہ اپنا رحم کرے... آ... آپ کیا چیز ہیں بھی؟" شوکی نے  
کا پتتی آواز میں کہا۔

"تم سب کی موت... مجھے پرگولیاں چلا لو... کوئی بم پروفیسر  
داؤد کے پاس ہو تو وہ بھی آزما لو... اور شنگ جسے تم نے مار ڈالا...  
اس جیسے تو میرے ناخنوں میں پڑے ہیں۔"

"ہیں... دکھائیے ذرا اپنے ناخن۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔  
اور انہیں اس خوفناک صورت حال میں بھی ہنسی آگئی۔

"ہائیں... تم ہنس رہے ہو...؟"  
"دراصل ہم میں بس یہی اچھی بات ہے۔"  
"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ ہم ہر حال میں ہنس لیتے ہیں... یہاں تک کہ اللہ کی  
مہربانی سے موت کے منہ میں بھی ہنس لیتے ہیں... آپ بھی تو ہمارے  
لیے اس وقت موت کا منہ بن چکے ہیں۔"

"فارنگ وغیرہ جو کرنا چاہو... کر لو... تاکہ تمہیں کوئی حسرت

نہ رہ جائے۔" اس نے خوف ناک لہجے میں کہا۔  
"آپ پہلے یہ بتائیں... بنے ہوئے کس چیز کے ہیں۔"  
"میں ہوں تو گوشت پوست کا ہی... لیکن میرا گوشت اور

پوست ذرا اور قسم کا ہے۔"  
"اور قسم کا تو شنگ کا بھی تھا۔"

"اس کا جسم... صرف سخت تھا... لوہے جیسا سخت... جب  
کہ..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"جب کہ میرا جسم ربڑ جیسا ہے... تم میری گردن پر سب مل کر  
زور لگا لینا... میں تمہیں خود اجازت دوں گا... محمود کے چاقو سے مجھے  
پرہیز کر لینا... پروفیسر داؤد کے کسی کھلونے کو بھی آزما لینا... منور علی  
خان کی رسی کو بھی آزما لینا... اگرچہ وہ نظر نہیں آرہی... اور خان رحمان  
اپنے فوجی تجربے کو بھی آزما لیں... انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا تم  
دونوں اپنی مہارت کو آواز دے لینا... بچہ پارٹی اپنی ترکیب نمبر 13 اور  
فلاں فلاں ترکیب بھی میدان میں لے آنا... رہ گیا جبرال... اس کی  
موت آج میرے ہاتھوں سے ہوگی... اسے اس کی بغاوت کا مزہ  
پکھایا جائے گا۔"

اس کے ان الفاظ نے پوری فضا کو ساکت کر دیا... ہر کوئی چہر

کا بت بن کر رہ گیا تھا ... انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ یہ بازی یہ رخ بھی اختیار کر سکتی ہے ... وہ تو اس خیال میں تھے کہ انہوں نے یہ مہم سر کر لی ہے ... ادھر لائن کے اس پار عوام پٹی پٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے ... انہیں یوں لگ رہا تھا کہ آزادی کا خواب چکنا چور ہو کر رہ جائے گا ... اور وہ پھر سے سبران کے قیدی بن جائیں گے اور پروفیسر آشام بدستور اس وادی کا حکمران ہو گا ... اور یہ سب لوگ اس کے ہاتھوں مارے جائیں گے ... ان خیالات کی بنا پر ان کی آنکھیں بے پناہ خوف سے پھیل گئی تھیں ... اور پھیلی ہوئی آنکھوں میں مایوسی کے آنسو جھللا رہے تھے ...

انپکڑ جمشید نے ان سب پر ایک نظر ڈالی ... پروفیسر آشام کو بھی دیکھا ... پھر اپنے ساتھیوں کو دیکھا ... اس کے بعد انہوں نے کہا۔  
 ”میرے ساتھیو! مایوسی گناہ ہے ... ہماری زندگی میں کیسے کیسے طاقت ور لوگ آئے ... آج وہ کہاں ہیں ... اور پروفیسر آشام جیسے لوگ بھی ہمارے مقابلے میں آچکے ہیں ... وہ بھی ہمارے آگے پانی بھر گئے ... لہذا آپ لوگ گھبرائیں نہیں ... ہمارے لیے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ... ہمارا تو چھوٹے سے چھوٹا کارکن اس دیوتاقت شخص سے مقابلہ کر سکتا ہے۔“

”ہاں۔“ پروفیسر آشام ہنسا۔  
 ”پروفیسر صاحب ... آپ کو جس چیز کی تلاش ہے ... اس کی تلاش کے لیے چلے جائیں ... ساتھ میں چھوٹی پارٹی کو لے جائیں ... اس ہڑے سے ہم بڑے مقابلہ کر لیتے ہیں۔“  
 ”نہیں جمشید۔“ پروفیسر داؤد نے انکار میں سر ہلایا۔

”کیا کہا ... نہیں جمشید ... کیا مطلب؟“  
 ”مطلب یہ کہ کام ہم بعد میں کر لیں گے ... تم لوگوں کو تنہا چھوڑ کر نہیں جائیں گے ... مقابلے کے میدان میں رہیں گے۔“  
 ”میں نے تو اس لیے کہا تھا ... اس طرح وقت بچ جائے گا۔“  
 ”کوئی پروا نہیں ... بعد میں ہمارے پاس کافی وقت ہو گا،

انشاء اللہ۔“

”اچھی بات ہے ... آپ لوگوں کی مرضی۔“  
 ”یہ تم کیا آپس میں باتیں کرنے لگے ... میں تم لوگوں کو مہلت نہیں دے سکتا ... میں تم سب پر حملہ کر رہا ہوں ... ایسی کی تہیسی میں جاؤ ... اور تم سب جاؤ بھاڑ میں۔“

”ہائیں ہائیں پروفیسر آشام! آپ تو گاڑھی اردو بول لیتے ہیں۔“



”میں بہت سی زبانیں گاڑھی بول لیتا ہوں... تم اپنا فکرو کرو۔“  
ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ کسی بگولے کی طرح گھوما... اس کے  
گھومنے کے انداز سے ہی وہ خوف زدہ ہو گئے... یوں لگا جیسے وہ کوئی  
مشین ہو اور جس کا سوئچ دبا دیا گیا ہو۔

”ارے باپ رے... بھائی تم انسان ہو یا بگولا۔“ آصف بٹا  
اٹھا۔

”انسان نما بگولا...“ فاروق بولا۔

”بب... بلکہ بگولہ نما انسان۔“ محمود کے منہ سے نکلا۔

”ارے باپ رے... یہ دونوں تو دودھ ناولوں کے نام ہو سکتے  
ہیں۔“ فاروق چلا یا۔

”توبہ ہے تم سے... یہاں جان پر بنی ہے اور انہیں ناولوں کے  
نام سوچھ رہے ہیں۔“

”سب لوگ فوراً ادھر ادھر ہو جائیں... بگولہ بلا کی رفتار سے  
آئے گا۔“ جیرال نے گویا اعلان کیا۔

”کیا مطلب انکل... آپ کو کیسے پتا۔“

”کیا کیسے پتا۔“ شوکی نے پوچھا۔

”یہ کہ بگولہ بہت تیزی سے آئے گا... کیا آپ نے اسے پہلے

ہی اس روپ میں دیکھا ہے۔“ آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔  
”اللہ اپنا رحم فرمائے... یہ تو کوئی بلا نظر آ رہا ہے۔“  
”بلکہ کوئی طغریٹ۔“

”انپکٹر جشید چلا اٹھے۔“

”وہ آ رہا ہے۔“ بگولہ اب پہلے سے کئی گناہ تیزی سے گردش  
انہوں نے دیکھا... بگولہ اب پہلے سے کئی گناہ تیزی سے گردش  
کر رہا تھا... واقعی انسان کے بجائے طوفانی بگولہ نظر آ رہا تھا۔  
”ایک بار پہلے بھی ہم ایک بگولے سے ٹکرائے تھے... جسمیں یاد  
”انپکٹر جشید گنگنائے۔“

”ہو کہ نہ یاد ہو۔“  
”آپ تو اس طرح گنگنا رہے ہیں جیسے مزہ لے رہے ہوں۔“  
”ہاں تو مزہ لینے میں کیا حرج ہے... محمود... فوراً اپنا چاقو مجھے  
دے دو۔“

”چاقو لے لیں... لیکن آپ بھول رہے ہیں... اس نے کہا تھا

... آزما لینا محمود کا چاقو بھی۔“

”مجھے یاد ہے... فکر نہ کرو... اور چاقو میری طرف اچھال  
دے۔“

”لو اور سنو... باتوں میں لگ گئے اور وہ سر پر پہنچ گیا۔“ خان

رہمان چلائے۔

انہوں نے دیکھا ... بگولہ واقعی سر پر آچکا تھا ... وہ گھبرا کر ادھر ادھر دوڑ لگا گئے ... بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جدھر جس کے سینک سائے ادھر چلا گیا ... آن کی آن میں میدان ان سے خالی تھا اور بگولہ تنہا چکر مار رہا تھا ...

”لو بچے! اب لگاتے رہو چکر۔“

”ارے مگر ... تم کہاں چھپ گئے ہو۔“ بگولے میں سے حیرت بھری آواز گونجی۔

”میں نے کہا تھا نا مسٹر بگولے ... ہم لوگ کوئی عام لوگ نہیں ہیں اور جو لوگ ہمیں عام لوگ خیال کرتے ہیں ... وہ نقصان میں رہتے ہیں ...“ جیرال کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

”حد ہو گئی ... مسٹر جیرال! تم بھی تو نظر نہیں آرہے۔“

”میں بھی ان کے رنگ میں رنگ گیا ہوں ... تلاش کر لیں پروفیسر۔“ جیرال نے ہانگ لگائی۔

اب پروفیسر آشام رک گیا ... اس کی گردش بند ہو گئی ... کیونکہ گردش کے دوران وہ انہیں تلاش نہیں کر سکتا تھا ... اب وہ میدان کے پتھروں بچ کھڑا تھا ... اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں ... میدان میں انہیں کوئی ایک بھی نظر نہ آیا ...

”بزدل تمہیں کے ... سب میرے خوف سے چھپ گئے۔“  
”خوف سے نہیں ... حکمت عملی سے۔“ اس طرف سے آواز آئی ... جس طرف پروفیسر آشام کے ماہرین کھڑے تھے۔  
”تو تم لوگ ان کی اوٹ میں ہو۔“  
”یہی سمجھ لیں۔“

”تو کیا ہوا میں پہنچ رہا ہوں۔“  
”اپنے ماہرین کا کیا کریں گے۔“

”ماہرین کو چاہیے ... ادھر ادھر ہٹ جائیں۔“  
”یہ ادھر ادھر ہٹ جائیں گے تو ہم بھی ادھر ادھر ہٹ جائیں گے۔“

”یہ کوئی بہادری نہیں ...“  
”ہم بھی یہی کہتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔  
”کیا کہتے ہیں۔“

”یہ کہ یہ کوئی بہادری نہیں ... لیکن ہم مجبور تھے ... ہمارے ایک راجہ کو کسی قدر مہلت درکار تھی۔“

”مہلت ... کیسی مہلت؟“ پروفیسر آشام چونکا۔  
”اچھی بھلی مہلت ... جو ہم نے اپنے ساتھی کو مہیا کر دی۔“



”میں سمجھا نہیں۔“

”آپ بہت جلد سمجھ جائیں گے۔“ فاروق ہنسا۔

”لگتا ہے... تم کوئی چکر چلا رہے ہو... خیر کوئی پروا نہیں میں پھر سے گھومنا شروع کرتا ہوں... جو بھی میری زد میں آگیا... کچھ لو... وہ مارا گیا... کیونکہ اس صورت میں میرا بدن تیز دھماکے کی طرح ہو جاتا ہے... تم لوگ کٹ کٹ کر گر دو گے۔“

”اللہ اپنا رحم فرمائے۔“

”تب تو ہمارے ساتھی نے اچھا کیا... ہم سے مہلت مانگ لی۔“

”مہلت مہلت لگا رکھی ہے... ہمت ہے تو مقابلے میں کیوں نہیں آتے۔“

اسی وقت فضا میں سائیں سائیں کی آوازیں شروع ہوئی اور پھر یہ لمحہ تیز ہونے لگی... اس وقت انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”یہ آتے گئے ہیں مقابلے میں ہمارے دوست۔“

”کہاں ہیں... مجھے تو کوئی نظر نہیں آ رہا۔“

”کیا آپ سائیں سائیں کی آواز نہیں سن رہے۔“

”وہ تو سن رہا ہوں... لیکن یہ آواز تو اوپر سے آرہی ہے... تو

کیا تھارے ساتھی اوپر سے آرہے ہیں... لیکن یہاں تو اس قدر گڑبگڑ ہے... آپ اپنا زور لگالیں... پھر نہ

”ہیں آنے ہی والے ہیں... آپ اپنا زور لگالیں... پھر نہ

”نہیں کہیں گا... اس لیے کہ میں پوری طرح باخبر ہوں۔“

اس وقت تک سائیں سائیں کی آواز بے تحاشہ زیادہ ہو چکی تھی اور اب اس سے کافی خوف پھیل رہا تھا... پھر اچانک ایک رسی اس

تھکے کے گرد بلا کی رفتار سے لپٹنے لگی... اور لپٹتی ہی چلی گئی... یہاں تک کہ گولہ، پھر لگاتے لگاتے اونچا اچھلا... اور پھر سب نے ایک

جیت انگیز منظر دیکھا... گولہ گویا ہوا میں اڑتا ایک ست میں جا رہا تھا اور اس قدر رفتار سے جا رہا تھا کہ جیسے کوئی راکٹ جاتا ہے... اور

پھر وہ گولہ سفید ثمارت سے پوری قوت سے ٹکرایا... ان سب نے ایک

ہبانک جی سنی... اپنی ہبانک جی انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں سنی تھی... اور یہ

”یہ انجام تھا اس کا۔“ پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔  
 ”اللہ کو یہی منظور تھا... بڑا بول بولا تھا اس نے۔“  
 ”میرا خیال ہے... اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے...  
 پروفیسر صاحب آپ کو جس چیز کی ضرورت ہے... اس کی تلاش میں  
 وقت ضائع کرنے سے یہ بہتر ہے کہ آپ ان کے ماہرین سے اس کے  
 بارے میں معلوم کر لیں۔“  
 ”کیا یہ بتادیں گے۔“ پروفیسر داؤد بولے۔  
 ”میں پہلے ان سے بات کر لوں۔“

اب وہ ان ماہرین کی طرف مڑے، پھر انہوں نے کہا۔  
 ”دیکھیے... ہمیں آپ سے کوئی دشمنی نہیں... ہم یہاں سے نکل  
 جائیں گے اور آپ کو بھی ساتھ لے جائیں گے... پھر آپ لوگوں کو  
 آپ کے ملکوں میں بھجوا دیں گے... یہ ہمارا وعدہ ہے... لیکن شرط یہ  
 ہے کہ آپ لوگ پوری طرح تعاون کریں۔“

”میرا خیال ہے... ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے... ساتھ نہ  
 جانے کی صورت میں ہم نقصان میں ہی رہیں گے... یہ ہم سب کو ختم  
 کر سکتے ہیں۔“ یہ بات طولان نے کہی تھی۔

”تمہیک ہے... ہم ان لوگوں کا ساتھ دیں گے، ان کی مدد

رسیوں کو تاک لیا تھا... وہ بہت مضبوط تھیں... وہ گیا یہ سوال کہ انہوں  
 نے یہاں آنکڑے کا بندوبست کہاں سے کیا تھا... آنکڑے کی جگہ  
 انہوں سونے کا ایک بھاری ٹکڑا باندھ لیا تھا... بالکل پتھر کی شکل کا ٹکڑا  
 ... یہ لوگ جب پہاڑ پر گئے تھے تو آتے ہوئے بہت سے چھوٹے  
 بڑے ٹکڑے ساتھ لائے تھے... اس وقت ان میں سے ایک ٹکڑا کام آیا  
 تھا اور منور علی خان نے اسے تیار کرنے کی مہلت اس وقت حاصل کی  
 تھی جب سب لوگ ماہرین کے پیچھے چھپ گئے تھے... اور سب لوگ  
 پروفیسر آشام سے باتوں میں لگے ہوئے تھے جب کہ منور علی خان اپنی  
 رسی تیار کر رہے تھے... اور پروفیسر آشام انہی کی رسی کا شکار ہو گیا  
 تھا...

وہ سب پاگلوں کی طرح اس طرف دوڑے... جہاں پروفیسر  
 آشام جا کر ٹکرایا تھا... دوڑتے دوڑتے آخر وہ اس جگہ تک پہنچ گئے  
 اور سب ایک لخت رک گئے... ان کے ساتھ وہ ماہرین بھی آئے تھے  
 ... یعنی آشام کے ساتھی...

انہوں نے دیکھا... پروفیسر آشام کا جسم بالکل بکھر گیا تھا...  
 ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا... سر پاش پاش ہو گیا تھا... اور اس کے ارد  
 گرد خون ہی خون پھیلا ہوا تھا...



کریں گے... اب رہ ہی کیا گیا ہے... تعاون نہ کر کے بھی ہم ان جانوں سے جائیں گے... ویسے یہ حضرات ہمیں ہمارے ملکوں میں بچنے کا وعدہ تو کر رہے ہیں۔" ان میں سے ایک نے طولان کی تائید کی۔  
"اور ہم جھوٹا وعدہ نہیں کرتے... یہ بات بھی ذہن میں رکھیں۔"  
"ٹھیک ہے... آپ کے پروفیسر صاحب ہمیں بتا دیں... چاہتے ہیں۔"

"آپ لوگ میرے ساتھ ان کمروں میں چلیں... مجھے جن چیزوں کی ضرورت ہوگی، میں آپ کو بتاؤں گا اور خود بھی چیزوں کا جائزہ لوں گا... جائزہ لینے کے دوران بھی تو کچھ چیزیں مجھے نظر آسکتی ہیں جو میرے کام کی ثابت ہو سکتی ہیں... آخر وہاں... تمام سائنسی آلات ہیں۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"تو پھر آئیے... پروفیسر داؤد نے ان سے کہا... پھر وہ اپنے ساتھیوں سے بولے۔"

"میرے ساتھ صرف جیرال آجائیں... کیونکہ یہ یہاں کے واقف ہیں... اور ہمارے دوست ہیں۔"  
"چلیے... میں تیار ہوں۔" جیرال نے فوراً کہا۔

پھر پروفیسر داؤد جیرال کو ساتھ لے کر ان تمام ماہرین کے ساتھ ان کی طرف چل پڑے... وہ انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔  
"آف تھی بیسٹ موت مرا ہے... یہ شخص۔"

"اللہ نے اچھا ہی کیا... ورنہ اس بگولے کی زد میں نہ جانے کون کون آتا... کون کون کس کس حد تک زخمی ہوتا... اس طرح بینک کی نہ بھٹکوی، رنگ چوکھا آگیا۔" فاروق نے خوشی کے عالم میں کہا۔  
"خیر یہ تو نہیں کہا جاسکتا۔" منور علی خان نے برا سامنہ بنایا۔  
"جی... کیا مطلب انکل؟" محمود چوٹکا۔

"بینک بھی لگی اور بھٹکوی بھی... یہ نئی رسی ایسے ہی تو نہیں بن گئی۔"

"اوہ ہاں واقعی... خیر اب ہم اس بات کو یوں کہیں گے... بینک تو لگی اور بھٹکوی بھی لگی، لیکن رنگ چوکھا آگیا۔" آفتاب نے شخ آواز میں کہا۔  
"لیجئے! اب محاورے بھی رنگ بدلنے لگے۔" آصف نے منہ

"محاورات ہی کی کیا بات ہے... یہاں تو انسانوں کے رنگ بدلتے ہیں... کیا تم نے سنا نہیں... اس کے چہرے پر ایک رنگ

آ رہا تھا تو ایک رنگ جا رہا تھا۔

”کس کے پیرے پر۔“ منور علی خان نے بے خیالی کے عالم میں

کہا۔

اور وہ ہنس پڑے۔

”میرا مذاق اڑا رہے ہو۔“ منور علی خان جھلکا اٹھے۔

”کیا کیا جائے انکل ... مجبوری ہے۔“ فاروق نے مسکمی صورت

بتائی۔

”مذاق اڑانے میں مجبوری کہاں سے آپہنچی۔“ منور علی خان نے

آنکھیں نکالی۔

”مجبوری کے آپہنکنے کی بھی ایک ہی کہی ... یہ تو کہیں بھی آپک

سکتی ہے ...“ فاروق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا چلو بتاؤ ... کیا مجبوری پیش آگئی۔“

”یہاں اڑانے کی کوئی اور چیز نہیں ہے نا انکل۔“

”دھت تیرے کی ...“ منور علی خان نے جھلکا کر اپنی ران پر

ہاتھ مارا۔

”ارے باپ رے ...“ محمود بوکھلا اٹھا۔

”لگ ... کیا ہوا۔“ منور علی خان ڈر سے گئے ... اس پر خان

رحمان نے ایک قہقہہ لگایا۔

”آپ کو کیا ہوا۔“ وہ فوراً ان کی طرف مڑے۔

”مم ... میرا مطلب ہے ... بلکہ نہیں ... محمود کا مطلب ہے ...

”نہیں اس کی روح آپ میں تو طول نہیں کر گئی۔“

”نہیں۔“ منور علی خان نے مارے خوف کے کہا اور اپنا بدن

ٹٹولنے لگے۔

”یار منور علی خان ... بدن کو تم ٹٹول تو اس طرح رہے ہو جیسے

روح کو ہاتھوں سے محسوس کر لو گے۔“ خان رحمان ہنسے ... اور منور علی

خان کھیانے انداز میں مسکرانے لگے ... پھر انہوں نے کہا۔

”تم سب بڑے وہ ہو۔“

”ہائیں انکل ... آپ خود کو ہم سے الگ کر رہے ہیں۔“

اس پر انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بھی ہنس پڑے ...

”اب تم مار کھاؤ گے۔“ انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

”آپ کہتے ہیں تو کھا لیتے ہیں ... ویسے تو ہم یہاں کچھ نہ کچھ

کھاتے ہی رہے ہیں ... مثلاً ہم نے خوف بہت کھایا ہے۔“

”پتا نہیں ... اب پروفیسر انکل ... اندر کتنی دیر لگائیں گے۔“

”کتنی دیر ہی کیوں نہ لگائیں ... اب ہمیں کیا جلدی ہے ...



## سب سے بڑا سوال

”گھبرانے والی کوئی بات نہیں ... سب خیریت ہے ... جس کمرے میں اس وقت پروفیسر انکل اور جیرال انکل ہیں ... وہاں کے آلات دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ہے ... اس قدر انتظامات کئے گئے ہیں کہ کیا بتاؤں ... انہیں فارغ ہو لینے دیں ... پھر ہم سب بھی ان کمروں کو اور ان میں نصب شدہ آلات کو دیکھیں گے۔“

”یہ ٹھیک رہے گا ... ہاں تو تم نے انہیں پیغام دے دیا۔“

”بالکل ... ان میں سے ایک نے کہا ہے کہ پانچ منٹ بعد لہریں ختم ہو جائیں گی ... پانچ منٹ بعد باقی لوگوں کو بھی میدان میں لایا جاسکے گا۔“

اور پانچ منٹ بعد انہوں نے ان لوگوں کو اندر آنے کے لیے کہا ... لیکن وہ برابر خوف محسوس کر رہے تھے ... کوئی ایک بھی اندر نہ آیا۔

شوکی کی آواز سنائی دی۔

”بالکل ٹھیک ... اب ہم اس میدان میں بیٹھ جاتے ہیں ... عام لوگوں کو بھی بٹھا لیتے ہیں ... لہروں کے جال کو اب ختم کر دینا چاہیے ... شوکی تم ذرا دوڑ کر جاؤ ... اور بہران کے سائنس دانوں سے کہو ... وہ میدان میں گردش کرنے والی لہروں کو ختم کر دیں تاکہ یہ بے چارے بھی ہمارے ساتھ آکر بیٹھ سکیں۔“ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کہا اور دوڑ لگا دی ... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی ... انہوں نے دیکھا ... اس کے چہرے پر بلا کی حیرت تھی ... لیکن اس حیرت میں خوف شامل نہیں تھا ... اب سب کی نظریں اس پر جم گئیں ... جیسے پوچھ رہے ہوں ...

”ایسا کیا دیکھ آئے ہو۔“

☆☆☆☆☆

”شوکی تم پھر جاؤ... اور تصدیق کر آؤ...“ فاروق نے کہا۔  
 ”پھر جانے کی کیا ضرورت ہے... ان میں سے کوئی نسخی سی کنکر  
 اندر پھینک کر دیکھ لیں۔“ شوکی نے منہ بنایا۔  
 ”تو اتنی بات کہنے میں منہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔“ فاروق  
 کا بھی منہ بن گیا۔

”اور تمہارا منہ جو بن گیا ہے۔“ شوکی مسکرایا۔  
 بس بس... لڑنے پڑنا... ہم پہلے ہی لڑ کر تھک چکے ہیں۔“  
 انیسویں جیشید نے گھبرا کر کہا۔  
 ”جی اچھا... آپ کہتے ہیں تو نہیں لڑتے... ورنہ لڑنے کا موسم  
 تو بن گیا تھا۔“ شوکی مسکرایا۔

”کیا کہا... لڑنے کا موسم... میں اس وقت یہ کہنا چاہتا تھا...  
 یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے... لیکن نہیں کہہ رہا ہوں... بلکہ میں یہ  
 کہوں گا تم شوق سے لڑو... کیونکہ تم تو میرے ایک ہاتھ کی بھی مار  
 نہیں ہو۔“ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

”اچھا... یہ بات ہے۔“ شوکی نے اسے گھورا۔

”ہاں! یہی بات ہے۔“ فاروق نے تیز لہجے میں کہا۔

”ہائیں... ہائیں... تم تو واقعی لڑنے پر تل رہے ہو۔“ آصف

گھبرا گیا۔  
 ”تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔“ فرحت مسکرائی۔  
 ”تو پھر تم بتا دو... گھبرانے کی بات کس میں ہے... میں اس

میں گھبراؤں گا۔“

”ہے کوئی تک۔“ شوکی نے منہ بنایا۔

”اچھا چپ... پہلے بے چارے عوام کو اندر آنے دو... آپ  
 میں کوئی ایک... ننھا سا کنکر اٹھا کر اس طرف اچھال دے... تاکہ پتا  
 چلے، لہریں ختم ہو گئی ہیں یا نہیں... کنکر پھینک کر خود فوراً نیچے بیٹھ  
 جائیں۔“

”جی اچھا۔“

انہوں نے کنکر پھینکا تو وہ واپس نہ گیا... اس کا مطلب تھا،

لہریں ختم ہو گئی ہیں...

”اب آپ لوگ بے دھڑک آ سکتے ہیں۔“

وہ سب اچھلتے کودتے شور مچاتے میدان میں آگئے اور آ آ کر ان  
 کے پاس بیٹھ گئے... ان کے چہرے دمک رہے تھے... آنکھیں چمک  
 رہی تھیں... وہ مستقل اداسی جو ان کی آنکھوں میں صاف نظر آتی تھی  
 ... پر لگا کر اڑ چکی تھی۔



”تو آپ سب لوگ بہت اچھا محسوس کر رہے ہیں۔“

”ہاں! اللہ کی مہربانی سے۔“

”بس... اب ان شاء اللہ بہت جلد ہم واپسی کا پروگرام شروع کریں گے اور آپ سب کو اپنے اپنے ملک بھجوادیں گے۔“

”اللہ کا شکر ہے۔“ ان سب نے کہا۔

”ہمارے پروفیسر صاحب یہاں اپنا کام مکمل کرنا چاہتے ہیں اور

بس... پھر واپسی کا پروگرام شروع۔“

”اس سے بڑھ کر ہمارے لیے خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے

کہ ہم اپنے گھروں میں پہنچ جائیں... یہ خواہش تو ہماری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن چکی ہے۔“

”لیکن آپ ان لوگوں کا کیا کریں گے۔“ ان میں سے ایک نے

ماہرین کے بارے میں پوچھا۔

”ان لوگوں کو... ان کے ملکوں کو بھیج دیا جائے گا... اس

سارے منصوبے کا اصل مجرم پروفیسر آشام تھا... اور اس کی مدد کی تھی

بیگل اور انشارجہ نے... ان لوگوں کو تو ماہرین ہونے کے ناطے ادھر

ادھر سے جمع کیا گیا تھا... ان کا جرم تو صرف بڑی سے بڑی عیش

و عشرت حاصل کرنا ہے... ہم چونکہ ان کی مدد سے یہاں سے آسانی

سے نکل سکیں گے... اور خود انہیں بھی یہاں سے رہائی مل رہی ہے۔ اس لیے یہ کوئی گڑبڑ بھی نہیں کریں گے... یہ جگہ تو اب اس قابل نہیں رہ جائے گی کہ یہاں رہا جاسکے۔“

”لیکن... کیسے جناب! آخر یہاں سونے کے پہاڑ ہیں... بیگل اور انشارجہ اس جگہ کو کیسے اپنے دماغوں سے نکال سکیں گے بھلا۔“

”ہاں! یہ اس وقت کا بہت بڑا سوال ہے... بلکہ وادی سبران کا سب سے بڑا سوال یہی ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”وہی تو ہم پوچھ رہے ہیں... اس سوال کا جواب کیا ہے۔“

”جواب ہی کی تو تلاش ہے۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”اس کا مطلب ہے... جب تک جواب نہ مل جائے... ہم

یہاں سے نہیں جائیں گے۔“

”نہیں خیر... یہ بات تو نہیں... سونے کے پہاڑوں کا مسئلہ

اگر ہم حل نہ کر سکے... تب بھی یہاں سے تو ہم جائیں گے... لیکن

اس صورت میں ہمیں پھر یہاں آنا ہو گا۔“

”لیکن جناب اس وقت تک تو یہاں بیگل اور انشارجہ پھر سے آ

چکے ہوں گے۔“

”ہاں! یہ سب باتیں ہماری نظر میں ہیں... فی الحال آپ لوگ

”ہم بھی پندرہ ہیں ... ایک ایک کے حصے میں ایک ایک راکڈوم

آہائے گا۔“ وہ مسکرایا۔  
”یہ کوئی کھانے کی چیزیں ہیں کہ ایک ایک لے لیں گے۔“ محمود

نے جھٹ کر کہا۔  
”مم ... مطلب یہ کہ سفر کرنے کے لیے۔“ آصف ہکلا یا۔

”اچھا بس چپ رہو۔“ محمود نے منہ بنایا۔

”کیوں بھائی ... کیا ہوا؟“

”بلاوجہ آئیں بائیں کر رہے ہو۔“

”ہائیں ... یہ میں آئیں بائیں کر رہا ہوں ... کیا واقعی۔“ اس

کے لہجے میں حیرت ہوئی۔

”سنو بھی ... اس طرف پٹرول پمپ موجود ہے ... میرا خیال

ہے ... ہم ان میں پٹرول بھر لیتے ہیں ... ایک راکڈوم میں تقریباً پندرہ

آدی آتے ہیں ... اس کا مطلب ہے ... ایک چکر میں صرف

225 آدی یہاں سے سفر کر سکیں گے ... جب کہ ان کی تعداد کم از کم دو

ہزار تو ضرور ہوگی ... گویا اس طرح دس چکر لگیں گے ... اور یہ کوئی

آسان کام نہیں ہے ... اس طرح یہ بہت صبر آزما کام ہوگا ... لیکن

بہر حال ہمیں کرنا ہوگا ... پھر مسئلہ کالا جنگل سے آگے کا بھی ہوگا ...

انتظار کریں ... پروفیسر داؤد واپس آئیں گے تو کچھ اندازہ ہوگا۔“

”تو آج جان ... اس وقت تک ہم راکڈوموں کا جائزہ کیوں نہ

لے لیں، ان میں قتل وغیرہ کیوں نہ بھر لیں ... تمام راکڈوموں کو تیار

حالت میں تو رکھنا چاہیے۔“

”یہ کام ہم کر لیتے ہیں ... آؤ چلیں۔“ انہوں نے کہا۔

”اور ہمارے لیے کیا ہدایت ہے۔“ ان میں سے ایک نے

پوچھا۔

”آپ سب لوگ یہیں رہیں ... ہمارے ساتھی آجائیں تو انہیں

بتا دیجیے گا کہ راکڈوموں کی طرف گئے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“

اب وہ سب اس سمت میں چلے ... فرزانہ پروفیسر داؤد کے

ساتھ پہلے بھی وہاں جا چکی تھی ... لہذا وہ سیدھے وہاں جا پہنچے ...

انہوں نے دیکھا، وہاں پورے پندرہ راکڈوم موجود تھے ...

”بھئی داد مزا آگیا۔“ آصف چہکا۔  
”وہ کیسے آگیا بھلا۔“  
”یہ پندرہ ہیں۔“  
”تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔“ فاروق نے اسے گھورا۔



ہمارا سڑکالا جنگل تک کا ہی تو نہیں ہے ... سب لوگوں کو وہاں سے آگے بھی لے جاتا ہے ... لیکن میرا خیال ہے ... کالا جنگل پہنچ کر ہم بہت کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

انہوں نے باری باری تمام راکڈوموں میں پٹرول بھر لیا ... پٹرول کا وہاں بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا ... لہذا اس بارے میں انہیں کوئی فکر نہیں تھی ... یوں بھی راکڈوموں میں پٹرول بہت کم خرچ ہوتا تھا ... اور انہیں پٹرول کے سلسلے میں کوئی پریشانی آنے کی امید نہیں تھی ... وہ اس کام سے فارغ ہو کر میدان میں آئے ... تو اسی وقت پروفیسر داؤد، جیرال اور باقی ماہرین آتے نظر آئے ... اس کا مطلب تھا، انہیں اپنے مطلب کی چیزیں مل گئی ہیں، لیکن دوسری طرف جب انہوں جیرال کی طرف دیکھا تو وہ بہت پریشان نظر آیا ... اس پر انہیں بہت حیرت ہوئی ... انہوں نے دہلی آواز میں انسپکٹر کامران مرزا سے کہا۔

”دیکھ رہے ہیں کامران مرزا۔“

”ہاں!“ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

”کیا دیکھ رہے ہیں۔“

”پروفیسر خوش ہیں اور جیرال پریشان ... جب کہ ایسا نہیں ہوتا چاہیے ... اگر پروفیسر صاحب کامیاب لوٹے ہیں تو جیرال کو بھی خوش نظر آنا چاہیے ... تب پھر وہ پریشان کیوں ہیں۔“

”بالکل ٹھیک ... اور یہ بات خطرے کی گھنٹی ہے ... لہذا پہلے ہمیں خطرے کی اس گھنٹی سے نبٹنا چاہیے۔“

”ہوں ... ٹھیک ہے ... پہلے صرف پروفیسر کو اپنی طرف بلا تے ہیں ... جیرال سے بعد میں بات ہوگی۔“

”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے کہا۔

انسپکٹر جمشید غیر محسوس طور پر پروفیسر داؤد کے پاس گئے اور انہیں کالٹی سے پکڑ کر ایک طرف لے گئے۔

”کیا بات ہے پروفیسر صاحب ... خیر تو ہے۔“

”بالکل خیریت ہے ... جن جن چیزوں کی مجھے تلاش تھی ... وہ سب مل گئی ہیں ... ایک بڑے بیک میں وہ سامان لایا جا رہا ہے۔“

انہوں نے پیچھے کی طرف اشارہ کیا ... ان میں سے دو آدمی سامان کا بیک اٹھائے چلے آ رہے تھے ...

”لیکن جیرال ہمیں خوش نظر نہیں آ رہا ... بہت پریشان دکھائی دے رہا ہے۔“

”اوہو اچھا... میں نے تو یہ بات محسوس نہیں کی۔“

”آپ کی نظر ابھی جاسوسی نظر نہیں بن سکی۔“

”ہاں! یہ تو خیر ہے... میں اپنے کاموں میں الجھا رہتا ہوں

ت۔“

”کوئی بات نہیں... آپ باقی ساتھیوں کے پاس چلیں... میں

جیرال سے بات کرتا ہوں... کیا یہ آپ کے ساتھ درست انداز میں

رہے ہیں۔“

”ہاں پوری طرح معمول پر رہے ہیں... انہوں نے کوئی گڑبڑ

نہیں کی۔“

”اچھی بات ہے... آپ چلیے۔“

اب وہ غیر محسوس طور پر جیرال کی طرف بڑھے... اور اس کے

ساتھ لگ کر چلنے لگے... پھر انہوں نے سرگوشی کی۔

”آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں... مسٹر جیرال۔“

”اس میں شک نہیں۔“ جیرال نے خشک انداز میں کہا۔

”اور اس کی وجہ؟“

”وجہ مجھے معلوم نہیں... اسی لیے تو میں پریشان ہوں، اگر وجہ

معلوم ہو جاتی تو پھر پریشان نظر نہ آتا۔“

”اوہ۔“ یہ تو مشکل بات ہو گئی... خیر... ہم آپ کی پریشانی

کی تلاش لے لیتے ہیں۔“

”کیا کہا آپ نے... پریشانی کی تلاش؟“

”ہاں! میرا مطلب ہے... آپ کی پریشانی کی وجہ معلوم کرنے

کی کوشش کر لیتے ہیں۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں... کر لیں تلاش۔“ جیرال زبردستی

مسکرایا۔

”آپ نے یہ پریشانی کس وقت محسوس کرنا شروع کی۔“

”جونہی ہم ان کمروں میں داخل ہوئے... میں پریشان ہو گیا۔“

اس نے بتایا۔

”خوب! اور ان کمروں سے واپس آ جانے کے بعد بھی پریشانی

موجود ہے۔“

”ہاں بالکل۔“

”پروفیسر صاحب نے جو چیزیں جمع کی ہیں... ان کے بارے

میں آپ کو معلوم ہے... یعنی ان کے جمع کرنے کا مقصد آپ کو معلوم

ہے۔“

”نہیں! میں نہیں جانتا... وہ کیا چیزیں ہیں اور وہ ان کا کیا



کریں گے... اس سلسلے میں وہ پریشانی ہرگز نہیں ہے۔“  
 ”ہوں... کیا یہ پریشانی ان ماہرین کے بارے میں ہے۔“  
 حیرال نے ایک نظر ان پر ڈالی... پھر اس کی آواز ابھری۔  
 ”آپ کے اس سوال نے پریشانی میں اضافہ کر دیا ہے۔“  
 ”اس کا مطلب ہے... آپ کی پریشان کا تعلق ان لوگوں سے ہے۔“

”اگرچہ میں نہیں جانتا کہ کیوں... لیکن یہ لگتا ہے کہ یہی بات ہے۔“  
 ”بس ٹھیک ہے... آپ نے ان میں سے کسی کو کوئی عجیب حرکت کرتے تو نہیں دیکھا۔“  
 ”اوہ... اب یاد آیا... انسپکٹر جمشید... کمال ہے۔“ حیرال مسکرایا۔

”کس کمال کی بات کر رہے ہیں۔“  
 ”میرا مطلب ہے... آپ لوگ واقعی کمال کے ہیں۔“  
 ”شکریہ... یہ سب اللہ کی مہربانی ہے... ہاں تو ان میں کسی کی کیا حرکت آپ نے دیکھی؟“  
 ”ان میں سے ایک صاحب ایک میز سے ٹکرا کر گرے تھے...“

”ہیں فوراً ہی اٹھ گئے تھے... اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ پریشانی میں نے اسی وقت سے محسوس کرنی شروع کر دی تھی۔“  
 ”ہوں... اور وہ کون تھا... جو میز سے ٹکرایا تھا اور کیا اس کمرے کا تعلق اس سے رہا ہے... یعنی کیا وہ اسی کا کمرہ ہے۔“  
 ”یہ بات مجھے معلوم نہیں... ہمیں ان کمروں میں جانے کی اجازت نہیں تھی... پروفیسر آشام نے کہا تھا کہ ان لوگوں سے آپ لوگوں کا کوئی تعلق نہیں... ان کا اپنا کام ہے... آپ دونوں کا اپنا... ہم نے کہا تھا کہ ٹھیک ہے... ہمیں تو اپنے کام سے کام ہے... اس لیے مجھے اور شنک کو یہ معلوم نہیں تھا کہ کون سے کمرے میں کون سا ماہر بیٹھا ہے... اور کون سا ماہر کس چیز کا ماہر ہے۔“  
 ”ہوں... اور وہ کون تھا... جو میز سے ٹکرا کر گرا تھا؟“  
 ”وہ... طولان تھا۔“

☆☆☆☆☆

## ہڑبونگ

انہوں نے ایک نظر جبرال پر ڈالی ... اس کے چہرے سے اب پریشانی کے بادل چھٹ گئے تھے ... گویا یہ بات بتاتے ہی وہ پرسکون ہو گیا تھا ... چنانچہ انہوں نے کہا۔

”بس ٹھیک ہے ... ہم اسے چیک کر لیں گے ... آپ فکر نہ کریں۔“

یہ ساری بات چیت اس انداز میں ہوئی تھی کہ ماہرین میں سے کسی نے کوئی بات محسوس نہیں کی تھی ... اب انہوں نے کہا۔

”کیا رہا پروفیسر صاحب۔“

”کامیابی میں کچھ وقت اور لگے گا۔“

”تو کیوں نہ ہم ان سب حضرات کو کالا جنگل تک بھیجنے کا پروگرام شروع کر دیں ... کیونکہ اس کام میں بہت وقت لگے گا ... یعنی کئی دن لگ جائیں گے ... یہاں دو ہزار کے قریب لوگ موجود ہیں ...

اور پندرہ راکڈوم ہیں ... ایک راکڈوم میں پندرہ آدمی سفر کر سکتے ہیں ... اس طرح اگر پندرہ کے پندرہ راکڈوم روانہ کیے جائیں ... تو ایک وقت میں سوا دو سو آدمی جائیں گے ... گویا دس چکر لگیں گے ... ایک چکر میں تقریباً سولہ گھنٹے لگیں گے ... گویا ... سولہ گھنٹوں میں دو سو آدمی اس طرف جائیں گے ... اس طرح کل 160 گھنٹے لگیں گے ... ایک سو ساٹھ گھنٹے کے تقریباً سات دن بنتے ہیں ... اس کا مطلب ہے ... ہمیں ایک ہفتہ کم از کم لگے گا کالا جنگل تک پہنچنے میں ... کھانے اور پینے کا بہت سامان یہاں موجود ہے ... وہ ہم ہر چکر میں ساتھ لے جائیں تاکہ جنگل میں رہنے کے دوران اس خوراک سے کام چلایا جا سکے ... اس طرح یہ ایک کافی طویل کام ہو گا اور صبر آزما بھی ... ابھی آگے کا مرحلہ بھی ہے ... یعنی کالا جنگل سے کسی دوست ملک جانا ... اس لیے یہ کام شروع کرتے ہیں ... آپ سب لوگ صبر کا مظاہرہ کریں گے ... اور سکون کا بھی ... آپ لوگوں کے اطمینان کے لیے یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ ہم آخر میں یہاں سے جائیں گے ... اس لیے امید ہے کہ آپ بد نظمی نہیں کریں گے ...“ یہ کہتے ہوئے انہوں نے سب کی طرف دیکھا ...

”آپ فکر نہ کریں ... ہم آپ کی ہدایات پر عمل کریں گے ...



مجبوری ہے۔“ کوئی بات نہیں جناب کوئی بات نہیں... ہم نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ رہائی کے لمحات ہماری زندگیوں میں آسکتے ہیں... ہم تو اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے... اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے... کم ہے۔“ اتنا کہنے کے بعد انہوں نے اس طرح چونک کر کہا جیسے اچانک کوئی بات یاد آئی ہو...

”ایک کام تو رہ ہی گیا مسٹر جیرال... ہمارے دوست۔“

”اور وہ کیا؟“

”آئیے میرے ساتھ۔“

انہوں نے جیرال کا ہاتھ تھام لیا... لیکن پھر کسی خیال سے رک گئے... انہیں خیال آیا تھا کہ طولان باریسی یہاں موجود ہے... اور چھوٹی پارٹی کو طولان والی بات معلوم نہیں... یہ سوچ کر وہ محمود کے قریب سے گزرے اور سرگوشی کے انداز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

”طولان پر نظر رکھنا، خاص طور پر یہ دیکھتے رہنا کہ کہیں ان

لوگوں سے الگ نکل کر نہ جائے۔“

یہ کیا کم ہے کہ آپ ہمارے لیے اتنا کر رہے ہیں۔“

”بس ٹھیک ہے... ہمارے ساتھی راکڈوم اڑا لیتے ہیں... جو اچھی طرح نہیں اڑا سکتے... انہیں ابھی تربیت دے دیتے ہیں... ویسے تو ان سب پر منزل پہلے ہی مقرر ہے... یہ یہاں سے سیدھے کالا جنگل جائیں گے اور کالا جنگل سے واپس آئیں گے... البتہ وہاں جا کر فرق یہ کہ اس گہری پہاڑی وادی میں اتارنے کے بجائے جنگل میں اتاریں گے... جن ماہرین نے یہ منزل مقرر کی ہے... وہ ان میں اب یہ تبدیلی کر دیں... کون ہیں اس کام کے ماہر۔“

ان میں سے پانچ ماہرین آگے آگئے... انہوں نے اطمینان کا سانس لیا... ان میں طولان باریسی نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے... ہمارے پروفیسر داؤد صاحب کی نگرانی میں آپ یہ کام کر لیں... تاکہ واپسی کا سفر شروع ہو سکے۔“

”ٹھیک ہے۔“

اور پروفیسر داؤد انہیں لے کر چلے گئے... انسپکٹر جمشید نے انسپکٹر کامران مرزا کو بھی ساتھ کر دیا کہ وہ کسی قسم کی کوئی گڑبڑ کا ارادہ رکھتے ہوں... تو وہ ان سے ہٹ لیں...

”دوستو... ہمیں ایک بار پھر کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا...“

محمود نے غیر محسوس طور پر سر ہلا دیا ... اب انسپکٹر جمشید جیرال کو ساتھ لیے سفید عمارت کی طرف بڑھے ... جب سب لوگ نظر دوں سے اوجھل ہو گئے ... انہوں نے کہا۔

”اس کمرے میں چلیں ... جس میں طولان میز سے ٹکرایا تھا۔“  
”اچھی بات ہے۔“

دونوں جلد ہی اس کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

”ہو سکتا ہے ... یہ کمرہ طولان کا ہو۔“

یہ کہہ کر وہ اس میز کے نزدیک آگئے ... انہوں نے اس کی درازیں کھول کر دیکھیں ... ان میں مختلف چیزیں بھری ہوئی تھیں ... میز پر پیغام رسانی کے آلات نصب تھے ... یہ آلات تو خیر انہیں ہر کمرے میں نظر آئے تھے ... یہ ایک دوسرے سے بات چیت کرنے کے آلات تھے۔

”آپ کو آخر تلاش کس چیز کی ہے۔“

”اس ٹرانسمیٹر کی ... جس کے ذریعے پروفیسر آشام ایکورم سے

بات کرتا تھا ... ارے ہاں ... ایک اور خیال آیا ہے ... ہو سکتا ہے، یہ کمرہ پروفیسر آشام کا رہا ہو اور طولان کو یہ بات معلوم ہو اور اس نے میز کی دراز سے وہ ٹرانسمیٹر نکالنے کی کوشش کی ہو۔“

”اوہ!“ جیرال حیران رہ گیا۔

”اور اگر ایسا ہی ہے ... تو پھر ٹرانسمیٹر اس کی جیب میں ہے اور وہ کسی وقت بھی ایکورم سے رابطہ کر کے یہاں کے حالات کی خبر کر سکتا ہے ... آئیں جیرال ... جلدی کریں ... ہم نے غلطی کی ...

طولان کو ان کے درمیان چھوڑ کر یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔“  
”لیکن انسپکٹر جمشید ... آپ انہیں خبردار کر تو آئے ہیں۔“

”ہاں! اللہ کرے وہاں حالات جوں کے توں ہوں۔“

دونوں تیز تیز قدم چلتے واپس میدان میں آگئے ... وہاں حالات جوں کے توں ہی تھے ... یہ دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا ... تاہم اب پریشانی والی بات یہ تھی کہ وہ ٹرانسمیٹر ان کے خیال کے مطابق طولان کے پاس تھا ... آخر انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں محمود کو پیغام دیا ... محمود ان کے پاس سرک آیا ... انہوں نے دوسروں کو ادھر ادھر کی باتیں شروع کرنے کا اشارہ کیا تو آفتاب بول اٹھا ...

”شکریہ بھئی ... سبھی کو مبارک ہو۔“

”یہ اکیلے اکیلے کیسی مبارک باد دی جا رہی ہے اور لی جا رہی

ہے۔“ فاروق نے نزدیک آتے ہوئے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”تم بھی آکر لے لو ... کوئی پابندی نہیں ہے۔“



”جب تو پھر ہم بھی آجاتے ہیں۔“ آصف نے فوراً کہا۔

”دیکھا... ذرا جو یہ صبر کر لیں۔“ مکھن نے بھٹا کر کہا۔

”اور تم... تم بڑے صبر کرنے والے ہونا۔“ آفتاب نے بھڑا

کر کہا۔

”میرے منہ نہ لگتا... ہاں۔“ فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

”تو اور کس کے منہ لگوں یہاں۔“

”یہاں اور تھوڑے ہیں۔“

”لگتا ہے... آج فاروق کا ہم سب کے ہاتھوں مار کھانے کا

ارادہ ہے۔“ آصف چیخا۔

”تم... تم اور مجھے مارو گے... تم تو مجھے ہاتھ ہی لگا کر دکھا

دو۔“

”یہ کیا مشکل ہے... لو ہم آرہے ہیں اور اب تو لگے ہاتھوں

تمہاری رنگائی بھی کریں گے۔“

”آئے بڑے رنگریز کے بچے۔“

”ہائیں... ہائیں... تم نے میرے انکل کو رنگریز کہا... تمہاری

یہ ہمت...“ یہ کہتے ہی آصف نے فاروق کی طرف دوڑ لگا دی...

فاروق بھڑک کر بھاگا... اور چلا یا۔

”تم اور مجھے پکڑ لو گے... ناممکن۔“

”اگر یہ بات ہے تو ہم بھی آرہے ہیں... تمہیں پکڑنے کے

لپے... ہاں نہیں تو اور کیا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی سب فاروق کی طرف دوڑ پڑے...

اسی بھاگ دوڑ میں انسپکٹر جمشید نے محمود سے پوچھا:

”طلوان نے ادھر ادھر ہونے کی کوشش تو نہیں کی؟“

”جی ہاں! کی تھی، وہ الگ جا رہا تھا مگر میں نے چونکہ اس پر

نظر رکھی ہوئی تھی اسی لیے میں بھی ٹہلتا ہوا ادھر چلا گیا۔ تو وہ تھوڑا سا

گڑبڑا سا گیا تھا۔“ محمود بولا۔

”میرا خیال ہے کہ اس کے پاس ٹراسمیٹر نما کوئی چیز ہے، اب

میں چاہتا ہوں کہ اس میں سے ہم اس کی بیٹری یا اٹینا نکال لیں تاکہ

وہ کام کرنے کے قابل نہ رہے... مگر رہے اس کی جیب میں ہی۔“ انسپکٹر

جمشید بولے۔

”ٹھیک ہے اسی ہڑبونگ میں گھس کر میں جاتا ہوں اس تک۔“

یہ کہہ کر محمود چلا یا۔

”فاروق میں آرہا ہوں تمہاری مدد کو... خود کو اکیلا نہ سمجھنا۔“ یہ

کہتے ہی محمود بھی اس طرف دوڑ پڑا۔ محمود کو گویا پر لگ گئے تھے... وہ

اڑا جا رہا تھا... ایسے میں اچانک اس کا رخ ان ماہرین کی طرف ہو گیا... وہ پہلے ہی حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ انہیں ہو کیا گیا ہے... اور پھر وہ ان کے درمیان گھس گئے... کوئی ادھر سے گھسا تو کوئی ادھر سے، کوئی ادھر سے نکلا تو کوئی ادھر سے... ایسے میں فرزانہ طولان ہارنسی سے اس بری طرح ٹکرائی کہ وہ دھڑام سے گرا... ساتھ ہی فرزانہ بھی دھڑام سے اس پر گری... اس کے پیچھے فرحت تھی... اس نے بھی ان سے ٹھوکر کھائی اور دھڑام سے فرزانہ پر گری۔

اتنے میں محمود دوسری طرف سے ان کی طرف آیا اور ان کے نزدیک ہی ٹھوکر کھا کر گرا... دوسری طرف سے آصف آرہا تھا... وہ بھی گرا...

”ارے ارے... یہ کیا ہو رہا ہے... میرا دم گھٹ جائے گا۔“  
طولان ہارنسی نے گھبرا کر کہا۔

”تم لوگوں نے سنا نہیں... مسٹر طولان نیچے دب گئے ہیں اور ان کا سانس گھٹ رہا ہے... فوراً ان کے اوپر سے ہٹ آؤ۔“ انسپکٹر جمشید چلائے۔

”مالائق کہیں کے۔“ خان رحمان نے جھل کر کہا۔

آخر خدا خدا کر کے وہ طولان کے اوپر سے اٹھے... اب ان سب کے چہروں پر شرمندگی تھی... ادھر طولان کا چہرہ مارے غصے کے سرخ تھا...

”آخر یہ سب کیا تھا۔“

”یہ ہڑبونگ تھی... ہم لوگ اسے ہڑبونگ کہتے ہیں... کبھی کبھار یہ ہڑبونگ ہمیں آلیتی ہے... ہم سب اس کا بری طرح شکار ہو جاتے ہیں۔“ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

”اور ساتھ میں دوسروں کو بھی اس ہڑبونگ کی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔“ اس نے بھٹنا کر کہا۔

”ہم... معافی چاہتے ہیں... بس آپ آگئے لپیٹ میں۔“  
وہ برا سامنہ بنا کر رہ گیا... ادھر انسپکٹر جمشید نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

”میں تم لوگوں کی ان بے کار کی حرکتوں سے تنگ آ گیا ہوں... چلو اب ادھر آ جاؤ... وہاں کھڑے کیا منہ تک رہے ہو ایک دوسرے کا۔“

”نچ... جی اچھا۔“

وہ جلدی سے اور بوکھلائے ہوئے انداز میں ان کے پاس



اسی وقت پروفیسر داؤد نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا... پھر انہوں نے کہا۔  
 ”اب واپسی کا پروگرام شروع کر دیا جائے۔“  
 ”بہت بہتر پروفیسر۔“

آخر کار واپسی کا پروگرام شروع ہو ا... پندرہ راکڈوموں میں 225 آدمی سوار ہو گئے اور ان کے دس ساتھی اور پانچ ماہرین انہیں لے کر روانہ ہو گئے... ان میں سے وہاں صرف انسپٹر جمشید، انسپٹر کامران مرزا، خان رحمان، پروفیسر داؤد رہ گئے... منور علی خان کو پہلی کپ کے ساتھ اس لیے بھیجا گیا تھا تاکہ جنگل میں وہ ان کے ساتھ رہیں... پہلی کھپ کو روانہ کرنے کے بعد انسپٹر جمشید نے پروفیسر صاحب سے کہا۔

”آپ اپنا کام شروع کر دیں۔“  
 ”اچھی بات ہے... مجھے بھی پھر اپنے ساتھ کچھ ساتھیوں کو لے جانا ہو گا۔“

”ہاں! آپ خان رحمان کو اور بچوں کو لے جائیں... میرا اور انسپٹر کامران مرزا کا یہاں رہنا بہت ضروری ہے۔“  
 ”اچھی بات ہے۔“

آگے... آئے بھی کچھ اس انداز میں کہ محمود تو انسپٹر جمشید سے ٹکرا بھی گیا۔ اور اسی وقت چپکے سے اس نے کوئی چیز انسپٹر جمشید کی جیب میں ڈال دی۔ اور انسپٹر جمشید سمجھ گئے کہ وہ کامیاب لوٹا ہے۔  
 ”اوہو... کیا ہو گیا ہے بھی... ذرا سنبھل کر۔“  
 ”آپ کا مطلب ہے... یہ سنبھل کر آپ سے ٹکرائے۔“ آصف نے حیران ہو کر کہا۔

”دھت تیرے کی۔“ انسپٹر جمشید نے جھٹکا کر کہا۔  
 ”بھئی واہ! یہ ہوئی نا بات۔“ محمود خوش ہو گیا۔  
 ”کیا مطلب... کیا بات ہوئی۔“  
 ”ابا جان بھی دھت تیرے کی کہنے لگے۔“  
 ”حد ہو گئی۔“ منور علی خان نے فوراً کہا۔  
 ”اور اٹکل حد ہو گئی کہنے لگے۔“ آصف مسکرایا۔  
 ”تو یہ ہے تم سے۔“ خان رحمان نے چیخ کر کہا۔  
 ”اور اٹکل۔“

”چپ۔“ انسپٹر جمشید چلائے۔  
 وہ سب سہم گئے...

”خبردار جواب کسی نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔“

اور پھر وہ جھپوں میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے ... اس طرح وہ پورا ہفتہ مصروف رہے ... پروفیسر داؤد کا کام بھی لمبا تھا ... اور لوگوں کو کالا جنگل پہنچانے والا کام بھی چھوٹا سا نہیں تھا ... آخر ایک ہفتے بعد پروفیسر داؤد نے اپنا کام مکمل کر لیا اور تقریباً سبھی لوگ کالا جنگل پہنچ گئے ... اب صرف وہ لوگ رہ گئے تھے ... طولان باریسی کو انہوں نے سب سے آخری کھیپ میں بھیجا تھا ... اب انہوں نے راکڈوم میں بیٹھ کر وادی بہران کو خدا حافظ کہا ... انسپکٹر جمشید نے اس موقع پر یہ الفاظ کہے:

”اللہ حافظ اے وادی بہران ... امید ہے، ہم زندگی میں پھر یہاں نہیں آئیں گے۔“

اور پھر راکڈوم پر واز کر گیا ... پورے آٹھ گھنٹے کے سفر کے بعد ... آخر وہ کالا جنگل پہنچ گئے ... کالا جنگل میں حالات پر سکون تھے ... وہاں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہیں تھی ... البتہ انتظار کی کیفیت نے ان سب کو پریشان کر دیا تھا ... انہیں دیکھ کر سب کے چہروں پر رونق آگئی ...

”بس دوستو! اب زیادہ وقت نہیں لگے گا ... کامران مرزا تم میرے ساتھ آؤ ... سب لوگ یہیں ٹھہریں۔“

دونوں بہت دور آ گئے ... تاکہ ان کی آواز کوئی اور نہ سن سکے ... وہ ابھی تک بہت احتیاط کر رہے تھے ... اگرچہ اب کوئی خطرہ دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا ...

انہوں نے اپنی گھڑی پر ایک ٹن دیا یا ... کچھ دیر ساں ساں کی آواز سنائی دی ... پھر ایک بار یک سی آواز ابھری۔

”یس سر ... بہت خوشی ہو رہی ہے۔“

”کیوں؟“

”آپ کی کال دیکھ کر۔“

”اوہ اچھا ... ہم ادھر آچکے ہیں۔“

”ٹھیک ہے ... ہم یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں ... شاید ایک

گھنٹے سے بھی کم وقت میں ادھر آجائیں گے۔“

”بہت خوب!“

اور پھر ایک گھنٹے بعد انہوں نے ایک بحری جہاز کو آتے دیکھ

لیا ... ان سب کے چہروں پر خوشی کے آثار پھیل گئے ... وہ دو ہزار

قیدی بری طرح اچھلنے کودنے لگے ... اب انہیں اپنی منزل واقعی قریب

نظر آنے لگی ... کیونکہ جہاز دیکھنے سے پہلے وہ مسلسل الجھن میں رہے

تھے ... اب آنکھوں میں امید ہی امید تھی ... رونق ہی رونق تھی ...



سب دوڑتے ہوئے ساحل پر آگئے ... ادھر سے لالچیں اتاری جا چکی تھیں ... جو کنارے کا رخ کر رہی تھیں ... اب ان سب کا لالچوں میں بیٹھ بیٹھ کر جہاز تک پہنچنے کا مرحلہ شروع ہوا ... یہاں تک کہ سب لوگ جہاز پر چلے گئے ... سب سے آخر میں یہ لوگ لالچ کے ذریعے جہاز کے عرشے پر پہنچے ... اور اب ان کا سمندر میں سفر شروع ہوا ... انسپکٹر جمشید وادی بہران کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ہی یہ تمام انتظامات کر کے گئے تھے ... جہاز کو کالا جنگل کے آس پاس ہی رہنا تھا ... اور اس انتظام میں سلطان برٹائی کے ایک ایسے دوست ملک کی مدد شامل تھی ... جو مسلمانوں کا بہت ہمدرد تھا ... اور اس کے دوستانہ تعلقات غیر مسلم ممالک سے تھے ... یہ ہمدردی بہت خفیہ قسم کی تھی ... یہ جہاز اسی ملک کا تھا ... اور اس کے کپتان کے پاس ان کے ملک تک جانے کے کاغذات تھے ... لہذا راستے میں کسی پریشانی کا کوئی امکان نہیں تھا ... گویا انہوں نے پہلے ہی پروگرام طے کر لیا تھا ... اور اندازہ لگا لیا تھا کہ ایسا ہونے کے امکانات ہیں ... اب ان کا سفر سمندر میں شروع ہوا ... جہاز پر ہر قسم کا اسلحہ لوڈ کر لیا گیا تھا ... گویا جہاز پر حملہ ہونے کے امکانات موجود تھے ... بحری ڈاکو بھی حملہ کر سکتے تھے ... اسی لیے وہ بہران سے تمام اسلحہ ساتھ لائے تھے اور اب یہ جہاز ایک جنگی جہاز

سے کم نہیں تھا ... اور ایک دو ماہ تک آسانی سے جنگ کر سکتا تھا ... یوں بھی عام اسلحے کے مقابلے پر اس پر وہ اسلحہ لوڈ کیا گیا تھا جو جنگ اور جہال جیسے لوگوں کو دیا گیا تھا ... ان میں وہ رائفلیں بھی تھیں جن سے نشانہ لینے کی ضرورت نہیں تھی ... جس سے نکلنے والی گولیاں چاروں طرف پھیل کر آگے جاتی تھیں ... ان حالات میں اس طرف سے بے فکر تھے ... حملہ ہونے کی صورت میں وہ بہت آسانی سے مقابلہ کر سکتے تھے ... بلکہ مقابلے میں آنے والے جہاز پر قبضہ کرنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا ...

اللہ کا نام لے کر وہ روانہ ہوئے ... موسم بہت خوش گوار تھا ... کسی طوفان وغیرہ کے آثار نہیں تھے ... تاہم طوفان آجاتا تو اس کے لیے بھی جہاز میں ضروری سامان موجود تھا ... ایک ہفتے کے سفر کے بعد انسپکٹر جمشید کی گھڑی اس قابل ہو گئی کہ اپنے ملک کی لہریں کیچ کر سکے ... ایسا ہوتے ہی انہوں نے صدر کا نمبر ملایا ... سلسلہ ملتے ہی صدر صاحب کی آواز سنائی دی ...

”خدا کی پناہ جمشید! اس بار تو تم نے ہمیں سکھا دیا ... میرا مطلب ہے ... انتظار کرتے کرتے ہم تو سوکھ ہی گئے تھے۔“

”اللہ کی مہربانی سے ہم اپنے ملک کی سمندری حدود میں داخل

ہو گئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہم مکمل طور پر کامیاب ہونے میں... پوری کہانی تو ہم آکر سنائیں گے... اب سونے کے سکوں کی بارش کرنے والے جہازوں کا کوئی خطرہ نہیں رہ گیا۔

”اللہ کا شکر ہے... قوم تم لوگوں پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔“

”سر! آپ ایسی بات نہ کہیں... شرمندگی ہوتی ہے۔“

”اچھا جمشید... کامران مرزا اور باقی لوگو... ہم تم لوگوں کا والہانہ انداز میں انتظار کر رہے ہیں... اور آپ ساحل پر ہمیں پائیں گے۔“

”ہمارے ساتھ سہرا کے ماہرین بھی ہیں... اور عوام بھی... ان سب کے لیے بڑی گاڑیوں کا انتظام کرنا ہو گا... یہ تقریباً دو ہزار ہیں۔“

”کوئی فکر کی بات نہیں... ان سب کو کہاں لے جایا جائے؟“

”پہلے تو انہیں کسی ہوٹل میں ٹھہرایا جائے گا... پھر باقاعدہ ایک تقریب منعقد کی جائے گی... یہ تقریب تمام ٹی وی چینل دکھائیں گے... پھر تقریب کے بعد ان لوگوں کو ان کے ملکوں میں بھیجنے کا انتظام کیا جائے گا۔“

”یہ سب ہو جائے گا... کیا وہ لوگ دوبارہ واپس اس پر قبضہ

نہیں کر لیں گے... ہماری سب سے بڑی الجھن تو یہ ہے۔“

”اس میں شک نہیں... وہ پھر سے سہرا پر بہت آسانی سے قبضہ کر سکتے ہیں۔“

”اوہ... اوہ... تب پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو جمشید... کہ تم مکمل طور پر کامیاب رہے ہو... ہاں یہ کامیابی اس حد تک ضرور ہے کہ تم ان لوگوں کو وہاں سے نکال لائے ہو... لیکن وہ لوگ پھر اپنا کام شروع کر دیں گے، ایک دن پھر سہرا سے سونے کے سکوں والے جہاز اڑیں گے اور سکوں کی بارش شروع کر دیں گے...“

”اس پہلو پر ہم سوچتے رہے ہیں... ہمارے ذہنوں میں جو باتیں ہیں وہ ہم آکر بتائیں گے... لہذا آپ کو کچھ دیر اور انتظار کرنا پڑے گا۔“

”انتظار... انتظار کی کوئی بات نہیں... وہ تو ہم پہلے ہی کرتے رہے ہیں... کچھ اور کر لیں گے... لیکن ذہن بہت الجھے ہوئے ہیں... اگر ان لوگوں نے پھر سے سہرا پر قبضہ کر لیا تو بات تو وہیں آجائے گی۔“

”جی ہاں! یہی بات ہے... لیکن آپ ہمیں پہنچنے تو دیں۔“

”اچھی بات ہے جمشید...“ انہوں نے کہا اور ادھر سے فون بند



کر دیا گیا...

ان کا سفر خیر و عافیت کے ساتھ جاری رہا... آخر وہ اپنے ملک کے ساحل کے قریب پہنچ گئے... ساحل پر ایک دنیا ان کے استقبال کے لیے آئی ہوئی تھی... جہاز کے نظر آنے کے بعد ہی سے ان سب نے پر جوش انداز میں ہاتھ ہلانے شروع کر دیے تھے... اب جوں جوں جہاز ساحل سے قریب ہو رہا تھا... ان کے جوش میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا... پھر جہاز نے لنگر ڈال دیے... کنارے سے اس جگہ تک... جہاں جہاز آکر رکا تھا، لکڑی کے بڑے بڑے تختے بچھے ہوئے تھے... فوج اور پولیس نے عوام کو بالکل الگ ایک طرف کھڑا کیا تھا... اس طرف صرف سرکاری افسران تھے... ان میں صدر اور چند بڑے لوگ ان تختوں کے ذریعے جہاز تک پہنچے اور سب لوگوں سے گلے ملے... ان سب کو مبارک باد گئی... پھر جہاز سے اترنے کا عمل شروع ہوا... سب سے پہلے ماہرین کو اتارا گیا... ان کے بارے میں پہلے ہی انسپکٹر جمشید ہدایات دے چکے تھے... کہ انہیں زبردست نگرانی میں لے جایا جائے گا... اور ایسا ہی کیا گیا... اس کے باوجود انسپکٹر جمشید ان کے ساتھ اترے اور اس بڑی گاڑی تک گئے... جس میں انہیں لے جایا جانا تھا... ان کے ساتھ ہی وہ بھی بیٹھے اور وہاں سے چلے گئے...

اس کے بعد عوام کو اتارا گیا... انہیں کئی بڑی گاڑیوں میں بٹھا کر محفوظ مقام تک لے جایا گیا... آخر میں انسپکٹر جمشید اور باقی ساتھی اترے... ان سب کو براہ راست ایوان صدر کے ایک بڑے ہال میں لایا گیا... یہ ہال تقریبات کے لیے خاص تھا... اب جو پروگرام بھی ہونا تھا... وہیں ہونا تھا...

انسپکٹر جمشید اور ماہرین کو بھی وہیں لے آیا گیا... کیمرے آن تھے... اس جگہ سے پورے ملک کو ہی نہیں... پوری دنیا کو یہ پروگرام دکھایا جانا تھا... پھر انسپکٹر جمشید کی آواز گونجنے لگی... پرسکون آواز... دلوں میں اترتی آواز... اور سب کو متاثر کرنے والی آواز... وہ کہہ رہے تھے...

”میرے وطن کے لوگو! اور مسلمان ممالک کے لوگو اور اے وہ لوگوں... جو مسلمانوں کے خلاف کسی نہ کسی صورت کسی نہ کسی طریقے سے، کسی نہ کسی سازش کی صورت میں سرگرم رہتے ہو... میں آج تم سب سے مخاطب ہوں اور بتانا چاہتا ہوں... اسلام امن کا پیغام ہے، سلامتی کا پیغام ہے... محبت کا پیغام ہے... خدا کے لیے اسلام کو سمجھو... کیوں اسے مٹانے پر تلے ہو... یاد رکھو... اسلام رہتی دنیا تک رہنے کے لیے آیا ہے... تمہارے مٹائے یہ کبھی نہیں مٹے گا... تم خود

مٹ جاؤ گے ... اس لیے ... اس سے پہلے کہ تمہارے مٹا دیے جانے کا وقت آجائے ... تم خود اسلام قبول کر لو ... یہ سازش بھی دراصل اسلام کے خلاف سازش تھی اور یہ سازش آشام کے دماغ میں اس وقت آئی جب وہ بہران کو دریافت کر کے اس کے بارے میں ایک کتاب لکھ چکا تھا ... کتاب تھی بہران کی دریافت کے بارے میں ... وہاں کے حالات کے بارے میں ... اور وہاں کیا کچھ ہے ، اس بارے میں تھی ... کتاب میں بہران تک جانے کا راستہ بھی درج تھا ... اس راستے کی تمام تفصیلات درج تھیں ... کتاب ”بہران میں چند روز“ شائع ہو گئی ... یہ نام بھی اس لیے بتانے کے قابل ہوا ہوں کہ کتاب کی ایک جلد بہران سے ملی ہے ... بعد میں جب ہم نے کمروں کی چھان بین کی تو وہاں سے دوسری چیزوں کے ساتھ یہ کتاب بھی ملی ... کتاب میرے ہاتھ میں ہے ... میں آپ سب کے سامنے کرتا ہوں ... آپ بھی اس کا سرورق دیکھ لیں ، اس کا نام دیکھ لیں ... اس کتاب کی فروخت کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا گیا تھا ... پھر جب پروفیسر آشام کے ذہن میں یہ شیطانی منصوبہ آیا کہ سونے کے پہاڑوں کے ذریعے یہ کام بھی لیا جا سکتا ہے ... تب اسے وہاں باقاعدہ ایک شہر بسانے کی ضرورت محسوس ہوئی ... اس کے بعد وہ یہ کر سکتا تھا کہ سونے کے ذخائر وہاں سے

اپنے ملک میں لے آتا اور وہاں سے یہ کام شروع کیا جاتا ... لیکن اس صورت میں بہت جلد منصوبے کے مرکز کا سراغ لگا لیا جاتا ... جب کہ بہران ایسی جگہ تھا جس کا سراغ لگایا ہی نہیں جا سکتا تھا ... وہ جگہ تو پوری دنیا سے بالکل الگ تھلگ ایک جگہ ہے ... اس طرح یہ منصوبہ شروع ہوا ... وہاں باقاعدہ ایک شہر بسایا گیا ... کام کاج کے لیے خادم رکھے گئے ... ان لوگوں کو بڑے بڑے لالچ دے کر وہاں لے جایا گیا ... اور وہ وہیں کے قیدی بن کر رہ گئے ... وہ بس ان سب کے خدمت گزار تھے ... کھانے بنانا ... دوسری چیزیں تیار کرنا ... اور اس سے بھی زیادہ اس جگہ کو پر رونق بنانے کے لیے ان لوگوں کو لے جایا گیا تھا ... چونکہ انہیں وہاں مستقل طور پر رہنا تھا ... اس لیے ڈبوں میں بند خوراک کب تک کھائی جاسکتی تھی ... لہذا طرح طرح کے کھانے بنانے کے ماہرین اور اسی طرح دوسرے کام کرنے والے وہاں جمع کیے گئے ... سب سے پہلے شہر تعمیر کرایا گیا ... خاص ماہرین کا قصبہ الگ بنایا ... ان کے ذریعے سے راکٹوموں کی کنٹرول کرنے کا کام لیا گیا ... سکے بنانے کی باقاعدہ فیکٹری قائم کی گئی ... سونا پہاڑوں سے کاٹا جاتا اور سکے بنائے جاتے ... ان سکوں کو راکٹوموں کے ذریعے مسلمان ملکوں پر نچھاور کیا جاتا ... یہ سب آپ لوگ آنکھوں سے ہوتا دیکھ چکے ہیں ۔ ”وہ



سائنس لینے کے لیے رکے۔

”ہمارے ملک میں ... بلکہ تمام اسلامی ملکوں میں یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی جب ان لوگوں نے کتاب کی آخری جلد تک غائب کر دی ... اب انہیں سونے کے سیکے گرانے میں کوئی مشکل نہیں تھی ... انہیں یہ ڈر نہیں رہ گیا تھا کہ اب کوئی سراغرساں ... ہم جیسے کوئی سر پھرے سہراں کا سراغ لگالیں گے ... یہ ان کے نزدیک گویا ناممکن تھا اور بات تھی بھی ایسی ہی ... لیکن جب اللہ تعالیٰ مدد کریں تو ہر ناممکن ممکن ہو جاتا ہے۔“

اس کے بعد انہوں نے اپنی مہم کے آغاز کا ذکر کیا اور واقعات اور حالات بتاتے چلے گئے ... انہیں اور ان کے ساتھ باقی دونوں پارٹیوں کو جو جو مشکلات ... پریشانیاں ، اور تکالیف پیش آئی ہیں ، وہ ان سب کو بیان کرتے چلے گئے ... یعنی ریاست برنائی جانا ... وہاں سے جزیرے تک کا سفر ... پھر ملک میں واپسی پھر سفر ... جزیرے کے بعد کالا جنگل میں جانا ... کالا جنگل کے ہولناک واقعات ... وہاں کے درختوں کی تفصیل اور پھر جنگیوں سے خوں ریز جنگ ... جنگ کے بعد جنگیوں کا فرار ... پھر گھوڑے سواروں کی آمد ... غرض تمام تفصیل بیان کرتے ہوئے پھر ملک میں ایک بار اور واپس آنا اور تیسری بار مہم

پھر برنائی کا سفر ... برنائی سے پھر جزیرے تک کا سفر اور وہاں سے کالا جنگل اور کالا جنگل کے کنارے گھوڑے سواروں کا گم ہونا ... جنگلی جانوروں کا سمندر میں جا گرنا اور غائب ہو جانا ... اس کے بعد انکا منور علی خان کی رسی کے ساتھ تجربہ کرنا اور رسی کا غائب ہو جانا ... اور آخر کار وادی سہراں کے لیے راستہ جس درخت میں بنایا گیا تھا ، اس درخت کا دریافت ہونا ... ان لوگوں کا بھی نیچے چھلانگ لگا دینا ... پہاڑوں کی وادی میں خود کو موجود پانا ... وہاں راکڈوم کا آنا ... راکڈوم میں ان لوگوں کا سوار ہو جانا ... اور پھر پائلٹ سے باتوں میں لگنا ... اس کے بعد پروفیسر داؤد کے ذریعے راکڈوم کا ریموٹ کنٹرول سسٹم کو ختم کرانا ... راکڈوم کو پائلٹ سمیت برنائی لے آنا ...

یہ تمام تفصیلات بیان کرنے کے بعد آخر انہوں نے کہا۔

”اور اس طرح ہم سہراں میں داخل ہو گئے ... داخل ہونے سے پہلے تک تو جیرال اور شنک کی ہر ممکن ڈیوٹی یہ تھی کہ ہم لوگوں کو سہراں کے راستے پر نہیں لگنے دینا ... لیکن جب ہم وہاں پہنچ گئے ... تب انہوں نے ہمیں جان سے نہ مار ڈالنے کا فیصلہ کیا اور سہراں کے کرتا دھرتا سے کہہ دیا کہ ہم لوگوں کو سہراں میں رہنے دیا جائے ... یہ لوگ سہراں کا کچھ بھی بگاڑنے کے قابل نہیں ہیں ... اور ہم وہاں رہنے لگے

... ہم نے پہلے دن ہی سونے کے پہاڑوں کا رخ کیا ... ان کا معائنہ کیا ... وہ خالص سونے کے پہاڑ تھے ... دھوپ میں فوراً گرم اور نرم ہونے لگے تھے ... وہاں کی دھوپ بھی بہت تیز ہے ... سونے کے پہاڑ سمندر کے عین کنارے ہیں ... اور سمندر اس جگہ بہت گہرائی میں ہے ... پہاڑ اونچائی پر ہیں ... جب ہم ان پر چڑھے اور ادھر سورج نکلا تو وہ فوراً ہی گرم ہونے لگے ... اس پر ہم نے فوراً واپسی کی کی ... دوسرے دن ہم اس وقت سے بھی پہلے وہاں گئے ... ہمیں جیرال نے دو کاریں دے دی تھیں ... ان کے ساتھ ڈرائیو ر بھی دیے تھے ... دوسرے دن ہم پہاڑ کے دوسری طرف اتر گئے اور سمندر کو قریب سے دیکھا ... پھر واپس لوٹے ... اس کے بعد بہران کے بازار بھی دیکھے ... دراصل ان لوگوں کا منصوبہ یہ تھا کہ آخر کو وہاں آباد ہونا ہے ... اس شہر کو مستقل ٹھکانا بنانا ہے ... روز روز ڈبوں کے کھانے نہیں کھائے جاسکتے ... لہذا ہر طرح کے بازار وہاں ہونے چاہئیں اور اس کی شروعات وہاں کر دی گئی تھیں ...

ہمیں بتایا گیا ... بہران میں ایک حصہ ایسا ہے ... جہاں عام لوگ جا ہی نہیں سکتے ... ادھر سے صرف جیرال اور شک ان کے پاس آتے ہیں ... ہم اس جگہ بھی گئے ... وہاں نشان دہی کر دی گئی ہے کہ

اس جگہ سے آگے نہ آیا جائے ... ہم نے کنگر پھینک کر دیکھا ... وہ واپس پلٹ آیا ... لیکن جیرال اور شک اندر چلے جاتے تھے ... انہیں کچھ نہیں ہوتا تھا ... وہاں دراصل ریڈ بائی لہروں کا جال بچھایا گیا تھا ... وہ لہریں اس طرف جانے والے کو واپس اچھال دیتی تھیں ... ہم نے غور کیا کہ جیرال اور شک کے پاس ضرور کوئی ایسی چیز ہے کہ اس کی موجودگی میں لہریں انہیں کچھ نہیں کہتیں ... آخر فرزانہ نے کام دکھا دیا ... اس نے جیرال کی جیب پر ہاتھ صاف کر دیا ...

اس لمحے جیرال مسکرانے لگا ... اب تو وہ ان کا ساتھی تھا ... ”اس طرح ہمارے ہاتھ ایک ٹن لگا ... مسٹر جیرال فوراً ہی اس ٹن کی تلاش میں واپس آئے ... لیکن وہ ہمارے پاس سے ٹن تلاش نہ کر سکے ... پھر اس ٹن کی مدد سے میں نے اس میدان میں داخل ہونے کا تجربہ کر لیا ... مجھے کچھ بھی نہ ہوا۔“

اس کے بعد انسپکٹر جمشید حالات کو مختصر طور پر بیان کرتے ہوئے آخر اس مقام پر آگئے جب وہ سب اس میدان میں پہنچ گئے ... اور پروفیسر آشام نے انہیں ختم کرنے کا حکم دے دیا ... اس وقت جیرال اڑ گیا ... اور سچ بات یہ ہے کہ اگر مسٹر جیرال ہمارے ساتھی نہ بن جاتے تو بہران کی فتح آسان نہ ہوتی ... جیرال کے ہمارا ساتھی بن جانے سے



بے بقعہ کر لیں گے اور اپنا پہلے والا کام شروع کر دیں گے ... کیا ایسا نہیں ہے جمشید ... اور اگر ایسا ہے تو کیا یہ ہماری کامیابی ہے ... کیا ہم اسے اپنی زبردست کامیابی کہہ سکتے ہیں۔“

”جی ہاں! ہم اسے اپنی زبردست کامیابی کہہ سکتے ہیں الحمد للہ!“

انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن کیسے؟“ بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

”وہاں سب سے بڑا اور سب سے خوفناک سوال ہی یہ تھا اور اسی سوال کا جواب تلاش کرنے سونے کے پہاڑ پر گئے تھے۔“

”کیا کہا... اسی سوال کا جواب تلاش کرنے؟“ صدر صاحب نے مارے حیرت کے کہا...

”جی ہاں ... ہمارے ساتھ آخر پروفیسر داؤد تھے ... اور آپ جانتے ہی ہیں ... یہ دنیا کے بہترین سائنس دانوں کے مقابلے میں بالکل بھی کم نہیں ہیں۔“

”اس میں تو خیر شک نہیں۔“ صدر صاحب مسکرائے۔

”بس تو پھر جب وہاں سب سے بڑا سوال ہی یہ تھا اور سب سے بڑے سائنس دان بھی ہمارے ساتھی تھے ... تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم سونے کے پہاڑ کو جوں کے توں وہاں موجود ہیں ... یہ لوگ پھر بہران“

بیس بہت مدد ملی ... ان کی طاقت کم ہو گئی ... اس لیے ہم مسز جیرال کے شکر گزار ہیں۔“

اس کے بعد جو کچھ میدان میں ہوا ... جس جس طرح لڑائیاں لڑی گئیں ... اس سب کی تفصیل انہوں نے سنادی ... پھر آخر میں شنگ کا مارا جانا اور شنگ کے بعد پروفیسر آشام کے بگولے سے کس طرح مقابلہ کیا گیا ... یہ تمام تفصیل جب انہوں نے سنائی تو پورا ملک تالیاں بجاتا نظر آیا ... پورے ملک میں بلکہ تمام اسلامی ملکوں میں خوشی کی لہریں پھیل گئیں ... اور غیر مسلم ممالک کے لوگوں کے چہرے ٹک ٹک گئے ... ادھر انپکڑ جمشید کا بیان جاری تھا ... وہ کہہ رہے تھے ...

”پھر ہم نے واپسی کا پروگرام ترتیب دیا۔“

اب انہوں نے اس پروگرام کی تمام تر تفصیلات بیان کیں ... لوگ انتہائی دلچسپی سے سن رہے تھے ... یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہہ کر اپنا بیان ختم کر دیا کہ آخر ہم سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں ... ان کے خاموش ہونے پر صدر صاحب نے فوراً کہا۔

”لیکن جمشید ... اگرچہ یہ بہت بڑی کامیابی ہے ... لیکن ہم سب لوگوں کے ذہنوں میں بہت خوفناک سوال یہ گونج رہا ہے ... کہ سونے کے پہاڑ تو جوں کے توں وہاں موجود ہیں ... یہ لوگ پھر بہران“

”اوہ... تب... تب... تب پھر آپ لوگوں نے کیا کیا؟“ بہت سی آوازیں ابھریں۔

”پروفیسر داؤد صاحب نے ان لوگوں کے کمروں سے بہت سے عددے... بڑے سائز کے عددے حاصل کر لیے... اور کچھ کیمیکلز سے ملا کر ایک نیا کیمیکل بنایا۔“

”عددے اور کیمیکل!“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

”جی ہاں! پروفیسر صاحب نے ان عددوں کو سورج کی شعاعوں کے سامنے اس طرح نصب کیا کہ عددوں کے درمیان سے سورج کی شعاعیں انتہائی باریک اور انتہائی تیز ترین ہو کر سونے کے پہاڑوں پر پڑیں اور پھر ایک راکڈوم کے ذریعے پہاڑوں پر اس کیمیکل کا اسپرے کرنا شروع کیا... اور۔“ وہ کہتے کہتے رک گئے۔

”اور کیا۔“ سب بے چین ہو گئے۔

”اور سونے کا پہاڑ بخارات بن کر فضا میں اڑنے لگا۔“

”کیا!!!“

وہ سب چلا اٹھے... مارے حیرت کے ان کا برا حال ہو گیا...

ان پر ایسا جوش طاری ہو گیا جیسے یہ سب کام انہوں نے خود کیا ہو۔

”اور... اور پھر کیا ہوا جمشید۔“

”ادھر یہ سب لوگ راکڈوموں کے ذریعے ادھر آ رہے تھے ادھر سونے کے پہاڑ بخارات بن بن کر فضا میں بکھر رہے تھے۔“

”کیا!!!“ مارے حیرت کے ان سب کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! یہی ہوا ہے... جب تک سونے کے پہاڑوں کا کوئی

بندوبست نہ ہو جاتا، ہم کس طرح واپس آ سکتے تھے... اس صورت میں تو اس ساری مہم کا سرے سے کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا... سہراں پھر سے

آباد کر لیا جاتا، لیکن اب یہ لوگ سہراں جا کر کیا کریں گے... اس قدر طویل فاصلے پر وہ بس زمین کا ایک ٹکڑا ہے... ایسے ٹکڑے تو جگہ

جگہ موجود ہیں، سہراں کی اہمیت تو سونے کے پہاڑوں کی وجہ سے تھی... ہاں تو پروفیسر داؤد صاحب کی محنت رنگ لائی اور پہاڑ ختم ہونے

لگے... یہ کام بھی چھوٹا نہیں تھا... اور سب لوگوں کو کالا جنگل تک پہنچانا بھی چھوٹا کام نہیں تھا... لیکن دونوں کام ساتھ ساتھ چل رہے... یہاں

تک کہ ادھر سہراں سے کالا جنگل تک لوگوں کو پہنچانے کا عمل مکمل ہوا،

ادھر پہاڑ غائب ہو گئے۔“

”نہیں۔“ سب کے منہ سے نکلا۔

”لیکن جمشید! یہ تو ٹھیک نہیں ہوا... اپنے ملک کے لیے تو سونا



لایا جا سکتا تھا... یا پھر راکڈوم میں جتنا سونا آسکتا... تم لوڈ کروا رہے۔“ صدر صاحب نے برا سامنہ بنایا۔  
 ”یہی تو کام کیا ہے ہم نے۔“  
 ”کیا!!!“ سب لوگ خوشی سے چلائے۔

”جی ہاں... وہ سارا سونا بحری جہاز پر ہم اپنے ملک لے آئے ہیں... اور وہ کوئی تھوڑا سونا نہیں ہے... آنکھ دس ٹن سونا تو ضرور ہو گا۔“  
 ”وہ مارا؟“ ان سب نے چلا کر کہا... اب انسپکٹر جمشید نے کہا۔

”مہم کے آخر میں ایک بات رہ گئی... سہراں پہنچنے کے بعد ہم پروفیسر آشام کی آواز سنتے رہے ہیں... ہم نے اسے دیکھا نہیں تھا... آخر میں جب فرزانہ اور پروفیسر داؤد صاحب نے راکڈوم کے ذریعے ایک کمرے کی چھت کو گرایا اور ان لوگوں نے محسوس کر لیا کہ ہم سب چھتوں کو گرا دیں گے تو پروفیسر آشام نے ان سب کو چیخ کر حکم دیا تھا... میدان میں نکل آؤ... سو سب لوگ فوری طور پر کمروں کو خالی کرتے ہوئے باہر آگئے تھے اور ساز و سامان سب اندر ہی رہ گیا تھا... جب سب باہر آگئے تو ہم نے پوچھا۔

”پروفیسر آشام... اب آپ بھی خود کو ظاہر کر دیں... آپ ان

ماہرین میں کون سے ہیں۔“

”پروفیسر آشام نے چالاکی کی اور خود کو چھپا لیا... یعنی اس نے خاموشی اختیار کر لی... اب ہم کیسے جان سکتے تھے کہ پروفیسر کون ہے... ہاں ہم اس کی آواز ضرور سن چکے تھے... اب فیصلہ کیا گیا کہ ان سب کی تلاشی لی جائے... اور ان سے سوالات کیے جائیں تاکہ باقی تلاشی کے دوران کوئی ایسی چیز جیب سے نکل آئے... جس سے معلوم ہو جائے کہ ان میں پروفیسر آشام کون ہے... یا پھر اس کی آواز سن کر اندازہ ہو جائے... لیکن نہ تو ان میں سے کسی کی جیب سے کوئی خاص چیز نکلی... نہ پروفیسر کی آواز سنائی دی، اس کا مطلب یہ تھا کہ پروفیسر آشام نے باہر آتے وقت جیب میں کوئی ایسی چیز نہیں رکھی تھی اور دوسرے یہ کہ وہ آوازیں بدلنے کا ماہر بھی تھا...“

یہاں تک کہ مسٹر جیرال بھی نہ جان سکے کہ پروفیسر آشام کون ہیں... جب ہم نے ان سب کو باندھنے کا پروگرام شروع کرنا چاہا تو ان میں سے ایک عجیب و غریب حلیے والے اور بہت قد آور شخص نے خود ہی اعلان کر دیا... میں ہوں پروفیسر آشام... اور تم مجھے باندھ نہیں سکتے، میں اور شنک تم سب کے لیے کافی ہیں... اس طرح پہلے شنک

سے جنگ ہوئی ... وہ بہت ہولناک جنگ تھی ... اس کی تفصیلات بعد میں آپ لوگ پڑھ ہی لیں گے ... کیونکہ اس پوری مہم کی پہلی پہل کی تفصیلات اخبارات والے شائع کریں گے ... آخر کار شک مارا گیا ... اس کی شکست میں ہمارے سب سے کمزور ساتھی اخلاق کا بہت بڑا ہاتھ تھا ... پہلی چوٹ اسے اخلاق احمد کے ہاتھوں نصیب ہوئی تھی ... خیر شک کے بعد پروفیسر آشام عجیب انداز میں مقابلے پر آیا ... اس نے ایک بہت خوفناک قسم کی جھرجھری لی ... جھرجھری لینے سے اس کا جسم بہت پھیل گیا ... تین گنا ہو گیا ... اس کے بعد وہ پھر کی طرح گھومنے لگا ... اس کے گھومتے ہوئے اب وہ دو حاری تلوار کی مانند ہو گیا ... گویا ہم اس کے مقابلے میں آتے تو وہ ہمیں کاٹ کر رکھ دیتا ... ایسے میں ہمارے دوست منور علی خان کا تجربہ کام آگیا ... ہم نے ان سب کو باندھنے کے لیے رسیاں منگوائی تھیں ... ریشم کی مضبوط ترین رسیاں تھیں ... منور علی خان نے ان لوگوں کی اوٹ میں رہ کر اپنی رسی تیار کرنا شروع کر دی ... ادھر ان لوگوں کو باتوں میں لگائے رہے ... پروفیسر آشام کو بھی ہم نے باتوں میں لگایا تھا، اسی طرح منور علی خان رسی تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے ... رسی کے سرے پر انہوں نے آنکڑے کی جگہ سونے کا ایک بڑا سا کٹا پھٹا سا ٹکڑا لگا لیا اور پھر ان کا

پہ ٹکڑا میدان کے اوپر گردش کرنے لگا ... اس کی ساں ساں گونجنے لگی ... پروفیسر آشام کو اس ہتھیار کا کچھ پتا نہیں تھا ... شک مارا جا چکا تھا ... کہ اسے بتا دیتا ... جیرال ہمارے ساتھی بن چکے تھے ... بس آنکڑا پھیلتا چلا گیا ... اس کا دائرہ بڑا ہوتا چلا گیا ... اور آخر وہ پروفیسر آشام کے گرد لپٹا چلا گیا ... پھر منور علی خان نے رسی کو اپنے طریقے سے جھٹکا دیا تو پروفیسر آشام اوپر اٹھتا چلا گیا ... انہوں نے دوسرا جھٹکا دیا تو وہ اس قدر زور سے تیر کی طرح سفید عمارت کی طرف گیا کہ کیا بتاؤں ... بس پھر وہ پوری قوت سے عمارت سے ٹکرایا اور اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ... یہ انجام تھا اس کا۔“

یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

”آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو ... آپ لوگوں نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے ... آپ سب پوری قوم کے محسن ہیں ... قوم آپ کی شکر گزار ہے ... پوری حکومت آپ کی احسان مند ہے ... بلکہ پوری اسلامی دنیا آپ لوگوں کی احسان مند ہے ... ہم سب اور پوری اسلام دنیا آپ کو سلام کرتی ہے۔“

”ایک منٹ صاحب صدر!“ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

☆☆☆☆☆



## آخری بات ہے

سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے ... پھر صدر صاحب کی آواز

ابھری۔

”میں چھوٹی پارٹی کی زبان میں کہتا ہوں ... یہ ایک منٹ کہاں

سے آپکا۔“

”بس یہ آخری بات ہے ... جو میں اس کیس کے سلسلے میں کرنا

چاہتا ہوں۔“

”گویا کیس کے سلسلے میں ابھی کوئی بات باقی ہے۔“ صدر

صاحب چونکے۔

”جی ہاں!“

”تو پھر ہو جائے آخری بات۔“ صدر صاحب خوش تھے۔

”یہ جملہ تو آپ نے اس طرح کہا ہے اٹکل صدر جیسے کوئی کسی

شاعر سے کہہ دیتا ہے کہ پھر ہو جائے تازہ غزل۔“ فاروق کی شوخ

آواز گونجی۔

اور سب مسکرا دیے ... ایسے میں انسپٹر جمشید کہنے لگے۔

”پروفیسر آشام کی آواز ہم اس وقت سے سننے لگے تھے جب

وادی سبران میں پہنچ گئے تھے ... اس نے خود ہی ہمیں مخاطب کیا تھا ...

اور پھر وہاں رہنے کے دوران مسلسل اس سے بات چیت ہوتی رہی،

اس لیے اس کی آواز ہمارے دماغوں میں رچ بس گئی تھی ... پھر جب

راکڈوم کے ذریعے ہم نے سفید عمارات سے ایک کی چھت تباہ کی تو

پروفیسر نے فوراً محسوس کر لیا کہ اب ان سب کو باہر نکلنا پڑے گا ورنہ

چھتیں ان پر آگریں گی اور وہ نیچے دب جائیں گے ... چنانچہ سب باہر

نکل آئے ... میدان میں آنے کے بعد پروفیسر آشام نے چپ سادھ

لی ... تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ پروفیسر آشام ان میں کون

ہے ... شنگ کے خاتمے کے بعد جب ہم ان سب کو باندھنے کا کام

شروع کرنے لگے تو پروفیسر نے سوچا ... اگر اس نے خود کو چپ چاپ

بندھوا لیا تو پھر وہ کچھ نہیں کر سکے گا ... لہذا اس وقت اس نے خود کو

ظاہر کر دیا اور یعنی ہمیں بتا دیا کہ وہ پروفیسر آشام ہے ... اور یہ کہ وہ

ہم سے لڑے گا ... ہمیں مزہ چکھائے گا ... اس کے ساتھ ہی اس نے

وہ جہر جہری لی تھی جس کا ذکر میں کر چکا ہوں ... اور پھر یہ بتا چکا ہوں

کہ اس کا مقابلہ کس طرح منور علی خان نے کیا اور یہ بات بھی درست ہے کہ اگر منور علی خان اپنی رسی اور آنکڑے سے اس کا مقابلہ نہ کرتے تو وہ نہ جانے ہم میں سے کتنوں کو زخمی کرتا... خیر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی... رحم فرمایا... اور اس کا خاتمہ ہو گیا... اس کے بعد ہماری ان لوگوں سے بات چیت ہوتی رہی... اس میں شک نہیں جو پروفیسر آشام مارا گیا... اس کی آواز بالکل وہی تھی جو ہم پہلے پروفیسر آشام کی سنتے رہے تھے... لیکن... میں نے پہلے والی آواز میں اور دوسری آواز میں ایک خاص فرق محسوس کیا... میں نے اشاروں میں انسپکٹر کامران مرزا کی توجہ اس طرف دلائی... انہوں نے بھی اشاروں میں میری تائید کی اور آخر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ... ”یہاں تک کہتے کہتے انسپکٹر جمشید رک گئے... انہوں نے سب حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی... اور اس کے بعد بھی کچھ نہ بولے... تو فرزانہ بری طرح بے چین ہو گئی... بے چینی تو خیر وہ سبھی محسوس کر رہے تھے... فرزانہ کچھ زیادہ ہی بے چین ہو گئی تھی... لہذا اس نے کہا۔

”آپ رک کیوں گئے ابا جان! ہم بہت بے چین ہو گئے ہیں۔“  
 ”اوہ ہاں! یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ تم بہت بے چین ہو چکے ہو گے... خیر میں وضاحت کرتا ہوں... میں اور کامران مرزا

دونوں آوازوں پر غور کر کے اس نتیجے پر پہنچے کہ پہلے والی آواز دوسری آواز سے مختلف ہے۔“

”کیا!!!“ سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو جمشید تم؟“

”سر! پہلے پروفیسر آشام کی جو آواز ہم سنتے رہے، سامنے آکر بات کرنے والے پروفیسر آشام سے وہ آواز مختلف تھی۔“

”مطلب یہ کہ جو پروفیسر آشام مارا گیا... وہ پروفیسر آشام نہیں تھا۔“

”جی ہاں! ہم یہی کہنا چاہتے ہیں۔“

”تب پھر اصل پروفیسر آشام کہاں ہے... یا کون ہے۔“ صدر

صاحب نے مارے حیرت کے کہا۔

”وہ انہی ماہرین میں موجود ہے... لیکن اب اس نے اپنی اس

آواز کو چھوڑ دیا ہے۔“

”اوہ... اوہ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

”اگر یہ بات ٹھیک ہے... اور پروفیسر آشام ابھی تک نہیں مارا

گیا اور وہ ان میں سے ایک ہے تو آپ کیسے معلوم کریں گے کہ وہ

کون ہے اور جب تک آپ یہ معلوم نہیں کر لیتے، اس وقت تک کیسے



اس کامیابی کو کامیابی کہا جا سکتا ہے۔" ایک وزیر نے کہا۔ وہ انپکڑ  
جمشید سے بہت حسد کرتے تھے۔

"جی ہاں! ہماری کامیابی ادھوری ہے جب تک ہم اصل مجرم کو  
نہ پکڑ لیں۔ لہذا ہم نے سوچا ہے۔۔۔ ان سب لوگوں کو فی الحال اپنا  
مہمان رکھیں گے۔۔۔ جب تک ہم اپنی تفتیش کے ذریعے ان میں سے  
پروفیسر آشام کو الگ نہیں کر لیتے۔۔۔ اس وقت تک یہ لوگ اپنے ملکوں  
میں نہیں جاسکیں گے۔"

"کیا!!! ان سب نے مارے پریشانی کے کہا۔۔۔ پھر ان میں  
سے ایک نے کہا۔

"لیکن جناب! اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔۔۔ آپ نے ہم سے  
وعدہ کیا تھا کہ اگر ہم نے آپ لوگوں کا ساتھ دیا۔۔۔ آپ کے ساتھ  
تعاون کیا۔۔۔ آپ کی معلومات میں اضافہ کیا تو آپ لوگ ہمیں اپنے  
ملک لا کر یہاں سے ہمارے ملکوں کو روانہ کر دیں گے۔"

"ہاں! ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں۔۔۔ لیکن مسئلہ پروفیسر آشام  
کا نکل آیا۔۔۔ دیکھیے نا۔۔۔ جب تک یہ معلوم نہیں ہو جاتا کہ آپ میں  
سے پروفیسر آشام کون ہے۔۔۔ ہم آپ کو کس طرح جانے دے سکتے  
ہیں۔۔۔ اس طرح تو پروفیسر آشام یہاں سے صاف بچ کر نکل جائے گا

... اور ہم کلیئر پٹتے رہ جائیں گے۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ آپ کی بات درست ہے۔۔۔  
ٹھیک ہے۔۔۔ آپ اپنی تحقیقات مکمل کر لیں۔۔۔ اور جب آپ یہ معلوم  
کر لیں کہ ہم میں پروفیسر آشام کون ہیں تو انہیں ہم سے الگ کر لیں  
... اور ہمیں اپنے گھروں کو جانے دیں۔"

"اب یہی کریں گے۔۔۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔۔۔ ہم یہ  
بات معلوم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔"

"لیکن کیسے جمشید!" صدر صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"پروفیسر آشام کے طور پر جو شخص مارا گیا۔۔۔ اس کی آواز میں  
فرق ہم نے محسوس کر لیا تھا۔۔۔ پروفیسر آشام کی آواز ہم سنتے رہے ہیں

اور وہ ان لوگوں میں موجود ہے۔۔۔ اب وہ لاکھ آواز بدلے۔۔۔ ہم جان  
لیں گے کہ وہ کون ہے۔۔۔ بس ہم باری باری ان کی آواز سنیں گے  
... ان سے سوالات کریں گے۔۔۔ اب ظاہر ہے، آپ لوگ اس  
کارروائی سے اکتا جائیں گے۔۔۔ لہذا آپ لوگ جانا چاہیں تو جا سکتے

ہیں۔۔۔ جب ہم فارغ ہو جائیں گے تو آپ لوگوں کو بلا لیں گے۔"

"نہیں جمشید۔" صدر صاحب نے فوراً کہا۔

"جی۔۔۔ کیا فرمایا آپ نے۔"

”یہ کہ ہم نہیں جائیں گے ... یہ ساری کارروائی اب ہمارے سامنے ہوگی۔“

”آپ کی مرضی ... لیکن اس میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔“

”کوئی پروا نہیں۔“

”میں اور کامران مرزا ان سے سوالات شروع کرتے ہیں ... صرف ایک ایک دو دو سوالات کریں گے اور ساتھ میں سوالات ریکارڈ بھی ہوں گے ... یعنی ہر ایک کا نام پہلے پوچھا جائے گا ... پھر سوال کیے جائیں گے ... اس کے بعد پھر نام پوچھا جائے گا اور سوالات کیے جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے ... کوئی حرج نہیں۔“

اب انہوں نے یہ کام شروع کیا ... وہ ایک ایک کا نام پوچھتے چلے گئے اور سوالات کرتے چلے گئے ... یہ بات چیت ریکارڈ ہوتی رہی ... آخر کار وہ فارغ ہو گئے ... اب انہوں نے ان سب کی آوازوں کو غور سے سننا شروع کیا ... سننے کے کام میں بھی انسپکٹر کامران مرزا ان کا ساتھ دے رہے تھے ... آخر انہوں نے سب کے الفاظ اور آواز کانوں سے بغور سن لیے ... اب وہ صدر صاحب اور باقی لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

”آخر کار ہم نے جان لیا کہ ان میں پروفیسر آشام کون ہے ... اور یہ کہ جو شخص مارا گیا، وہ پروفیسر آشام نہیں تھا ... اس شخص کا لڑکا تھا ... اپنی حفاظت کے لیے اس نے اسے پالا ہوا تھا ... جب وہ خود کو گھما رہا تھا، اس وقت اس کی نقلی آواز کنٹرول میں نہیں رہ گئی تھی ... لہذا اس کا پول اسی وقت کھل گیا تھا ... ہم نے جان لیا تھا کہ مارے جانے والا پروفیسر آشام نہیں ہے ... دیکھیے پہلے ہم آپ کو

پروفیسر آشام کی آواز سناتے ہیں ... جو ہم وادی سبران میں سنتے رہے ہیں پھر مارے جانے والے شخص کے جملے سناتے ہیں۔“ یہ کہہ کر انہوں نے گھڑی کا بٹن دبا دیا ... فوراً ہی پروفیسر آشام کے جملے سنائی دینے لگے۔ آشام کے بعد مارے جانے والے شخص کے جملے سنوانے لگے۔

”اوہ ... اوہ ... اس کا ... اس کا مطلب ہے ... یہاں موجود لوگوں میں مسٹر طولان باریسی دراصل پروفیسر آشام ہے۔“ مارے حیرت کے صدر صاحب کے منہ سے نکلا۔

”یہ بات ہم ثبوت کے ساتھ پیش کر چکے ہیں ... اس میں اب کوئی شک نہیں ... اور یہ بات بھی نہیں کہ پروفیسر آشام دراصل طولان باریسی کے میک اپ میں ہے ... جی نہیں ... طولان باریسی نام کا کوئی شخص وادی سبران میں تھا ہی نہیں ... جب ان لوگوں سے ان کے نام



حیرت تھی۔  
 ”بس ہمارے طریقے ہیں ... ہم ابھی سب کے سامنے یہ بات ثابت کر دیں گے۔“  
 ”کیا واقعی۔“  
 ”ہاں! ہاتھ کٹن کو آری کیا ... ہم یہ مسئلہ دو جمع دو چار کے تحت بھی ثابت کر سکتے ہیں ... اور یہ سب حضرات خود مانیں گے کہ ہاں واقعی ... یہی بات ہے۔“  
 ”آپ کا مطلب ہے ... ہنگ لگے نہ مہنگوی رنگ چوکھا آئے۔“ فاروق مسکرایا۔  
 ”ہاں! یہ بھی کہا جاسکتا ہے ... لیکن اگر ہنگ اور مہنگوی لگانا پڑ جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔“  
 ”اللہ اپنا رحم فرمائے ... کہیں محاورات کی رو ہم سب کو بہا نہ لے جائے اور ہم سب اصل بات سے دور نہ نکل جائیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا گھبرا گئے۔  
 ”لہذا پہلے اصل بات ... مسٹر طولان باریسی ... اگر پروفیسر آشام نہیں ہیں اور طولان باریسی ہی ہیں تو۔“ انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

پوچھے گئے تھے تو پروفیسر آشام نے اپنا نام طولان باریسی بتا دیا ... اور اس طرح یہ اب تک طولان چلے آرہے تھے ... اب آوازوں کے راز نے ان کا بھانڈا پھوڑ دیا ... ورنہ ہوتا یہ کہ یہ یہاں سے اتنا کچھ کرنے اور اتنا بہت کچھ ہونے کے بعد خیریت سے اپنے گھر پہنچ جاتے اور وہاں جا کر ہمارا خوب مذاق اڑاتے ... مذاق تو یہ خیر اڑا لیتے ... لیکن وادی بہران پھر سے نہیں بسا سکتے تھے۔“  
 ”اوہ ہاں!“ حیرت زدہ آوازیں ابھریں۔  
 ”مسٹر طولان باریسی! اب آپ کیا کہتے ہیں ... کیا آپ یہ بات تسلیم کرتے ہیں ... کہ آپ پروفیسر آشام ہیں۔“  
 ”میرے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے ... یہاں کی عدالتیں تو بہر حال انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے دلائل کو مانیں گی ... لہذا میں کہہ دیتا ہوں ... ہاں میں پروفیسر آشام ہوں۔“  
 ”گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ پروفیسر آشام نہیں ہیں۔“  
 ”ہاں ... میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔“  
 ”تب پھر ہمارے پاس دو اور طریقے ہیں جس سے ہم یہی بات ثابت کر سکتے ہیں۔“ انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے۔  
 ”کیا مطلب ... کون سے طریقے۔“ طولان باریسی کے لہجے میں

بیٹری محمود نے اس وقت نکال لی تھی جب ہڑبونگ کا فائدہ اٹھا کر یہ سب لوگ آپ سے نکلے تھے اور آپ کو چھاپ بیٹھے تھے... اسی لیے آپ بار بار کی کوشش کے باوجود بھی انشارجہ، بیگال یا ایکورم سے مدد حاصل نہیں کر سکے... ورنہ تو ہمارا سمندری سفر ہی دشوار ہو جاتا... اب ہم آپ کے پاس سے وہ ٹراسمیٹر برآمد کر کے یہ بیٹری اس میں لگائیں گے اور ثابت ہو جائے گا کہ یہ بیٹری بنی ہی صرف اس مخصوص ٹراسمیٹر کے لیے ہے کیوں کہ یہ کوئی عام بیٹری نہیں ہے... اور نہ ہی ٹراسمیٹر کوئی عام ہے۔ کہیے کیا کہتے ہیں اب آپ؟“ انپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے بولے۔

”آپ جیت گئے انپکٹر جمشید... میں نے آپ کی صلاحیتوں کے بارے میں بالکل غلط اندازہ لگایا تھا... جیرال نے مجھے سمجھایا تھا، لیکن میں نے اس کی باتوں کو ہوا میں اڑا دیا تھا... کاش میں تم لوگوں کو اسی وقت موت کے گھاٹ اتروا دیتا جب تم سہران میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔“

”اس وقت بھی تم ہمیں نہیں مروا سکتے تھے۔“ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”کیوں... کیوں نہیں... اس وقت تو یہ کام میرے لیے بہت

”تو کیا جمشید۔“ پردیفسر داؤد نے فوراً کہا۔

”تو مسٹر طولان یہ بتا دیں... وادی سہران میں آپ کی ڈیوٹی کیا تھی... آپ وہاں کیا کام کرتے تھے۔“

”اوہ!“ ان سب کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

بات بالکل سامنے کی تھی... ظاہر ہے... اگر طولان پردیفسر آشام ہی تھا تو وہ وہاں صرف حکم چلاتا تھا... اس کے ذمے تو کام نہیں تھا... طولان کے چہرے کا رنگ بالکل اڑ گیا... اور ان سب نے فوراً ہی جان لیا کہ طولان ہی پردیفسر آشام ہے... یہ دیکھ کر پردیفسر داؤد نے چپک کر کہا۔

”بہت خوب جمشید... اسے کہتے ہیں زبردست کاٹھین کا سر پر۔“

”لیجیے! اب انکل بھی ضرب المثل لے آئے اپنی بات میں۔“

آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

”کیوں بھی... کیا مجھ پر پابندی ہے۔“ انہوں نے برا سا منہ

بنایا۔

”مسٹر! اب آپ کیا کہتے ہیں۔“

”اور دوسرا طریقہ کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”آپ کے پاس جو ٹراسمیٹر موجود ہے اس کی بیٹری... اور یہ



آسان تھا۔"

"زندگی اور موت تمہارے بس میں نہیں... اللہ کے ہاتھ میں ہے... ہماری تو اس وقت موت کا وقت ہی نہیں آیا تھا... تم ہمیں نہیں مروا سکتے تھے... مگر تم یہ باتیں کہاں مانو گے... مانو، نہ مانو... تمہاری مرضی... ہم نے اپنی بات ثابت کر دی اور اس کے ساتھ ہی ہم کیس سے فارغ ہو گئے... لہذا ہم اجازت چاہیں گے... کیونکہ اتنی مدت تک اپنے گھروں سے دور رہے ہیں... ہمارے گھروں کا بھی ہم پر کوئی حق ہے... وہ ہمارے انتظار میں سوکھ رہے ہوں گے... لہذا اب ہمیں اجازت ہی دے دیں تو بہتر ہے۔"

"لیکن انکل۔" ایک ڈری ڈری سی آواز سنائی دی۔

"یہ کون بولا۔" انسپکٹر جمشید نے حیرت سے کہا۔

"یہ میں بولا انکل۔" ایک طرف سے شوکی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم یہ لیکن کہاں سے لے آئے بھائی؟"

"ایک بات مجھے سمجھ نہیں آرہی، جب یہ لوگ یہ چاہتے ہی نہیں

تھے کہ ہم سہراں پہنچیں تو ان کو پروفیسر داؤد کو اغوا کرنے اور انکل خان

رحمان کی جیب میں انکل جمشید کے لیے پرچہ چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی

کہ کالا جنگل آجاؤ، اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اور انکل کامران مرزا

پارٹی کو کیوں اغوا کروا کر اور کالا جنگل لے جا کر اس طرح چھوڑ دیا گیا۔"

"ہوں! بات میں وزن ہے، اور میں چاہوں گا کہ اس کا جواب

پروفیسر آشام دیں تو بہتر رہے گا۔"

"ہمارے پروجیکٹ میں ایک سائنسی رکاوٹ آرہی تھی جو ہمارے

ماہرین سے کسی طرح حل نہیں ہو پا رہی تھی، پھر ان ہی لوگوں میں سے

کسی نے کہا کہ شاید یہ رکاوٹ پاک لینڈ کے پروفیسر داؤد حل کر سکیں،

تو ہم نے سوچا کہ جب پروفیسر داؤد کو اغوا کیا جائے گا تو تینوں پارٹیاں

ہمارے خلاف نکل کھڑی ہوں گی... اس پر شک نے کہا کہ ان تینوں

پارٹیوں کو بھی کالا جنگل لا کر ان کا کانا نکال دیتے ہیں تاکہ اس

خطرے کا مکمل طور پر سدباب کیا جاسکے اور سہراں ہمیشہ کے لیے محفوظ

ہو جائے۔ میں نے اور شک نے مل کر اس پلان کی منظوری دے دی

اور اس پر عمل شروع ہو گیا۔ مگر جب جیرال وہاں آیا اور ہم نے اسے

اس پلان کے بارے میں بتایا تو اس نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ

...یہ ہم نے بہت بڑی غلطی کر دی... ہمیں آپ لوگوں کو کالا جنگل تک

لانا ہی نہیں چاہیے تھا... ابھی یہ بحث چل ہی رہی تھی کہ وہ مسئلہ حل ہو

گیا جس کے لیے پروفیسر داؤد کو لے جایا جا رہا تھا۔ تو جیرال نے کہا

کہ موقع اچھا ہے... ان لوگوں کو چھیڑنے کے بجائے بس کالا جنگل میں چھوڑ دیا جائے اگر یہ وہاں سے کسی طرح نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو ان کا نصیب اور اگر مارے گئے تو ہمارا مقصد خود ہی حل ہو جائے گا... اور کالا جنگل سے ہران کا راستہ تلاش کرنا ان کے لیے بہت مشکل ہے۔ لیکن شک آپ لوگوں کو مارنے کے حق میں تھا مگر جیرال نے ہم لوگوں کو قائل کر لیا اور اس لیے آپ لوگوں کو چھوڑ دیا گیا... میرا خیال تھا کہ آپ لوگ جنگیوں کی خوراک بن جائیں گے مگر آپ نے جس طرح سے ان کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی اس پر ہمیں لگا کہ جیرال کا ہی فیصلہ درست تھا۔“ پروفیسر آشام نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے شوکی کہ اب نہ صرف تمہاری بلکہ باقی سب کی الجھن بھی دور ہو گئی ہوگی اور اب ساری باتیں صاف ہو گئی ہیں لہذا اب ہمیں اجازت دے ہی دیں تو بہتر ہے۔“

”نہیں جمشید۔“ صدر صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔

”جی... کیا فرمایا آپ نے... نہیں جمشید۔“

”ہاں! میں نے یہی کہا ہے... نہیں جمشید۔“

”لیکن سر... اب آپ نے یہ کیوں کہا؟“ وہ پریشان ہو گئے۔

”ابھی پوری ایک فوج تمہاری منتظر ہے... اس فوج سے بنے

بغیر آپ لوگ اپنے گھروں کو نہیں جا سکتے۔“

”جی... فوج... کون سی فوج۔“ وہ گھبرا گئے۔

”میڈیا کی فوج... تمام اخبارات کے نمائندے اور تمام ٹی وی چینلوں کے نمائندے آپ سب کا گھیراؤ کرنے کے لیے بالکل تیار کھڑے

ہیں... ان کے سوالات کے جوابات دیے بغیر آپ کی دال نہیں گلے گی۔“

”ارے باپ رے۔“

اور واقعی جب وہ ایوان صدر کے بیرونی حصے میں آئے... تو انہیں میڈیا کے نمائندوں کی ایک بہت بڑی فوج ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس نظر آئی... ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ اس قدر تیاری سے آئے ہوں گے کہ انہیں فرار کے لیے کوئی راستہ نہیں ملے گا... اب وہ مجبور تھے... ان سے بچ کر جا ہی نہیں سکتے تھے... آخر ان کبھی نے ان سب کے سوالات کے جوابات شروع کیے... وہ بھی آخر نمائندے تھے... وہ تاہم توڑ سوالات کیے کہ اللہ دے اور بندہ لے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد کہیں جا کر انہیں نجات ملی... اور وہ ایوان صدر کی گاڑیوں میں جلوس کی شکل میں گھر کی طرف روانہ ہوئے... ظاہر ہے... اس وقت انہیں اسپیکر جمشید کے گھر جانا تھا... کیونکہ تمام



ریگمات اور دوسرے تمام افراد بہت پہلے ہی وہاں ڈیرہ وال چکے تھے... ایوان صدر سے انپکٹر جمشید کے گھر کا راستہ تیس منٹ کا تھا، لیکن آج یہ تیس منٹ کا راستہ بہت لمبا محسوس ہو رہا تھا... انہیں محسوس ہو رہا تھا، نہ جانے کیا بات ہے... آج گھر آنے کا نام ہی نہیں لے رہا... آخر خدا خدا کر کے وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئے... لیکن یہاں کا تو منظر ہی اور تھا... ان کی پوری گلی لوگوں سے بھری پڑی تھی... اور ان کا گھر انہیں دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا... لوگ درمیان سے ہٹتے تو گھر نظر آتا۔

”یہ... یہ سب کیا ہے۔“

”یہ سب آپ کے محلے اور آس پاس کے محلے کے لوگ ہیں... دراصل آپ لوگوں کا یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ آپ خود بھی نہیں سوچ سکتے... اخبارات پڑھیں گے تو پتا چلے گا... اسلامی ملکوں پر کیا گزرتی رہی ہے... انہیں کیا کیا کچھ نہیں کہا گیا... کیا کیا طعنے نہیں دیے گئے... آپ لوگوں کے ذریعے اللہ پاک نے وہ کام لیا کہ پوری دنیا کے اسلامی ملکوں کے آپ ہیرو بن گئے ہیں۔“

ایوان صدر سے جو آفیسر ان کے ساتھ آئے تھے... یہ الفاظ انہوں نے ادا کیے تھے... اور پھر لوگوں کے اس ہجوم کی مبارک بادیں

سمیٹتے سمیٹتے اور گھر کے دروازے تک پہنچتے پہنچتے... انہیں ایک گھنٹا اور لگ گیا... لیکن وہ مجبور تھے... لوگوں کے محبت بھرے جذبات کا جواب وہ پیار محبت سے ہی دے سکتے تھے... ان سب کا دلی شکریہ ہی ادا کر سکتے تھے... آخر کار وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئے... ایک بار پھر وہ حیرت زدہ رہ گئے... پورے گھر کو دلہن کی طرح سجایا تھا... اور برقی قلموں سے گھر میں بھی جگمگ جگمگ کر رہا تھا...

”یہ ان لوگوں نے کیا کیا... ہم تو اس قسم کی فضول خرچیوں کے قائل نہیں اور یہ بات ہماری بیگمات اچھی طرح جانتی ہیں۔“

”جی ہاں! انہوں نے یہ بات کہی تھی۔“ آفیسر نے کہا۔

”کیا مطلب... کون سی بات۔“

”یہی فضول خرچی والی بات... اور انہوں نے کہا تھا کہ آپ لوگ اسے پسند نہیں کریں گے... لیکن یہ کام آپ کے گھر والوں کا نہیں ہے۔“

”اوہ... تو یہ بھی صدر صاحب نے کرایا ہے۔“

”آپ غلط سمجھے!“ آفیسر مسکرایا۔

”تب پھر؟“ انہوں نے پوچھا۔

”یہ کام آپ کے محلے والوں نے زبردستی کیا ہے... وہ کہہ

”لیکن اس سے پہلے کہ محاورات کی جنگ شروع ہو اور ضرب  
المثال کے تیر چلیں ... استعارات کی تلواریں چلیں ... اور تشبیہات کے  
پھول کھلائے جائیں، کھانا کھا لیا جائے گا ... کیونکہ اتنے بہت سے  
کھانے ٹھنڈے ہو گئے تو انہیں کس طرح گرم کیا جاسکے گا بھلا۔“ بیگم  
جشید کی آواز سنائی دی۔  
”کوئی بات نہیں بیگم ... ہم ٹھنڈے کھانے ہی کھا لیں گے ...  
بہران میں ٹھنڈے کھانے ہی کھاتے رہے ہیں۔“ انسپکٹر جشید نے ہنس  
کر کہا۔  
”اوہو ... تو باتوں کے طوفان میں ضرور ہی پہلے گھرتا ہے ... یہ  
کام آپ لوگ بعد میں کرتے رہیے گا۔“ بیگم کامران مرزا نے جھٹکا کر  
کہا۔  
”ٹھیک ہے ... مشورہ نیک ہے ... ہمیں مان لینا چاہیے۔“  
اس پر سب نے رضامندی ظاہر کر دی ... اور کھانا شروع ہوا ...  
پروفیسر داؤد تو فوراً ہی پکار اٹھے ...  
”بھئی واہ ... ذائقہ ہو تو ایسا۔“  
”اور کاری گری ہو تو ایسی کہ آدمی انگلیاں چاٹتا رہ جائے۔“  
خان رحمان چلائے۔

رہے تھے ... بس یہ ہماری خوشی ہے ... ہمیں اس سے نہ روکیں ...  
آپ کو پتا ہے ... عوامی جذبات کیا ہوتے ہیں۔“  
”ہوں ... واقعی ... اچھا خیر ... کوئی بات نہیں۔“  
دروازہ بند تھا ... انہوں نے گاڑی سے اتر کر اپنے خاص انداز  
میں دستک دی ... اندر سے ایک نعرہ سنائی دیا۔  
”بچ گئے۔“  
اور پھر دروازہ کھل گیا ... جونہی دروازہ کھلا، ان کے منتھوں میں  
طرح طرح کی خوشبوئیں یک دم آئیں ...  
”ارے باپ رے ... اتنے بہت سے کھانوں کی خوشبوئیں۔“  
پروفیسر داؤد نے چپک کر کہا۔  
”بلکہ خوشبوؤں کا جھگھا۔“ خان رحمان ہنسے۔  
”اور طرح طرح کے کھانوں کا انبار۔“ منور علی خان نے جلدی  
سے کہا۔  
”لگتا ہے ... آج بیگمات نے اور بچوں نے ایڑی چوٹی تک کا  
زور لگا دیا ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے ہنس کر کہا۔  
”ایڑی چوٹی کا ہی نہیں ... دل اور دماغ کا زور بھی لگا دیا  
ہے۔“ محمود مسکرایا۔



”یہ آپ لوگ کھانا کھا رہے ہیں۔“ دوسری طرف سے پھر تھلائی ہوئی آواز آئی۔

”ہاں تو اور کیا... کھا ہی تو رہے ہیں... کھائے بغیر تعریف کیسے کی جاسکتی ہے۔“ انپکنز کامران مرزا نے کہا۔  
”کی تو خیر جاسکتی ہے۔“ انپکنز جمشید مسکرائے۔  
”وہ کیسے؟“ منور علی خان نے حیران ہو کر کہا۔

”جھوٹ موٹ کی تعریف۔“

”تو یہ ہے منور علی خان...“ پروفیسر داؤد نے فوراً کہا۔

”یہ تو خیر اچھی بات ہے...“ منور علی خان نے کہا۔

”کون سی بات بہت اچھی ہے۔“ پروفیسر داؤد نے فوراً پوچھا۔

”تو یہ ہے۔“ انہوں نے فوراً کہا۔

”لیجئے... بڑے میاں تو بڑے میاں... چھوٹے میاں

سمان اللہ!“ محمود نے چپکتی آواز میں کہا۔

”ہاں واقعی تمام بڑے آج ہمارے انداز میں باتوں پر تل گئے

ہیں۔“ آصف نے اس کی تائید کی۔

”اللہ کا شکر ہے۔“ شوکی مسکرایا۔

”اور تم نے اللہ کا شکر کس بات پر ادا کیا۔“ فاروق نے پوچھا۔

”اس بات پر کہ بڑے بھی کسی بات پر تل تو گئے... ورنہ یہ تو کسی صورت تلنے پر آتے ہی نہیں تھے۔“ شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

”یہ بات تو خیر نہیں... ہاں انکل جمشید اور انکل کامران مرزا کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے... ورنہ انکل خان رحمان اور

پروفیسر انکل تو عام طور پر ہمارے رنگ میں رنگے چلے جاتے ہیں۔“ محمود نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”اور تم نے انکل منور علی خان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔“

فرزانہ بولی۔

”یہ تو ہیں ہی کم گو... بات چیت میں بھی بہت کم حصہ لیتے ہیں

... محاورات اور ضرب المثال کے طوفان کے دھارے میں تو کبھی مشکل

ہی بہتے ہوں گے۔“ شوکی نے جواب دیا۔

”بس ہم سمجھ گئے۔“ دوسری طرف سے بیگم جمشید کی چلاتی آواز

آئی۔

”کیا سمجھ گئے آپ لوگ اور کیوں سمجھ گئے۔“ منور علی خان نے

بلند آواز میں گویا انہوں نے اس بات کا جواب دیا تھا کہ وہ بھی بات

چیت میں حصہ لے رہے ہیں۔

”ہم یہ سمجھ گئے کہ اب آپ سب باتوں کے دھارے میں بے

”بس تو پھر نتیجہ صاف ظاہر ہے۔“

”شک ... کون سا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔“

”یہ کہ کھانا یونہی دھرا کا دھرا رہ جائے گا ... اور ہم سب کو سب کھانوں کو پھر سے گرم کرنا پڑے گا ... کیونکہ اوون تو ہمارے گھر میں ایک ہی ہے ... بہت سے اور بہت بڑے بڑے اوون تو ہیں نہیں ... اور ہم اس بات سے گھبرا رہے ہیں۔“

”اوہ! اب بات سمجھ میں آئی ... کہ آپ کیوں گھبرا رہے ہیں ... لیکن آپ کا گھبراننا بالکل بے سود ہے ... فضول ہے ... بے کار ہے۔“ خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔

”بے شک۔“ پروفیسر داؤد نے فوراً کہا ان کی تائید کی۔  
”یہ اتنی بہت سی باتیں ... یعنی بے کار، بے سود اور فضول کیسے ہیں ... ذرا ہم بھی تو سنیں۔“

”اپنے اندرونی کمرے کا دروازہ ذرا سا کھولیں اور صحن میں پتھی لپی چوڑی کھانے کی میز پر نظر ڈال لیں ... آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم یہ بات کیوں اور کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے ... یہ کون سا مشکل کام ہے۔“ بیگم جمشید کی آواز سنائی دی ...

بغیر نہیں رہیں گے کیونکہ سب ایک دوسرے کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہے ہیں اور کوئی اپنے آپ کو روک نہیں رہا ... لہذا باتوں کا یہ طوفان آپ سب کو بہا لے جائے گا اور پھر صاف ظاہر ہے ... نتیجہ جو نکلے گا۔“ بیگم جمشید نے تھماتے ہوئے انداز میں کہا۔

”کیا نتیجہ نکلے گا۔“ وہ سب ایک ساتھ بولے۔

”ارے باپ رے! یہ سب تو ہمارے خلاف ایک ہو گئے۔“ بیگم کامران مرزا نے گھبرا کر کہا۔

”تو کیا ہوا ... آپ سب بھی ایک ہو جائیں ... روکا کس نے ہے۔“

”اوہو ... ہمارے ایک ہونے سے تو اور زیادہ کام خراب ہو جائے گا۔“

”وہ کیسے ... ان سب نے کہا۔“

”جب ہم بھی اس میدان میں اتر آئیں گے اور آپ تو پہلے ہی اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں تو ایک عالم گیر جنگ شروع نہیں جائے گی ... ہو جائے گی یا نہیں ... پہلے تو آپ یہ بتائیں۔“ خواتین کی طرف سے کہا گیا۔

”ہاں! ہو تو جائے گی۔“ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔



۲۲ ہندہ ناول کے ایک جھلکے

## سبران کا جھوٹ

### اشتقاق احمد

- ☆ انسپکٹر جشید نے اخبار میں ایک اشتہار کیا دیکھا کہ ان کی شئی گم ہو گئی۔
- ☆ وہ اشتہار انہیں ایک دوسرے ملک ڈونگ لے گیا۔
- ☆ ڈونگ میں کیا ہو رہا تھا۔
- ☆ ان کا قیام ہوٹل ساروکا میں تھا۔
- ☆ ہوٹل ساروکا میں ایک شوہونے والا تھا۔
- ☆ ایک سٹڈیم میں ایک عجیب ہولناک منظر دیکھنے کو ملے گا۔
- ☆ ایک بہت بڑے پنجرے میں ایک بھوکا شیر لایا گیا۔
- ☆ چار لڑکوں کو اس شیر کے آگے ڈالنے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔
- ☆ اور تقریباً دو لاکھ آدمیوں کا مجمع اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔
- ☆ اس لیے کہ یہ شوقانوں کی تھی۔
- ☆ ان حالات میں ایک آواز بلند ہوئی۔

اور پھر جو ان سب نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر دیکھا تو ان کے منہ سے ایک ساتھ بہت زوردار انداز میں نکلا۔

”ارے!!!“

کھانے کی میز بالکل صاف تھی... خالی برتن ان کا منہ چڑا رہے تھے... اور پھر ان کی جو کھی کھی شروع ہوئی ہے تو پھر اس نے نہ جانے کتنی دیر بعد رکنے کا نام لیا۔

